ریاض رضوان

جامع

خمریات ریاض

جناب سید نیاز احمد صاحب نیاز

تلمذ حسین

سلسلہ دائرۃ الادب

آتش گل تر

۱۳۵۱ھ

موسوم بہ

ریاض رضوان

جامع

خمریات ریاض

حسب ایماے

جناب سید نیاز احمد صاحب نیاز

(برادر خورد حضرت ریاض)

باعتناے

تمکین حسین

از حسن سعی کارپردازان

اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

بزیور طبع آراستہ گردید

سنہ ۱۳۵۷ھ سنہ ۱۹۳۸ء

قیمت [illegible]

جملہ صفحات (۸۴۲)

۷۸۶

خلاصۃ المطالب

ریاض رضوان

ضمیمہ

۷۸۶

پیشکش

بحضور فیض گنجور

عالیجناب خان بہادر راجہ محمد امیر احمد خان بہادر دام اقبالہ

والئے ریاست عالیہ محمود آباد۔ اودھ

بہم سحر و معجز در آمیختہ　　کزینساں نگارے برانگیختہ
چنیں نازپروری پیکرے　　سپردم بہ ہمچوں تو نیک اخترے
بشرطے کزاں چوں شوی بادہ نوش　　فراموشیت ناید از میفروش

گذارندہ

سید نیاز احمد نیاز

قدر افزائی

از
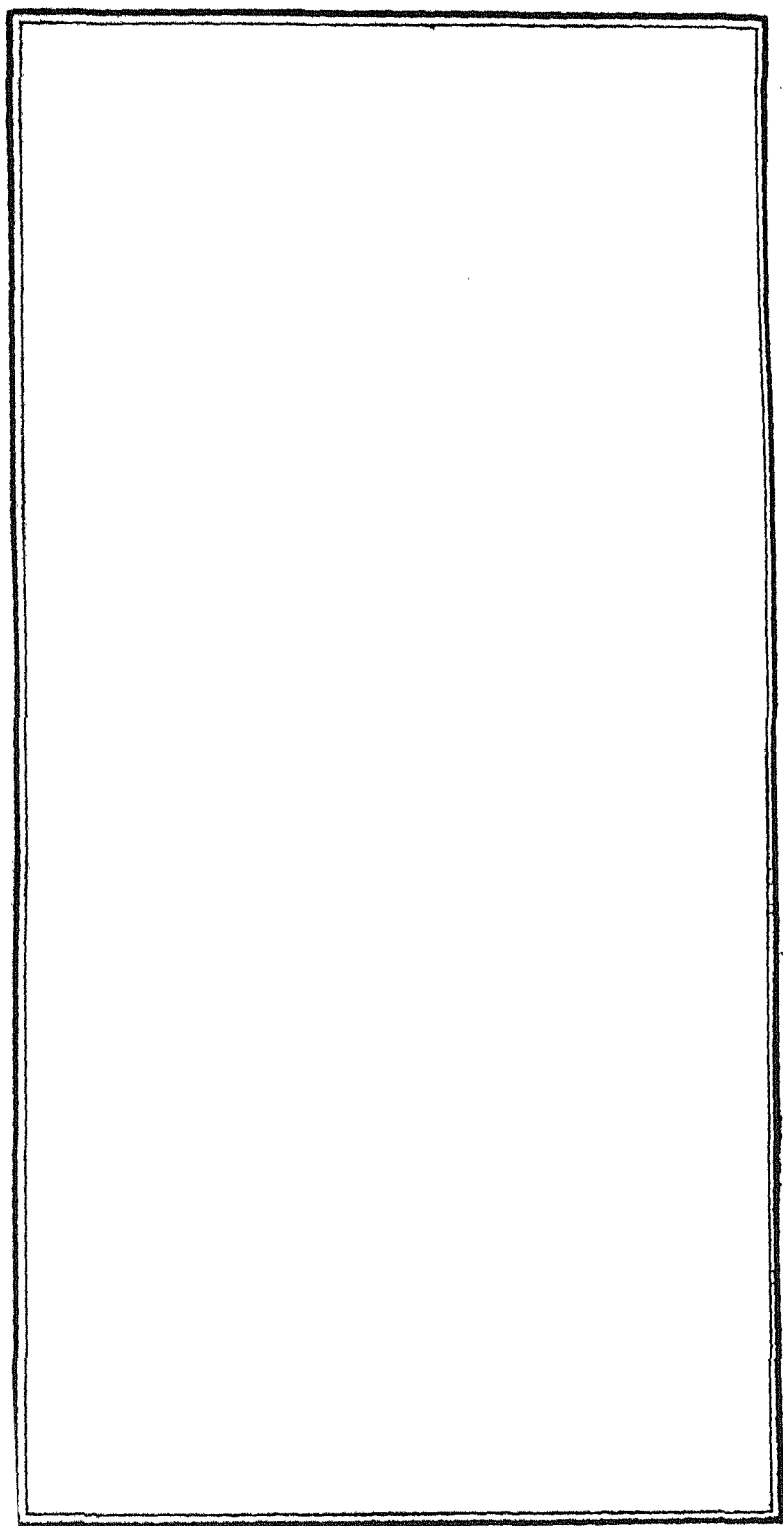
ہز اکسلنسی راجایان راجہ مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر دام اقبالہٗ

یمین السلطنت

المتخلص بہ

شاد

ریاض احمد ریاض خیر آبادی ہندوستان کے مشہور شعرا میں تھے۔ یہ امیر مینائی کے شاگرد تھے اور اپنے استاد سے خاص عقیدت رکھتے تھے جس کا اظہار انہوں نے اپنے کلام میں جابجا کیا ہے۔ ایک جگہ فخریہ کہا ہے

مست مینا ہوں پیا ہے میں نے جام امیر احمد مینائی کا

ان کا کلام ابتدا میں پنڈت رتن ناتھ سرشار (صاحب فسانۂ آزاد) کے ذریعے سے مجھ تک پہونچا تھا جو اپنی آخر عمر میں عرصہ تک میرے یہاں رہے۔ اسے تقریباً پینتالیس ۴۵ سال ہوئے۔ سرشار شاعری میں ریاض کے

برادرِ خواجہ تاش بھی تھے اور کلامِ ریاض کے دلدادہ بھی۔ ریاض کو مجھ سے خلوص تھا اور کبھی کبھی اُن کا خط بھی آتا تھا۔ ریاض الاخبار بھی عرصہ تک میرے پاس آتا رہا جس کو ریاض گورکھپور سے شائع کرتے تھے۔ اس اخبار میں اُن کی غزلیں بھی شائع ہوتی تھیں اور دو[2] رسالے فتنہ اور عطرِ فتنہ بھی ریاض کے اہتمام سے بہت ہی مختصر تقطیع پر نکلتے تھے جن میں کلامِ ریاض کے علاوہ اور شعرا کا منتخب کلام ہوتا تھا۔ ان کے یہ دونوں چھوٹے رسالے سلیم مذاق رکھنے والوں میں خاصے مقبول تھے اور اُن کے دیکھنے سے ریاض کی ذہانت و خوش مذاقی کا اندازہ ہوسکتا تھا۔ ریاض بھی اس ذرا سے فتنے کی مقبولیت سے واقف تھے چنانچہ کہا ہے ؎

فتنے کو پوچھتا ہے کوئی کس ادا کے ساتھ　　　چھوٹا سا وہ ریاض کا اخبار کیا ہوا

دیوانِ ریاض کے متعلق مدت سے سنا جاتا تھا کہ طبع ہونے والا ہے لیکن معلوم نہ ہوا کہ ان کی زندگی میں اس کے طبع نہ ہوسکنے کے کیا اسباب ہوئے اب قاضی تلمذ حسین صاحب نے جو ایک قابل اور خوش صفات آدمی ہیں اس بلدۂ فرخندہ بنیاد میں کلامِ ریاض طبع کرایا ہے۔ اس میں علاوہ غزلوں کے قطعات اور تاریخیں وغیرہ بھی شامل ہیں۔ جو مطبوعہ حصہ پیشِ نظر ہے اس کو جستہ جستہ دیکھا گیا۔ کوئی شک نہیں کہ ریاض بڑے خوشگو اور مشاق شاعر تھے۔ طبیعت خوب راہ دینے والی پائی تھی۔ خود بھی کہا ہے ؎

واہ کیا رنگ ہے کیا خوب طبیعت ہے ریاض　　　ہونز میں کوئی تمہیں پھولتے پھلتے دیکھا

یوں تو ہر شاعر تعلی کے شعر بھی کہتا ہے لیکن ریاض کے کلام کو دیکھنے والے

اس امر کا بخوبی اندازہ کر سکیں گے کہ ریاض کے ایسے اشعار محض شاعرانہ تعلی پر مبنی نہیں ہیں۔ زبان کی چاشنی کے ساتھ اندازِ بیان کی بے تکلفی کے بکثرت نمونے اُن کے کلام میں ملتے ہیں ؎

ہم نے بھی ریاض آپ کے اشعار سُنے ہیں یہ لطفِ بیاں لطفِ زباں ہو نہیں سکتا

یہ شعر بے تکلفانہ اندازِ بیان کے اچھے نمونے ہیں ؎

اپنی نگاہِ ناز سے برہم ہیں آپ کیوں کہیئے تو کیا ہوا کوئی ناوک خطا ہوا

مجکو تم کو غیر نے رسوا کیا کہہ بھی دو اچھا کیا اچھا کیا

کیوں قفس سے ہاتھ میں صیاد دیکھ مجھ کو لیا تیرے صدقے کیا کترنے سے کوئی پر رہ گیا

کس بے تکلفی اور خوبی کے ساتھ معشوق سے درخواست کی ہے ؎

لگا دو ذرا ہاتھ اپنی گلی میں جنازہ لئے دل کا ہم جا رہے ہیں

زبان کے بے تکلف استعمال کا یہ شعر عمدہ نمونہ ہے ؎

مزے لُوٹو کلیم اب بن پڑی ہے بڑی اونچی جگہ قسمت لڑی ہے

ریاض پر شباب کا رنگ ہمیشہ چھایا رہا۔ بڑھاپے میں بھی شباب کی باتیں کرتے گزری اور شاید اسی وجہ سے خود اپنے ہی قول کے مطابق وہ اکثر رونقِ محفل بنے رہے ؎

وہی شباب کی باتیں وہی شباب کا رنگ تجھے ریاض بڑھاپے میں بھی جواں دیکھا

جس انجمن میں بیٹھ گیا رونق آ گئی کچھ آدمی ریاض عجب دل لگی کا تھا

خمریات اُن کا خاص حصہ ہیں اور اس رنگ میں انہوں نے خوب خوب شعر کہے ہیں۔ کوئی غزل مے و مینا کے ذکر سے خالی نہیں ملتی۔ خمریاتِ ریاض کے

چند جرعے یہ ہیں ؎

یہ اپنی وضع اور یہ دشنامِ مے فروش — سُن کر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

توبہ سے ڈرایا مجھے ساقی نے یہ کہہ کر — توبہ شکنی کے لئے اصرار نہ ہوگا

وہ جانا مرا رُوٹھ کر میکدے سے — صُراحی کا مجکو وہ آواز دینا

تا صُبح میکدے سے رہی بوتلوں کی مانگ — برسیں کہاں یہ کالی گھٹائیں تمام رات

خانقاہوں سے ہو پوشیدہ تعلق جنکا — راستے ایسے گئے ہیں کئی میخانے کو

چھلکائیں لاؤ بھر کے گلابی شراب کی — تصویر کھینچیں آج تمہاری شباب کی

یہ سر بمہر بوتلیں ہیں جو شراب کی — راتیں ہیں ان میں بند ہماری شباب کی

اسی سلسلے میں جناب شیخ اور واعظ سے بھی چھیڑ ہو جاتی ہے ؎

تجھے جانا بھی ہے جنت میں اے واعظ جوان ہو کر — جو آیا ہے تو دیکھے جا ذرا تاثیر میخانہ

چھیڑ میں شوخی بھی ضروری ہے ؎

جناب شیخ اُلجھتے ہیں کس تعلق سے — یہ دُختِ رز کے کوئی رشتہ دار بھی تو نہیں

ریاض نے حقائق اور واقعات کا اظہار بھی کیا ہے اور خوب کیا ہے۔ یہ شعر حقیقت پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ دُنیا کی بے ثباتی کا کتنا عبرت انگیز خاکہ ہے ؎

ہوئے پست ایسے انکی خاک بھی اُڑتے نہیں دیکھی — رہے رہنے کو کتنے اس زمیں پر آسمان ہو کر

قفس کے مصائب سہنے کے بعد آزاد ہونے والے کے حالِ زار کا کیسا سچا نقشہ پیش کیا ہے ؎

کوئی سو بار اُڑے سو بار بیٹھے — قفس سے یوں ہم آئے آشیاں تک

یہ شعر تصوف کا رنگ لئے ہوئے ہے اور جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں کہ سراسر حقیقت پر مبنی ہے ؎

طریقِ عشق کے رہرو کبھی کبھی اب بھی | جنابِ خضر کو رستہ بتانے جاتے ہیں

دلِ گم گشتہ کی یاد آنے پر اس کا ذکر کس یاس سے کیا ہے ؎

اب کیا ملے گا آنسوؤں میں دل نکل گیا | وہ قافلہ بھی تو کئی منزل نکل گیا

مگر جب غمِ یار کا خیال آتا ہے تو دل کی گمشدگی کی چنداں فکر نہیں رہتی۔ غمِ یار زیادہ عزیز ہے ؎

کم بخت دل کی فکر کسے وہ گیا گیا | مجکو تو یہ پڑی ہے غمِ یار کیا ہوا

الغرض ریاض کے دیوان میں عمدہ اشعار کی کمی نہیں ہے۔ چند شعر بطورِ نمونہ لکھے جاتے ہیں اور ان پر اس مضمون کو ختم کیا جاتا ہے ؎

نشے سی جھکی پڑتی تھیں یونہی تری آنکھیں | چھیڑوں سے مری اور بڑھا بوجھ حیا کا

کعبہ سنتے ہیں کہ گھر ہے بڑے دانا کا ریاضؔ | زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہو گا

کوئی تو کوستا ہے اثر کو اٹھا کے ہاتھ | جاتا ہے آج نالۂ دل کچھ رکا ہوا

اثرِ اضطرابِ قیس نہ پوچھ | پردہ اُٹھ اُٹھ گیا ہے محمل کا

ضرور قصد کیا اُس نے بامِ لیلیٰ کا | بلند آج بہت قیس کا غبار گیا

ہنگامِ نزع گریہ یہاں بے کسی کا تھا | تم ہنس پڑے یہ کون سا موقع ہنسی کا تھا

وے گیا میں بھی طرح سوچ کے کچھ حشر کے دن | وہ بھی کچھ اپنی جفاؤں سے پشیماں نکلا

ہیں لاکھ دستِ حنائی سے اہتمام | جلتا نہیں چراغ ہمارے مزار کا

ریاضؔ موت ہی اس شرط سے ہمیں منظور | زمین ستائے نہ مرنے پر آسماں کی طرح

دامن میں پھول لے کے چلی تھی عدو کے گھر
حسرت پکار اُٹھی کہ ہمارے مزار پر

صُبحِ پیری آنکھ جب اپنی کھُلی تو یوں کھُلی
جیسے کوئی چونک اُٹھے خواب پریشاں دیکھکر

بڑھی اس دل کی بیتابی یہاں تک
ہمیں ہم ہیں زمیں سے آسماں تک

بہت ہے جم کو اپنے جام پر ناز
ذرا لانا مرا ٹوٹا ہوا دل

عنادل میں صبا میں چل گئی تھی
اُڑا دی بات پھولوں نے ہنسی میں

کلیم جا کے جہاں ہوش اپنے کھو آئے
وہاں تو روز ہم آنکھیں لڑانے جاتے ہیں

ہو کلیجا تو کرے غیر ہماری تقلید
لختِ دل آنکھ میں کچھ آنکھ کے آنسو دل میں

ذرا اُن سے یہ کہہ دو جو اُدھر چلمن کے بیٹھے ہیں
گلی میں رہنے والے وادیٔ ایمن کے بیٹھے ہیں

تیشہ بر دوش نظر آتی ہے شب کو اک شکل
روحِ فرہاد پھرا کرتی ہے کہساروں میں

بیٹھا ہے کوئی گیسوؤں کے بل نکال کے
عکس آئینے میں آئے ذرا دیکھ بھال کے

یہ اے صیاد رہ رہ کر چمکتی ہے کہاں بجلی
جہاں میرا نشیمن تھا وہیں معلوم ہوتی ہے

فقیر شاد یمین السلطنت

۱۶ جمادی الاول [illegible]

تقریظ مشتمل بر تاریخ

از

عالیجناب حافظ جلیل حسن صاحب جلیل

المخاطب بہ

نواب فصاحت جنگ بہادر

وہ ریاضِ سخنوری ذی ہوش — مست و مستی طراز و مستی کوش

عندلیبِ ریاضِ گویائی — جرعہ نوشِ شرابِ مینائی

یوسفِ کاروانِ شعر و سخن — طوطیِ بوستانِ شعر و سخن

شوخیِ طبع جنکی فطرت تھی — مستیِ عشق جنکی طینت تھی

اُن کا دیوان چھپ کے نکلا ہے — میکدہ کا جواب گویا ہے

ایک مدت سے لوگ تھے مشتاق — دیدہ و دل کو انتظار تھا شاق

قابلِ باکمال۔ فردِ انام — ہے تلمذ حسین جنکا نام

اُن کی سعیِ بلیغ کا احساں — ماننا چاہیئے کہ یہ دیوان

چھپ کے پیشِ نگاہ آ ہی گیا — اوجِ پر مثلِ ماہ آ ہی گیا

حیدرآباد میں ہوا مطبوع — کوکبِ بخت کا جہاں ہی طلوع

خاک جس کی ہے کیمیا تاثیر	ذرہ ذرہ خزینۂ اکسیر
مژدہ مستانِ جامِ معنی کو	مے پرستانِ رنگِ مینا کو
آئیں دیکھیں چھلکتے پیمانے	خوب لوٹیں لٹائیں میخانے
شعرِ مستانہ امتیازِ ریاض	مئے و میخانہ امتیازِ ریاض
خمریاتِ ریاض کے مخمور	ایک دو کیا ہزاروں اہل شعور
مستِ مے کر دیا جہاں بھر کو	خود لگایا نہ منھ سے ساغر کو
ہر غزل ایک میکدہ بردوش	جس کا ایمایہ ہے بیا و بنوش
اس جگہ چاہیے رقم ہو جلیل	کوئی تاریخ بھی بسطرِ جمیل
سال لکھ کر بڑھا دو نامِ ریاض	کیف افزا ہے کیا کلامِ ریاض

۱۳۵۷ھ

پیش لفظ

از

عالیجناب مفتی لطیف احمد صاحب رضا اختر مینائی

المخاطب بہ

نواب اختر یار جنگ بہادر

ہندوستان کے شعرا میں ریاض کا نام ایسی شہرت رکھتا ہے کہ تعارف کا محتاج نہیں۔ یہ حضرت والد ماجد امیر مینائیؒ کے ممتاز اور نامور تلامذہ میں تھے طبیعت خاص رنگ کی پائی تھی۔ شوخ طبعی اور رندانہ مضمون اُن کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے اُن کے ابتدائی اشعار میں سے ایک یہ شعر ہے ؎

شرماؤ ریاض میکشی سے لمبی داڑھی ہے ہاتھ بھر کی

ان کا اصلی وطن خیرآباد ہے جو مضافاتِ لکھنؤ میں ہے۔ زیادہ تر قیام ان کا لکھنؤ میں رہتا تھا۔ ابتدا میں ریاض مرحوم نے حضرت اسیر سے فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد حضرت امیر کے شاگرد ہوئے۔ اُن کو اپنے اُستاد سے خاص عقیدت تھی اور وہ بھی بہت شفقت فرماتے تھے۔

ریاض، شرر (مولوی عبد الحلیم) اور سرشار (پنڈت رتن ناتھ) ساتھ ہی شاگرد ہوئے تھے اور ان میں باہم ایسی رفاقت تھی کہ اکثر ساتھ رہتے تھے۔

ریاض کی شاعری چونکہ بلند اور زور کی تھی اُن کے یہ دونوں رفیق شاعری میں اُن کا ساتھ نہ دے سکے، نثر نگاری کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس میں دونوں نے بڑا نام پیدا کیا۔

ریاض نے گورکھپور میں قیام کیا اور وہاں سے ریاض الاخبار نکالا جس میں وقتاً فوقتاً اُن کا کلام بھی طبع ہوتا تھا۔ اس اخبار کی وجہ سے ریاض کی شہرت میں چار چاند لگ گئے۔ ریاض کی نثر بھی اُن کی شاعری سے کچھ کم دلکش نہ تھی۔ کئی ناول لکھے اور اخبار کے ساتھ شائع کئے۔ نظارہ، حرم سرا، تصویر انھیں کی شاخ قلم کی گلکاریاں ہیں اس کے ساتھ ہی شاعری کا سلسلہ بھی برابر قائم رہا۔ ریاض کی اچھی خاصی شہرت ہو چکی تھی اور ان کا کلام خاص رتبہ حاصل کر چکا تھا لیکن پھر بھی وہ بغیر اُستاد کو دکھائے اپنا کلام شائع نہ کرتے تھے اور جب تک حضرت امیر بقید حیات رہے پابندی سے، اپنا کلام بغرض اصلاح بھیجتے رہے۔ میں نے حضرت والد ماجد کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''ریاض اصلاح کے قدرداں ہیں لہذا اُن کا کلام بہت توجہ سے دیکھنے کو جی چاہتا ہے''

ریاض کی طبیعت میں رنگینی اور شوخی کے ساتھ لااُبالی پن بھی تھا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ بڑے مستغنی المزاج تھے اپنے کلام کو جمع کرنے کا کبھی خیال نہیں کیا اور لوگوں کو بہت سے شعر اور غزلیں کہہ کر دیدینے میں کبھی بخل نہیں کرتے تھے۔ جب لوگوں نے دیوان طبع کرانے کے لئے تقاضا کیا تو اُن کے پاس کچھ بھی نہ نکلا اُن کا کلام اخباروں، رسالوں اور احباب کی بیاضوں میں جابجا منتشر تھا۔ اُن کے احباب اُن کی شاعری کے بے حد گرویدہ اور قدرداں تھے۔ ان لوگوں نے بڑی کوشش سے پراگندہ کلام جمع کر کے دیوان کی صورت قائم کر دی اور اُس کو چھپوا لئے

ان کے بعد بعض احباب متوجہ ہوئے اور اس کی طباعت کا آغاز بھی کیا مگر کام نہ چل سکا۔ جناب قاضی تلمذ حسین صاحب رکن دارالترجمہ سرکار آصفیہ نے۔ جو ریاض مرحوم کے محب صادق اور کلام ریاض کے شیدائی ہیں بڑی ہمت کی کہ اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور الحمدللہ کہ اُن کی سعی سے حیدرآباد دکن میں دیوان ریاض مکمل طور سے طبع ہوگیا۔ قاضی صاحب کا یہ کارنامہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ ریاض کا کلام بہت کثیر اور دیوان ضخیم ہے اور کوئی شک نہیں کہ اس میں بہت سے نایاب جواہر ہیں خصوصاً خمریاتِ ریاض اور یہ خاص گویائی ریاض کا حصہ سمجھی جاتی ہے۔ آئے جاتے ہیں سمجھائے جاتے ہیں کی طرح میں شعرا نے بہت طبع آزمائی کی ہے مگر ریاض کے اس شعر نے ایک کیف جُداگانہ پیدا کر دیا ہے ؎

کیا کیا خوشامدیں ہیں کہ پی لوں بہار میں | بادل کے ٹکڑے سر پہ مرے چھائے جاتے ہیں

شوخی کے ساتھ نازک خیالی اور جدّت بھی اُن کے کلام میں ہے ؎

رخِ پُرنور میں جگہ تھی کہاں | رکھنے والے کو دیکھئے تل کے

یہ تشبیہ کس قدر پیاری اور نازک ہے ؎

آگیا ہے دمِ فریاد کلیجا مُنہ کو | پنکھڑی پھول کی منقارِ عنادل میں نہیں

ایک غزل کے یہ دو شعر کیسے لطیف اور برجستہ ہیں ؎

جوش مے اور سبزہ زاروں میں گھٹا چھائی ہوئی | بات ایسی ہے کہ توبہ بھی ہے للچائی ہوئی
ہائے کیا جھٹ پٹ قفس میں بال و پر پیدا کئے | جب سُنا ہم نے کہ جاتی ہے بہار آئی ہوئی

یہ رندانہ شعر ہزار شعروں کے برابر ہے ؎

ایک غزل کے یہ دو شعر بھی قابل دید ہیں۔

کچھ بھی آیا نہ تجھے خاک اڑانے کے سوا — منہ نہ کھلوا مرا اے بادِ صبا رہنے دے

خُم مے لے کے نہ اُڑ جائیگا اے پیرِ مغاں — ابرِ رحمت جو جھکا ہے تو جھکا رہنے دے

یہ مصرع جب دکن سے پہنچا۔ ع۔ یہ چوٹی کس لئے پیچھے پڑی ہے۔ تو ریاض نے خفیف سے تصرف کے ساتھ مصرع لگایا اور عجیب مضمون پیدا کیا ؎

رہے سینہ تنا لنگر سے اس کے — یہ چوٹی اس لئے پیچھے پڑی ہے

اسی زمین کا ایک اور شعر بھی قابل داد ہے ؎

میں رکھ لوں ریزۂ مینا کو دل میں — ارے کس پھول کی یہ پنکھڑی ہے

ان کے یہاں ہر زمین میں دو چار شعر ضرور رندانہ رنگ کے ہیں اور ان میں یہ عجیب وصف تھا کہ کیسی ہی نامناسب اور خشک زمین کیوں نہ ہو وہ رندی اور مے و مینا کے شگفتہ مضامین اس میں پیدا کر لیتے تھے۔

مجکو بھی انتظار تھا ابر آئے تو پیوں — ساقی اگر یہ سچ ہے کہ بادل اٹھا تو لا

یہ اشعار کس قدر بلند ہیں ؎

بہار آتے ہی پھولوں نے چھاؤنی چھائی — کہ ڈھونڈتا ہوں مگر آشیاں نہیں ملتا

عالمِ ہو میں اک آواز سی آجاتی ہے — چپکے چپکے کوئی کہتا ہے فسانا دل کا

نشیمن میں گزرے کئی موسمِ گل — قفس میں جو ٹوٹے تھے وہ پر نہ نکلے

یہی چراغِ لحد تھے یہی تھے قبر کے پھول — اب اُن کے نقشِ قدم بھی سر مزار نہیں

چمن میں ہم آئے جو چھٹکر قفس سے — مہینوں نشیمن سے باہر نہ نکلے

شیخ و واعظ سے چھیڑ بھی بڑے مزے کی ہوتی ہے ؎

جناب شیخ نے جب پی تو منہ بنا کے کہا　　مزا بھی تلخ ہے کچھ بو بھی خوشگوار نہیں

ریاض کے کلام میں بعض تشبیہیں بہت اچھوتی ملتی ہیں ۔

نازک کلائیوں میں حنا بستہ مٹھیاں　　شاخوں میں جیسے منہ بندھی کلیاں گلاب کی

غرض کہاں تک لکھا جائے اُن کا دیوان تو ایک باغ ہے گلہائے رنگا رنگ کا اور ایک مرقع ہے عمدہ تصاویر کا۔ امید ہے کہ مُلک کے قدرداں اصحاب اُن کے دیوان کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

ریاض مرحوم نہایت پاک نفس اور دریا دل انسان تھے۔ ان کی پاکیزہ نفسی اور استغنا کے بہت سے واقعات میرے علم میں ہیں۔ پُرگو بلا کے تھے۔ اکثر ایسا ہوا ہے ان کو ایک ہی طرح میں کئی کئی غزلیں کہنی پڑیں۔ ایک غزل کہی جس نے اُس کی تعریف کی اُس کو دیدی۔ اپنے لئے دوسری کہی وہ بھی کسی نے مانگ لی لیکن کیا مجال جو اُن کے تیور پر ذرا بھی میل آیا ہو۔ ہمیشہ یہی کہکر ٹال دیا کہ "اونہہ کیا ہے اور کہہ لیں گے" ہم لوگوں سے اُن کو جو تعلق تھا وہ عزیزوں سے بڑھ کر حقیقی بھائیوں کا سا تھا اور اب تو حقیقی بھائیوں میں بھی ایسی محبت کم ہوتی ہے۔ اُن کی رحلت سے محبت وخلوص کا ایک مجسم پیکر اُٹھ گیا۔ وہ ہر ایک سے صاف دلی اور خلوص سے ملتے تھے۔ ان کی شرافتِ نفس ہمیشہ اس کی مقتضی رہی کہ جن لوگوں نے ان سے بے وفائی کی اُن کو نقصان پہونچایا اُن کی قابلیتوں اور اُن کے نام سے فائدہ اُٹھایا ریاض نے ان کے نامناسب عمل سے ہمیشہ چشم پوشی کی اور اپنا قلم ہمیشہ اُن کی فرمائشوں کی تعمیل کے لئے رواں رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑے پاک نفس اور سچے مسلمان تھے۔ اُن کا

رندانہ رنگ اُن کی شاعری ہی کی حد تک تھا۔ ع

جو رنگ قال میں دیکھا وہ اُن کا حال نہ تھا

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُس دنیا میں بھی اُن کے درجے بلند کرے۔ فقط

۸۔ جولائی ۱۹۳۸ء

۷۸۶

حامداً و مصلیاً

تقریب

از

تمکین حسین

اہلِ دکن کا دعوے ہے کہ اُردو کی ابتدا دکن سے ہوئی' اس کے لسانی وتاریخی شواہد جو کچھ بھی ہوں مگر اس کی ایک حکمیاتی شہادت کل شیٍٔ راجع الیٰ اصلہ سے بھی مہیا ہو جاتی ہے۔ ولی دکن سے دہلی گئے۔ اُردو شاعری کی ابتدا ہوئی۔ نوابانِ اودھ کی مقناطیس زرّین نے دہلی کے نامی شعرا کو لکھنؤ میں کھینچ لیا۔ دہلی اور لکھنؤ اُردو کے دو مرکز بن گئے۔ ۱۸۵۶ء میں شاہیٔ اودھ کا چراغ گُل ہوا اور ۱۸۵۸ء میں قلعہ معلےٰ میں اُلّو بولنے لگے۔ بعد چندے خلد آشیاں نواب کلب علی خاں نے بزمِ سخن کو رونق تازہ بخشی۔ دہلی سے داغ اور لکھنؤ سے امیر رامپور پہنچکر زینتِ بزم بنے۔ اس گلشن پر بھی خزاں آئی۔ داغ نے دکن کا رُخ کیا اور یہیں کے ہو رہے۔ قضائے لاتدری نفس بایٔ ارضٍ تموت امیر مینائیؒ کو بھی کشاں کشاں یہاں لائی۔ اختر و جلیل دو نیّر تاباں جلو میں تھے

سرزمین دکن نے ان دونوں کے پاؤں پکڑ لئے۔ بالائی ہند میں قدیم طرز شاعری کا علم بلند رکھنے کے لئے صرف ریاض رہ گئے۔ شاعر کا حاصل زندگی اس کا کلام ہوتا ہے سو وہ آج دکن سے شائع ہو رہا ہے۔ چند نفوس قدسیہ باقی رہ گئے ہیں۔ خدا انہیں تا دیر سلامت رکھے۔ ان کا کچھ بقیہ نقبیہ شائع ہوا تو ہوا ورنہ اسی دیوان پر قدیم طرز شاعری کا خاتمہ ہے۔ زبان کی صحت، محاورے کی درستی، الفاظ کی بندش، معانی کی بلندی، خیال کی نزاکت، اور سب سے بڑھکر شاگردی و اُستادی کا سلسلہ یہ سب زمانۂ گذشتہ کی باتیں ہو جائینگی۔ اب اباحت ہے اور آزادہ روی۔ خوش مذاق اور بد مذاق ہر گروہ میں ہوتے ہیں، اخبارات و رسائل بھی اس سے مستثنےٰ نہیں ہیں۔ ان اخباروں اور رسالوں کو کلام غیر نثر کی بھی ضرورت رہا کرتی ہے جس کسی نے کوئی ایسا کلام بھیجا یا جو سطریں دو ٹکڑے کر کے لکھا جائے، اسے باضافت "شاعر" کوئی خطاب عطا ہو گیا اور اگر وہ خود کسی رسالہ کا اڈیٹر ہے تو خطاب کے ساتھ کچھ القاب کا بھی اضافہ کر لیا، شاعری کا حق ادا ہو گیا، ہر مز کی روح وجد میں آ گئی۔ دیوان ریاض کے حصہ دوم میں ایک معتد بہ حصہ ایسے کلام کا موجود ہے جو آج کل موضوع شاعری قرار دیا جاتا ہے اور اس میں وہ تمام لوازم و شرائط پائے جاتے ہیں جو مسلمات شاعری ہیں۔ یہ ایک نمونہ بلکہ ثبوت اس امر کا ہے کہ اُصول صحیحہ کی پابندی کے ساتھ بھی وہ سب کچھ کہا جا سکتا ہے جس کی آجکل ضرورت سمجھی جاتی ہے۔

اس دیوان کی طباعت کے مراحل ثلث صدی سے زاید سے در پیش ہیں مگر اس کے روبکار آنے میں ایک نہ ایک وجہ مانع ہوتی رہی کل شیٔ مرھون باوقاتہٖ

حکم ناطق ہے' ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے مگر اسباب و علل کی تحلیل کرنے والوں کیلئے اس سوال کی گنجائش باقی رہجاتی ہے کہ وہ وقت وہی وقت خاص کیوں ہوا جس وقت میں کوئی کام انجام پایا؟ یہ نکتہ شگرف دیوان ریاض کے متعلق بھی پیش ہو سکتا ہے' اس کا منطقیانہ' فلسفیانہ' محققانہ و عارفانہ جواب جو کچھ بھی ہو' میرے ذہن کی رسائی وہاں تک نہیں ہے مگر ریاض کا پیالہ پئے ہوں نے اس کا سرخوشانہ جواب یہ دیا ہے کہ قضا و قدر کو معلوم تھا کہ ایک وقت آنے والا ہے جب اہل زور کا زور ہوگا، تقدس پارسائی کی نمایش کے لئے بعض شہر "خشک" کر دئے جائینگے اور افتادگان ثریا مقام کے نالہائے فلک شگاف

ویراں شود آں شہر کہ میخانہ ندارد

آسمانوں سے گزر جائینگے، اس وقت دیوان ریاض شائع ہوگا اور صلاے عام ہوگی کہ

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است

مئے و میخانہ با مہر و نشان است

اس پر مستزاد یہ کہ ابتدائی تجویز کے مطابق دیوان کو نومبر یا دسمبر ۱۹۳۷ء میں شائع ہو جانا چاہیئے تھا مگر جاڑا گرمی گزر کر اشاعت ہوئی تو عین موسم برشگال میں اور شکیبی کے استفسار کا جواب ارباب اقتدار کے ذمہ آپڑا :-

نمی گویم کہ مے خوردن حلال است چہ میگوئی نفسے ؟ برشگال است!

[واقعاً یہ خم شکنی کوئی سودا سے تو نہیں ہے۔ ابھی چند ہی برس گزرے کہ امریکہ نے اپنا سارا ملک "خشک" کر دیا تھا بلکہ مشرق و مغرب میں سمندروں کو بھی

تین تین میل تک "خشک" بنا دیا تھا مگر پھر سب "تر" ہو گئے اور حقیقت کھل گئی کہ ؎

در آں توبہ اُمید بہبود نیست — کہ چوں لعلِ ساقی مے آلود نیست

زمانۂ ماسبق میں بھی یہ صورت بارہا پیش آچکی ہے۔ امیر مبارز الدین محمد بن مظفر (۷۱۳ھ/۱۳۱۴ء - ۷۵۹ھ/۱۳۵۷ء) نے اپنی مملکت کے اندر تمام مےخانے بند کر دے تھے، ظریفوں نے اس کا نام "محتسب" رکھا تھا۔ خود امیر کے فرزند شاہ شجاع نے ابراد کہا:-

رنداں ہمہ ترکِ مے پرستی کردند — جز "محتسبِ شہر" کہ بے مے مست است[1]

اس وقت کے خشک مغز مستان سے حکومت کا حال بھی بس کچھ ایسا ہی ہے ؎

از حسد امروز پنڈت منع ما از بادہ کرد — ورنہ کہ آں نامسلمان رانغم فردائے ماست

مراحل طباعت کی طرح دیوان کے نام کا مسئلہ بھی بہت دنوں زیر بحث رہا۔ اپنی جگہ یہ بھی ایک نادر و بدیع مرحلہ ہے، حضرت مرحوم کی زندگی کا بیشتر

---

[1] یہ شعر حافظ کے دیوان میں موجود ہے مگر بعض تاریخوں میں شاہ شجاع کے نام سے بھی منقول ہے۔ شاہ شجاع (۷۵۹ھ/۱۳۵۷ء تا ۷۸۶ھ/۱۳۸۴ء) علمی قابلیت اور اوصاف فرمانروائی میں اپنے زمانہ میں فرد تھا اس میں ملکہ شاعری بہت اچھا تھا، اس کے اشعار بکثرت تاریخوں میں پائے جاتے ہیں حافظ نے بھی اپنی طور پر مبارز الدین پر چوٹ کی ہے ؎

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گلبیز است

بہ بانگ چنگ مخور مے کہ "محتسب" تیز است

حصہ گورکھپور میں گزرا اور گورکھپور کے تمام ہندو مسلمان شرفا سے ان کے گہرے تعلقات رہے مگر جو اختصاص مولانا سبحان اللہ صاحب کے ساتھ رہا وہ شاید کسی دوسرے کے ساتھ نہیں رہا۔ مولانا نے بھی حضرت مرحوم کے کلام کی جیسی کچھ قدر کی اُس کی مثال روایات تاریخی میں تو مل سکتی ہے مگر اس دور ناشناسئے سخن میں اس کی نظیر کا ملنا دشوار ہے۔ حضرت مرحوم نے اپنا دیوان نذر فرزند مولانا کر کے اس کا عوض ایسا کر دیا کہ شاید پلہ حضرت مرحوم ہی کی جانب جھکا رہے۔ میخانہ، میکدہ، خمخانہ اس طرح کے بہت سے نام تجویز ہوئے مگر حضرت مرحوم نے آخری و قطعی فیصلہ یہ فرما دیا کہ دیوان کا نام "ریاض رضوان" ہوگا۔ تاریخی نام "آتش گل تر" قرار پایا اور حصہ اول (غزلیات) "آتش تر" اور حصہ دوم (دیگر اصناف سخن) "آتش گل" کے ناموں سے موسوم ہوئے اور مجموعہ "خمریات ریاض" کا انصاف بھی لازمی سمجھا گیا۔ سرورق پر یہ تینوں نام ایک ترتیب خاص سے آگئے ہیں۔

حضرت مرحوم نے تسمیہ دیوان کے متعلق مولوی رضوان اللہ صاحب کو جو خط لکھا تھا اُس کی عکسی نقل ممدوح کے حسبِ خواہش آخر میں شامل کر دی گئی ہے۔ اس سے حضرت مرحوم کے احساس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مولوی رضوان اللہ صاحب نے اپنی جگہ پر دیوان کی تسوید، تبییض اور انصرام مہم طباعت میں جو کاوشیں کیں انہیں کا نتیجہ ہے کہ دیوان اس وقت ناظرین کے ہاتھوں میں ہے۔ سچ کہنا چاہیئے کہ

جواں کردی زلیخائے سخن را   گر یوسف توئی این انجمن را

انتساب دیوان کے متعلق صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ یہ خود حضرت مرحوم کے

منشاء کی تعمیل ہے۔ والیان ریاست محمود آباد کے ساتھ حضرت مرحوم کا تعلق قدیم ہے۔ سعید الملک راجہ سر امیر حسن خاں بہادر ممتاز جنگ المتخلص بہ سحر کے طبع دیوان کی تقریظ ص ۵۵۶-۵۵۷ پر موجود ہے۔ مہاراجہ سر محمد علی خاں بہادر کے محامد اوصاف میں دیوان کے حصہ دوم کا تقریباً ایک ثلث وقف ہے۔ موجودہ والئے محمود آباد (خان بہادر راجہ امیر احمد خان بہادر دام اقبالہٗ کے جملہ تقریبات کے لئے دیوان کا حصہ دوم ایک تاریخ ہے۔ دوسری طرف

پدر بر پدر کارساز آمدہ بخلق از خدا سرفراز آمدہ

اس خاندان عالی مقام نے تین پشتوں سے حضرت مرحوم کی جو قدر دانی کی وہ مستغنی عن التوصیف و ممتنع عن التشہیر ہے حق یہ ہے کہ ایک حد تک اسی قدر دانی کا اثر تھا جس نے حضرت مرحوم کے استغنائے طبعی میں ایک خاص استقامت پیدا کر دیا تھا۔ اندریں صورت دیوان کا انتساب اس سے زیادہ موزوں شخصیت کے ساتھ ہونا ممکن نہ تھا۔

دیوان کے شائع ہونے کے بعد اس کا جیسا کچھ خیر مقدم کیا جائے گا قیاساً اس کا تصور مرکوز فی الذہن ہے اور واقعاً اس کا ظہور وقت پر ہوگا مگر بحمد اللہ اس دیوان کو اشاعت کے قبل ہی وہ امتیاز حاصل ہو گیا جو کم کسی دیوان کو حاصل ہوا ہوگا اور جس نے اسے تمام دیگر تمجید و تبجیل سے مستغنی کر دیا۔

ہندوستان کو ایک امیر درویش گزیں اور درویش صدارت نشیں کی ذات ستودہ صفات پر فخر و ناز ہے' یہ ذات ہز اکسلنسی راجایان راجہ مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت دام اقبالہٗ کی ذات جامع الکمالات ہے۔ انکسار کا یہ عالم ہے کہ

دستخط ہوتے ہیں "فقیر شاد"۔ اس فقرہ پر ہزار امارتیں قربان ہیں، اہلِ علم کی سرپرستی شیوۂ خاص ہے اور شعرا و ادبا کی قدردانی شعار مخصوص۔

پشتِ معنی قوی ز پہلویش
خامہ را فربہی ز بازویش

کیونکر ممکن تھا کہ ایسے محسن شعر و سخن کی جانب ریاض رجوع نہ ہوتے اور کیونکر جائز ہو سکتا تھا کہ ریاض کا ایسا سخن سنج نظر کیمیا اثر سے متواری رہ جاتا۔ حضرت معز ریاض کے پرانے قدر شناس ہیں اور ریاض قدیم عقیدت مند۔ ریاض کی عقیدت مندی کا ثبوت علاوہ متعدد قطعات کے ان کے کثیر التعداد مقطعے ہیں جن میں "شاد" کا ذکر عجب نیاز مندی کے ساتھ ہوا ہے، انطباع دیوان ریاض خاص طور پر خوشنودی مزاج مبارک کا باعث ہوا اور بطور قدر افزائی جو کچھ ارشاد عالی ہوا وہ نہ صرف اس دیوان کے لئے بلکہ اردو شاعری کے لئے مایۂ صد فخر و مباہات ہے اور رہے گا۔

حضرت جلیل (نواب فصاحت جنگ بہادر) جانشین حضرت امیر مینائی ہیں، ملک الشعرای کو ذات گرامی پر ناز ہے شیوۂ خوش بیانی و معانی آفرینی ذات سامی پر ختم ہے:۔

نظمش آبِ حیات را ماند
درروانی فرات را ماند

حضرت ریاض سے جناب ممدوح کے تعلقات بلا اظہار بھی ذہن میں آسکتے ہیں، طبع دیوان ریاض سے دلی مسرت کا ہونا ایک طبعی امر تھا تقریظ

لکھی اور بے نظیر لکھی، دیوان پر مہر قبولیت ثبت فرما دی۔
توثیق کی ضرورت تھی، وہ حضرت اختر مینائی (نواب اختر یار جنگ بہادر) کے
پیش لفظ سے پوری ہو گئی۔ نظم و نثر میں جناب ممدوح الشان کا جو پایہ ہے وہ
اظہر من الشمس ہے، اور کیوں نہ ہو الولد سر لابیہ۔ حضرت ریاض کے محترم
استادزادے ہیں، دیوان ریاض کے متعلق اکثر دریافت فرماتے رہتے تھے۔
جب سے طباعت کا آغاز ہوا ہے اس کی رفتار کار کے معلوم ہونے کا غایت
شوق سے انتظار فرمایا کرتے تھے۔ نظم میں تقریظ تحریر فرماتے تو با نظم تقریظ کی
حد سے متجاوز ہو جاتی یا خیالات کو روک دینا پڑتا، نثر میں "پیش لفظ" ارقام فرمایا مگر

نثر او نقش بال طاؤس است

اگر دلی جذبات کو اظہار کا پورا موقع دیتے تو "پیش لفظ" بھی اپنی حد سے
متجاوز ہو جاتا، اختصار کو کام فرمایا مگر اس اختصار میں وہ سب کچھ آ گیا جو آنا چاہیے
تھا، خوش قسمت ہے وہ شاعر اور مایہ نازش ہے وہ دیوان جسے ایسا گرانمایہ
پیش لفظ نصیب ہو۔

دیوان کا مقدمہ مولانا سید سبحان اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ اس مقدمے
سے حضرت ریاض کے سوانح حیات بھی کسی قدر واضح ہو جاتے ہیں مگر اصل
شے اس مقدمے کی خمریات ریاض کے معتدبہ اشعار کی توضیح و تلویح ہے،
مولانا ممدوح ریاض کے کلام کے عاشق ہیں جو کچھ لکھا ہے والہانہ انداز سے
لکھا ہے اور ایک ایک شعر میں جو نازک معانی پیدا کئے ہیں اور ان معانی کو
جس طرح درجہ معرفت تک پہنچایا ہے وہ آپ ہی کے ذہن رسا اور فکر بلند سے

ممکن تھا یقین ہے کہ اہل دل اس سے علیٰ قدر ذوق لطف اندوز ہونگے، لیکن ذرا گستاخی ہوتی ہے، طبائع مختلف ہوتے ہیں، ایک گروہ ہے جو آوازِ دولاب پرست ہو جاتا ہے[1] اور ایک دوسرا گروہ ہے جو نغمات سماع سے بھی متاثر نہیں ہوتا، میری طبیعت بھی کچھ ایسی ہی بلید واقع ہوئی ہے، خیام ہوں یا حافظ، غالب ہوں یا ریاض، مجھے کسی کے مے و میکدے میں نہ عرفاں کی تجلی نظر آتی ہے نہ حقیقت کا جلوہ دکھائی دیتا ہے، میں اس تمام مے کو وہی مے سمجھتا ہوں جس کی صفت قاآنی نے کی ہے ؎

ساقی بدہ رطل گراں زاں مے کہ دہقاں پرورد　　اندہ بر و غم بشکرد شادی و ہذ جاں پرورد

در خم دل پیر مغاں، در جام مہر زر فشاں　　در دست ساقی قوت جاں رخسار جاناں پرورد

بہر حال، مولانا کی طبع وقاد نے یہ صورت پیدا کر دی ہے کہ "حافظ کی مے" کی طرح "ریاض کی مے" میں بھی "مئے عرفاں" بن جانے کی قابلیت موجود ہے اور اگر ریاض کے خمریات کے ۳۶۶ اشعروں کی شرح اسی طرح مکمل ہو گئی تو "مئے ریاض" کی حقانیت مسلم ہو جائیگی۔ خدا ہمچنیں کناد۔

مولانا نیاز فتحپوری نے "اعترافات" میں ریاض کی سیرت، ان کی شاعری کی نوعیت اور ان کے کلام پر نقد و نظر سب کو اس اختصار کے ساتھ جمع کر لیا ہے کہ باید و شاید، اسے اگر ریاض کے سوانح حیات اور تبصرہ کلام کا لب لباب کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا اور نہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ آئندہ کے لئے لائحہ عمل ہے، خدا وہ دن لائے کہ حضرت ریاض مرحوم کے سوانح حیات مرتب ہوں اور مولانا کو پوری طرح کھل کر ان کے کلام پر تبصرہ کرنے کا موقع ملے۔ مولانا اگر مجھے معاف فرمائیں تو میں اتنی جسارت

---

[1] گروہے کہ ایزد پرستی کنند　　بر آوازِ دولاب مستی کنند

کرتا ہوں کہ حضرت ریاض "الانسان الکامل" کا نمونہ مجسم تھے اور ان کے فرشتہ خصلت ہونے میں ہر کہ شک آرد شیطاں گردد مگر کسی انسان کو ملکِ مطلق کہنے میں خود شعرائے تعقید پیدا کر دی ہے ؎

واعظِ شہر کہ مردم ملکش می خوانند — قولِ ما نیز ہمین است کہ از آدم نیست

یہ تمام ملحقات دیوان سے قبل ہیں' آخر میں ایک ضمیمہ ہے اس میں سب سے پہلے حصہ دوم کے جمع و ترتیب کے متعلق اثیم صاحب کی لکھی ہوئی کیفیت ہے' جیسا کہ اثیم صاحب نے ظاہر فرمایا ہے یہ حصہ بہت ہی نامکمل ہے۔ جتنا کلام اس حصہ میں ہے' شاید اس سے زیادہ جمع ہونے سے رہگیا ہے' ماسوا ازیں اس حصہ میں کوئی خاص ترتیب بھی قائم نہیں رہی ہے' یہ اگرچہ ایک نقص ہے مگر چونکہ خود حضرت مرحوم کی حیات میں اِسی طرح جمع ہونا شروع ہو چکا تھا اس لئے پہلے اڈیشن میں ردو بدل مناسب نہ سمجھا گیا' دوسرے اڈیشن میں انشاء اللہ اصناف کلام اور تقدم و تاخر زمان کے اعتبار سے ترتیب ہو جائے گی۔

اس کے بعد خود میری لکھی ہوئی "داستان دیوان ریاض" ہے یہ داستان الناظر (لکھنؤ) کے اکتوبر ۱۹۳۲ء کے پرچے میں شائع ہوئی تھی اور اسی زمانہ میں خلافت (بمبئی) اور منشور (دہلی) میں بھی درج ہوئی تھی' محترم مکرم سید نیاز احمد صاحب کے حکم مکرر پر میں نے اسے شامل دیوان کر دیا۔ کہیں کہیں میرے بیان اور دوسرے بیانات میں کچھ جزوی اختلافات ہیں مگر داستان دیوان ریاض زلف یار سے کم نہیں ہے' ابھی معلوم نہیں کتنے پیچ و خم نکلیں گے۔

اسی داستان کے شمول کی وجہ سے مجھے مجبور ہونا پڑا کہ مولوی

رضوان اللہ صاحب کی نوشتہ کیفیت کے عنوان "گزارش" کو بدل کر
آخریں مرحلہ طبع دیوان" کر دوں اور اس کو اس داستان کے بعد ملحق کر دوں
ورنہ اس کیفیت کو ابتدا میں آنا چاہئے تھا، امید ہے کہ موصوف اس تغیر کو جو
ضرورۃً ہوا ہے روا رکھینگے۔ اول بہ آخر نسبتے دارد۔

جو اصحاب دیوان ریاض کے مراحل جمع و ترتیب و طباعت سے آگاہ ہیں
انہیں ان تمام اضافات و ملحقات کے سلسلہ میں ایک نام کی کمی نظر آویگی، یہ
نام مولوی محمد فاروق صاحب ایم۔ اے۔ سی کا ہے۔ حضرت ریاض اور اُن کے
سوانح حیات کے متعلق موصوف کے خیالات نہایت وسیع ہیں، دیوان بہت
گرانبار ہو چکا ہے، ممدوح کے خیالات سوانح حیات اور تبصرہ کلام میں نمایاں ہونگے
تبئیض، طباعت و تصحیح وغیرہ کے متعلق بھی چند الفاظ عرض کرنا ضروری
ہیں، حصہ اول (غزلیات) کا مبیضہ جناب حاجی جڑبڑ شاہ صاحب وارثی (سجادہ نشین
خانقاہ حضرت مستقیم شاہ صاحب، فتحپور ضلع بارہ بنکی) نے اپنے دست مبارک سے
لکھا، چند غزلیں خود حضرت ریاض مرحوم کے دست خاص کی لکھی ہوئی بھی ہیں اور
جا بجا ترمیمیں بھی ہیں، دو تین غزلیں حاشیے پر لکھی ہوئی ہیں جو غالباً اضافہ مابعد ہیں
حصہ دوم اثیم صاحب نے خوش خط و واضح تحریر فرمایا ہے۔ طباعت کا آغاز
۲۱ر فروری ۱۹۳۷ء کو گورکھپور میں ہوا۔ ۲۵ر اگست ۱۹۳۷ء تک صرف
۲۷ صفحے طبع ہوئے، ممکن تھا کہ آئندہ رفتار ترقی کر جاتی مگر یقینی نہ تھا اس لئے
حیدرآباد میں منتقل کرنا پڑا۔ یہاں مراتب ابتدائی کے طے کرنے میں تقریباً دو ماہ گزر گئے
اواخر ستمبر سے طباعت شروع ہوئی اور وسط جولائی ۱۹۳۸ء میں ختم ہوئی

گورکھپور میں طباعت آسی پریس میں ہوئی اور حیدرآباد میں اعظم اسٹیم پریس میں اور قدر قلیل دوسرے دو مطابع میں۔ گورکھپور کے مطبوعہ ۲ ۷ صفحوں کی کتابت منشی دین محمد صاحب نے کی اور حیدرآباد میں جملہ کتابت منشی شفیع الدین صاحب نے کی۔ تصحیح بھی مختلف ہاتھوں سے ہوئی' گورکھپور میں جناب حکیم عارف صاحب (مدیر شاہکار) نے اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود تصحیح کا کام انجام دیا۔ حیدرآباد میں حامد حسن صاحب صدیقی (سابق مدیر مساوات الہ آباد و حال مقیم حیدرآباد) اور مولوی صبغۃ اللہ صاحب (مدرس دار العلوم) اور مولوی عبد القیوم صاحب (اہلکار صدر محاسبی سرکار عالی) نے اس کام کو انجام دیا۔ غلطنامہ حکیم محمد عبد اللطیف صاحب نے مرتب کیا۔ حکیم صاحب کی صحت نظر کی داد دینا چاہیے کہ غلطنامہ سے اسقام پوری طرح رفع ہو گئے۔ سید کا خمخانہ ہے جتنے ہی زیادہ اشخاص سیراب ہوں موجب سعادت ہے۔ ان جملہ اصحاب کی شکر گزاری مجھ پر لازم ہے۔

مجھے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ کام میں بہت سی خامیاں رہگئیں خاصکر صحت میں دو خرابیاں رفع نہ ہو سکیں۔ ایک خرابی تو ہمہ گیر ہے اس سے مفر نہیں یعنی کتاب میں کچھ نہ کچھ غلطیاں ضرور رہجائینگی مگر افسوس یہ ہے کہ چند غلطیاں ایسی رہگئیں جن سے شعر کچھ کا کچھ ہو گیا۔ پڑھنے والوں سے یہ توقع کرنا کہ وہ پوری کتاب کو غلطنامہ کے بموجب درست کر لینگے لاحاصل ہے مگر یہ استدعا ضرور ہے کہ جس شعر میں تردد ہو اس کو بحوالہ صفحہ و سطر غلطنامہ میں ضرور دیکھلیں دوسری خرابی املا کی ہے' سخت حیرانی ہے کہ اس بارے میں کیا کیا جائے' کاتب' مصحح' سنگساز سب اپنی اپنی جگہ پر یہ چاہتے ہیں کہ کتاب صحیح و درست طبع ہو'

کہیں جگہ منبر کے بجائے ممبر چھپ گیا ہے اور خوبی یہ ہے کہ اصل مسودہ میں بھی یہی ہے
ماسوا ازیں بعض الفاظ کا املا اب بدل گیا ہے، مثلاً تجھ سے (تجھسے) مجھ کو (مجھکو)
پانوں (پاؤں) وغیرہ وغیرہ، حرج کے بجائے ہرج، طیار کے بجائے تیار لکھنا تو
لازمی سا ہو گیا ہے۔ یہ غلط مبحث صرف اسی کتاب میں نہیں ہے بلکہ عام ہے اور
جب تک ہر شخص اپنے کو جہاں استاد اور ہر ادارہ اپنے کو حاوی الکل سمجھتا رہے گا
یہ غلط مبحث رفع نہیں ہو گا۔ چونکہ میں طبع دیوان کے متعلق حضرت مرحوم کے بلند
خیالات سے واقف ہوں اس لئے ندامت کے ساتھ یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ
دیوان جس ہیئت میں پیش ہے وہ اس ہیئت سے بہت گری ہوئی ہے جس کا نقشہ
حضرت مرحوم کے ذہن میں تھا لیکن ان تمام کوتاہیوں اور خامیوں کے باوجود
اس دیوان کا شائع ہو جانا نہ شائع ہونے سے بہتر ہوا، آئندہ اصلاح و ترقی
کے راستے بند نہیں ہوئے ہیں، خدا جسے توفیق دیگا وہ اسے بہتر صورت میں
شائع کریگا۔

ایک اہم غلطی یہ ہو گئی ہے کہ ص ۴۷۴، ۴۷۵ پر ایک غزل درج ہو گئی ہے سے
اے بامِ یار طور کی بھی تجھ میں شان ہے — اے بامِ یار عرش کا تجھ پر گمان ہے
یہ غزل تیرہ شعروں کی ہے، مگر ص ۴۷۱، ۴۷۲ پر انیس شعروں کی ایک غزل آ چکی ہے
جس میں ۱۲ اشعر غزل مابعد کے موجود ہیں۔ اصل مسودہ میں یوں ہی لکھا ہوا تھا، وقت پر
میری نظر نہ پڑی اور مصحح صاحب کو بھی خیال نہ رہا، تکرار واقع ہو گیا۔

ص ۱۱۴ کے آخر میں چھ شعروں کی ایک غزل ہے، یہ غزل دراصل اکیس
شعروں کی ہے مگر اس میں کچھ شخصی اشارات ہیں، مسودے کے حاشیہ پہ ہدایت درج

تھی کہ "یہ غزل محفوظ رہے گی شامل دیوان نہ ہوگی"۔ میں نے اس میں سے چند شعر جو عام معانی میں تھے درج کر دئے باقی اشعار کو چھوڑ دیا۔

آخر میں اتنا اضافہ نامناسب نہ ہوگا کہ ملحقات دیوان کی نظم و نثر میں اس ناچیز کا ذکر آگیا ہے مگر واقعاً میرا جو کچھ کام ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ میں نے "دیوان کو چھپوا دیا" ان تین لفظوں کو جس قدر چاہئے تنگ معنی میں لیجئے اور جس قدر چاہیے وسیع معنی قرار دیدیجئے۔ پروفیسر گلکرسٹ نے اپنی کتاب "اصول علم السیاست" کا پہلا اڈیشن کلکتہ میں طبع کرایا تھا دیباچہ میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں کسی کتاب کے چھپوانے کا مفہوم یہ ہے کہ حروف جوڑنے کے سوا کل کام صاحب کتاب ہی کو کرنا پڑے۔ پروفیسر صاحب کو ناشدانستہ بھرے کے جتنے کے حروف سے کام پڑا اور یہاں سواسو امن کے پتھروں سے سابقہ رہا حاصل آنکہ ؎

تہنیت گوئید مستاں راکہ سنگ محتسب

برسر من آمد و ایں آفت از مینا گزشت

۲۰ جولائی سنہ ۳۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از

جناب مولانا سید سبحان اللہ صاحب

(رئیس گورکھپور)

انعامات الٰہی میں یہ بھی ایک بڑا انعام ہے کہ انسان کو اپنے ہی جیسے انسان کے حالات لکھنے پڑیں اور یہ ایسی بات ہے کہ پیغمبروں کے قصے لکھ کے خود قرآن نے اس کی تعلیم دی ہے۔

آج آٹھویں تاریخ اس مہینے کی ہے جس سے بڑا اور متبرک مہینہ مسلمانوں کیلئے کوئی اور نہیں ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کے بیان کے مطابق خالق کل نے معلم کامل بھیجکر ہم انسانوں کی دنیا اور دین دونوں مکمل کر دئے۔ جس ذات کا سراپا تعلیم۔ قولی تعلیم اور اس کے ذریعہ سے جو قانون بھیجا اس کی صداقت بے پناہ اور نہ صرف صداقت بلکہ اس کے آگے انسانی دماغ دنیاوی ارتقا میں سبقت لے ہی نہیں جاسکتا۔ اس ذات کے تشریف لائے ہوئے مہینے میں مجھ سراپا قصور کو یہ سعادت حاصل ہوتی ہے کہ اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ اہل بیتہ وسلم کے جگر گوشے کی اولاد کے کچھ حالات لکھنے کا شرف

حاصل ہو رہا ہے۔

منشی سید ریاض احمد صاحب متخلص بہ ریاض نسباً سید حسینی ہیں۔ انکے آبا و اجداد ہندوستان میں آنے سے پہلے ایران میں کرمان شاہ کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے ان کے مورث علاؤ الدین غوری کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ علاؤ الدین غوری کی فوج میں کوئی عہدہ رکھتے تھے۔ ان کی فوج کیسر پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجی گئی۔ وہاں فتح حاصل کرنے کے بعد ان کی فوج کے اشخاص چند ٹکریوں میں بٹ گئے۔ ضلع بارہ بنکی اور سیتاپور کے مختلف مقامات پر آباد کر دئے گئے۔

منشی سید ریاض احمد کے اجداد کی ٹولی خیر آباد ضلع سیتاپور میں آ کے آباد ہوئی جس میں ایک زمانے تک علما ہوتے رہے اور ان کے ذمے عہدۂ قضا ہوتا رہا۔ علوم وفنون خاندانی چیز تھی بزرگوں کے برابر نہ سہی تو بھی مسلمانوں کے انحطاط کے ساتھ کمی سے سہی مگر قائم تھے۔ سید ریاض احمد صاحب مرحوم ومغفور کے والد انگریزی گورنمنٹ کے مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ ان کے تین بیٹے اور ایک بیٹی۔ پہلے سید ریاض احمد صاحب مرحوم۔ دوسرے سید نیاز احمد صاحب نیاز حی القائم۔ تیسرے سید فیاض احمد صاحب مرحوم راز تھے۔ تینوں بھائی پولیس میں ملازم ہوئے۔ منشی ریاض احمد صاحب پولیس کی ملازمت سے مستعفی ہو گئے۔ دو بھائی آخر عمر تک ملازم رہے۔ سید نیاز احمد صاحب الحمد اللہ زندہ اور قائم ہیں۔ جھوپال میں سپرنٹنڈنٹ پولیس ڈپٹی رہ چکے ہیں اور گورنمنٹ برطانیہ کے پنشنر ہیں۔

صاحبزادی کی شادی سید محمد عسکری صاحب وسیم خیرآبادی سے ہوئی جو بہت مشہور شاعر اور اہل فن تھے۔ ان کے شاگرد ان اطراف میں بکثرت موجود ہیں۔

منشی سید ریاض احمد صاحب ریاض اوائل عمر ہی سے شاعرانہ انداز کے آدمی تھے۔ نثر کے بہترین انشاپرداز تھے اور آخرکار ان کی شہرت کے لئے خدا نے شاعری کو ذریعہ بنا دیا۔ اپنی زندگی کے سب سے بڑے حصہ میں ریاض الاخبار نکالا اور اس کے ایڈیٹر رہے اور آخر میں مالک ہو گئے۔ اخبار نکلنے کے زمانے میں ان کی انشاپردازی کا یہ شہرہ تھا کہ لوگ ریاض الاخبار صرف ان کا ایڈیٹوریل پڑھنے کے لئے خریدا کرتے تھے اور جو لوگ ان کی طرز انشاپردازی سے واقف ہو گئے تھے وہ لوگ ریاض الاخبار کی خبروں کے انتخاب کے ٹکڑوں میں بھی ان کے قلم کی جنبش تلاش کیا کرتے تھے۔

منشی سید ریاض احمد صاحب ریاض دنیا میں اُسی طرح کے انسان تھے جس طرح کہ سب لوگ ہوتے ہیں۔ مگر قدرتی طور پر اُن کا سراپا شاعری بن گیا تھا اور شاعری میں شراب بن گیا تھا۔ شراب ہی نہیں کبھی ساغر۔ کبھی سبُو۔ کبھی خُم نظر آتا تھا۔ میں نے گھٹ کر کہا۔ میں نے تو ان کو میخانہ بنتے۔ چلتے دیکھا ہے۔ کہیں آپ کو یہ شُبہہ نہ ہو جائے کہ جناب ریاض مرحوم شرابی تھے۔ لاحول ولا قوت الا باللہ۔ ہر جاننے والا اور پورا گورکھپور اور خیرآباد قرآن لیکر دن اور رات کی تمام عمر کی صحبتوں کی بابت قسم کھانے کو تیار ہے کہ ریاض مرحوم نے کبھی ایک بوند بھی شراب لب تک نہ آنے دی۔

حضرت ریاض کی شراب نوشی حافظ شیراز جیسی تھی کہ دیوان حافظ
اُٹھا کر ایک طرف تو لسان الغیب والے اپنی خود غرضی سے فال نیک
طلب فرماتے ہیں اور دوسری طرف اشعار کا مزہ لینے والے حلف لیکر
حافظ شیراز کو شرابی کہتے ہیں ۔ مجھے اس لکھنے کی ضرورت نہیں تھی مگر مزے والے
کو یوں بھی اچھا کہا جاتا ہے اور عیب لگانے والوں کی اگر رخنہ بندی کردیجائے تو
مرنے والے کا بڑا بوجھ کم ہو جاتا ہے ۔

شعر تر میرے چھلکتے ہوئے ساغر ہیں ریاضؔ
پھر بھی سب پوچھتے ہیں آپ نے مے پی کہ نہیں

ریاض الاخبار پہلے خیر آباد سے نکلا اور روزانہ بھی ہوا ۔ اور گلکدۂ ریاض
اسی پریس سے نکلا پھر ریاض الاخبار گورکھپور میں منتقل ہو گیا ۔ اس کے ساتھ
فتنہ اور عطر فتنہ بھی نکلے جو اپنے وقت میں بہت محبوب ہوئے اور قد کے
اعتبار سے بھی فتنہ تھے ۔

ریاض صاحب کی انشا پردازی کے تین دور گزرے ایک جب ریاض الاخبار
سے اور اودھ پنچ لکھنو سے جس کے ایڈیٹر ہندستان کے مشہور
لکھنے والوں میں سجاد حسین صاحب مرحوم تھے ۔ اُن سے معرکے رہے ۔
دوسرا طوطی ہند میرٹھ سے جس کے ایڈیٹر اور لکھنے والے بھی مشہور ادیب
تھے ۔ اُن سے بھی مدت تک معرکے رہے ۔ ان دونوں معرکوں نے سید
ریاض احمد صاحب کی انشا پردازی کا سکہ ملک میں بٹھا دیا اور جو خصوصیت
ان کی انشا پردازی میں تھی وہ یہ تھی کہ کبھی کسی پر ذاتی حملہ انھوں نے نہیں کیا

نہ کبھی عامیانہ اُردو لکھی اور ادبیت کے ایسے ایسے پہلو نمایاں کئے کہ لوگ باوجود اخبار کے ساتویں دن نکلنے کے اس کے مضامین پڑھنے کے لئے ایسے بیتاب ہوتے تھے جیسے آجکل روزانہ خبروں کے لئے بیتابی ہوتی ہے۔

منشی سید ریاض احمد صاحب نے دو ناول بھی لکھے حرم سرا۔ اور نظارہ یہ دونوں بھی ان کی انشاپردازی کے معرکتہ الآرا ٹکڑے ہیں۔ جنہوں نے انہیں دیکھا ہوگا وہ ان کی لذتوں سے واقف ہونگے۔ بیان میں وہ سب چیزیں نہیں آسکتیں جو لکھنے والے کی تحریر دیکھ کر دماغ میں آسکتی ہیں۔

تعلقات

سید ریاض احمد صاحب کے ذاتی تعلقات چند خاندانوں سے پیدا ہوئے اور آخر عمر تک قائم رہے۔ پہلا سید نیاز احمد صاحب رئیس خیرآباد اور اُن کے بیٹے سید نظام احمد مرحوم جو ان کے رشتہ دار بھی تھے۔ دوسرا عام طور پر گورکھپور کے معزز خاندانوں سے اور بالخصوص میرے اعزا اور خود مجھ سے اور میرے چچا مولوی سید عطاؤ اللہ صاحب مرحوم سے اس تعلق میں خصوصیت یہ تھی کہ سید ریاض احمد صاحب کے والد مرحوم گورکھپور میں سرکار انگریزی کے ملازم تھے۔ سید ریاض احمد صاحب کا بچپن گورکھپور کے شرفا کے لڑکوں کے ساتھ گذرا تھا اور اُن ہی شرفا کے لڑکوں میں مولوی سید عطاؤ اللہ صاحب مرحوم بھی تھے یہ دونوں منشی سید امیر احمد صاحب مینائی علیہ الرحمہ کے شاگرد ہوئے اور ایک ساتھ شاعری شروع کی پھر سید ریاض احمد صاحب گورکھپور ہی میں پولیس کے ملازم ہوگئے۔ ترک

ملازمت کے بعد جب ریاض الاخبار گورکھپور میں آیا تو اُن کا گھر گورکھپور میں ہو گیا۔ بچپن۔ پوری جوانی اور گویا کہ بڑھاپا گورکھپور میں گزرا جسکی بابت اُن کا ایک شعر اُن کے پورے جذبات کے بیان کرنے کے لئے کافی ہے۔

جوانی جن میں کھوئی ہو وہ گلیاں یاد آتی ہیں
بڑی حسرت سے لب پر ذکر گورکھپور آتا ہے

میرے ساتھ سید ریاض احمد مرحوم و مغفور کا تعلق مختلف عنوانات سے رہا۔ کبھی میں مالک روزانہ ضلع گُل تھا اور سب سے بڑا تعلق یہ تھا کہ مجھکو ایک چچا اور ایک دوست یکجا ایسا ملا جس کا نام منشی سید ریاض احمد صاحب ریاض مرحوم تھا۔ وہ جب مجھے اپنا کوئی شعر سناتے تھے تو وہ اور میں ایک طرح سے بیتاب ہوتے تھے اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ تین تین دن تک ایک ہی شعر نے دونوں کو بیتاب رکھا ہے۔ اپنے اور سید ریاض احمد صاحب کے تعلق اور شاعری کے متعلق دونوں کے بیان کرنے میں مجھے تو ضرور لذت آئیگی لیکن پڑھنے والوں کے لئے کوئی زیادہ دلچسپ چیز نہیں ہے اس لئے اس کو میں ترک کرتا ہوں۔

تیسرا تعلق سید ریاض احمد صاحب کا اُن کے ولی نعمت و قدردان جناب مہاراجہ سر محمد علی محمد خان صاحب مرحوم والی ریاست محمود آباد اودھ سے تھا جو ان کی حیات میں ان کے قدردان اور کفیل تھے اور اُن کو اپنے پاس ہر صحبت میں موجود رہنے کے شائق رہے اگرچہ اُن کی

یہ آرزو منشی سید ریاض احمد صاحب کے استغنا کی وجہ سے کما حقہ پوری نہ ہو سکی چنانچہ ریاض الاخبار آخر میں مہاراجہ صاحب کے حکم سے ان کے خرچ پر لکھنو گیا جس حالت کے بیان کے لئے ریاض صاحب کا یہ شعر کافی ہے۔

ریاض تھی جو مقدر میں بازگشت شباب
جوان ہونے کو پیری میں لکھنو آئے

ریاض صاحب کا تعلق ریاست محمود آباد سے اور موجودہ رئیس سے بھی بعینہ وہی تھا اور ہے۔ جیسے میرے چچا کے بعد مجھ سے رہا۔ اور موجودہ رئیس راجہ خان بہادر محمد امیر احمد صاحب والی ریاست محمود آباد آج بھی سید مرحوم کے بچوں کی زندگی کے خدائے مجازی ہیں اور جب راجہ صاحب سے سید ریاض احمد صاحب مرحوم کا ذکر آتا ہے تو اُن کی محبت کا جذبہ اُن کے دیوان کے کُل اخراجات کے برداشت کا یا کسی طرح ریاض کے خاندان کی امداد کا تازہ ہو جاتا ہے اور یہ سب سید ریاض احمد صاحب مرحوم و مغفور کی خالص محبت اور بے لوث تعلق کا نتیجہ ہے۔

تعلقات کے ذکر میں ایک آخری تعلق بھی بیان کر دوں کہ ریاض صاحب مرحوم چاہتے تھے کہ اُن کا دیوان اولاً گورکھپور سے شائع ہو اور اگر کسی وجہ سے گورکھپور سے نہ شائع ہو تو راجہ صاحب محمود آباد شائع کریں۔ چنانچہ ان کی عمر کے بالکل آخری زمانے میں میں نے ان کو دیوان کی ترتیب پر مجبور کیا اور اس سلسلے میں چند مہینے گورکھپور سے باہر نکلنے نہیں دیا۔

انھوں نے آخر کار اہل گورکھپور کے اِصرار سے دیوان دو شخصوں کے حوالہ کیا جس میں ایک میرالڈ کا سید محمد رضوان اللہ ایڈوکیٹ ممبر اسمبلی صوبہٗ ہٰذا ہے اور دوسرے اُن کے اِنشا پردازی کے زمانے کے معتقد اور قدردان قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے گورکھپوری رکن دار الترجمہ حیدر آباد ہیں۔ قاضی تلمذ حسین صاحب نے اُس دیوان کے طبع اور صحت وغیرہ کا اہتمام کلیتاً اپنے ذمہ لیا۔ کچھ حصہ گورکھپور میں چھپوایا اور اب اُسے حیدر آباد لیجا کر مکمل کر دیا۔ باقی دیوان کے اور لوازم رضوان اللہ کے سپرد کئے اور میں اور سید نیاز احمد صاحب نیاز برادر خورد سید ریاض احمد صاحب مرحوم و مغفور ان کے کلام کے مختلف عنوانات اور جمیع امور کے طے کرنے کی کمیٹی کے ممبر تھے اور ہیں۔ خدا کرے کہ ہم چار دل دیوان کے جمیع مراتب کے مکمل کر دینے میں پورے کامیاب ہو جائیں جو غالباً آخر جون تک ہو جاویگا۔

تعلقات کے سلسلہ میں یہ بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ دیوان کا انتساب سید ریاض احمد صاحب مرحوم صرف راجہ صاحب محمود آباد سے چاہتے تھے۔

دو تعلق اور مخصوص تعلق اسی سلسلہ میں مجھے بیان کر دینا ریاض صاحب کی طرف سے ادائے شکر سے کم نہیں ہے ایک قاضی سر عزیز الدین احمد صاحب دیوان ریاست دتیا اور دوسرے ان کے بھائی قاضی خلیل الدین صاحب مرحوم قدیم دیوان ریاست پنا وغیرہ

یہ دونوں حضرات ریاض صاحب کا دیوان شائع کرنے کے اصرار کے ساتھ ریاض صاحب کو مطمئن بنانے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ جو اُن کی ذاتی محبت اور خلوص کا بیّن ثبوت ہے اور میں دونوں کا شکریہ بکمال خلوص ان کی طرف سے ادا کرتا ہوں۔

یہ عجب اتفاق ہے کہ آج جب میں ان کے حالات لکھنے بیٹھا تو ان کے خاص شاگرد سلطان احمد صاحب واقف موجود ہیں اور یہ دیباچہ اُنہیں سے لکھوا رہا ہوں۔ شاگرد کا خلوص کہوں یا مرحوم اُستاد کا تعلق کہوں جس نے بیساختہ بسوان ضلع سیتاپور سے خواہ مخواہ واقف صاحب کو بے موسم گورکھپور بھیجدیا۔ جی چاہتا ہے کہ یہی لکھا ہوا پریس کی کاپی پر اُتر آتا اور واقف صاحب کی خوشخطی کا بھی اس سے اعلان ہو جاتا۔

ریاض صاحب کے تعلقات کا ذکر آ گیا تو مجھے اس سلسلہ میں یہ بیان کر دینا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ ریاض مرحوم کس قدر بے لاگ اور بے طمع شخص تھے۔ منشی امیر احمد صاحب مینائی علیہ الرحمۃ جب رامپور میں نواب خلد آشیاں کلب علی خاں مرحوم مغفور کے پیشکار تھے اُسی زمانہ میں سید ریاض احمد صاحب کی شاعری جوان ہو رہی تھی۔ نواب کلب علی خاں مرحوم مغفور ان کو اپنے درباریوں میں شامل کرنا چاہتے تھے اور کئی بار سید ریاض احمد صاحب کو منشی امیر احمد صاحب مینائی نے رامپور بلایا اور یہ کہا کہ نواب صاحب یہ چاہتے ہیں۔ مگر یہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے رامپور سے چلے آئے۔

نواب حامد علی خاں مرحوم فرمانروائے رام پور ساری عمر ریاض صاحب کو

بُلاتے رہے اور اپنے درباریوں میں شامل کرنے کے مشتاق رہے۔ کئی بار ہزہائینس کے بلانے پر رامپور گئے۔ مگر کبھی مستقل قیام کرنا نہیں چاہا اور واپس چلے آئے۔

جہاں تک مجھے یاد ہے ایک مرتبہ سلطان دکن میر محبوب علی خان غفران مکان نے بھی ریاض کے حیدرآباد میں رہنے کی خواہش کی تھی جس کو ریاض احمد صاحب ٹال گئے۔

مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر بالقابہ ریاض مرحوم سے خالص محبت اور خالص عقیدت رکھتے تھے اور بیحد خواہشمند تھے کہ ان کو جیب دگر دیاں بناکے اپنے ساتھ رکھیں مگر ریاض مرحوم اتنے بے طمع اور قانع تھے کہ مہاراجہ صاحب محمود آباد کی اولش نوازی اپنے لئے کافی سے زیادہ سمجھتے رہے۔

رند قانع متواضع ہے خدا دیتا ہے

جب وہ پاتا ہے تو پیتا ہے پلا دیتا ہے

ریاض مرحوم کی شاعری اور شاعری میں زبان کے متعلق مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ ریاض مرحوم کا پورا دیوان یا کل کلام دیکھ کر آپ مجبوراً یہ فیصلہ کرینگے کہ کسی ایک شعر میں بھی تنافر کا نام نہیں ہے۔ پورا کلام پڑھنے پر آپ کے ذہن پر یہ بار نہیں گزرے گا کہ ہیں نے کسی گھٹل ادیب کا ادبی کارنامہ پڑھا ہے۔ ان کی شاعری کی لطافت و نزاکت اس درجہ تھی کہ مجھے مجبوراً یہ کہنا ہوئے ادب کہنا پڑتا ہے کہ ان کے استاد منشی امیر احمد صاحب مینائی

علیہ الرحمۃ کے کلام میں وہ لطافت ونزاکت اور روانی نہیں ہے۔
باکم سے کم مقابلتہً نہیں ہے۔

ریاضؔ نے اپنی شاعری اور شاعری کی زبان کو اس قدر لطیف بنایا ہے کہ بغیر ان کی دس پانچ غزلیں پڑھے ہوئے میرے بیان کی تصدیق میں آپ کو تامل ہوگا لیکن دس غزلیں پڑھنے کے بعد آپ مجھ سے زیادہ ان کے کلام کے دلدادہ نکلینگے۔

اُن کی نثر کا بھی یہی حال ہے گویا اُن کے قلم سے پھول جھڑتے ہیں۔ اور ادبیت کے پیچ وخم اس نزاکت سے دکھاتے تھے کہ بسا اوقات واہ اور آہ کے سوا الفاظ میں کوئی تعریف نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس وقت میرے سامنے اُن کا جو مجموعہ کلام ہے وہ صرف شراب کے اشعار پر مشتمل ہے۔ تیرہ سو چھیاسٹھ ۱۳۶۶ شراب کے پہلو ایسی نزاکتوں سے انہوں نے نظم کئے ہیں کہ اس پورے شراب کے اشعار کے مجموعہ کو ایک دفعہ دیکھنے کے بعد کسی شاعر کے لئے شراب کا کوئی نیا پہلو نکالنے میں بڑی دقت ہوگی۔ میں ان کے نظم ونثر کے متعلق اور زیادہ اس لئے نہیں لکھنا چاہتا کہ خود اُن کا کلام موجود ہے آپ ملاحظہ کیجئے اور میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اُس کی تصدیق خود کر لیجئے اور اغلب ہے کہ آپ اس سے کچھ زیادہ ہی کہنے پر آمادہ ہونگے۔ ان کے کلام کے ساتھ میری دلچسپی اس حد تک ہوتی تھی کہ ایک ایک شعر کم سے کم تین تین دن ورنہ ہفتوں ایسا مزہ دیتا تھا کہ جس کی لذت کا بیان قلم کی قدرت سے باہر ہے۔

ریاض کے کلام سے ادبی دنیا بیشک لطف اندوز ہوگی مگر میں اسکی طرف خفیف سا اشارہ کرتا ہوں کہ زبان کی شستگی اور سبک بیانی اور زوائد کے استعمال پر کافی توجہ رکھنا یعنی شاعر کوئی لفظ جب برائے بیت استعمال کرتا ہے تو اس کو غور کرنا چاہیئے کہ اس زاید لفظ کی جگہ پر کوئی باکار لفظ آجائے۔ یہ کاوش شاعر کو قادر بنا دیگی اور جب شاعر کو ان باتوں کی کافی توجہ ہوگی تو وہ ریاض کی صحیح قدر کرسکے گا۔

عام شاعری کے متعلق مجھے چند لفظ عرض کرنا ہے اگرچہ ۱۹۳۱ء و ۱۹۳۲ء میں نظموں کا بہت رواج ہوگیا ہے لیکن نظم اگر کلام بہ کسے کردن کا نام نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ تغزل کو آپ کلام بہ معشوق کردن کہتے ہیں تو قومی نظمیں بہ قوم کلام کردن ہے صرف مخاطب کا رُخ بدلا ہے۔ شاعری نہیں بدلی۔ شاعری کے نکات نہیں بدلے۔ شاعری کا فن نہیں بدلا۔ شعر پر شاعر کی قدرت نہیں بدلی۔ ساری چیزیں شاعری کی اپنی جگہ پر ہیں۔ رُخ بدلنے کا نام شاعری بدلنا نہیں ہے۔ جتنی خوبیاں جتنے عیوب غزل کہنے والوں کے لئے ہیں اُسی قدر خوبیاں اور شاعری کے اتنے ہی عیوب نظم کہنے والوں کے لئے بھی ہیں۔ قواعد شاعری نہیں بدلتے اور اس لئے آج کل کے نظم گو شعرا جو پرانے شعرا پر الزام لگاتے ہیں وہ الزام صرف شاعری کے رُخ یا بے رُخی پر ہو سکتے ہیں اصل فن کا اُس سے کوئی تعلق نہیں۔ ریاض صاحب کی شاعری کی بابت سرسری بیان ہو چکا اب بیساختہ جی چاہتا ہے کہ ان کے کچھ شعر سنئے یہ اس لئے کہ جس شخص مجھے

اس وقت اُن کے شعر پڑھنے میں مزہ آرہا ہے۔ آپ کو بھی مزہ آئے۔

اللہ رے ادب مست مئی ہوش رُبا کا کانپ اُٹھا قلم بھی جو لکھا نام خداؐ کا

ہاں اور بھی اِک جام مئی ہوش رُبا کا اس وقت مجھے ہوش نہیں شکرِ خداؐ کا

بھوکا پیٹ بھرنے پر شکر کرے تو تعجب نہ کیجئے۔ پیٹ بھرا اس قدر پائے کہ شکر کے بغیر اوسے چارہ نہ ہو شعر ملاحظہ ہو۔

آئی رہے پیہم ترے خُم سے مری ساقی وہ مُے لبِ تر پر جو بنے شکرِ خُدا کا

کیا نازک پہلو ہے۔

کیا تجھ سے ترے مست نے مانگا مری اللہ ہر موجِ شراب اٹھ کے بنی ہاتھ دعا کا

نشّہ سے جھکی پڑتی ہیں یوں ہی تیری آنکھیں چھیڑوں سے میری اور بڑھا بوجھ حیا کا

مسجد میں مرنے پر کوئی گور و کفن تک کا روادار نہیں ہوتا۔ لاوارثوں کی مدد سے یہ کام انجام پاتا ہے۔ اب شعر ملاحظہ ہو۔

رہنے دیگا نہ دمِ نزع کوئی حلق کو خشک میکدے میں ہیں اتنا تو سہارا ہوگا

دیر ہو یا ہو خرابات کہیں بھی جاؤں کعبہ دل میں میری آنکھوں میں مدینا ہوگا

آبِ زمزم کے سوا کچھ نہیں کعبے میں یا صن میکدہ تم جسے سمجھے ہو مدینا ہوگا

قیامت میں بھی اے ساقی اڑائی کاگ بوتل کے ترے رندوں نے کیا میدان مارا ہی قیامت کا

بہت ایسے بھی ہم رندوں میں ہیں اللہ کے بندے مزا جو لوٹتے ہیں میکدے میں باغ جنّت کا

بہت سی رند بھی دیکھے بہت سے زاہد بھی اِنہیں تو پیر ہمیشہ اُنہیں جواں دیکھا

ریاض خاک درِ میکدہ تھا جیتے جی — فنا کے بعد اُسے خلد آشیاں دیکھا

یہ اپنی وضع اور یہ دشنام مے فروش — سنکر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

اہلِ حرم بھی آکے ہوئی تھے شریک دور — کچھ اور رنگ آج مری میکشی کا تھا

پیغمبر آخرالزماں صلعم کا مدینے میں تشریف لانا مکے والوں کا آکے ایمان لانا۔

یہ کہہ کہ اس میں زہر بھی ہو کچھ ملا ہوا — ساقی نے جب پلائی تو نشہ سوا ہوا

ہم ہیں گدائے میکدہ ہم کو کمی نہیں — سب کچھ ہمارے گھر ہے خدا کا دیا ہوا

تمام صحابہؓ کا یہی حال تھا۔ گھر کا سارا اثاثہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ کے قدموں پر نثار کرنے کے بعد مجلس رسول صلعم سے اس شان سے نکلتے تھے کہ دنیا کا سب سے بڑا دولتمند اور بادشاہ ان کے استغنا کے ادنیٰ مرتبے کو نہیں پہونچتا تھا۔ آج مسلمان کا بچہ مسلمان ہوتے ہوئے روٹی روٹی چلاتا ہے۔ جس کی ضمانت اُس مسلمان بچے کی دین و ایمان والی کتاب کے ہر ورق میں موجود ہے۔

ٹپکا دے بوند بھر کوئی منہ میں ریاضؔ کے — دم میکدے میں توڑ رہا ہے پڑا ہوا

اس شعر کے متعلق اگر کوئی آرٹسٹ ایک سینری بنا دے تو شعر کا اصلی جوہر کھل جائے اور میں کیا کہوں۔

محتسب آیا تو میں خم پہ گرا — خم گرا مینا گرا ساغر گرا

اس شعر کے متعلق میں اس لئے کچھ نہیں کہونگا کہ ریاض کے شراب کے

شعر کو پھبتی والی شراب تک لوگوں نے محدود کر دیا ہے۔ حالانکہ ریاض نے پھبتی کیا و لایتی بھی کبھی نہیں پی۔ اس لیئے بہزار معذرت اتنا سن لیجیئے کہ کسی روحانی مجلس میں روحانی اثر کا جس سے خدا رسیدگی مقصود ہو اس مجلس کا ذکر ریاض اس شعر میں یوں کرتے ہیں کہ معرفت الٰہی کی شراب پی کر میں غرق شراب معرفت ہو گیا جو حاصل حیات انسانی ہے۔ قیامت بھی اس مجلس میں آجائے تو مجھے قیامت سے کیا مطلب قیامت میں پہونچکر حاصل قیامت یہ کہا جاتا ہے کہ غرق انوار الٰہی ہو جانا یہ مجھے اسی وقت حاصل ہو گیا۔ کسی پیر معرفت کی مجلس میں یہ شعر پڑھ دیا تو کیا برا کیا۔

بزم محشر گر بنے ساقی کی بزم   میں نہ اٹھونگا اگر پی کر گرا

توفیق الٰہی جو توبہ کو پائدار بنا دے اگر نہیں ہے تو اس وقت کا یہ شعر ہے۔

ہو گا جنہیں توبہ کا بھروسا مری مالک   وہ اور ہی ہونگے یہ گنہگار نہ ہو گا

اچھا اس شعر کا حال سن لیجیئے میں کہتا ہوں کہ شراب کا بہت نازک شعر ہے۔ میں اس کو بگاڑنا چاہتا ہوں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ خالق خالق نہیں ہو سکتا۔ جب تک مخلوق نہ ہو یعنی خالق نے اپنی عظمت قائم رکھنے کیلئے مخلوق پیدا کی۔ مخلوق سے کہا کہ میرے جلال کی جتنی صفتیں ہیں ان سب کا مزہ چکھنا ہو گا۔ مفہوم بگڑ گیا ہو تو معاف کیجیے گا۔ بن گیا ہو تو تعریف نہ کیجیے گا اب شعر سنئے۔

لب میگوں کا تقاضا ہے کہ جینا ہو گا   آنکھ کہتی ہے تجھے زہر بھی پینا ہو گا۔

اجھار وارودی سے کچھ اور شعر سنتے جائیے ایسا نہ ہو کہ آپ یہ کہیں کہ
ریاض کا شعر کیا سنانے آئے لگے سبق پڑھانے۔

رمضان میں نہ پلانا نہ پینا ہوگا　　کس طرح گذرے گی کیا یہ جینا ہوگا
حشر میں میکدے والو جو خدا نے چاہا　　یہی جلسہ یہی ساغر یہی مینا ہوگا

بادل اُمڈے ہوئے کٹھے رات سے میخانے پر　　مہر خم ٹوٹتے ہی ٹوٹ کے برسی کیا کیا

میں الحمد للہ کہ مسلمان ہوں۔ شاعر بھی الحمد للہ مسلمان تھا کاتب
اُس پر مستزاد، اگر ہم شراب کے شعر کو حرم کی کسی مجلس پر چسپاں کر دیں تو
آپ خفا نہ ہوا کیجئے۔ ذیل کے شعر میں مکے کا وہ وقت یاد دلانا چاہتا ہوں
جب سنہ ۸ھ میں مکہ فتح ہو کر حرم میں بتوں کی جگہ خدائے واحد ذوالجلال
کی پرستش شروع ہوئی اس وقت کے کیسے لوگ تھے کہ شراب توحید
حرم سے پی کر جو چلے تو اوس کا نشہ چین میں جا کر اُترا۔ ہمارے وقت میں
ہر سال کئی لاکھ زمزمی حرم سے بھر کر آتی ہے اور مردہ مسلمانوں کو نزع
کے وقت پلائی جاتی ہے۔ ع۔ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا۔
شعر ملاحظہ ہو۔

اُڑتی تھی وہ بُو آتی تھیں جنت کی ہوائیں　　اب رندوں کا جمگھٹ سر زمزم نہیں ہوتا

اب جلدی جلدی دو چار شعر سن لیجئے ایسا نہ ہو کہ میری بد مذاقی پھیر
آپ کو الجھا دے۔

لے جو دو سبیل میں آئیں تو پئیں　　ہم تک اُبل کے حشر میں آیا نہ جائیگا

کیسے یہ بادہ خوار ہیں سُن سُنکے پی گئے　　واعظ کو کچھ مزہ نہ کسی نے چکھا دیا

ابر بنکر جو برس پڑنے کو آیا واعظ　　بے طرح ہم نے خُمِ مے کو اُبلتے دیکھا

بنائی کیا بُری گت میکدے میں بادہ نوشوں نے　　ریاض آئے تھے کل جامہ پہنکر پارسائی کا

اں ہی جو شب کو بھی ہو شغلِ مے ریاض　　منہ صبح ہوتے دیکھ لیا روزہ دار کا
خُم دوش پر بغل میں صُراحی بروزِ حشر　　اُٹھنا مزار سے وہ کسی مے گُسار کا
اس لطف سے بہار آئی ہے اب کے بار　　پانی میں بھی مزہ ہے مئے خوشگوار کا

اس شعر میں اعتبار کی پوری دنیا ہے۔

رکھنا پڑا ہمیں خُمِ دنیا کو سر بمُہر　　کوئی بھی آدمی نہ ملا اعتبار کا

کیا مُرصع شعر ہے۔

اب نور پاش پھول اُڑاتے ہیں ان دنوں　　جوبن یہ لوٹتے ہیں عروسِ بہار کا

اودھ کے تعلقدار یورپ اور امریکہ کے گھوڑدوڑ والے ملاحظہ فرمائیں۔

جب تک ملیگی قرض بھی جائینگے ضرور　　ہم جانتے ہیں مفت ہی سودا اُدھار کا

آپ خفا نہ ہوں جس شعر میں مجھے جتنا مزہ آئے وہ مجھے مزہ لینے دیجئے

میں کہتا ہوں کہ یہ شعر کس قدر سوندھا ہے یعنی اس شعر سے وہ بو آتی ہے جس
بُو کی تعریف حدیثوں میں اہلِ صوم کے بوسے دہن کے متعلق کی گئی ہے۔

مینا کا منہ ہی بند یہ ہے احترامِ صوم　　ساغر کا لب ہی ہونٹھ کسی روزہ دار کا

وحشیانہ آئے ریش حنائی پہ اے ریاض ۔۔۔ گو سن نہیں مگر ہے زمانہ بہار کا

پچھلے شعر جو میں نے لکھے ہیں اور اگلے شعر جو میں لکھ سکونگا ان میں کم سے
کم یہ چیز تو ضرور ملاحظہ کیجئے کہ ریاض نے غزلوں کے دیوان میں تیرہ سو چھیاسٹھ[۱۳۶۶]
شعر شراب کے لکھے ہیں جن میں تیرہ سو چھیاسٹھ[۱۳۶۶] پہلو شراب کے دکھائے
ہیں اس کو ذرا شراب سے علیحدہ کرکے ملاحظہ کیجئے ۔ اور عرب میں بغداد کے
دارالسلطنت میں پہونچ جائیے ۔ ہارون رشید کے دربار کا شعر ابو نواس ہے
اس کی روزمرہ کی زندگی ملاحظہ فرمائیے ۔ دربار ہارون رشید میں کسی شعر پر
ایک لاکھ دینار انعام پاتا ہے ۔ گھر آتا ہے ۔ صبح کو دربار میں جب پھر جاتا ہے
تو بسا اوقات حاجب اس کو جانے نہیں دیتا ۔ یعنی ایسے بوسیدہ کپڑوں میں
جاتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے چھ مہینہ کی فاقہ کشی کے بعد گھر سے نکلا ہے اور
اشعار میں روزانہ کی تکالیف اور راحت شراب کے عنوان سے بیان کرتا ہے
اسی طرح سے ریاض جیسے فاقہ مست شاعر کے گھر کا وہ رونا ہے جو آپ کو شراب کے
نام سے مست کرتا ہے ۔ اب ذرا توجہ سے اشعار پر نظر فرمائیے اور دنیا میں
مفلسی کی عیاشیوں کا مزہ لیجئے ۔

جب تک ملیگی قرض پئے جائینگے ضرور ۔۔۔ ہم جانتے ہیں مفت جو سودا اُدھار کا

بوتل جب اس کے حجرے میں کھولے بھری ملی ۔۔۔ واعظ بھی آدمی ہے بڑے اعتبار کا

ہر ملک میں موسم بہار ایک خاص زمانے کا نام ہے مگر ریاض نے موسم بہار
ایسا وسیع بنا دیا کہ جس کو جب جتنی دیر کے لیے یکسوئی ہو جائے وہی اُس کا
موسم بہار رہے ۔

مے نوش جس کو کہتے ہیں موسم بہار کا ‏ ‏ اک وقت ہے وہ دختر رز کے نکھار کا

اٹھا ہوا جہاں وہ میدان حشر ہیں ‏ ‏ چلنا وہ جھوم جھوم کے مجھ بادہ خوار کا

کہتے ہیں جس کو پنبۂ مینائے شب فروز ‏ ‏ ہم میکشوں میں نام ہے صبح بہار کا

واعظ نہ آپ بزم میں چھلکائیں جام خلد ‏ ‏ کھلوائیں منہ جناب نہ مجھ بادہ خوار کا

چوری گئی شراب تو کیا ورد مے وہ ہے ‏ ‏ جو نام لے ریاض سے پرہیزگار کا

کتنی ہی مجھ سے توبہ ملے ٹوٹ ٹوٹ کر ‏ ‏ اس سے نہیں چھٹے گا ساتھ نہ مجھ بادہ خوار کا

توبہ کا یہ اثر ہے لب جو کہ جام مے ‏ ‏ بتخالہ ہو گیا ہے لب جوے بار کا

پی پی کے اس نے سجدے کئے ہیں تمام رات ‏ ‏ اللہ رے شغل زاہد شب زندہ دار کا

اہل ہوس اور صاحب قناعت کا تقابل کیا ہے۔

خم سے نہ ہو وہ سیر ہیں چلوؤں میں سیر ہوں ‏ ‏ یہ ظرف شیخ کا ہے یہ مجھ خاکسار کا

باتیں معشوقوں کی کانوں میں نظر آئیں نکلیں ‏ ‏ نشۂ بادۂ گلنار ترا کیا کہنا

کوثر کا حوض حشر میں سر پہ لئے پھروں ‏ ‏ چلا سے شیخ یہ کبھی تمہارا سبو ہوا

شعر سننے چاہیے اس کا نام جوٹ ہی کہئے مگر ہیرے کی کنی کی طرح دل میں نہ چبھے تو اٹھا کے پھینک دیجئے۔

نشۂ ابر گر کے ہاتھ سے مینا ہوا جو چور ‏ ‏ ہر ریزہ جا کے سبزۂ لب آب جو ہوا

ہم جام مے کے بھی لب تر چوستے رہے ‏ ‏ چسکا پڑا ہوا ہے تمہاری زبان کا

توبہ کرکے آج پھر پی لی ریاض — کیا کیا کمبخت تو نے کیا کیا

دستِ شفقت اس طرح اک رند نے پھیرا ریاض — بیٹھ کر یادِ خدا میں جھومتا جاتا رہا

جناب حاجی وارث علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا فوٹو کھینچ دیا ہے۔ ذیل کا شعر بھی اسی رنگ کا ہے۔

ریاض اور ہی رنگ میں مست ہیں اب — سنا ہے پیالہ پیا ہے کسی کا

شیخ نے عہد توڑا، توبہ توڑی۔ دنیا کی بنوٹ سے دستکشی کی اس کے بعد کیا ہوا۔ شعر سنئے

شاخ میں جبتک یہ بے انگور ہے — شیخ نے توڑا کہ مینا ہو گیا

آئیگا پینے پلانے کا مزہ — پارسا اب بادہ پیما ہو گیا

ہے یہ بہت نشہ ذرا ہو گیا — مل گئی تھوڑی سی بھلا ہو گیا

جھومتے ہیں بیٹھے حرم میں ریاض — آکے یہاں نشہ سوا ہو گیا

ایک صاحب خانقاہ جن کا نام مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ ہے جب ان کے پاس علامہ عبدالوہاب بہاری علیہ الرحمہ بیعت کے لئے جاتے ہیں تو وہ فرماتے ہیں کہ بابا اللہ جمیل و یحب الجمال یہ تو تم نے داڑھی بڑھائی کہ جس پر یہ پھبتی صادق آتی ہے کہ یہ کوئی جھاڑی ہے جس میں بچہ و بد خرگوشے۔ جب میری آنکھوں کو ستا رہی ہے تو جس کے دربار میں جانا چاہتے ہو اور میرے ذریعہ سے جانا چاہتے ہو تو وہ تمہاری اس صورت سے کہاں تک خوش ہو گا جاؤ ذرا پر قینچ ہو کر آؤ کہ آدمی جیسی

صورت معلوم ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ حضرت مخدوم سلطان نظام الدین الاولیا علیہ الرحمہ کے سات سو قوالوں کے معلم اتم تھے اس رنگینی کی کوئی حد ہے۔ شیخ حرم شریعت کا درہ لیے جبہ و دستار سنبھالے پوری عظمت و شان سے ہیں۔ اِدھر سرشاران محبت اپنی محبت کی اداؤں اور سرمستیوں میں غرق۔ اہل حرم ان کے رموز کیا جانیں مگر دونوں قابلِ احترام۔ فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔ اب شعر سنئے۔

جب لوگوں میں دونوں کی بزرگی ہے مسلّم　　کیا شیخِ حرم پیرِ مغاں ہو نہیں سکتا

یعنی شیخِ حرم پیرِ مغاں ہو نہیں سکتا۔ انہیں معنوں میں اس شعر کو بھی ملاحظہ کیجئے پہلو بدلا ہے مگر لاجواب ہے۔

مجھکو ہے لبِ جامِ شکستہ بھی مہِ عید　　ساقی یہ ہلالِ رمضاں ہو نہیں سکتا

ساقی کی گڑی آنکھ ہے کیوں کعبۂ دل پہ　　یہ بادہ فروشوں کی دوکاں ہو نہیں سکتا

کس مایوسی سے ساقی ہو یا پیرِ مغاں دونوں سے شراب مانگتا ہے۔

کچھ خشک سا ہے تربتِ میخوار کا سبزہ　　کیا ابرِ بہار اشک فشاں ہو نہیں سکتا

دھوکا ہوا۔ زاہدوں کی عید تیس دن کے بعد۔ شرابیوں کی عید تیس دن ایسے

ہر شام نہ جس کی سحرِ عید ہو واعظ　　میخانے میں ایسا رمضاں ہو نہیں سکتا

ریاض کے شراب کے پورے اشعار کا جواب صرف ایک شعر میں ہے۔

ملتی ہے درِ ساقیِ کوثر سے یہ خدمت　　اس طرح کوئی پیرِ مغاں ہو نہیں سکتا

مے چرلانے میں نہیں ہے یدِ طولیٰ کیسا　　ہم اُڑا لائے سبو آج اچھوتا کیسا

ایک پہلو ملاحظہ ہو۔

سایۂ تاک میں واعظ کو جگہ دی ہم نے — آج شیشے میں اسے ہم نے اوتار لیا

۱۹۱۴ء والی جنگ میں ہندوستان سے غلہ ریلی برادرس لیگیا۔ یہ ریلی برادرس قبل جنگ بھی منڈیوں سے غلہ لیتا تھا۔ مگر اس کمپنی کی بود و باش برطانیہ کے کسی ملک میں تھی۔ جنگ عظیم والا برادرس بعد کو جرمن کمپنی نکلی۔ شعر اگر دنیا کے حالات کے مطابق ہو جائے تو آپ خفا نہ ہوا کیجئے۔ شاعر نے اس قسم کے فریبوں کو عجیب لطیف انداز میں بیان کیا ہے۔

قرض لایا ہے کوئی بھیس بدلکر شاید — مے فروشوں کا جو زاہد نے تقاضا لیا

سلامت کنج تنہائی سلامت یہ خم و ساغر — بہار آئے نہ آئے مجھکو سودا ہو نہیں سکتا

مذہب کی تعلیم میں جب تک روحانیت کا جزو اعظم شامل نہ ہو مذہب بے روح ہو کر رہ جاتا ہے۔

حرم والو ریاضت کر کے حرم میں پڑ رہیں کیونکر — گذر ان کا کہیں بے جام و مینا ہو نہیں سکتا

تم محض نماز پڑھاؤ گے۔ حرم کا طواف کراؤ گے اس کو بے جلوۂ الٰہی دیکھے کسی چیز میں مزہ نہ آئیگا۔ تعمیل حکم اور ہے۔ کسی حکم کی تعمیل میں مزہ آنا اور بات ہے۔

شباب کا اور بھرپور شباب کا ایسا بھرپور شعر کہا ہے کہ تصویر کھڑی کر دی ہے۔

بھرے ساغر میں جو بھرپور رنگ انکی جوانی کا — غضب ہے اپنے نشے میں میرا چور ہو جانا

ساقی اور پیر مغاں ان کو نیا آدمی سمجھکر ذرا زیادہ توجہ فرمائیں۔ سمٹے سمٹائے دامن چرائے مودب بیٹھے تھے کہ مغبچے نے چوٹ کی۔

پارسا بنکے ریاض آئے ہیں میخانے میں آپ بیٹھے ہیں بچائے ہوئے دامن کیسا

اک رخ یہ بھی ملاحظہ ہو۔

مقصود ہے کوئی نہ پئے وہ حریص ہیں واعظ ہوا ہیں رند قدح خوار کیا ہوا

کوئی زاہد خشک آجائے اور اہل نسبت کی محفل میں بیٹھے تو اہل نسبت کو بھی عجب مزا آتا ہے کہ ذرا اس خشک لکڑی میں آگ لگا دی جائے۔ اگر کسی نے ایک چنگاری چھوڑ دی تو سب اس ہیزم خشک کے انداز دیکھ کے خاص مزے لیتے ہیں۔ ریاض فرماتے ہیں۔

ہمیں پینے پلانے کا مزہ ابتک نہیں آتا کہ بزم مے میں کوئی پارسا ابتک نہیں آتا

آفتاب حشر کب چمکا ریاض داغ مے دامن سے جب میں دھو چکا

یہ مے توحید کی جھلک ہے جو پتھر پر سر گڑنے سے نہیں آتی۔

پی کر بھی جھلک نور کی منہ پر نہیں آتی ہم رندوں میں جو صاحب ایماں نہیں ہوتا

اس نازک انداز کو کس نازک طرح پر بیان کیا ہے۔

اس کے آغاز جوانی کا کہوں کیا عالم کچھ اسے نشہ سا تھا نشے میں وہ چور نہ تھا

قوموں کے عروج کے وقت یہ شعر پڑھنے کا ہے یعنی بغداد و اندلس کا عروج سوچئے۔

بہار آئی تھی گلشن میں وہ دن بھی یاد ہیں مجھکو کسی کے ہاتھ میں ساغر تھا کوئی گل بداماں تھا

اہلِ نظر نے پہچانا۔

نماز عید ہوئی میکدے میں دھوم سے آج   ریاض بادہ کشوں نے ہمیں امام کیا

بزرگوں کی فاتحہ جب کی جاتی ہے تو اس میں بعض صاحب عصمت لوگوں کے خیال سے کچھ حصے ڈھک دے جاتے ہیں جو ان لوگوں کو دے جاتے ہیں جو اہل حاجت تو ہوں مگر قریب بہ معصومیت ہوں۔

اچھوتے جام میں منت کے کچھ الگ رکھے   کسے پلائیں کوئی پارسا نہیں ملتا

ہندوستان کا حساب لگا لگا کے گھر یلو دولت نذر یورپ ہو گئی۔ جو رگوں میں خون باقی ہے وہ تپ دق کے کیڑوں کی طرح کچھ سنجا رتی نقطے جسم پر جگہ جگہ بجلی کے تاروں جیسے جھٹکے دے رہے ہیں۔ کانگریس ہندو راج چلا رہی ہے۔ شعر ملاحظہ ہو۔

ریاض توبہ کرو دن خزاں کے آئے ہیں   تم آئے پینے کو جاتی ہوئی بہار میں کیا

معرفت کا راز پہاڑ کی چوٹی پر۔

بیٹھکر چوری سے پینا یس خم   راز ہے گوشۂ تنہائی کا

شعر نہیں ہے معشوق ہے۔

خم قد ہے خم مینا سوے جام   موج مے ہاتھ ہے انگڑائی کا

مست مینا ہوں پیا ہے میں نے   جام امیر احمد مینائی کا

چن چن کے آج شیخ نے انگور کھا لئے   اب کیا کھینچیگی تاک کا حاصل نکل گیا

ہائے سی بوجھ گناہوں کا اٹھے گا کیونکر　　رعشہ ایسا ہے کہ ساغر بھی نہ ہم سے اٹھا

توڑے ٹکرا کے سبو ہم نے بھی ادکی سر سے　　چپ ہو واعظ کہ یہی حاصل تقریر بھی تھا

مالک کی جس طرح عدل ایک صفت ہے اوسی طرح عفو بھی ایک صفت ہے۔ اب بتائیے کہ عدل کے ہوتے عفو کیونکر جاری ہو۔ عدل کا تو یہ حال ہے کہ سیدھی سیدھی بات ہے۔ جیسا کرے گا ویسا پائے گا عفو میں بڑا مزہ ہے کہ ادبدا کے آپ کے خلاف کروں تاکہ آپ معاف کیجئے شفاعت میں جو مزہ ہے وہ معصومیت میں نہیں ہے معصومیت فرشتوں کے واسطے ہے۔ بے کئے بخشے ہوئے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ زندہ زمین سے اٹھا لیئے گئے جس وقت وہ نبی تھے نبوت کی صفتوں میں یہ بات بھی تھی کہ وہ معصوم تھے یعنی ان میں گناہ کی صلاحیت نہ تھی۔ ابکے جو آسمان سے تشریف لائینگے تو نبی ہو کر نہ آئینگے بلکہ نبی آخر الزماں کے امتی بنکر آئینگے۔ اب انمیں گناہ کی صلاحیت ہو گئی تاکہ شفاعت محیط ٹھہرے۔ دنیا میں انسانوں کا آنا مختلف مصالح کے سلسلے میں ہے عفو کے ظاہر کرنے کی بھی ایک مصلحت ہے۔ شعر ملاحظہ ہو۔

دل لاکھ پاک صاف ہو دامن کو کیا کروں　　جا جا کے میکدے میں یہ دھبا لگا لیا

جاتے ہی میکدہ مجھے اجمیر ہو گیا　　اتنی ملی کہ پینے سے جی سیر ہو گیا

جاتے تھے سوئے میکدہ نکلے حرم میں ہم　　کیا جانے آج راہ میں کیا پھیر ہو گیا

اچھا شعر ملاحظہ فرمایئے یعنی شعر سے پہلے میری بکواس سُن لیجئے۔ شاعر کو تشبیہہ کا حق ہے۔ کیا مجھے نہیں ہے۔ کسی بزرگ کی خانقاہ میں گئے ان کا سامنا ہوا۔ صورت شکل فرشتے کی کرم کی نظر جو مجھ پر پڑی میرا دل محبت الٰہی کی لذّت سے لبریز ہوگیا۔ ان کی آنکھ کو میں خُم، سبو، صراحی، میکدہ یعنی سب کچھ سمجھا، نظر کو شراب و مینا سمجھا، ابرو کی کجی کو طاق ابرو کہا۔ اس محراب میں بیٹھکر مئے توحید پی۔ ریاض کا شعر رٹتا ہوا چلا آیا۔ یہ بات ناپسند ہو تو شعر یاد رکھئے گا۔ میری بکواس بھول جایئے گا۔

خانقہ میں جو کبھی طاق سے مینا اُترا　　ہم یہ سمجھے کوئی رحمت کا فرشتا اُترا

عجب رُخ ہے۔

سنتے چھوٹے جو سرِ راہ عماما اُترا　　سر سے ان بادہ فروشوں کا تقاضا اُترا

ملاحظہ ہو شراب نوشی کا ایک رُخ یہ بھی ہے مگر شاعر سکھاتا ہے کہ میری شراب کو ہمیشہ بھٹی والی نہ سمجھا کیجئے ذرا وسیع النظری سے کام لیا کیجئے تو آپ کو شراب کے پردے میں دنیا نظر آنے لگے۔ چنانچہ یہ شعر ملاحظہ فرمایئے۔

بُری کیا تھی فاقہ مستی بڑی لطف سے گذرتی　　سنئے کچھ مے کی تلخی غمِ روزگار ہوتا

شاعر گناہوں سے ندامت سکھاتا ہے۔

میری حلق ہی اتر کر مئے صاف اشک بنتی　　ابھی میں گناہ کرتا ابھی اشکبار ہوتا

اس تعلیم کو ملاحظہ کیجئے کہ جن کو پارسائی کا دعویٰ ہے۔ اُن کو ادب کی

تعلیم دیتا ہے شعر ملاحظہ ہو۔

تری آگے سر اٹھاتا کوئی پارسا نہ ساقی　　جو ریاض پارسا ہی کہیں بادہ خوار ہوتا

لگے ہاتھوں یہ شعر بھی سن لیجئے۔

تری رحمتوں کے بادل خم و دش جھک کے بڑھتے　　لئے حشر میں خم مے یہ سیاہ کار ہوتا

مولا علی کرم اللہ وجہہ سے لیکر اس وقت تک جتنے حقیقی اولیا گذرے ہیں ان کے حلقۂ درس سے معرفت توحید کا تصور فرمائیے اور یہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

ہے میکدے کا خاص مقامات میں شمار　　جو مغبچہ ملا مجھے پیر مغاں ملا

تہجد کی نماز پڑھنے والوں کے لئے کعبے اور مدینے میں جو اذان دی جاتی ہے اس کا نام تحریم ہے گویا یاد خدا کرنے کے بہتر وقت سے اعلانات شروع ہونے ہیں یہاں تک کہ صبح صادق جوں ہی شروع ہوتی ہے اذان صبح ہوتی ہے۔ گویا ظاہری شریعت پر عمل کرنے والوں کے ساتھ ساتھ روحانی مراتب حاصل کرنے والے بھی اپنے کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ان روحانی کاروبار والوں کا نام ریاض نے اس شعر میں قلقل مینا سے تعبیر کیا ہے۔ اب شعر ملاحظہ ہو۔

آئی آواز اذان صبح اٹھو بھی ریاض　　میکدے میں کبھی تو شور قلقل مینا ہوا

پورب کے ایک شاعر مولانا آسی علیہ الرحمہ گذرے ہیں ان کا ایک شعر سناتا ہوں تاکہ ریاض کا شعر اپنی رنگینی زیادہ نمایاں کردے۔ از حضرت آسی رح

جنہیں چرچا نہ کچھ تمہارا ہو　　ایسے احباب ایسی صحبت کیا

ریاض :-

ہم رند سمجھتے ہیں اُسے انجمن وعظ ۔۔۔ جس بزم میں ذکر مے و مینا نہیں ہوتا

میخانے کی عظمت ملاحظہ کیجیئے۔ ایک میخانۂ وحدت جہاں سرشارانِ محبت الٰہی ہوتے ہیں۔ ایک دنیا کا شراب خانہ جہاں گناہ کرنیوالا شرابی یقیناً ندامت سے پُر شراب پیتا جاتا ہے اور خدا تعالٰی سے معافی مانگتا جاتا ہے۔ دوسری طرف ظاہر پرستان دنیا نماز کی ڈیوٹی مسجد میں ادا کرنے کے بعد ایسے اکڑتے ہوئے نکلتے ہیں کہ گویا خدا تعالٰی پر کوئی احسان کر کے جا رہے ہیں۔ شعر ملاحظہ ہو۔

میخانے میں کیوں یادِ خدا تعالٰی ہوتی ہے اکثر ۔۔۔ مسجد میں تو ذکر مے و مینا نہیں ہوتا

انگریزی حکومت کے سایے میں کانگریسی وضع بنائے اور یہ شعر پڑھے۔

وضع رندانہ رہے ریش رہے صاف ریاضؔ ۔۔۔ خوف کی چیز ہے اس وقت مسلماں ہونا

میں کہتا ہوں کہ قفقاز کی پری تہیں ابرن سولہ سنگھار کیئے ہوئے پورے شباب میں سامنے کیا آئی کہ ریاض کا یہ شعر سامنے آیا۔

آیے ہمارے آگے وہ ساغر شراب کا ۔۔۔ ساقی نے جس میں رنگ بھرا ہو شباب کا

یہ شعر بے مزہ ہوگا اگر دوسرا نہ سنئے گا۔

بدمست دل ہی آنکھ ہی ساغر شراب کا ۔۔۔ ساقی کا میکدہ ہے زمانہ شباب کا

عورت کا پورا شباب اور شباب کے آثار کی نمود کے تصور کے ساتھ اگر یہ شعر آپ سنے نہ سنا تو میں کا غذ پٹک دونگا۔

پیری میں سر بھرے ہے یوں ہی اے ریاضؔ ۔۔۔ ہے بوتلوں میں بند زمانہ شباب کا

کچھ ایسے شعر سنئے جس پر میرے نوٹ اگر بے تکے ہو جائیں تو آپ خفا

نہ ہو جائے۔ ان شعروں نے مجھے ایسا خود رفتہ کر دیا ہے کہ پوری بات شاید نہ کہہ سکوں۔ میں اس غزل کو اپنی کم فہمی کی بنا پر نعت میں لیجا رہا ہوں آپ اس سمجھنے کے پابند نہیں مگر جو میں سمجھتا ہوں مجھے سمجھنے دیجئے۔ جس وقت کعبہ میں بت پرستی ہو رہی تھی اور پیغمبر آخر الزماں صلعم جام توحید پلا رہے تھے اور کعبے میں علانیہ اذاں ہو سکتی تھی نہ توحید والے علے الا علان عبادت کر سکتے تھے۔ اس وقت کا یہ شعر ہے ملاحظہ ہو۔

کوئی مست میکدہ آگیا مئے بیخودی وہ پلا گیا   نہ صدائے نغمۂ دیر اٹھی نہ حرم سے شورِ اذاں اٹھا

جس وقت مجلس رسول صلعم کی طرف عرب غول در غول ایمان لانے کے لئے چل پڑے تھے اور جو صحابہؓ راہ میں ملتے تھے وہ مجلس رسول صلعم کی طرف جانے کا راستہ بتا کے کنارے ہو جاتے تھے شعر ملاحظہ ہو۔

گئے ساتھ شیخ حرم کے ہم نہ کوئی ملا نہ لئے قدم
نہ تو خم بڑھا نہ سبو جھکا جو اٹھا تو پیر مغاں اٹھا

کعبے اور مدینے کا فرق ملاحظہ ہو۔

تجھے مے فروش خبر بھی ہے کہ مقام کون ہے کیا ہو شئے   یہ وہ حرم ہے دوکان ہے تو یہاں سے اپنی دوکان اٹھا

یہ شعر بغیر لکھے آگے نہیں بڑھوں گا۔ جناب ریاض کا چلبلا پن داد چاہتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ ہو زاہد مرتاض ریاض   رند کہتے ہیں اسے چور ہے میخانے کا

ریاض بہشت میں یہ شعر پڑھکر ٹہلتے ہونگے۔

جوانی اے ریاض اب لوٹنا ہے دختر رز کی   بڑھاپا کہہ رہا ہے تو نئے سر سے جوان ہوگا

چند شعر اور جلدی جلدی سن لیجیے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ میری نوٹ بازی سے خفا ہو جائیں اور یہ کہیں کہ ریاض کے شعر تو سناتا نہیں اپنی لفاظی کی داد چاہتا ہے۔

دنیا سے الگ ہم نے بتخانے کا در دیکھا ۔۔۔ بتخانے کا در دیکھا اللہ کا گھر دیکھا

دونوں کے مزے لوٹے دونوں کا اثر دیکھا ۔۔۔ اللہ کا گھر دیکھا میخانے کا در دیکھا

کعبے میں نظر آئے جو صبح اذاں سنتے ۔۔۔ میخانے میں رندوں کو انکا بھی گذر دیکھا

کچھ کام نہیں مے سے کو عشق ہے اس شے سے ۔۔۔ ہیں رند ریاض ایسے دامن بھی نہ تر دیکھا

اس وقت میں ریاض کے خمریات کے دو سو شعروں کا انتخاب لکھ سکا گیارہ سو چھیاسٹھ شعر ابھی باقی ہیں اگر ان کا بھی انتخاب لکھوں اور اپنی طبیعت سے مجبور ہو کر کہیں کہیں کچھ نوٹ بھی اضافہ کروں تو دو ہفتوں سے کم صرف نہیں ہونگے اور جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے حال مقیم دار الترجمہ حیدر آباد کا تقاضا ہے کہ دیوان چھپ چکا ہے۔ دیباچہ جلد سے جلد بھیجو۔ اب میں باقی گیارہ سو چھیاسٹھ ۱۱۶۶ شراب کے شعروں کا انتخاب اپنے نوٹ کے ساتھ گورکھپور کے ادبی پرچہ شاہکار میں جس کے ایڈیٹر اور مالک جناب حکیم عارف صاحب ہیں دیتا رہونگا جن صاحبوں کے پاس ریاض کا دیوان اس دیباچہ کے ساتھ موجود ہوگا وہ اگر اس سلسلہ کو مکمل کرنا چاہینگے تو اگر دیباچہ میں نہیں تو دیوان کے آخر میں اس کا اضافہ کر لینگے۔ اب میں دو شعر لکھ کر اس دیباچہ کو ختم کرتا ہوں۔

پہلا شعر

میں نے کسی تذکرہ میں یہ پڑھا تھا کہ غالب مرحوم کے پاس کچھ لوگ اُن کا کلام سُننے کے شوق میں حاضر ہوئے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ غالب مرحوم کے پاس اُن کا کلام سُننے آئے ہونگے انہوں نے اپنے آپ کو غالب کے کلام کے سمجھنے کا اہل سمجھا ہوگا۔ چنانچہ غالب مرحوم سے اُنہوں نے یہ عرض کیا کہ آپ کے منہ سے آپ کا کلام سُن لینگے تو عمر بھر فخر کرینگے اس لئے کچھ سُنائیے۔ غالب مرحوم نے ایک غزل پڑھی اور جب مقطع پر پہونچے تو سامعین سے کہا کہ سمجھے؟ سامعین نے سمجھا ہو یا نہ سمجھا ہو سب نے ایک زباں ہو کر کہا کہ نہیں سمجھے۔ غالب مرحوم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک نہیں سمجھے ہونگے! اتنا واقعہ میں نے کسی تذکرہ میں پڑھا تھا غالب مرحوم نے اُس مقطع کا کیا مطلب سمجھا اس میں درج نہ تھا۔ مگر مقطع درج تھا چنانچہ میں بھی اُسے لکھے دیتا ہوں۔ میں نے بھی کوشش کی ہے کہ اس مقطع کو سمجھوں اور کسی حدتک کامیاب بھی ہوا ہوں مگر اس کے بیان کا یہ محل نہیں ہے۔ اس وجہ سے اُسے چھوڑتا ہوں وہ مقطع یہ ہے۔

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے   کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

اب واقعہ سنئے کہ ریاض مرحوم گورکھپور میں تشریف فرما ہیں ایک روز اُن سے میں نے فرمائش کی کہ اپنا کوئی شعر سنائیے انہوں نے ایک

شعر سنایا میں نے اُن سے کہا کہ آپ سمجھے۔ اُنہوں نے کہا نہیں سمجھے میں نے
کہا بیشک نہیں سمجھے ہونگے۔ انہوں نے کہا سمجھائیے۔ میں نے کہا
سنئیے۔ آپ کو شراب کا مضمون باندھنے کی مشق میں الفاظ مناسب
ملے، نگینے کی طرح صحیح جگہوں پر جڑ دیے۔ شعر ہو گیا۔ آپ سمجھے نہیں کہ
آپ نے کیا کہا۔ سنئیے زمین کی شراب بناتے بناتے آپ کوثر کی شراب
دنیا میں بنانے لگے۔ کوثر والی یہاں بنے کیسے۔ جب تک نسخہ نہ ملے۔
نسخہ ملے تو کہاں سے۔ پرانی بیاضوں میں حکماء علماء تجربہ کے نسخے
لکھ دیا کرتے تھے۔ تلاش ہوئی کہ کوثر والے کی بیاض ملے تو نسخہ
تلاش کیا جائے۔ کوثر والا کون جو دعویٰ کرتا ہے وسقٰہم ربہم شرابًا
طہورًا، ان کے رب نے ان کو شراب طہور پلائی۔ معلوم ہوا کہ رب کی
بیاض چاہیئے۔ رب کی بیاض قرآن۔ قرآن کو غور سے دیکھا تو معلوم
ہوا کہ قرآن والے نے حوض کوثر کا مالک ومختار پیغمبر آخرالزماں صلعم کو
قرار دیا۔ اور انا اعطیناک الکوثر کہکر واضح کر دیا۔ معلوم ہوا مالک کوثر
محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کی بیاض کی تلاش ہوئی۔ معلوم
ہوا کہ ان کی بیاض کا نام ان کی حدیثیں ہیں۔ شراب کوثر کے نسخے کی
دو کتابیں ملیں۔ قرآن اور حدیث ان دونوں کی شرحیں جو علماء نے کیں
ہیں ان میں یہ بات واضح کی ہے کہ قیامت کے دن شراب کوثر تقسیم
کرنے والی جماعت کے سرگروہ مولا علی کرم اللہ وجہہ ہونگے۔ سوچا کہ
ان کو بھی شراب کوثر کا نسخہ معلوم ہوگا۔ ان کی بھی بیاض تلاش کرنا چاہیئے

ان کی بیاض کتاب معرفت ۔ ان تینوں بیاضوں میں سے اسی دنیا میں

نسخہ شراب کوثر ملا ۔ شبلی و جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہما خواجہ اجمیریؒ اور

سلطان الاولیاؒ اور دنیا کے جملہ اولیا نے پلانا شروع کیا شعر ریاض کی

شاعری تک نہیں رہا واقعی اور وقوعی ہو گیا ۔ اب شعر ملاحظہ فرمائیے ۔

نسخہ بیاض ساقیٔ کوثر سے ملگیا　　گھر بیٹھے اب تو بادۂ کوثر بنائینگے

دوسرا شعر

اس شعر کا قصہ یوں ہے کہ منشی سید ریاض احمد صاحب ریاض نے

ایک شعر مصحفی کے اس شعر کے جواب میں کہا مصحفی کا شعر ۔

دعویٰ کیا تھا گل نے کل اُس سے رنگ و بو کا　　ماری صبا نے دھولیں شبنم نے منہ پہ تھوکا

اس کے مقابلہ میں ریاض نے جو شعر کہا اس میں منہ میں تھوکا نظم کیا ۔

ظاہر ہے کہ منہ پر تھوکنا آسانی سے ہو سکتا ہے یا محاورے کے تحت میں آتا

ہے ۔ منہ میں تھوکنا اہتمام چاہتا ہے کہ منہ کھولا جائے تو کس عنوان سے

کھولا جائے اور منہ میں تھوکنا اگر محاورہ نہیں ہے تو محاورے سے چنداں

الگ بھی نہیں اور اگر منہ کھولنے کا عنوان بہترین ثابت ہو سکے تو مصحفی کے

محاورہ باندھنے کی خوبی کے سوا یہ شعر منہ میں تھوکنے والا اُس سے بلند ہو جانا

چاہئیے ۔ چنانچہ ریاض کا شعر اس سے بلند ہوا ۔ نواب حامد علی خاں والیٔ

رامپور کے کان تک شدہ شدہ یہ بات پہونچی کہ ریاض نے مصحفی سے

بڑھ کر مطلع کہا ہے ۔ مگر خود سنانے کی شرط ایک ہزار روپیہ ہے ۔ مجھے

معلوم ہے کہ نواب صاحب مرحوم نے اُن کا یہ مطلع اُنہیں سے سُنا ۔

ہزار روپیئے اُن کو دے یا نہیں اس کا علم مجھکو نہیں۔ اس موقع پر ریاض والا
مطلع سُن لیجیے۔

منہ زیر ناک کھولا واعظ بہت ہی چوکا ۔۔۔ بیلوں نے ڈاڑھی پکڑی خوشوں نے منہ میں تھوکا

مجھے یہ ہوس خام ہوئی کہ ریاض مرحوم کے کلام کا میں بڑا شائق ہوں کاش
مجھے کوئی ایسا ہی موقع نصیب ہوتا۔ میرے دل کو یہ بات لگی ہوئی تھی' اب
واقعہ سنیئے۔ مجھ سے اور ریاض صاحب سے یہ معاہدہ تھا کہ جب وہ مجھے
کوئی خط لکھینگے تو اس کے ابتدا میں اور آخر میں ایک ایک نیا شعر لکھا کرینگے
چنانچہ ایک روز ڈاک سے اُن کا خط مجھے ملا شروع ہی میں اُن کا شعر
نظر کے سامنے آیا۔ اُن کا خط میں نے نہیں پڑھا۔ شعر کا مضمون اُن سے
کہنے کے لئے بیتاب ہوگیا۔ اُسی وقت تار گھر گیا وہ اُس وقت خیر آباد میں تھے
اُن کو تار دیا اور بیتابی سے دوسرے روز تک آنے کا انتظار کرتا رہا دوسرے
روز صبح کو میں خود اسٹیشن لینے گیا اور اُن کو اپنی گاڑی پر سوار کیا اور شعر کی
لذّت لیتے ہوئے کہ پہلا ۵ بجے صبح کو گورکھپور میں خیر آباد کی گاڑی پہونچتی ہے۔
اُس وقت سے دوسرے دن ۸ بجے صبح تک مسلسل اس شعر کا تذکرہ رہا۔
میں اب ناظرین کو یہ بتانے سے معذور ہوں کہ میں نے اس شعر کے معنی
اپنے خیال کے مطابق چوبیس ۲۴ گھنٹوں میں کتنے بیان کئے اور سید
ریاض احمد ریاض سے اسی شعر فہمی کے سلسلہ میں میں نے اپنی دیرینہ
دل کی لگی کا اظہار کیا کہ میں بھی ایسے ہی موقع کا متلاشی تھا جیسا کہ نواب
رام پور کو ملا تھا میری ناقص سمجھ میں آپ کا یہ شعر اسی قدر دانی کا مستحق ہے۔

چنانچہ میرے اصرار پر ریاض صاحب نے میری خواہش پوری کی اب وہ شعر آپ کو سُناتا ہوں، میں نے اس شعر کو اپنے خیال میں نعت کا شعر سمجھا اور اُسی لحاظ سے میں اس کی وضاحت کرونگا۔ ناظرین کو اختیار ہے کہ وہ کسی اور پہلو سے اس شعر کو ملاحظہ فرمائیں۔ ظاہر ہے کہ میرا اس شعر کو نعت میں سمجھنا اس شعر کے معنی کی وسعت پر کوئی مہر ثبت کرنا نہیں ہے اپنا اپنا مذاق ہے شعر ملاحظہ ہو۔

گُل مُرقع ہیں ترے چاک گریبانوں کے شکل معشوق کی انداز ہیں دیوانوں کے

باغ میں پھول کھلے ہیں آپ جس کو نیچر کہتے ہیں میں اُس کو خدا کہتا ہوں۔ خدا جس نے پھول کھلائے ہیں وہ یقیناً پھول سے نازک تر ہے پھول چاہتا ہے کہ جس خدا نے مجھے کھلایا ہے اور یہ رنگ و روپ دیا ہے میں اُس کے شکرے میں ایسا نازک اور لطیف ہو جاؤں کہ خدا میں جذب ہو سکوں چنانچہ گل زمین سے درخت کے ذریعہ سے اُبھرا اُبھرتے اُبھرتے پتیاں اور شاخ بنا اور شاخ کے نازک ترحصے میں اپنے آپ کو لطیف تر کرتا ہوا نمایاں کیا تو گویا اُس نے اپنے پیدا کرنے والے کا رنگ و روپ اختیار کرنا چاہا پیدا کرنے والا گُل کی نظر میں گُل کا معشوق تھا اور گُل عاشق۔ عاشق نے اپنے آپ کو معشوق بنانا چاہا تاکہ معشوق سے قریب تر ہو سکے تو عاشق اپنے جذبے کے لحاظ سے تو عاشق ہے کہ پتی پتی اس کی الگ الگ اور چاک داماں ہے۔ جو عاشق کی خصوصیات میں سے ہے۔ مگر رنگ و بو سے معشوقیت پیدا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گُل ایک رُخ سے عاشق ہے اور دوسرے

دوسرے رُخ سے معشوق ہے اور ایسا معشوق ہے کہ دنیا کے حسین وجمیل جو پرتو الٰہی کے مظاہر ہیں ان کے دامنوں اور سروں تک پہونچنا کیا گلے کا ہار ہو جاتا ہے۔ اپنی چاک دامانی کی وجہ سے خشک ہو کر خاک میں ملجانے کے لحاظ سے پورا پورا عاشق ہے۔ رنگ و بو اور نزاکت کی وجہ سے دنیا دی معشوقوں کا معشوق بنگیا۔ باغ کے درختوں کے تمام پھول جو مختلف رنگ و شکل کے ہیں یہ پورا مرقع اللہ تعالیٰ کے عشاق کا مُرقع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاشق کا مرتبہ یہ ہے کہ ساری دنیا کا معشوق ہو جائے چنانچہ ہو گیا۔ پورے کا پورا تختہ گُل عشاق الٰہی کا مرقع ہے اور خود دنیا کے حسین ترین انسانوں کے معشوقوں کا مرقع ہے۔ شعر ایک دفعہ پھر سنئے۔

گُل مُرقع ہیں تری چاک گریبانوں کے شکل معشوق کی انداز ہیں دیوانوں کے

پھر سنئے مسلمانوں کے عقیدت کے مطابق خدا کے جتنے عشاق ہونگے وہ عشق کے کسی مرتبے میں کبھی قدم نہیں رکھ سکتے جب تک اس وقت کے پیغمبرؐ کے شیدائی اور کلمہ گو نہ ہوں چنانچہ اس وقت جس پیغمبرؐ کا دور دورہ ہے اور قیامت تک رہیگا وہ نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ کسی باغ کے ایسے تختے میں چلئے جس میں سو دو سو چار سو طرح کے پھول ہوں اُن میں سے کسی پھول کو آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ خراب ہے کوئی نہ کوئی ادا ہر پھول میں موجود ملیگی اس کو اسلام کے جملہ اولیا سے مناسبت دیجئے۔ ایک صوفی اور ولی جو انتہائی نازک مزاج ہو وہاں سے چلئے یعنی حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ سے چلئے اور اس ولی تک

پہونچے کہ جس کو ہم مجذوب کہتے ہیں جو ننگے رہتے ہیں، نالیوں میں پڑے رہتے ہیں مختلف غلیظ حرکتیں کرتے ہیں مگر یہ سمجھکر کہ ان کی زبان سے جو لفظ ہماری بھلائی کے لئے نکل جائیگا وہ درجہ قبولیت تک پہونچے بغیر نہ رہے گا۔ اہل غرض ان کے ساتھ وہ برتاؤ کرتے ہیں جس طرح عشاق اپنے معشوق کی آؤ بھگت کرتے ہیں۔ ہاتھ چومتے ہیں، قدموں پر سر رکھ دیتے ہیں، دست بستہ ان کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ ان کے چشم و ابرو کے اشارے پر حرکت کرتے ہیں چنانچہ وہ سب کچھ کرتے ہیں جو ایک دنیا کا عاشق اپنے دنیاوی معشوق کے ساتھ برتتا ہے اس اعتبار سے وہ معشوق بنے۔ اس اعتبار سے کہ وہ خود محبت رسولؐ اور اس کے ذریعہ سے محبت الہٰی میں غرق ہیں عاشق ہیں چنانچہ اب میں آپ کے سامنے ایک سماں کھینچتا ہوں اور اس شعر کے متعلق اتنا ہی اس وقت کہونگا بعد کو اس کی بابت اور جو کچھ لکھونگا وہ شاہکار میں ملاحظہ کیجئے گا۔ سماں یہ ہے کہ ایک تختۂ گل ہے اور اس تختہ کے بیچوں بیچ میں قبر نما ایک کیاری بنا دیگئی ہے اور اس میں تمام پھولوں میں سے ایک ایک وہ پھول نصب کر دئے گئے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ اس قبر نما کیاری میں تمام پھولوں کا عطر مجموعہ ہے۔ یہ تو قبر رسولؐ ہوئی پورے تختہ میں جتنے پھول اور جس جس طرح کے پھول ہیں ان میں سے ہر پھول کو ایک ایک ولی تصور کیجئے اس ولی میں پوری عاشقانہ خصوصیتیں ہیں وہ تمام جذبات اس میں مکمل طور پر موجود ہیں جو ایک ولی اللہ عاشق میں ہونا چاہئے اور دوسرے رخ سے ہر ہر ولی پورا پورا معشوق ہے۔ اب ملاحظہ ہو کہ قبر رسولؐ کے

گرد تمام عالم کے اولیا جمع ہیں۔ ہر طرح کے سالک اور مجذوب وغیرہ اور وغیرہ اور وغیرہ اب میں پھر یہ شعر پڑھتا ہوں اگر مطابق ہو تو داد دیجئے گا ورنہ دیباچہ تو ختم ہی ہے۔

گُل مُرقع ہیں ترے چاک گریبانوں کے   شکل معشوق کی انداز ہیں دیوانوں کے

آخر میں اتنا اور عرض کرونگا کہ ناظرین میری فروگذاشتوں کو اور بدمذاقی کو قطعاً معاف کرینگے۔ اور خدا سے اس معافی کا ثواب لینگے۔

یکم جون ۱۹۳۰ء

اعترافات

از

جناب نیاز صاحب

(مدیر نگار۔ لکھنؤ)

یوں تو ہر وہ شخص جس کو شاعری سے کچھ بھی لگاؤ ہے نہ حضرت ریاض کے نام سے ناواقف ہو سکتا ہے اور نہ اُن کے رنگِ کلام سے بیخبر، لیکن خود ریاض کیا چیز تھے۔ اس کے جاننے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کو اس "رند پاکباز" سے ملنے اور بار بار ملنے کا فخر حاصل ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کا شاعر، جیسا کہ اس سے قبل میں بارہا ظاہر کر چکا ہوں، بہ حیثیت انسان ہونے کے ایک ایسی جنس فرومایہ ہے کہ مشکل ہی سے کسی کو اُس کے پیش کرنے کی جرأت ہو سکتی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر واقعی کوئی انسان اس گروہ میں نکل آیا تو پھر اُس کا جواب اِس "عالم آب و گل" کیا معنی "ملائکہ مقربین" اور "کروبیان مقدسین" کی جماعت میں بھی نہیں مل سکتا۔

اس حقیقت کی طرف اول اول میرا خیال اُس وقت منتقل ہوا جب غالباً ۲۵ء میں سب سے پہلے ریاض کی زیارت کا شرف بھوپال میں مجھے حاصل ہوا اور پھر اس حقیقت کے مدارج رفتہ رفتہ مجھ پر اُس وقت واضح ہوئے جب میں لکھنؤ آ گیا اور زیادہ قرب کے ساتھ، بار بار، رات دن کے مختلف

حصول اور متنوع کیفیات رکھنے والی صحبتوں میں ریاض کے مطالعہ کی فرصت نصیب ہوئی۔

ریاض کیا چیز تھے؟ اگر میں تفصیل سے کام لوں تو اس کے لئے دفتر کے دفتر ناکافی ہیں، لیکن اختصار و اجمال کے ساتھ اگر کوئی دریافت کرے تو میں اس کے جواب میں وہی کہہ سکتا ہوں جو یوسفؑ کی خصوصیات معلوم کرنے کے بعد بعض زبانوں سے بے اختیار نکل گیا تھا کہ:۔

ان ھذا الا ملک کریم

اور اس کے بعد بھی عرفی کا یہ مصرعہ پڑھونگا کہ:۔

مرغِ اوصاف نواز اوج بیاں انداختہ

کیونکہ یوسفؑ تو خیر، پیغمبر پیدا ہوئے، پیغمبر زندہ رہے اور پیغمبر مرے اور ان کے لئے "ملک کریم" ہو جانا کوئی امتیاز نہ تھا، لیکن ریاض تو بقول شخصے اس "تیرہ خاکدان ہند" میں ایک گنہگار انسانی خاندان میں پیدا ہوئے جوانی کا معصیت کوش زمانہ اس فضا میں بسر کیا جہاں "حسن" کا مفہوم "استغنار" تھا اور ضعیفی ان حالات کے تحت گزاری جب "ممنوعات و محرمات" کا سوال شرعاً و قانوناً دونوں طرح اٹھ جاتا ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ریاض اپنی زندگی کی کسی منزل میں، اپنی حیات کے کسی مشغلہ میں اور اپنی عمر کے کسی موسم میں ایک لمحہ کے لئے بھی اس جادۂ انسانیت و اخلاق سے ہٹے ہوئے نظر آئے جو کبھی کبھی گنہگاروں کو تو مل جاتا ہے لیکن "زاہدان مرتاض" کے حصہ میں کبھی نہیں آتا اس لیے اگر ان کو ملک کریم کہنے کے بعد بھی عرفی کی طرح اعتراف قصور

کیا جاوے تو غالباً نادرست نہ ہوگا۔ ریاض اُس عہد کی یادگار تھے جب اودھ
اور مضافاتِ اودھ کے اکثر مقامات میں زندگی کا مفہوم باوجود انتزاعِ سلطنت
کے بدستور خندہ و قہقہہ چلا آرہا تھا اور ہر صحبت اُس احساس حسن و شباب کا مکمل
نمونہ ہوتی تھی، جسے شعر و موسیقی کا خلاق کہنا چاہیئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ہر اجتماع ہنگامہ نائے و نوش تھا اور ہر منظر بساط
گلفروش۔ بیفکریاں تہیں اور عیش کوشیاں، عیش کوشیاں تھیں اور ان
اسباب کے ساتھ جن کا ایک ادنیٰ منظر صاحب رسائل طغرا کی زبان میں "بہری
بنا گوش مطرباً جلاجل نعل در آتش" کے تیور لئے ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص نے
ایسے مدہوش اور مدہوش کن زمانہ میں جوانی آئے اور شخص بھی کون؟ ریاض
ایسا غیر معمولی طبع رنگین رکھنے والا، وہ جس قدر داد معصیت دیتا کم تھا، لیکن
اس کا علم بہت کم لوگوں کو ہوگا کہ یہ ساری عمر خمریات کی شاعری میں مبتلا رہکر
ذوق بادہ سے ناآشنا رہنے والا شاعر، یہ زندگی کی تمام شگفتہ سامانیوں کے ساتھ
حسن و شباب کے ہجوم میں بہترین ایام حیات گزارتے ہوے جادۂ اخلاق سے
کبھی ایک لمحہ کے لئے نہ ہٹنے والا شخص، جس طرح ایک انسان پیدا ہوا تھا، بدستور
اسی طرح انسان رہا۔ اُس زمانہ میں بھی جبکہ گناہ سے پہلے "عذر گناہ" پیدا کرلیا جاتا
ہے، سن کے وقت کا کیا ذکر کہ اس وقت تو ریاض حقیقی معنوں میں رضوان تھے۔

ریاض کو میں نے اُس زمانہ میں دیکھا جب وہ ضعف و کہولت کے حدود سے
گزر رہے تھے، لیکن باوجود اس کے کہ زمانہ موافق نہ تھا، حالات نے سخت دلگیر بنا رکھا تھا، ہجوم
افکار نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا، لیکن ریاض باوجود سراپا غم و الم ہونیکے دوسروں کے لئے

یکسر بہار و شگفتگی تھے۔ آپ خواہ کتنے ہی مغموم و ملول کیوں نہ ہوں، لیکن یہ ممکن نہیں کہ ریاض آپ کو مل جائیں اور تھوڑی دیر کے لئے آپ کسی اور عالم میں نہ پہونچ جائیں، اُن کی دلکش و دلنشیں گفتگو اُن کا اندازِ بیان اُن کی لطیف بذلہ سنجیاں اور پھر سب سے بڑھکر اُن کا خلوص۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ انسان کسی ایسی فضا میں پہونچ گیا ہے جہاں فردوس کی ہوا ہے۔ کوثر و سبیل کی روانی ہے اور طوبےٰ کے طیور کا ترنم! بچوں کے لئے اُن کا وجود گہوارہ استراحت، جوانوں کے لئے اُن کی مستی داستانِ حسن و عشق اور ضعیفوں کے لئے اُن کی ذات ایک برادرانہ آغوش تھی۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص ریاض سے ملے اور اپنے ذوق کو اُن کے پاس سے "ناآسودہ" واپس لائے۔

ریاض نے اس زمانہ میں ہوش سنبھالا جب لکھنوی شاعری شباب پر تھی اور داغ نے بھی دلی کے رنگِ سخن کو چمکا رکھا تھا، ہر صحبت صحبتِ شعر و سخن تھی اور ہر بزم دائرۂ شمع و لگن۔ رام پور میں خلد آشیاں نواب کلب علی خاں کے دربار میں ملک کے تمام اکابر شعراء کا ہجوم تھا، ہر محفل لطائف ادبیہ اور نکاتِ شعریہ کا مرکز بنی ہوئی تھی اور ریاض بھی ان گلدستوں میں ایک گلِ نودمیدہ کی حیثیت سے کہیں نہ کہیں ضرور پائے جاتے تھے، اس لئے ریاض کے شاعر ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن اختلاف اس امر پر ہو سکتا ہے کہ ان کو کس رنگ کا شاعر قرار دیا جائے۔ اگر رنگ کی اس بڑی تفریق پر نظر ڈالی جائے جس کا تعلق دہلی و لکھنؤ سے ہے، تو یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ ریاض لکھنوی شاعر تھے اور اُن کے کلام میں قدرتاً وہی رنگ ہونا چاہئے جو اساتذۂ لکھنؤ کا تھا، لیکن

اگر اس کی تحتی تقسیمیں بھی ہو سکتی ہیں یعنی اگر لکھنؤ کی فضائے شاعری صرف ایک ہی لحن کی حکمران نہیں رہی تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ریاض کی نغمہ سنجیاں کن کیفیات سے متعلق سمجھی جائیں گی۔

ظاہر ہے کہ دہلی کی شاعری یکسر جذبات کی زبان و گفتگو ہے اور جذبات بھی وہی جن کا تعلق زیادہ تر یاس، حرمان، مہجوری و ناکامی سے ہے اس لئے یوں تو جذبات کی وسعت کے لحاظ سے اس کو بھی بہت وسیع ہونا چاہئے لیکن اس سے رنگ میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا اور اس کا تنوع ثابت کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک ہی راگنی کو مختلف سازوں کے ذریعہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ برخلاف لکھنؤ کے کہ وہاں کی شاعری کا تعلق جذبات سے کم اور معاملات سے زیادہ ہے اور معاملات کی دنیا چونکہ بے پایاں چیز ہے اس لئے لکھنؤ میں مختلف رنگ کے شعرا نظر آتے ہیں اور شوخی و بیباکی، محاکات و معاملہ بندی، رندی و آزادی، جوش و سرمستی وغیرہ بہت سی وہ باتیں جن کا تعلق عشق کی مادی دنیا سے ہے، یہاں کثرت سے نظر آتی ہیں، جنہوں نے مختلف اسلوب بیان کے تحت نہ صرف تشبیہات و استعارات کی فضا کو بہت زیادہ وسیع کر دیا، بلکہ زبان کو بہ حیثیت زبان ہونے کے بھی بہت ترقی دی جس کو "رعایت لفظی" کے روشن پہلو سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

لکھنؤ و دہلی کی شاعری میں یہ فرق کیوں پیدا ہوا؟ اس کا کھلا ہوا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ دہلی کی شاعری کا کمال سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ ساتھ ہوا اور لکھنؤ کی شاعری نے آنکھ کھولی تو اودھ کی حکومت شباب پر تھی

پھر چونکہ انسان کا خیال جذبات کا آئینہ ہے اور جذبات پیدا ہوتے ہیں ماحول سے اس لئے دہلی کی شاعری میں سوز و گداز، حسرت و یاس کا پیدا ہونا ضروری تھا اور لکھنؤ کی شاعری میں بیان نشاط، وقت کا اقتضار۔

دہلی کا شاعر ایک ایسا عاشق تھا جس نے سوائے مہجوری کے کچھ نہ دیکھا تھا، جس کو لذت کامیابی بہت کم حاصل ہوئی تھی، جو غریب تھا، بیکس تھا، مجبور و ناچار تھا، اس لئے وہ سوائے اس کے کہ رات دن روتا، ہائے ہائے کرتا، اور کر ہی کیا سکتا تھا، برخلاف لکھنؤ کی شاعر کے کہ وہ ایک عاشق تھا وصل نصیب، نا آشنائے مہجوری اس لئے وہ شراب پیتا تھا، جوانی کے لطف اٹھاتا تھا اور چھیڑ چھاڑ اس کا رات دن کا مشغلہ تھا۔

پھر چونکہ غم کی صرف ایک زبان ہے، اس لئے دہلی کی شاعری نے عمیق جذبات اور روحانیت کے لحاظ سے خواہ کتنی ہی ترقی کی ہو لیکن راگنی وہی ایک تھی اور لکھنؤ کی شاعری نے انسانی زندگی کی کیسی ہی عام سطح کیوں نہ پایاں کی ہو لیکن چونکہ نشاط کی زبانیں کثیر ہیں اس لئے اس میں تنوع، رنگینی، لطف زبان، حسن بیان کا پیدا ہونا ضروری تھا۔

یہ صحیح ہے کہ ہر شخص فطرت کی طرف سے ایک خاص ذوق لیکر آتا ہے۔ اور اسی ذوق کے تحت وہ ترقی کر سکتا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ سوائے اس مخصوص میلان کے وہ اپنے دیگر داعیات نفس سے کام نہیں لے سکتا، بعض اوقات ایسی بہ گیر ہستیاں بھی رونما ہو جاتی ہیں جن کے لئے ہر چیز مخصوص ہوتی ہے اور وہ ہر چیز پر حکمراں نظر آتی ہیں لیکن بہت کم۔ اور یہی

سبب ہے کہ لکھنؤ کے شعراء میں ایسے بہت کم نفوس آپ کو ملیں گے جنہوں نے محفل نشاط کے بھی تمام مناظر کو اپنی حدود شاعری کے اندر لے لیا ہو چہ جائیکہ بزم عزا اور اسی لئے جب ہم ایک لکھنوی شاعر کے کلام کو دیکھتے ہیں تو خصوصیت کے ساتھ ہم کو یہ محسوس کرنا پڑتا ہے کہ اس کا فطری ذوق یہ ہے اور فلاں فلاں جذبات اس کے ذوق سے خارج ہیں۔ جن کو اس نے صرف اکتساباً اپنے ذہن کی مدد سے حاصل کرنے میں ایک ناقص کامیابی حاصل کی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جب ہم کسی شاعر کے متعلق تنقید کریں تو پہلے یہ فیصلہ کریں کہ اس کا صحیح رنگ کیا ہے اور فطرت کی طرف سے وہ کن جذبات کی پرورش کے لیے آیا ہے۔

انتقاد کی ایک عام غلطی جس میں تقریباً ہر شخص مبتلا نظر آتا ہے یہ ہے کہ نقاد سب سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ لکھنے والے نے اس کے ذوق کی رعایت کس حد تک کی ہے اور اس کے نقطۂ خیال سے کون کونسا حصہ ایک تصنیف کا مکمل کہا جاسکتا ہے اور اس کے بعد وہ ایک قطعی حکم لگا دیتا ہے کہ فلاں جزو ایک کتاب کا اچھا اور فلاں خراب ہے۔ میرے نزدیک یہ اصولی غلطی ہے۔ اگر ایک شخص کا دماغ زندگی کے مختلف شعبوں کارگاہ حیات کے کثیر الانواع مناظر جذبات انسانی کے مختلف کوائف تکمیل فن کی متعدد اشکال اور فطرت کے بوقلموں مظاہر سے علیحدہ علیحدہ لطف اندوز ہونے کی اہلیت نہیں رکھتا تو اس کو انتقادی ذمہ داریاں اپنے سر نہ لینا چاہیئے کیونکہ اس کے لئے ایسے دماغ کی ضرورت ہے جو ہمہ گیر ہو اور ہر چیز کی جداگانہ حیثیت واقعیا نہ کو سمجھ کر اس کے نقائص و محاسن کا درک کر سکے لیکن چونکہ یہ صفت شاذ و نادر

کسی میں پائی جاتی ہے، اس لئے حقیقی معنی میں نقاد کا وجود بھی بہت کم نظر آتا ہے
اور عام طور پر انتقادی مقالے تنقیصی جرح سے زیادہ کوئی اور حیثیت اختیار
نہیں کرسکتے۔

فرض کیجئے کہ ایک نقاد فطرت کی طرف سے یہ ذوق لیکر آیا ہے کہ جذبات
سوز و گداز کو پسند کرتا ہے اور یہ پسندیدگی اس قدر غلو کی حد تک پہونچ گئی ہے کہ
کوئی اور جذبہ اس کو پسند نہیں آتا تو اس کو یقیناً نقد کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔
نقد وہی شخص کرسکتا ہے جو اگر ایک طرف میر کے اس شعر پر سر دھن سکتا ہے:۔

سب ہوئے نادم پئے تدبیر ہو جانا سمیت
تیر تو نکلا مرے سینہ سے لیکن جان سمیت

تو دوسری طرف داغ کا یہ شعر بھی اسے بیچین بنا دیتا ہو:۔

یہ سیر ہے کہ دوپٹہ اڑا رہی ہے ہوا
چھپاتے ہیں جو وہ سینہ کمر نہیں چھپتی

الغرض نقاد کے لئے ضروری ہے کہ اس کی طبیعت اپنی اپنی جگہ ہر رنگ کا
لطف اٹھا سکتی ہو اور وہ ہر کتاب کا مطالعہ صرف اس کے موضوع اور
مصنف کے میلان طبع کے لحاظ سے کرسکتا ہو۔ شاعری حقیقتاً ایک نوع کی
مصوری ہے، پھر جس طرح مصوروں میں بعض صرف مناظر کی تصویر اچھی کھینچ سکتے
ہیں۔ بعض صرف جاندار اشیاء کو صفحۂ کاغذ پر زیادہ خوبی کے ساتھ نمایاں کرسکتے
ہیں، بعض کا قلم صرف جذبات ہی کے اظہار میں اچھا کام کرتا ہے۔ اسی طرح شعرا کا
حال ہے کہ بعض صرف تشبیہات و استعارات کے دلدادہ ہیں، بعض فقط

رعایت لفظی کے پابند ہیں، بعض کو معاملات حسن و عشق کی رنگینی پسند ہے اور بعض کو سوز و گداز۔ پھر جس طرح ہم ہر مصور کی تصویر کا صرف اس کی فطری ذوق کی بنا پر مطالعہ کر کے اُس کے نقائص و محاسن کو دیکھتے ہیں، اسی طرح ایک شاعر کے کلام پر اُس کے مخصوص ذوق کے لحاظ سے نقد کرنا چاہیے، ورنہ وہ صرف اپنے معیار کی رعایت ہوگی جو یقیناً فن نقد کے لحاظ سے سخت ناروا جسارت ہے۔ یہ میں نے اس لئے لکھا کہ اس وقت تک ریاض کے کلام پر جو کچھ لکھا گیا ہے یا آیندہ لکھا جائے، اس کو اِسی اصول سے دیکھنا چاہیے جو میں نے ابھی عرض کیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ریاض کا حقیقی رنگ کیا ہے، اس میں کلام نہیں کہ ریاض کی شاعری یکسر رندانہ ہے اور اس مخصوص رنگ کے لیے جس قدر شوخی کی ضرورت ہے وہ ان میں بدرجۂ کمال پائی جاتی ہے۔ پھر چونکہ رندانہ کلام کا لطف خمریات ہی میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے اس لئے ریاض اپنے خمریات کے لحاظ سے زیادہ مشہور ہوئے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ شوخی کا جس حد تک تعلق ہے وہ خمریات و غیر خمریات ہر جگہ کامیاب نظر آتے ہیں اور حسن و عشق کی کامیاب زندگی اور مادیات محبت کی نشاط آفرینیوں میں مشکل سے کوئی دوسرا اُن کا ہمسر پیش کیا جاسکتا ہے۔

ریاض کے کلام میں کہیں کہیں ایسے شعر بھی نظر آتے ہیں۔

نکل گئے ہیں بہت دور جستجو سے ہم ۔۔۔ ہمیں خدا کرے، دا کچھ نظر نہیں آتا

کبھی حرف محبت تا بہ لب آیا تھا چپکے سے ۔۔۔ اُسی نے رفتہ رفتہ طول کھینچا داستاں ہو کر

نہ رو کے طور تو ہم جائیں عرش سے اونچے ہماری راہ سے پتھر ذرا ہٹا دینا

ہوا ہے جو اس دل میں ہنگامہ آرا وہی بزم آرائے محشر نہ نکلے

ہم اُڑ کر بھی نہ پہنچیں ہم سے اتنی دور ہو جانا مبارک شاخ گل کو شاخ نخل طور ہو جانا

کلیمؑ آئے تو کھل کے جلوہ دکھایا ہم آئے تو پردے سے باہر نہ نکلے

لیکن یہ اُن کا مخصوص رنگ نہیں ہے بلکہ کبھی کبھی کیفیات کے تغیر سے ایسے شعر بھی کہہ گئے ہیں اُن کا صحیح رنگ جس میں وہ اپنی جگہ بالکل تنہا نظر آتے ہیں، شوخی بیان ہے جس کو علاوہ خمریات کے میں نے تین درجوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) وہ جس میں زیادہ تر اسلوب بیان سے شوخی پیدا کی گئی ہے اور ایک حد تک جذبات بھی وابستہ ہیں لیکن وہی جذبات جو عریاں معاملات حسن و عشق سے متعلق نہیں ہیں، مثلاً

دبی زبان سے میرا بھی ذکر کر دینا کلیمؑ طور پر اُن سے جو گفتگو آئے
اُترنے والے ابھی تک نہ بام سے اُترے تڑپنے والے تڑپ کر فلک کو چھو آئے

تم اپنے بام سے فریاد کی اجازت دو یہاں سے تو نہیں سنتا ہے آسمان کوئی
تمہارے کوچہ میں کچھ طور والے بیٹھے ہیں ذرا تم آ کے لب بام مسکرا دینا

روشن کیے چراغِ لحد لالہ زار نے　　اس مرتبہ تو آگ لگا دی بہار نے

جو ساتھ دے تو بہ وہ مینا سواے جنت ہے　　مزے کی چیز الٰہی شباب ہوتا ہے
خراب ہی سہی رہ جائیں دن جوانی کے　　سُنا تو ہے یہ زمانہ خراب ہوتا ہے

اٹھا ہوں خوف زدہ میں لحد سے قبل از وقت　　کہ سب سے پہلے مری حشر میں پکار نہ ہو

نزع میں یار سے پیمانِ وفا کرتے ہیں　　اس دغاباز سے ہم آج دغا کرتے ہیں

یہ وہ رنگ ہے جس پر کسی کو اعتراض ہو ہی نہیں سکتا اور جو لکھنؤ دہلی دونوں جگہ کے شعرا کے درمیان مشترک ہے۔

(۲) وہ جس میں شوخی کے خط و خال زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں اور کہیں کہیں محاکات بھی ہے مثلاً:۔

آتے آتے تری لب تک وہ تبسم بن جائے　　اس ادا سے کبھی ہم سے بھی ہو پیماں کوئی

چپ سے ہیں کچھ مری آغوش میں وہ حشر کے دن　　یہ وہی ہیں جنہیں پیمانِ وفا یاد نہیں

چھلکائیں لاؤ بھر کے گلابی شراب کی　　تصویر کھینچیں آج تمہارے شباب کی

چھیڑ کیسی بات کہتی روٹھ جاتے ہیں ریاض ۔ اک حسین ہر وقت ہو ان کے منانے کے لئے

اُن کے آنچل میں دا ہنکر قیامت چھپ چکی ۔ وہ مری جاتی ہوئی وہ میری بچھانی ہوئی

ریاض کا یہ رنگ بھی کسی کے نزدیک قابل اعتراض و گرفت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بعض بعض شعر تو اس قیامت کے نظر آتے ہیں کہ اگر وہ رنگ اختیار نہ کرتے تو اُردو شاعری پر ظلم کرنے والے کہلاتے۔

شباب کو شراب کہنا اور صاحب شباب کو مینائے شراب سے تعبیر کرنا کوئی نئی بات نہیں لیکن ریاض نے جس انداز سے شباب کی تصویر کھینچی ہے کہ

چھلکا ئیں لاؤ بھر کے گلابی شراب کی

اسلوب ادا اور محاکات کی ایسی دلکش مثال ہے کہ ریاض کی قادر الکلامی پر ایمان لانا ہی پڑتا ہے۔

(۳) وہ جس میں شوخی بالکل برافگندہ نقاب یکسر عریاں اور سراپا بے باکی بنکر رونما ہوتی ہے مثلاً:۔

کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر ۔ شکن رہ جائیگی یونہیں جبیں پر

یہ آدھی رات کو اُن کا پیام آیا ہے ۔ ہم آج آ نہیں سکتے اب انتظار نہ ہو

آڑی ہیکل کو چوم لے گی ۔ وہ چیز جو کچھ اُٹھی اُٹھی ہے

یا پھر ان سب سے زیادہ قیامت یہ شعر:۔

اس طرح کہ گھنگرو کوئی چھاگل کا نہ بولے　　جب چھم سے چلیں گود میں چپکی سی اُٹھا لے

یہ وہ قسم ہے جس پر ہر سنجیدگی پسند شخص کو اعتراض ہو سکتا ہے لیکن صرف اس قدر کہ ناواجب شوخی ہے، بیتذل کہنے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔ حالانکہ اگر اپنے اوپر پہلے وہ حال طاری کر لیا جائے جس کے ماتحت ریاض نے یہ شعر کہے ہیں تو یہ اشعار نہ صرف بہت زیادہ پرلطف معلوم ہوں گے بلکہ اُن کی اس مقناطیسیت کی بھی داد دینا پڑے گی جو تھوڑی دیر کے لئے ضعیف سے ضعیف انسان کو بھی ایک بار جوان بنا دیتی ہے اور تمام جدید ترین کیمیائی ذرائع سے بھی زیادہ قوی و زود اثر ہے۔

جس طرح ریاض کے عام کلام کی شوخی تین درجوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے اسی طرح اُن کے خمریات کی بھی تین تقسیمیں ہو سکتی ہیں:۔

ایک وہ جس میں انھوں نے بادہ کشی کے مضمون کو نہایت جوش و مستی کے ساتھ لیکن بلند خیالات کے ماتحت پیش کیا ہے مثلاً:۔

یہ محشر ہے یہاں اب ہوش میں دیوانہ آتا ہے　　خداوندا مرے لب پر مرا افسانہ آتا ہے

بنائے کعبہ پڑتی ہے جہاں ہم خشتِ خم رکھ دیں　　جہاں ساغر پٹک دیں چشمۂ زمزم نکلتا ہے

شررِ طور ہے جو موج ہے پیمانے میں　　بجلیاں کوندتی ہیں آج تو میخانے میں

ایک ہی چلو کے ہیں کوثر و تسنیم ریاضؔ　　خاک اُڑتی جو لبِ خشک مرا تر ہوتا

ارے واعظ کہاں کا لامکاں عرش بریں کیسا　　چڑھی ہوتی جو کچھ تو ہم خدا جانے کہاں ہوتے

یہ رنگ ریاضؔ کی خمریات کا تو بے مثل ہے۔ اور اس کی داد دینے میں شاید شیخ و زاہد کو بھی تامل نہیں ہو سکتا۔ لیکن خمریات کی وہ دوسری تقسیم بھی جس کا تعلق حقیقتاً صحنِ میخانہ ہی سے نظر آتا ہے۔ کم پر لطف نہیں۔ مثلاً:۔

فرشتے عرصہ گاہِ حشر میں ہم کو سنبھالے ہیں　　ہمیں بھی آج لطفِ لغزشِ مستانہ آتا ہے

مر گئے پھر بھی تعلق ہے جو میخانے سے　　میرے حصے کی چھلک جاتی ہے پیمانے سے

توبہ سے ہماری بوتل اچھی　　جب ٹوٹی ہے جام ہو گئی ہے

اتنی تو ہو بیان میں واعظ شگفتگی　　ہم رندسن کے قلقلِ مینا کہیں جسے

نا اہل ضرور رہیں وہ مے کش　　جن پر یہ حرام ہو گئی ہے

بعد اک عمر کے میخانہ میں آئے ہیں ریاضؔ　　آپ بیٹھے ہیں بچائے ہوئے دامن کیسا

ڈھلتی ہے ساغرِ خضرؔ کے سبزہ کے فرش پر　　بٹتے ہیں وہ بھی آکے لب جو کبھی کبھی

شراب پینے ہی مسجد میں ہم کو گرنا تھا یہ شغل بیٹھ کے اچھا تھا قبلہ رو کرتے

جام مے توبہ شکن، توبہ مری جام شکن سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

تیسری قسم کی مثالیں جس میں وہ بہت زیادہ کھل کھیلے ہیں بہت کم نظر آتی ہیں مثلاً:۔

نیچی داڑھی نے آبرو رکھ لی قرض پی آئے اک دکاں سے آج

خم مسجد میں مے ناب بھرے جاڑوں میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرکے ٹھٹھرنے والے

کلام ریاض کی ایک اور خصوصیت جس میں سوائے امیر اور جلال کے ان کے دور کا کوئی شاعر ان کا ہمسر نہیں، اس کا بے عیب ہونا ہے۔ آپ ریاض کا پورا کلیات چھان ڈالئے، لیکن "آپ کو زبان یا فن کی غلطی کوئی نہ ملے گی۔ اس لئے کلام ریاض علاوہ اور خوبیوں کے ایک معلمانہ حیثیت بھی رکھتا ہے" اور یہ وہ خصوصیت ہے کہ ناسخ ایسا غیر فطری شاعر بھی اسی کے بدولت آج اساتذہ فن میں شمار کیا جاتا ہے۔

افسوس ہے کہ تنگی وقت کی وجہ سے نہ میں کلیات کا استقصا کر سکا اور نہ ان کے دیگر اصنافِ سخن پر روشنی ڈال سکا، لیکن جانتا ہوں کہ

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

میں نہ بھی کہوں تو کیا، ریاض کی خوبیاں ایسی نہیں جو چھپ سکیں۔

من گویم و بعد از من گویند بہ ستانہا

۱۰ر جون ۱۹۳۸ء

ریاض رضوان

فہرست

حصّہ اوّل

آتشِ تر

ذ

و

حصہ دوم
آتش گل

(رباعیات و قطعات وغیرہ)

تتمہ

حصہ اول
آتش تر

ہاں لطفِ ستم ہے نہ اُنھیں قدر ستم ہے — اب نام نہیں آپ کبھی اہلِ وفا کا
پریوں کے عوض گھر میں بلاؤں کا ہے جھرمٹ — ہم نے کبھی دیکھا نہ اثر اپنی دعا کا
دل چھینتی ہیں اور جھکی جاتی ہیں آنکھیں — شوخی میں بھی جاتا نہیں انداز حیا کا
ارمان عدو کا تجھے، ہوتے ہوئے میرے — ہوتے ہوئے تیرے مجھے ارمان قضا کا
ایسے ہی تو ہیں ہاتھ میں لیں گے مرے دل کو — یہ وہ ہیں کہ ہے بار انھیں رنگ حنا کا
صدقے ترے آیا نہ سنبھل کر تجھے چلنا — نکلا ہے بہت نام تری لغزشِ پا کا
جور اُن کے سلامت یہ جفا کار سلامت — مٹتا ہے مرے ساتھ مٹے نام وفا کا
کس لطف سے اللہ نے بخشی ہیں خطائیں — مُنھ دیکھتے ہیں حشر میں سب اہلِ خطا کا
صدقے ترے صیاد قفس ہے کہ لحد ہے — جھونکا کوئی سن سے کبھی آیا نہ ہوا کا

مشتاق ریاضؔ اُٹھ گئے اس بزم سے کیا کیا
جاتی ہوئی دُنیا ہے رہے نام خُدا کا

کل قیامت ہے قیامت کے سوا کیا ہوگا — اے میں قربان، وفا وعدۂ فردا ہوگا
حشر کے روز بھی کیا خونِ تمنا ہوگا — سامنے آئیں گے یا آج بھی پردا ہوگا
ہم نہیں جانتے ہیں حشر میں کیا کیا ہوگا — یہ خوشی ہے کہ وفا وعدۂ فردا ہوگا
تو بتا دے ہمیں صدقے ترے اے شانِ کرم — ہم گنہگار رہیں کیا حشر ہمارا ہوگا
لاکھ پردوں میں کوئی اے نگہِ شوق سے ہے — دیکھ لے گا جو کوئی دیکھنے والا ہوگا
ایسی لے دے ہوئی آکر کہ الٰہی توبہ — ہم سمجھتے تھے کہ محشر میں تماشا ہوگا
سعی ہر کام میں کی ہے یہ سمجھ کر ہم نے — وہی ہوگا جو مشیت کا تقاضا ہوگا
پی کے آیا عرقِ شرم جبیں پہ جو کبھی — چہرے پر بادہ کشو نور برستا ہوگا

رہنے دے گا نہ دمِ ذبح کوئی حلق کو خشک — میکدے میں ہیں اتنا تو سہارا ہوگا

مجھے کیا ڈر ہے کہ ہونگے مرے سرکار شفیع — تجھے کیا ڈر ہے کہ تو بخشنے والا ہوگا

شرمِ عصیاں سے نہیں اٹھتی ہیں پلکیں ورنہ — ہم گنہگاروں سے کیا حشر میں پردا ہوگا

کعبہ سنتے ہیں کہ گھر ہے بڑے داتا کا ریاضؔ
زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

تو جدھر جائے گا فتنہ کوئی برپا ہوگا — دلِ ناداں ترے چلتے ابھی کیا کیا ہوگا

میرے دل سے کوئی امیدِ وفا کیوں رکھے — نہ ہوا ہے یہ کسی کا نہ کسی کا ہوگا

جمع ہو جائیں گے مے نوش قیامت میں جہاں — حشر کا شور وہاں قلقلِ مینا ہوگا

کیا ترانے کی صدا تھی سرِ تسبیح کی قسم — کسی مے کش نے سبو کوئی اچھالا ہوگا

پانوں میں مہندی لگائی ہے تو کیا آئیں گے — ہے یہی رنگ تو اب خونِ تمنا ہوگا

دوڑ کر اس کو قیامت نے لیا گود میں یوں — تیری رفتار کا شاید کوئی فتنا ہوگا

دیر ہو یا ہو خرابات کہیں بھی جاؤں — کعبۂ دل مری آنکھوں میں مدینا ہوگا

میں کہیں جاؤں وہ محشر ہو کہ ہو محفلِ وعظ — دوش پر میرے سبو ہاتھ میں مینا ہوگا

آبِ زمزم کے سوا کچھ نہیں کعبے میں ریاضؔ
میکدہ تم جسے سمجھے ہو مدینا ہوگا

ہے زاہد کے سر پر چترِ خورشیدِ قیامت کا — مبارک ہو سیہ کاروں کو سایہ ابرِ رحمت کا

اثر بڑھ جائے یارب اس قدر سوزِ محبت کا — جہنم سے ہرا نکلے تو سمجھوں پھول جنت کا

خلش کو خار مل جائے کوئی صحرائے الفت کا — ارے واعظ کبھی جو نام لوں میں تیری جنت کا

نیا جلوہ نیا پردہ عیاں بھی اور پنہاں بھی — عجب عالم ہے کثرت کا عجب عالم ہے قدرت کا

کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی جانے تو کیا جانے
وہ عالم آشنا ہے پردہ دار اپنی حقیقت کا

شہید ناز خواب مرگ سے گھبرا کے اٹھ بیٹھے
تری ٹھوکر بھی ان سے چل گئی فقرہ قیامت کا

قیامت میں بھی اے ساقی اڑا لے کاگ بوتل کے
ترے رندوں نے کیا میدان مارا ہے قیامت کا

نظر آ جائے رحمت کو مری صورت کچھ ایسی ہو
اٹھوں تربت سے پتلا بن کے میں شرم و ندامت کا

یہ ہنستے اٹھیں تربت سے یہ ہنستے جائیں محشر پر
بہت نازک ہے دل اس کے گنہگاران امت کا

بہت ایسے بھی ہم رندوں میں ہیں اللہ کے بندے
مزا جو لوٹتے ہیں میکدے میں باغ جنت کا

مدد فرمائی وقت نزع صدقے پیر مرشد کے
ریاض آیا مزا اب حضرت وارث سے بیعت کا

مکان دیکھے مکین دیکھے لامکاں دیکھا
کہاں کہاں تجھے ڈھونڈا کہاں کہاں دیکھا

ذرا جو ہم نے انھیں آج مہرباں دیکھا
نہ ہم سے پوچھئے کیا رنگ آسماں دیکھا

نہ پہنچے تا بہ قفس تک کبھی مرے نالے
وہ برق ہو گئی جسے گرد آشیاں دیکھا

جھکا جھکا کے ہے تو ہاں گر پڑے مرے سر پر
یہی ندا اس سے تھا سوئے آسماں دیکھا

ہزاروں رند بھی دیکھے بہت سے زاہد بھی
انھیں تو پیر ہمیشہ انھیں جواں دیکھا

اب آرزو ہیں یہ آئیں کہ خاک میں مل جائیں
خدا نے دن یہ دکھایا انھیں جواں دیکھا

یہ جانتے ہیں کہ دل خاک ہو گیا جل کر
نہ آگ دیکھی نہ اٹھتے ہوئے دھواں دیکھا

بہت ہی روئے گلے مل کے ایک ایک سے ہم
لٹا ہوا جو کوئی ہم سے کارواں دیکھا

قفس میں رو کے ستم تیرے دیکھ لیں صیاد
چمن میں رو کے بہت لطف باغباں دیکھا

ریاض خاک در میکدہ تھا جیتے جی
فنا کے بعد اسے خلد آشیاں دیکھا

اُجاڑتے ہوئے سو بار آشیاں دیکھا — چمن میں رہ کے تجھے خوب باغباں دیکھا

نہ سجدہ گہ نہ کوئی جلوہ گہ بچا ہم سے — وہ دل میں تھے انھیں ہم نے کہاں کہاں دیکھا

سوئے چمن جو پلٹے لوٹنے بہار کا لطف — تو ہم نے دو قدم آگے تجھے خزاں دیکھا

وہ دل مرا ہو کہ دل کی ہو آہ کوئی ہو — بجھی سی آگ کا اُٹھتے ہوئے دھواں دیکھا

گلی میں اُن کی تجھے رات میں نظر آیا — ضرور خواب کوئی تو نے پاسباں دیکھا

کسی کی یاد جو آئی تو لٹتے پاؤں پھری — نہ دل کی طرح بھی ویراں کوئی مکاں دیکھا

یہ پھول لے کے سنا دل چلے چمن سے کہاں — ضرور میری لحد کا کہیں نشاں دیکھا

قفس میں ہم ہیں قفس پر تہیں ظلمات کی ہیں — زمیں دیکھی نہ صیاد آسماں دیکھا

ضرور کوئی بلا ہے پری بھی شیشے کی — بغل میں تھی نہ کبھی چہرۂ جواں دیکھا

ملی نجات قفس میں چمن کے دھڑکوں سے — نہ ڈر کے ہم نے کبھی سوئے آشیاں دیکھا

وہی شباب کی باتیں وہی شباب کا رنگ
تجھے ریاضؔ بڑھاپے میں بھی جواں دیکھا

ہنگام نزع گریہ یہاں بے کسی کا تھا — تم ہنس پڑے یہ کون سا موقع ہنسی کا تھا

اٹھا نہ میری گور سے دشمن بھی بیٹھ کر — کیا عالم آج ہائے مری بیکسی کا تھا

چھایا ہے آسماں کی طرح قبر غیر پر — دل میں مرے غبار بھرا جو کبھی کا تھا

دل نے مجھے خراب کیا کوئے یار میں — دشمن پہ اعتبار مجھے دوستی کا تھا

صحرا میں پھر رہے تھے سلیماں بنے ہوئے — جس کو جنون کہتے ہیں سایہ پری کا تھا

دکھ پائے گا دل اس سے جاری ہوئے نہ اشک — دیکھو تو پاس نزع میں کتنا کسی کا تھا

یہ اپنی وضع اور یہ دشنام مے فروش — سن کر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

جس انجمن میں بیٹھ گیا رونق آ گئی
کچھ آدمی ریاضؔ عجب دل لگی کا تھا

اُن پر بھی یہ اثر مری دیوانگی کا تھا
وہ بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ سایہ پری کا تھا

وہ کیوں ٹھہرتے نزع میں بالینِ غیر پر
کوئی معاملہ یہ گھڑی دو گھڑی کا تھا

جا جا کے بزمِ وعظ میں سو بار ہم نے پی
چوری کسی کی تھی نہ ہمیں ڈر کسی کا تھا

ظالم کے شوقِ دید نے بیتاب کر دیا
ہوتی مقابل اس کے یہ منہ آرسی کا تھا

آیا تھا حشر بن کے جو میرے مزار پر
فتنہ کوئی ضرور کسی کی گلی کا تھا

حسرت سے کوئی سوئے فلک دیکھتا تھا آج
لب پر گلہ کسی کا نہ شکوہ کسی کا تھا

اہلِ حرم بھی آ گئے ہوئے تھے شریکِ دور
کچھ اور رنگ آج مری مے کشی کا تھا

تھی آج ہاتھ پاؤں میں مہندی لگی ہوئی
موقع بہت برا یہ تری بے بسی کا تھا

لوٹے مزے حیا کے اٹھائے ادا کے لطف
پہروں سے محو آج تصور کسی کا تھا

گیسوئے پُر شکن نے گلا گھونٹ ہی دیا
دعویٰ ہمارے دل کو بہت دستی کا تھا

زاہد تمام عمر فرشتہ بنا رہا
اُس نے کیا جو کام یہ کام آدمی کا تھا

دلوائی یاد وعدۂ فردا کی روزِ حشر
مقصود دن سے وقت گزرتے ہی کا تھا

آتا ہے یاد اب دلِ مرحوم اسے ریاضؔ
بدخواہ وہ کسی کا نہ دشمن کسی کا تھا

یہ کہہ کے اس میں زہر بھی ہے کچھ ملا ہوا
ساقی نے جب پلائی تو نشہ سوا ہوا

یہ میرے جد طلبِ غم و یاس کیا ہوا
جاتا ہو جیسے قافلہ کوئی لٹا ہوا

جب حالِ دل کہا تو یہ سننا پڑا ہمیں
تم تو سنا رہے ہو فسانہ سنا ہوا

یہ کون پھوٹ پھوٹ کے رویا سرِ لحد
مدت کے بعد سبزۂ تربت ہرا ہوا

جمگھٹ وہ گلرخوں کے وہ چھیڑیں وہ شوخیاں
میں کیا بتاؤں حشر کے دن کیا مزا ہوا

وہ بھی تو مٹ گیا مری تربت کے ساتھ ہی
میرا شریکِ حال ترا نقشِ پا ہوا

وعدے کی آئے شب تو کسی کو لئے ہوئے
میرے گھر آئے کوئی تجھے کوستا ہوا

آ آ کے شکل دیکھتے ہیں اس میں بار بار
اچھے وہ آئے دل نہ ہوا آئنا ہوا

تیرا یہ رنگ روپ، یہ جوبن شباب کا
جیسے چمن بہار میں پھولا پھلا ہوا

ہم ہیں گدائے میکدہ، ہم کو کمی نہیں
سب کچھ ہمارے گھر ہے خدا کا دیا ہوا

نکلے تھے منہ چھپائے ہوئے گھر سے غیر کے
تصویر بن گئے جو مرا سامنا ہوا

کوئی تو کوستا ہے اثر کو اٹھا کے ہاتھ
جاتا ہے آج نالۂ دل کچھ رکا ہوا

بہکی نگاہِ ناز سے برہم ہیں آپ کیوں
کہئے تو کیا ہوا کوئی ناوک خطا ہوا

چاہی تھی ہم نے داورِ محشر سے دادِ ظلم
کچھ کہہ گئے وہ آ کے چلو فیصلا ہوا

چھپنے دمِ خرام وہ یوں کس کو دیکھ کر
سایا ہے یا ہے سایے میں کوئی چھپا ہوا

واعظ تجھے بھی قلقلِ مینا سنائیں گے
طوطا ہم آج لائے ہیں کیا بولتا ہوا

پھرتا تھا اس گلی میں عجب وضع سے ریاضؔ
اک پشتِ خار ہاتھ میں تھی سر گھٹا ہوا

موت آئے مجھ کو، کیوں اسے چھیڑا، یہ کیا ہوا
پہلو سے اٹھ گیا ہے کوئی کوستا ہوا

ہو جائے کھل کے حشر کے دن آئیں تو سہی
وہ بھی کہیں کسی سے مرا سامنا ہوا

مر کر کسی کا جلوہ ہمارے کفن میں ہے
جاتا ہے رازِ ہستیِ عالم چھپا ہوا

جمگھٹ وہ گلرخوں کے الٰہی کہاں گئے
کیا ہو گیا گلاب کا تختہ کھلا ہوا

اے نگاہِ یاس سمجھوں گا بجھے — دستِ قاتل سے اگر خنجر گرا

آرزو پوری ہوئی مقتل میں آج — پانوں پر قاتل کے میرا سر گرا

تھا یہ مطلب وہ سنگھائیں بوئے زلف — کھا کے غش کوئی سرِ بستر گرا

میرے ہی ہاتھوں سے میرے پانوں پر — ٹکڑے ہو کر دامنِ محشر گرا

بے ستوں جانے کا رستہ رک گیا — میرے آگے آ کے اک پتھر گرا

ہے عجب اُفتادِ اے قیدِ قفس — پھر نہ نکلا ٹوٹ کر جو پر گرا

رہئے اس بارش میں ہم کیا کیا ریاضؔ
پہلے کوٹھی گر گئی پھر گھر گرا

کوہِ غم بھی بارہا مجھ پر گرا — آسماں بھی ٹوٹ کر اکثر گرا

دل تو اترا ہی تھا ان کی آنکھ سے — اب نظر سے فتنۂ محشر گرا

کیا دبی آنسو ہے جو میں پی گیا — میرے دل پر آ کے اک پتھر گرا

تھی وہ حالت جیسے متوالا کوئی — جب اٹھا اس در سے میں ٹھوکر گرا

یہ نگاہِ یاس ہے قاتل سنبھل — دیکھ دستِ ناز سے خنجر گرا

جب چلا میں دو قدم تو ضعف سے — کھا کے اپنے سایے کی ٹھوکر گرا

بزمِ محشر گو بنے ساقی کی بزم — میں نہ اٹھوں گا اگر پی کر گرا

اُف رے شوخی ہاتھ بھی مارا تو یوں — کچھ الگ قدموں سے ان کے سر گرا

دل گرا اندھے کنوئیں میں عشق کے — ساتھ اپنے مجھ کو بھی لے کر گرا

سچ تھا وعدہ، قاتل اس کو کیا کرے — ہاتھ چھوٹا ہو گیا خنجر گرا

اُف وہ روزِ حشر خوف اس کا ریاضؔ — زندہ ہو کر میں اٹھا مر کر گرا

مے شب کو چھپائیں کوئی بیدار نہ ہوگا
میخانے میں ہشیار بھی ہشیار نہ ہوگا

پہلو میں دل لے لذت آزار نہ ہوگا
ہم بھی تو نہ ہوں گے جو غم یار نہ ہوگا

کہتے ہیں کہ ہم ہاتھ اُٹھاتے ہیں ستم سے
کیا چرخ بھی اب درپئے آزار نہ ہوگا

واعظ کے جنازے کو شباب جس نے بتایا
ہوگا وہ فرشتہ کوئی مے خوار نہ ہوگا

اب دستِ تمنا میں نہیں خون کی گردش
یہ ہاتھ گلے کا ترے اب ہار نہ ہوگا

جب کالی گھٹا گھر کے جھکے گی مرے گھر پہ
کیا صحن کا سبزہ سرِ دیوار نہ ہوگا

ساغر میں یہ افشردۂ انگور ہے اے شیخ
اس چیز سے حضرت کو بھی انکار نہ ہوگا

وحشت بھی ہے نفرت بھی اسے اُن کی گلی سے
ہم جائیں گے تو سایۂ دیوار نہ ہوگا

گلشن میں بہار آئی یہ کہتی ہوئی ہم سے
دامن میں تمہارے کبھی اب خار نہ ہوگا

شاید وہ بنے ہیں کبھی اقرار کے سچے
ہونے سے بھی اب بس کا اقرار نہ ہوگا

توبہ سے ڈرایا ہے مجھے ساقی نے یہ کہہ کر
توبہ شکنی کے لئے اصرار نہ ہوگا

میری نگہِ شوق سے شرمائے کچھ ایسے
تیغِ نگہِ ناز کا اب وار نہ ہوگا

میخواروں کو پی پی کے بہت کوس رہا ہے
واعظ تجھے یہ ذائقہ سزاوار نہ ہوگا

ہو جائے گی رسوا تری مژگاں کی درازی
یہ تیر کلیجے سے اگر پار نہ ہوگا

ایسا ہے تو اُس دن کے لئے ہم کو نہ کہنا
کیا کھل کے قیامت میں بھی دیدار نہ ہوگا

جانا ہے عدالت میں ریاضؔ آپ کو ہر روز
قسمت کا کبھی آپ کے اتوار نہ ہوگا

واعظ جو نہ ہوگا تو مجھے عار نہ ہوگا
ورنہ سرِ تسنیم یہ مے خوار نہ ہوگا

تو زہر بھی دے گا تو پیوں گا بسرِ توبہ
تجھ سے مرے ساقی مجھے انکار نہ ہوگا

رہ جائے گی چبھ کر نگہ ناز تمھاری — یہ تیر کلیجے سے کبھی پار نہ ہوگا

بالفرض اثر ٹوٹ پڑے چرخ کو لے کر — نالہ تو مرا جب بھی گرانبار نہ ہوگا

ہوگا جنھیں توبہ کا بھروسا مرے مالک — وہ اور ہی ہوں گے یہ گنہگار نہ ہوگا

اُچھلا جو یہ بوتل سے تو بن جائے گی لے شیخ — اس کاگ سے اچھا گلِ دستار نہ ہوگا

وہ کہہ گئے آنے کو چلی آئے نہ نیند آئے — اب بند مرا دیدۂ بیدار نہ ہوگا

رستے کی طرح ہم کو کھلائے گا وہ ٹھوکر — درباں تمھارا کبھی ہموار نہ ہوگا

جب تک وہ مرے ہاتھوں سے مجبور نہ ہوں گے — وعدے کا انھیں حشر میں اقرار نہ ہوگا

چھپتا ہے مرے ساتھ مرا داغ زمیں میں — اب ڈوب کے یہ چاند نمودار نہ ہوگا

کس ناز سے کہتے ہیں وہ اللہ رے شوخی — مجھ سے نہ ہوا وصل کا اقرار نہ ہوگا

سر پہ مرے آ جائے گی دیوار تو ہوگی — کیا ہوگا اگر سایۂ دیوار نہ ہوگا

رکھنا نہ ریاض اس دلِ بدخو سے توقع
یہ آپ کا دشمن ہے کبھی یار نہ ہوگا

ایک خدا تک سا گردن پہ پڑا — کس قدر اوچھا ترا خنجر پڑا

اور زیور سادگی کو بار تھا — کان میں آویزۂ گوہر پڑا

مجھ کو درباں نے نکالا اس طرح — اُن کے در پر رہ گیا بستر پڑا

دو فرشتے ہیں لیے محشر میں ساتھ — بارِ عصیاں آج انھیں کے سر پڑا

کون پوچھے رہ گئی واعظ کی کیا — آج تو سر پر سرِ منبر پڑا

سیکڑوں جاتے ہوئے رستے میں آج — مل گیا جمشید کا ساغر پڑا

کھل کے روئی حسن کی دولت ریاض — آج تو ڈاکا سرِ محشر پڑا

سایۂ پرخم زلف کا مجھ پر پڑا　　یہ پڑا دوران سے سانپ سر پڑا

بیخودی میری تری درباں ہوئی　　پانوں جب اندر دھرا باہر پڑا

دل لٹا مژگاں نے جھاڑو پھیری　　یہ جھاڑو [illegible] ہاتھ سے گھر پڑا

لی خبر درباں سے میں کھویا گیا　　سنکر [illegible] دوست بستر پڑا

کھینچ مارا ہیں نے واعظ کے وہی　　منہ پر اس کے آ کے کیا ساغر پڑا

ہیں لحد سے اٹھ کے چلنے کا نہیں　　مجھ کو کیا پیچھا کرے محشر پڑا

آشیاں تک ڈھیر تھا گذرا ہی　　آج پتھر سا یہاں پتھر پڑا

میں تو سمجھا پنکھڑی ہے پھول کی　　کس قدر ہلکا ترا خنجر پڑا

ہم گرے جب لڑکھڑا کر بزم میں　　سر سبو پر ہاتھ ساغر پر پڑا

دل کی خو بو کچھ نہیں اے طفل شک　　کچھ نہیں معلوم تو کس پر پڑا

روگ تھی تیمارداری بھی مری　　میں تو میں بیمار گھر کا گھر پڑا

جنبش رسوائی کے ہم گاہک تھے　　یہ بڑا سودا بہاتے سے پڑا

اُن کے در سے کب اُٹھا بستر ریاض
میں گیا تو رہ گیا بستر پڑا

لب میگوں کا تقاضا ہے کہ جینا ہوگا　　آنکھ کہتی ہے تجھے زہر بھی پینا ہوگا

رمضاں میں نہ پلانا نہ یہ پینا ہوگا　　کس طرح گزرے گی کیسا یہ مہینا ہوگا

حشر میں سرو قدوں سے ہمیں کچھ کام نہیں　　گوشۂ حشر میں ہم ہوں گے پسینا ہوگا

کیجئے کیا اسے ہے موت بھی اُنکے بس کی　　زہر ہم کھائیں گے تو بھی ہمیں جینا ہوگا

ہے سحر ایک شب گور کی دشمن باقی　　حشر کے روز ابھی پھر ہمیں جینا ہوگا

اُن کا ہنسنا کسی دیوانے کا اُن سے کہنا — آپ کو چاکِ گریباں ابھی سینا ہوگا

نعرے مستوں کے دبا دیں گے یوں ہی حشر کا غل — شور تیرا بھی تو اے قلقلِ مینا ہوگا

وصل میں پچھلے کو یاں صبح کا ہونا کیسا — چاکِ دامانِ سحر آپ کو سینا ہوگا

جامِ کوثر کو نہ رو کو لبِ کوثر اے شیخ — کسی میکش نے ترے ہاتھ سے چھینا ہوگا

حشر میں میکدے والو! جو خدا نے چاہا — یہی جلسہ، یہی ساغر، یہی مینا ہوگا

غلو کیا، عرش سے اونچا ہے ترا بامِ بلند — عرش بھی کوئی ترے بام کا زینا ہوگا

مے کوثر میں یہ بو باس کہاں تھی زاہد — کچھ نہیں یہ کسی میکش کا پسینا ہوگا

بے طرح ڈوب رہا ہے دلِ غمگیں میرا — آج کیا غرق اُمیدوں کا سفینا ہوگا

دُور سے خانۂ کعبہ کو بھی کریں گے سلام — زندگانی ہے تو ہم ہوں گے مدینا ہوگا

چکھنے دو چار برس نزع کی تلخی کا مزا

اے ریاضؔ اور ابھی آپ کو جینا ہوگا

گزرے معشوق حسیں میری نظر سے کیا کیا — فتنے اُٹھتے رہے اس راہگزر سے کیا کیا

حسرتیں ٹپکی ہیں اس دیدۂ تر سے کیا کیا — رو کے نکلی ہے تباہی مرے گھر سے کیا کیا

بزم تھی غیر کی، وہ صحبتِ خلوت تو نہ تھی — راز افشا ہوئے دزدیدہ نظر سے کیا کیا

آہ بھی شوخ ہے کتنی کہ نہ آئی لب تک — ہم پشیماں ہوئے تکلیفِ اثر سے کیا کیا

تیغ سے کاٹ کے خونِ شہدا دیکھا تھا — ڈر کے لپٹی ہے وہ قاتل کی کمر سے کیا کیا

تم تو تم مجھ سے شبِ وصل بھی شرماتی ہو — منہ چھپاتی ہے وہ دامانِ سحر سے کیا کیا

ہو گیا ہے اسے دامن کا چھڑانا مشکل — آہ اُلجھی ہے سرِ حشر اثر سے کیا کیا

بادل اُٹھے ہوئے تھے اُٹھتے میخانے پر — جھوم جھوم اُٹھتے ہی اُٹھ اُٹھ کے برسے کیا کیا

اے جوانی ترے دن رات ٹھہرتے ہی نہیں   جی الجھتا ہے مرا شام و سحر سے کیا کیا

آسماں بھی نہ رہا گھر کی زمیں کا کیا ذکر   آج طوفان اٹھے دیدۂ تر سے کیا کیا

نہ گیا سوئے نشیمن کبھی اڑ کر افسوس   تھیں امیدیں مجھے ٹوٹے ہوئے پر سے کیا کیا

کبھی آنچل اڑے ان کے کبھی زلفیں بکھریں   وہ پریشان ہوئے باد سحر سے کیا کیا

اے ریاض آنکھ لڑاتے ہوئے جی ڈرتا ہے
زخم پہونچے ہیں حسینوں کی نظر سے کیا کیا

ہاتھ کمبخت شب وصل بھی ترسے کیا کیا   لطف رکھتی ہے نزاکت بھی کمر سے کیا کیا

حشر بھی حشر کے معشوق حسیں بھی سب گرد   فتنے اٹھتے ہیں تری راہگزر سے کیا کیا

بے طرح کچھ یہ بھری تھی کہ نکل کر دل سے   میری فریاد لڑی جا کے اثر سے کیا کیا

چاہتی ہے کہ ہر اک بات میں بڑھ چڑھ کے رہے   بل کی لیتی ہے تری زلف کمر سے کیا کیا

ابر کے آتے ہی سے حضرت ناصح کچھ او   گرجے کیا کیا ہی ہم پر یہی برسے کیا کیا

ڈرتے ہیں بار نہ ہو جائے کہیں دل کی طرح   بچتے ہیں آئنے بھی تیری نظر سے کیا کیا

نہ ہو سکے یہ تو سبب تیز ہے خود داری عشق   ہم کھنچے ہیں تو لگاوٹ کے ادھر سے کیا کیا

ٹھوکریں کھا کے پہنچ تو گئے تقدیر سے ہم   نعمتیں ملتی ہیں اب آپ کے در سے کیا کیا

حشر برپا ہوا ہے بعد وصل کے وعدہ شب وصل   اس نے اقرار کئے رات کو ڈر سے کیا کیا

آج کو آئے کسی دن یہ تماشا دیکھو   کہہ رہی ہیں بلائیں مرے گھر سے کیا کیا

سامنے آئے ہیں وہ دل کو بنا کر تیر   ڈرتے ہیں آئنے بھی تیری نظر سے کیا کیا

آئے آئی ہی کمبخت شب وصل ان سے   اس نزاکت کو لگاوٹ ہے کمر سے کیا کیا

مرگ غربت نہ کہیں مجھ کو بنے جاتی ہو   دم الجھتا ہے مرا عزم سفر سے کیا کیا

آنکھ سے دیکھ لیا خونِ تمنا سو بار　　دیکھئے پھر بھی ٹپکتا ہے نظر سے کیا کیا

ہو گیا مجھ کو جنون صبحِ شبِ وصل ریاضؔ
ہاتھ اُلجھے مرے دامانِ سحر سے کیا کیا

آپ آئے تو خیالِ دلِ ناشاد آیا　　آپ نے یاد دلایا تو مجھے یاد آیا
عرش سے آج اثر تا لبِ فریاد آیا　　ایک ہی آہ میں کافر کو خدا یاد آیا
جور کے ساتھ ترا لطف بھی کچھ یاد آیا　　ہونٹ پر اُن کے ہنسی شکوۂ بیداد آیا
آج شب میں کوئی سو بار تو بجلی چمکی　　آج دن میں کوئی سو بار تو صیاد آیا
میرے دل میں عجب انداز سے آیا ناوک　　میں یہ سمجھا کوئی معشوق پری زاد آیا
کیا کہا پھر تو کہو، بھول گئے ہم کس کو　　صدقے اُس کے جو تمہیں بھول کے یوں یاد آیا
فتنۂ حشر نے بھی اُٹھ کے بلائیں لے لیں　　عجب انداز سے میرا ستم ایجاد آیا
سن سے جھونکا کوئی آیا جو ترا بادِ بہار　　چونک اُٹھے مرغِ چمن نالۂ صیاد آیا
اے قاتل ابھی بہہ جائے گا پانی ہو کر　　سامنے میرے اگر خنجرِ فولاد آیا
یہی گلشن کی ہوا ہے یہی گلشن کی بنا　　کبھی صیاد کبھی ناوکِ بیداد آیا
نظر آتی ہیں کہیں ایسی بھی کافر شکلیں　　دیکھ کر حسنِ خداداد خدا یاد آیا
پاس سے نیم نگہ دور سے مژگانِ دراز　　چبھنے والے نئے نشتر لئے فصاد آیا
نہ سنا ہم نے کبھی باغ میں آئی ہے بہار　　جو سنا بھی تو سنا ہم نے کہ صیاد آیا
کیوں نگاہیں یہ گڑی ہیں شکنِ دامن پر　　صدقے اندازِ حیا کے تجھے دل یاد آیا
آشیاں برق کو سونپا مجھے آئی جو ترنگ　　اور میں اُڑ کے اِدھر تا کفِ صیاد آیا
اثر آیا بھی تو جیسے کوئی فریادی ہو　　ہاتھ میں تھامے ہوئے دامنِ فریاد آیا

دستِ ماتم لیے بیٹھی رہی شیریں اپنے — تیشہ اچھا کہ ترے کام تو فرہاد آیا

ایسی ضد ہو تو انھیں کون منائے یارب — وہ یہ مچلے ہیں کہ کوئی مجھے کیوں یاد آیا

لے کے خنجر کی روانی تھی ہر اک موجِ خرام — آج مقتل میں نئی شان سے جلاد آیا

میں جو پہونچا تو لیے اٹھ کے بگولوں نے قدم — نجد میں دھوم مچی قیس کا استاد آیا

بڑھ کے لے حلقۂ آغوش میں اے دستِ جنوں — بیڑیاں کاٹنے کس لطف سے حداد آیا

دور کے صحرا سے بلا سے جو پکارا میں نے — قیس نے دی مجھے آواز کہ فرہاد آیا

صدقے ہونٹوں کے جنھیں نازِ مسیحائی ہو — صدقے باتوں کے جنھیں شیوۂ جلاد آیا

دے اُٹھیں خون کئیں نام جو نشتر کا لیا — رنگ ایسا مری تصویر میں بہزاد آیا

طفلِ اشک آ کے مری گود میں مچلے جو ریاض

دلِ مرحوم مجھے آج بہت یاد آیا

وہ کون ہے دنیا میں جسے غم نہیں ہوتا — کس گھر میں خوشی ہوتی ہے ماتم نہیں ہوتا

ایسے بھی ہیں دنیا میں جنھیں غم نہیں ہوتا — اک غم ہے ہمارا جو کبھی کم نہیں ہوتا

تم جا کے چمن میں گل و بلبل کو تو دیکھو — کیا لطف تہ چادرِ شبنم نہیں ہوتا

کیا سرمہ بھری آنکھوں سے آنسو نہیں گرتے — کیا مہندی لگے ہاتھوں سے ماتم نہیں ہوتا

اُڑتی تھی دو شالے آتی تھیں جنت کی ہوائیں — اب رندوں کا جمگھٹ سرِ زمزم نہیں ہوتا

یہ جان کے کیوں روئے گا کوئی سرِ تربت — سبزے سے جدا قطرۂ شبنم نہیں ہوتا

یہ شان کہ لے دے رہا ہے ساقی — کھوئے سے وہ تہ بزم کے وہ ہم نہیں ہوتا

مایوس اثر اشکِ عنادل نہیں ہوتے — مانوس اثر گریۂ شبنم نہیں ہوتا

کچھ اور ہی ہوتی ہیں بگڑنے کی ادائیں — بنتے میں سنورنے میں یہ عالم نہیں ہوتا

سوتے ہو نہ روتے نہیں تم ہجر کو اُس کی — اب غیر کے گھر رات کو ماتم نہیں ہوتا
گھٹتی نہیں تربت میں بھی فرقت کی اذیت — یہ درد وہ ہے مر کے بھی جو کم نہیں ہوتا
تسکین تو ہو جائے جو تو پھوٹ کے بہہ جائے — یہ مجھ سے بھی اے دیدۂ پُر نم نہیں ہوتا
سبزہ مری تربت کا رگِ گُل نہیں بلبل — ان آنسوؤں سے تیرے تو یہ نم نہیں ہوتا
مٹتے ہوئے دیکھی ہے عجب حسن کی تصویر — اب کوئی مرے مجھ کو ذرا غم نہیں ہوتا
وہ بھی تو مٹے جانِ جہاں نام تھا جن کا — یہ نظمِ جہاں پھر بھی تو برہم نہیں ہوتا

کچھ بھی ہو ریاضؔ آنکھ میں آتے نہیں آنسو
مجھ کو تو کسی بات کا اب غم نہیں ہوتا

اندازِ تبسم نہ ہو غماز کسی کا — ڈرتا ہوں نہ کھل جائے کہیں راز کسی کا
اثباتِ دہن پر نہ مٹے ناز کسی کا — ہنسنے میں نہ کھل جائے کہیں راز کسی کا
کیا مجھ سے چھپے گا کوئی آغوشِ عدو میں — لاکھوں میں تو چھپتا نہیں انداز کسی کا
گرتی ہے بھری بزم میں ہر تان سے بجلی — چمکا ہے بہت شعلۂ آواز کسی کا
بن کر نگہِ ناز مرے دل میں چبھا ہے — ناوک ہے کہ چبھتا ہوا انداز کسی کا
شرمائیں بگڑتے حشر میں جھوٹے ترے وعدے — بن جائے اگر کام خدا ساز کسی کا
دربان سے مرا ساز مرے دل سے انھیں ساز — بگڑے نہ کسی سے کوئی ہمراز کسی کا
آگے تو رقیبوں کی اٹھا لیتے تھے سختی — یہ ضعف ہے اٹھتا نہیں اب ناز کسی کا
دھوکے میں پڑے کوئی نہ اُمیدِ وفا پر — ہوگا نہ ہوا ہے وہ دغا باز کسی کا
یہ حال ابھی سے ہے کہ خم اٹھتے ہیں خالی — اچھا نہیں میخانے میں آغاز کسی کا
ہم ناز اٹھانے کا اجارہ نہیں لیتے — دل پھیر لے اے چشمِ فسوں ساز کسی کا

کیا آرزوئے مُردہ میں اب جان پڑے گی — باتیں نہ بنائے لبِ اعجاز کسی کا

معشوق ریاض اس دلِ خود سے خفا ہیں
کمبخت سے اُٹھتا ہی نہیں ناز کسی کا

مٹھی میں دل نہ تھا شکنِ آستیں میں تھا — مہندی کا چور تھا جو کفِ نازنیں میں تھا
اک ذوقِ نالہ ضبط سے وہ بھی مٹا ہوا — میں کیا بتاؤں کیا دلِ اندوہگیں میں تھا
تھیں رو سیاہیوں سے کچھ اُس کی نمائشیں — جو نام بے نشاں سا ہمارا نگیں میں تھا
آیا تھا اُن کے پاس سے چُھپ چُھپ کے جو پیام — پوشیدہ کوئی راز دلِ نشیں میں تھا
مجھ پر نکالی آنکھ نکیرین نے عبث — داغِ سجود بعدِ فنا بھی جبیں میں تھا
قاتل بھی آب آب تھا خنجر بھی آب آب — اللہ کیا اثر نگہِ واپسیں میں تھا

جب یاد آئی ہم نے بھی منہ چوم ہی لیا
ایسا مزا ریاض کسی کا نہیں میں تھا

شرمِ گنہ سے حشر میں جایا نہ جائے گا — ہم سے تو منہ خدا کو دکھایا نہ جائے گا
ہم سے بھی اس کے دام گھٹائے نہ جائیں گے — اُن سے جو مول دل کا بڑھایا نہ جائے گا
وہ پیاری پیاری شکل وہ نازک سے ہاتھ پاؤں — ہم جانتے تھے اُن سے ستایا نہ جائے گا
پُر درد دل میں داغ بھی ہیں کتنے زخم بھی — کیا اب بھی دل سے ہاتھ اٹھایا نہ جائے گا
اتنا کہاں سے روز غم آئے کہ ہو یہ سیر — ہم سے تو دل کا بوجھ [illegible] اٹھایا نہ جائے گا
وہ بیخودانِ عشق کو ٹھکرائیں تو سہی — اچھی کہی کہ ہوش میں آیا نہ جائے گا
قاتل تو جانتے تھے مگر جانتے تھے ہم — پانی کی طرح خون بہایا نہ جائے گا
وعدہ جو کچھ کیا ہے تو اللہ رے اُن کی شرم — کہتے ہیں مجھ سے حشر میں [illegible] نہ جائے گا

ہم اور اپنے خانۂ ویراں میں رہ سکیں
ہم سے تو قبر کو بھی بسایا نہ جائے گا

بن بن کے بجلی آگ لگانے وہ آئیں گے
آنکھوں میں نور بن کے سمایا نہ جائے گا

وہ بھی کھنچے ہیں تیغ بھی اُن کی کھنچی ہوئی
دونوں کا ناز ہم سے اُٹھایا نہ جائے گا

دل دوں کسی کے دستِ حنائی میں کس طرح
ہم سے تو آگ میں یہ جلایا نہ جائے گا

کیوں چھیڑتے ہو ساتھ مرے شمعِ بزم کو
روتے ہوؤں کو تم سے ہنسایا نہ جائے گا

کہتے ہیں وہ ریاضؔ کا دل لے کے کیا کریں
ہم سے گلے کا ہار بنایا نہ جائے گا

جب تک حجاب رخ سے اُٹھایا نہ جائے گا
آپ آئیں ہم سے آپ میں آیا نہ جائے گا

تو نے دیا ہے مجھ سے مٹایا نہ جائے گا
یہ داغِ عشق دل سے جدایا نہ جائے گا

لب تک ہمارے نالوں سے آیا نہ جائے گا
سر پر اب آسمان اُٹھایا نہ جائے گا

بھولے ہیں اک جہان کو ہم اُس کی یاد میں
اُس کا خیال دل سے جدایا نہ جائے گا

دامن میں ہو کہ زلف میں ہو داغدار دل
ان بادلوں سے چاند چھپایا نہ جائے گا

یہ وزن ہے تو بارِ معاصی یہیں ہا
ہم کیا کسی سے بھی یہ اُٹھایا نہ جائے گا

اے جوئے سلسبیل ہمیں آئیں تو یہیں
تجھ سے اُبل کے حشر میں آیا نہ جائے گا

دل میں ہمارے آپ چلے آئیں شوق سے
اس آئنے میں عکس سے آیا نہ جائے گا

دامن کے مٹنے دل کو وہ جوتی میں دیں جگہ
اب عرش پر تو اُن سے چڑھایا نہ جائے گا

تاروں سے آسمان ہے کیسا بھرا ہوا
پھولوں سے کیا قفس کبھی چھایا نہ جائے گا

دن دو پہر دو کھوٹے لٹے بال آئے ہیں
اب گیسوؤں کا قہر سہایا نہ جائے گا

چھوٹی سی ہے یہ داستاں اور شب بجانے پایا ہے
ہم سے کسی حسیں کو ستایا نہ جائے گا

رکھیں مجھے معاف وہ تکلیف رشک سے — اس آگ میں یہ دل تو جلایا نہ جائے گا

روشن چراغ قبر نہیں دل کا داغ ہے — سو آندھیوں سے بھی یہ بجھایا نہ جائے گا

کہتے ہیں ہنس کے دل کو شب وصل — جو روٹھ جائے گا وہ منایا نہ جائے گا

ڈرتے ہو چوٹ سے پس جاں ناتوانی سے قبر کو — بیٹھو بھی تم سے حشر اٹھایا نہ جائے گا

سینے میں یادگار رونا دل کا داغ ہے — اے آسماں یہ تجھ سے مٹایا نہ جائے گا

اس شرط سے کریں دل پر آرزو کا خوں — ہاتھوں میں یہ رہے گا بہایا نہ جائے گا

آئی ہوئی کسی کی اجل کہہ گئی ریاض
تا عمر تم سے ہوش میں آیا نہ جائے گا

کچھ آئینے نے وہی عالم دکھا دیا — دونوں کو ایک دوسرے نے کیا بنا دیا

دیوانگی نے میری سب کو کیا مزا دیا — ان کو بھی ساتھ میرے تماشا بنا دیا

طاقت نہ ان بتوں نے سلیقہ سکھا دیا — خود کیا ملے کہ مجھ کو خدا سے ملا دیا

صیاد کو جو کچھ ترس آیا بہار میں — دھوکا کر قفس کا مجھے خود اڑا دیا

نقشے سے دل کی یہ لی تھی بہت بنائی تھی — نقش قدم نہ تھا جسے تم نے مٹا دیا

سنتے ہیں آج کوس سے وہ جنت لیے — کمبخت کی فغاں نے مرا دل دکھا دیا

کیسے یہ بادہ خوار ہیں سن سن کے رہ گئے — واعظ کو کچھ مزا نہ کسی نے چکھا دیا

اتنا ہوا کہ دست سے کچھ دھجیاں گئیں — دست جنوں نے کانٹوں سے دامن چھڑا دیا

پہچان ہی لیا آخر انھوں نے حشر کے — انگلی اٹھا کے دور سے ان کو بتا دیا

شوخی سے ہر شگوفے نے کترے اڑا دئے — جس غنچے پر نگاہ پڑی دل بنا دیا

اس واسطے کہ آؤ جگت میکدے میں ہو — پوچھا جو گھر کسی نے تو کعبہ بتا دیا

مجھ کو دے ، حجاب اُنھیں با دُخترِ رز خموش | آخر یہ کس نے آنکھ کا پردہ اُٹھا دیا
اک قبر کا چراغ ہے اک دل کا داغ ہے | اس کو جلا دیا کبھی اُس کو جلا دیا
ہم گزرے جس طرف سے اُدھر انگلیاں اُٹھیں | دیوانہ ان حسینوں نے ہم کو بنا دیا
یہ کہہ کے کس ادا سے دیا ساغرِ شراب | لو آج ہم نے زہر بھی اس میں ملا دیا
تم کیا مٹا سکو گے اسے دل کا داغ ہے | نقشِ قدم نہیں جسے تم نے مٹا دیا
میں رو رہا تھا، دل میں مگر گدگدی اُٹھی | کچھ اس ادا سے آئے کہ مجھ کو ہنسا دیا
چکرائے میری باتوں سے گم گشتگی میں بھی | جب مل گئے تو خضر کو رستا بتا دیا
تھا حُسنِ اتفاق کہ پیہم شرر اُٹھے | وہ خوش ہوئے کہ شمع کو ہم نے ہنسا دیا
دیکھا کوئی حسین کہ ہم مُدعی ہوئے | قاتل اُسی کو حشر میں ہم نے بتا دیا
مجھ سے سیاہ کار کے کام آئی تیرہ گور | یہ تو ہوا فرشتوں کو اندھا بنا دیا
اس بھولے پن کے ساتھ کہ لطف آ گیا انھیں | اپنا فسانہ آپ ہی ہم نے سُنا دیا
ہم میں نہ جان حشر میں آئے گی، ہوش کیا | ساقی نے میکدے میں ہمیں کیا پلا دیا

پاؤں تو ان حسینوں کا مُنھ چوم لوں ریاضؔ
آج ان کی گالیوں نے بہت ہی مزا دیا

کوئے دشمن سے اسے چھپ کے نکلتے دیکھا | ہم نے نقشِ قدمِ یار کو چلتے دیکھا
ہائے کیا حال دمِ وصل ہمارا ہوگا | بوسہ لینے میں جنھیں رنگ بدلتے دیکھا
ابر بن کر جو برسنے کو آیا واعظ | سب طرح ہم نے خُمِ مے کو اُبلتے دیکھا
یہ بھی پینا ہے کوئی چال ہے یہ بھی کوئی | ہر قدم پر انھیں سو بار سنبھلتے دیکھا
یہی آنکھیں ہیں کہ جن میں نہیں اب نام کو اشک | انھیں آنکھوں سے کبھی خون اُبلتے دیکھا

حشر کے روز نہ تاب ابر کرم کو آئی | مجھ گنہگار کو جب دھوپ میں جلتے دیکھا
گیسوئے حور کہو سبزۂ تربت کیسا | قبر دشمن سے دھواں ہم نے نکلتے دیکھا
کوچۂ عشق میں اللہ رے پامردیٔ دل | ٹھوکریں کھا کے اسے ہم نے سنبھلتے دیکھا
غیر کے گھر سے مچلتے ہوئے تم نکلے تھے | رکتے دیکھا انھیں پھر چھپ کے نکلتے دیکھا
دل میں کیا جان بھی کیا قطرۂ خوں کی تھی بساط | گھٹتے دیکھا اسے ہاتھوں سے مسلتے دیکھا
پچ دل لانے کا کھلا تھا کہ شفق شام کی تھی | وصل کی رات کو بھی رنگ بدلتے دیکھا
کبھی الجھے رات سے گئے یا کبھی کچھ راستے | ہم نے ان پردہ نشینوں کو نکلتے دیکھا
خون دل پہ ہے سبقت رشک تری مہندی کو | اپنی ہی آگ میں یاں ہم نے اسے جلتے دیکھا
دل بیتاب تھا یا آگ کی چنگاری تھی | کس قدر جلد انھیں پاپوش سے ملتے دیکھا

واہ کیا رنگ کیا خوب طبیعت ہے ریاض
ہو نہیں کوئی تمھیں پھولتے پھلتے دیکھا

وہ پوچھتے ہیں شوق تجھے ہے وصال کا | منہ چوم لوں جواب یہ ہے اس سوال کا
اٹھے گا لطف خلد میں جا کر وصال کا | موقع ملا جو حشر کے دن دیکھ بھال کا
او جامہ زیب چھین لے تو آسمان سے | دامن شفق کا اور گریبان ہلال کا
سو ناز سے جو آئے قیامت تو کچھ نہیں | انداز اور ہے تری مستانہ چال کا
روٹھے ہوئے بھی چھیڑ کے سنتے ہیں میرے شعر | میرے کلام میں ہے مزا بول چال کا
کہتے ہیں رونق اور مری رہگزر کی ہے | لایا ہے رنگ خون کسی پائمال کا
ممکن نہیں کہ سن کے تمھیں ہو شگفتگی | پوچھو نہ حال تم کسی آشفتہ حال کا
میرے گنہ ہیں باعث بخشش مرے لیے | میرے گنہ سبب ہیں مرے انفعال کا

دامانِ برقِ طور ہے تیرا حجابِ رُخ — معشوق ہو تو ہو ترے حُسن و جمال کا
دیتے نہ جان ہم جو سمجھتے شبِ لحد — شک تھا کہ آج دن ہو کسی کے وصال کا
قسمت مری وہ آئے مرا دل خریدنے — ہوتا ہے مول آج تو مفلس کے مال کا

رہنا ریاضؔ سایے سے بھی اس کے دُور دُور
دُشمن یہ آسمان ہے اہلِ کمال کا

یہ کافر بُت جنھیں دعویٰ ہے دُنیا میں خدائی کا — ملیں محشر میں مجھ عاصی کو صدقہ کبریائی کا
یہ مجھ سے سخت جاں پر شوق خنجر آزمائی کا — خدا حافظ مرے قاتل تری نازک کلائی کا
نہ ہو پہلو میں میرے دل تو کوئی بات کیوں پوچھے — یہی تو اک ذریعہ ہے حسینوں تک رسائی کا
تم اچھے غیر اچھا غیر کی تقدیر بھی اچھی — یہ آخر ذکر کیوں ہے میری قسمت کی بُرائی کا
وہ کیا سوئیں گے غافل ہو کے شب بھر میرے پہلو میں — اُنھیں یہ فکر ہے نکلے کوئی پہلو لڑائی کا
ہزاروں دیدہ و دل بام لاکھوں طور سے بڑھ کر — کروروں جلوہ گاہیں شوق تو ہو خود نمائی کا
قفس میں اب کہاں وہ انبساطِ صبحِ آزادی — چمن تک لطف تھا صیاد میری خوش نوائی کا
اشارے پر ترے چل کر یہ لائے رنگ مشکل ہے — ابھی محتاج ہے خنجر ترے دستِ حنائی کا
کوئی کیا جائے جنت میں کہ اُس نے طول کھینچا ہے — قیامت پر بھی سایہ پڑ گیا روزِ جدائی کا
وہ دن بھی آئے ہم ہوں اور گلیاں ہوں مینے کی — گدایانہ صدا ہو ہاتھ میں کاسہ گدائی کا

بنائی کیا بُری گت میکدہ میں بادہ نوشوں نے
ریاضؔ آئے تھے کل جامہ پہن کر پارسائی کا

نہ تارے افشاں نہ کہکشاں ہے نمونہ مستی ہوئی جبیں کا
کھلا ہے پرچم گڑا ہے جھنڈا افلاک پر اُس آوِ آتشیں کا

تارے نکل کے ڈوب گئے آسمان پر — عالم وہی ہے میری شبِ انتظار کا

معشوقِ ناز ہیں مجھے قابو کے مل چکے — دل بھی مجھے ملا نہ مرے اختیار کا

اللہ میرے گزری ہے کیا ایسی واردات — منھ دیکھتے ہیں سب مری شمعِ مزار کا

تسکین دے دو وعدۂ محشر سے جھوٹ سچ — ٹوٹے نہ آسرا دلِ امیدوار کا

اُبھری ہوئی یہ شاخ میں کلیاں گلاب کی — جوبن دکھا رہی ہیں عروسِ بہار کا

تھی دل میں گدگدی کہ میں پوچھوں دمِ وصال — یہ تو ہنسا کہ پھول کھلا تیرے ہار کا

وہ لاکھ زلف کھول کے بیٹھیں عدو کے گھر — عالم کچھ اور ہے مرے شبہائے تار کا

اُمید ہے کہ شب کو بھی ہو شغلِ مے ریاضؔ
منھ صبح ہوتے دیکھ لیا روزہ دار کا

ارمان ہے کہ پھول بنے اُن کے ہار کا — گھونگھٹ کہیں کھلے بھی عروسِ بہار کا

کیا چرخ پر ہے عکس پڑا لالہ زار کا — دامن شفق بنی ہے عروسِ بہار کا

خم دوش پر بغل میں صراحی وہ روزِ حشر — اُٹھنا مزار سے وہ کسی بادہ خوار کا

ہے بات کچھ بنی ہوئی بازارِ حسن میں — مجھ کو گراں ہے مفت بھی ملنا اُدھار کا

اس لطف سے بہار کچھ آئی ہے اب کے بار — پانی میں بھی مزا ہے مے خوشگوار کا

خدمت تو دیکھنا شفقِ شام کی ذرا — بتلا رہی ہے وقت یہ اُن کے سنگار کا

رکھنا پڑا ہمیں خم و مینا کو سر بمُہر — کوئی بھی آدمی نہ ملا اعتبار کا

مدت کے بعد آئی تھیں دو چار آندھیاں — کچھ حال کہہ گئیں مرے اُجڑے دیار کا

مے کش تو کیا گھٹائیں چلیں جھومتی ہوئی — زاہد نہ مجھ سے پوچھ مزا سبزہ زار کا

دولھا دولھن ہیں خیر سے دونوں درازقد — ہے روزِ حشر جوڑ شبِ انتظار کا

حاصل سمجھ لیے ہیں اسے زندگی کا ہم — دن رات ہم ہیں اور تصور ہے یار کا

کس لطف سے کھلی ہوئی آنکھیں ہیں بعد مرگ — ہم مست تھے مزا نہ مٹا انتظار کا

اب تو ریاض پھول اٹھاتے ہیں رات دن
جوبن یہ لوٹتے ہیں عروس بہار کا

گلچیں یہ اہتمام کسی ایک بار کا — لوٹا ہے دونوں ہاتھ سے جوبن بہار کا

موتی بنے گا خاک پہ شبنم کے ہار کا — دامن سے تار کا نہ گریباں کے تار کا

دیکھے تو کوئی فیض نسیم بہار کا — گل ہو گیا چراغ ہمارے مزار کا

اٹھوں تو آسمان جو بیٹھوں تو خاک در — خاطر غبار ہوں میں تری رہگزار کا

ایسی نصیب ہو نہیں سکتی سحر کی رات — گذرا ہے یہ بھی کوئی شب انتظار کا

بے نور بے فروغ نہ رونق نہ رنگ و تاب — دیکھے تو منہ کوئی مری شمع مزار کا

دامن میں اپنے رکھ لے لٹ لے نگاہ شوخ — قربان تیرے دل ہے کسی بے قرار کا

اب میں تو کیا قفس بھی گیا تیرے ہاتھ سے — صیاد آ رہا ہے زمانہ بہار کا

کچھ دور دور رہتی ہے بالیں سے تیرگی — روشن ہے چراغ ہمارے مزار کا

جب ہاتھ کی قرض پٹ جائیں گے حشر کو — ہم جانتے ہیں منہ سے سودا ادھار کا

بجلی بنی ہوئی ہے کسی کی نگاہ شوخ — دامن میں اس کے دل ہے کسی بیقرار کا

مینا کا منہ ہے بند یہ ہے احترام صوم — ساغر کا ہونٹھ لب ہے کسی روزہ دار کا

دھبا نہ آئے ریش حنائی پہ اے ریاض
کچھ بس نہیں لگے ہے زمانہ بہار کا

بانتا نہ جیب پھول کو تو رہے ... — کیا جبر ہے جنوں سے زمانہ بہار کا

عالم کچھا اوس ہے ترے پھولوں کے ہار کا　　ہر پھول میں ہے حسنِ عروسِ بہار کا

سایہ جہاں پڑا اُس قدحِ بادہ خوار کا　　دامن بنا لہکتے ہوئے سبزہ زار کا

پوچھا کسی نے حال تو آنسو ٹپک پڑے　　رونا مجھے ہے گریۂ بے اختیار کا

سوئے ہوئے نصیب کہاں چونکتے ہیں اب　　سایا پڑا ہے میرے تغافل شعار کا

فرقت کے دن ہیں فرق نہیں دن میں رات میں　　اب رنگ ہی کچھ اور ہے لیل و نہار کا

آنکھیں جھکائے کیوں مری تربت پہ آئے ہیں　　کشتہ ہوں میں کسی نگہِ شرمسار کا

بوتل جب اُس کے حجرے میں ٹھلی بھری ملی　　زاہد بھی آدمی ہے بڑے اعتبار کا

کہتی ہے لے ریاض درازی یہ ریش کی
ٹٹی کی آڑ میں ہے مزا کچھ شکار کا

مے نوش جس کو کہتے ہیں موسم بہار کا　　اک وقت ہے وہ دخترِ رز کے نکھار کا

لوٹیں گے ہم شبابِ عروسِ بہار کا　　سہرا ہمارے سر ہے گریباں کے تار کا

کہتا ہے ہنس کے پھول ہر اک اُن کے ہار کا　　جوبن لٹا ہے آج عروسِ بہار کا

سی دیں جو تو نے پلکیں تو صیاد کیا ہوا　　آنکھوں میں پھر رہا ہے زمانہ بہار کا

تل بھر نہ اس سے کم ہے نہ وہ بال بھر سوا　　رات انتظار کی ہو کہ دن انتظار کا

فصلِ جنوں کی یاد میں چھیڑیں نئی نئی　　تلوے میں چبھ کے دل میں کھٹکنا وہ خار کا

اُلٹا ہوا جہان وہ میدانِ حشر میں　　چلنا وہ جھوم جھوم کے مجھ بادہ خوار کا

کہتے ہیں جس کو شیشۂ مینا سے شب فروز　　ہم میکشوں میں نام ہے صبحِ بہار کا

کیوں آج پھوٹی آنکھ کی پتلی بنا ہے دل　　دن دیکھنا نصیب میں تھا انتظار کا

ہے میری مشتِ خاک دو عالم کی کائنات　　ہر ذرہ آسمان ہے میرے غبار کا

ہیں لاکھ لاکھ دستِ حنائی سے اہتمام — جلتا نہیں چراغ ہمارے مزار کا

آئیں عدو کو ساتھ لئے آئیں تو سہی — دیکھیں تو آکے حال دلِ بے قرار کا

روزِ شمار بھی تو ہے گنتی کا ایک دن — ہوگا شمار کیا ستمِ بے شمار کا

واعظ نہ آپ بزم میں چھلکائیں جامِ خلد — کھلوائیں منہ جناب مجھ بادہ خوار کا

گھر سے جنوں کے جوش میں جانا ادھر سے دشت — لینا قدم وہ دوڑ کے صحرا کے خار کا

جو اوس خشک سبزۂ تربت نہ تر کرے — دامن وہ موتیوں سے بھرے سبزہ زار کا

پیرِ مغاں کی رزم بزم ہمیں بھی نصیب ہو — لطف آئے ہم کو بھی پیالے کے شکار کا

خم میں شفق سے بارشِ مے کی امید ہے — بدلا ہے رنگ صبح سے اب لالہ زار کا

ساقی تجھے خیال کوئی یہ نہ کر سکے — سب آسمان اور سمندر کے پار کا

گاندھی بھی اپنے کام میں آندھی سے کم نہیں — کہہ دوں تو کام دیں یہ نسیمِ بہار کا

چوری گئی شراب تو نیا زور دو ہے
جو نام ہے ریاضؔ سے پرہیزگار کا

کیا نام لوں میں شیخِ تہجد گزار کا — سب کام میکدے میں ہے تجھ سے ہوشیار کا

پوچھیں جنوں میں حال نہ وہ مجھ سے زار کا — ہے ہاتھ پر گمان گریباں کے تار کا

بنتا ہے شب کو داغ دلِ داغدار کا — روشن ہے جب چراغ ہمارے مزار کا

ٹھنڈی ہوا ہے نیند ہے موسم ہے پیار کا — میں لطف اٹھاؤں آج تو صبحِ بہار کا

کتنی ہی مجھ سے توبہ شکن توڑ دے گر — اس سے نہیں چھٹے گا ساتھ تجھ بادہ خوار کا

پتلیاں گریں نہ دل سبے قرار پر — لیں شوخیاں نہ صبر دلِ بے قرار کا

لانے کا پھول سے ہے سرہانے لگانا ہوا — شب میں یہی چراغ ہے اپنے مزار کا

اے محتسب نہ خلد کے اُس میں نہ اِس میں چل — حجرہ وہ شیخ کا ہے یہ مجھ خاکسار کا

توبہ کا یہ اثر ہے لبِ جو کہ جام سے — تبخالہ بن گیا ہے لبِ جوئبار کا

چوری گیا ہے رات کو پی میکدے سے خم — نکلا ہے نام زاہدِ شب زندہ دار کا

کھڑکی کھلی تو بامِ قفس سے میں چڑھ گیا — احسان ہے جھکی ہوئی اک شاخسار کا

خوابِ سحر ہے چہرے حسینوں کے دیکھنے — چہروں پر اُن کے حسن وہ صبحِ بہار کا

یہ آج کس کے پائے حنائی کے نقش نے — روشن کیا چراغ ہمارے مزار کا

پی پی کے اُس نے سجدے کئے ہیں تمام رات — اللہ رے شغل زاہدِ شب زندہ دار کا

خم سے نہ ہو وہ سیر میں چُلّو سے سیر ہوں — یہ ظرف شیخ کا ہے یہ مجھ میگسار کا

قطرے میں بھی شراب کے دریا نظر پڑے — اتنی ملی کہ شکر ہے پروردگار کا

ہے دیکھنے کی چیز قیامت میں اے ریاضؔ
جانا لحد سے اُٹھ کے ہمارے غبار کا

شب کو غازہ جو مَلا حسن بلا کا نکلا — ماہ کا رُخ تری تصویر کا خاکا نکلا

کون کشتہ نہ تری تیغِ ادا کا نکلا — ناز سے کام لیا نام قضا کا نکلا

ہو چکا حشر مگر اپنی لحد سے باہر — کوئی کشتہ نہ تری تیغِ ادا کا نکلا

نامہ بر بن کے ترے کوچے سے وہ ہو آئی — کام ہاتھوں سے مرے بادِ صبا کا نکلا

داورِ حشر کے آگے نہ ستم کی ٹھہری — اے جفا جو کوئی حیلہ نہ جفا کا نکلا

میں یہ سمجھا تھا کہ ہوگا دلِ پُر خوں میرا — اُن کی مٹھی جو کھلی رنگ حنا کا نکلا

حشر میں جورِ بتاں کی وہ شہادت دیتا — کوئی اتنا بھی تو بندہ نہ خدا کا نکلا

جب سے رندوں میں چلا جامِ سفالیں ایجاد — پانی پانی یہ ہوا جام نہ جم کا نکلا

ہم سمجھتے تھے ریاضؔ اس کو بت شوخ و شریر
وصل کی رات تو پتلا وہ حیا کا نکلا

لطف دیتا ہے یہ ہر بار ترا کیا کہنا — میں بھی کہہ لوں مرے دلدار ترا کیا کہنا

وصل پر جب یہ زباں غیر کو دی ہے تو نے — مجھ سے اصرار نہ انکار ترا کیا کہنا

نشۂ مے میں بھی لغزش کی کوئی بات نہیں — تیرے صدقے مرے ہشیار ترا کیا کہنا

ڈال دی جان ہر اک نقش قدم میں تو نے — واہ ری شوخی رفتار ترا کیا کہنا

کیا رقیب اب تری باتیں نہیں سنتے آکر — اب نہیں سنتے ہیں اغیار ترا کیا کہنا

پانوں مستی میں اگر بہکا تو سنبھل کر رکھا — بولی لغزش میں دم رفتار ترا کیا کہنا

باتیں معشوقوں کی کانوں میں بہت ہوتی ہیں — نشۂ بادۂ گفتار ترا کیا کہنا

تیرے پامال نے حسرت کی نگاہیں بھی کیں — بول اٹھی شوخی رفتار ترا کیا کہنا

قدر کی آج انھوں نے بھی سر بزم ریاضؔ
بولے سن کر مرے اشعار ترا کیا کہنا

اے اشک غم ان آنکھوں سے تو سرخرو ہوا — سے خوش ہوں دل کے ساتھ جگر بھی لہو ہوا

تیرا ہوا جو خون تو دل بھی لہو ہوا — آخر مآل کار یہ اے آرزو ہوا

آیا جو محتسب تو بنی رزم بزم مے — بحر وقت خم شیشہ ہمارا سبو ہوا

کوثر کا حوض حشر میں سر پہ لئے پھروں — چلائے شیخ یہ بھی تمھارا سبو ہوا

نشہ میں گر کے ہاتھ سے ساغر ہوا جو چور — ہر ریزہ جا کے سبزۂ لب آبجو ہوا

کس سے کہیں کلیم جو گزری کلیم پر — پردے سے بات کر کے جو بے پردہ تو ہوا

نکلے جو خار بعد جنوں سوئیاں چبھیں — دامن کوئی ہزار جگہ تو رفو ہوا

دلی میں وائسرائے کے مہماں بنے ریاض
دربارِ قیصری کے سبب آبرو ہوا

اُن سے اُبھار اُن سے زمانہ اُٹھان کا
کل بام پر تھے آج ہے قصد آسمان کا

رونا لکھا نصیب میں ہے اپنی جان کا
شکوا نہ آپ کا نہ گلا آسمان کا

بازار میں بھی چلتے ہیں کوٹھوں کو دیکھتے
سودا خریدتے ہیں تو اونچی دکان کا

یہ بھی خدا کی شان ہم اب ایسے ہو گئے
سایا بھی بھاگتا ہے تمھارے مکان کا

کیوں شکر نصیب دل کو بُرا کہہ رہے ہو تم
کیوں صبر لے رہے ہو کسی بے زبان کا

واعظ شراب خانے میں کھوسے گا کیا زباں
ہم خوب جانتے ہیں وہ ٹرّا ہے تھان کا

ہم جام مے کے بھی اب تر چھوڑتے نہیں
چسکا پڑا ہوا ہے تمھاری زبان کا

یہ دل کی واردات تو کہنے کو کہہ چلوں
کس کو یقین آئے گا میرے بیان کا

یہ تو کہا اب تجھے ہو تو ہو تھوکن نصیب
تم نے کبھی دیا کوئی ٹکڑا بھی پان کا

میں جاؤں یا نہ جاؤں انھیں لے کے بام پر
بدلا ہوا ہے رنگ بہت آسمان کا

افسانہ تم نے قیس کا شاید سنا نہیں
ٹکڑا ہے ایک وہ بھی مری داستان کا

اب کوئی سینہ چیر کے رکھ لے کہ دل بنائے
آویزہ گر پڑا ہے کوئی اُن کے کان کا

آیا جو غیر لطف بہت دیر تک رہا
بدلا تھا میں نے بھیس ترے پاسبان کا

دُنیا کی پڑ رہی ہیں نگاہیں ریاض پر
کس وضع کا جوان ہے کس آن بان کا

اے دل رسوا اُسے رسوا کیا
کیا کیا کمبخت تو نے کیا کیا

مجھ کو تم کو غیر نے رسوا کیا
کہہ بھی دو اچھا کیا اچھا کیا

مری خوشی کی اُنھیں کس لیے خوشی ہوگی — مرے ملال کا اُن کو ملال کیا ہوگا
بتائیں کیا تمھیں کیونکر گلے لگائیں گے — بتائیں کیا تمھیں روزِ وصال کیا ہوگا
شراب پینے کی عادت ہے مجھ کو جُلّو سے — مجھے ملا بھی تو جامِ سفال کیا ہوگا

ریاضؔ عمر تو گزری سیاہ کاری میں
خبر نہیں کہ ہمارا مآل کیا ہوگا

کیوں بجھے یہ چراغ محفل کا — چاند اس گھر کا داغ ہے دل کا
خونِ بسمل کی شوخیاں دیکھو — آج دامن رنگا ہے قاتل کا
میری تُربت کا ایک اک ذرّہ — تم کو دے جائے گا مزا دل کا
اثرِ اضطرابِ قیس نہ پوچھ — پردہ اُٹھ اُٹھ گیا ہے محمل کا
نہ وہ تُربت نہ پھول تُربت کے — نہ وہ جُھرمٹ رہا عنادل کا
دیکھیے گا سنبھل کے آئینہ — سامنا آج ہے مقابل کا
کچھ عجب رسم و راہ ہے ان میں — نہ کھُلا راز دیدہ و دل کا
تھک کے بیٹھے جہاں، یہ چین ملا — کہ نہ پوچھا نشان منزل کا

بزمِ دشمن میں ہیں ریاضؔ بھی آج
جمنے دیں گے نہ رنگ محفل کا

روگ تھا آزار تھا اچھا ہوا جاتا رہا — ایسے دل کا رنج کیا جاتا رہا جاتا رہا
صدقے روزِ وصل کے شکوہ مرا جاتا رہا — اُن کا شکوہ رہ گیا میرا گلا جاتا رہا
اب وہ شاہد پرستی ہے نہ ذوقِ مے کشی — مٹ گئیں وہ صحبتیں وہ مشغلا جاتا رہا
کیا کروں لے کے آرزوئے دید و ارمانِ وصال — نامہ بر تو عمر بھر آتا رہا جاتا رہا

شرم ہے صبحِ شبِ وصل اور بھی دونی مگر — شام کو جو تھا وہ اندازِ حیا جاتا رہا

مرگِ دشمن پر کفِ افسوس کیوں ملتے ہیں آپ — ہاتھ ملئے ہاتھ سے رنگِ حنا جاتا رہا

سوئے گردوں ہم مصیبت میں اُٹھا دیتے تھے ہاتھ — کیا کریں جب کام سے دستِ دعا جاتا رہا

صبح ہوتے جب کہا میں نے کہ ہے کچھ التماس — ہنس کے بولے وقتِ عرضِ مدعا جاتا رہا

میری صورت پر ترس کیوں دشمنوں کو آگیا — تیرے صدقے کیوں وہ اندازِ جفا جاتا رہا

دیکھنا شوخی وہ کہتے ہیں مرے ہوتے ہوئے — کیوں توقع مٹ گئی کیوں آسرا جاتا رہا

اس طرح اپنے دل کو ڈھونڈھنے نکلے ہیں ہم — پوچھتا ہے ہر حسیں گھبرا کے کیا جاتا رہا

لٹ گئی شب کو وہ شے جس کو چھپاتے تھے بہت — ان حسینوں سے کوئی پوچھے کہ کیا جاتا رہا

دستِ شفقت اس طرح اک رند نے پھیرا ریاض
بیٹھ کر یادِ خدا میں جھومتا جاتا رہا

اگر اُن کے لب پر گلا ہے کسی کا — تو بے جا بھی شکوہ بجا ہے کسی کا

حسیں حشر میں سر جھکائے ہوئے ہیں — وفا آج وعدہ ہوا ہے کسی کا

وہ جوبن بہت سر اُٹھائے ہوئے ہیں — بہت تنگ بندِ قبا ہے کسی کا

وہ خود چاہتے ہیں کوئی اب ستائے — ستانا مزا دے گیا ہے کسی کا

جو ہیں دستِ گستاخ اپنے سلامت — تو جھوٹا ہی وعدہ وفا ہے کسی کا

وہ کیوں اُٹھ کے خلوت سے محفل میں آئیں — وہ کیا جانیں کیا مدعا ہے کسی کا

بنا لیں خدا تو بھی میرے نہ ہوں گے — بتوں میں کوئی بھی ہوا ہے کسی کا

کوئی گود میں چھپ کے آ ہی گیا ہے — تصور ہمیں جب بندھا ہے کسی کا

ریاضؔ اور جی تک ہیں مست چپ اب — سنا ہے پیا لا پیا ہے کسی کا

چبھ کے سینے میں مرے قاتل کا پیکاں رہ گیا — چٹکیاں لینے کو دل میں دل کا ارماں رہ گیا
رہ گیا ہاں غیر کو آنے کا ارماں رہ گیا — سایہ میرا اُن کے در پہ بن کے درباں رہ گیا
ہائے ری دیوانگی ہم پھول چنتے رہ گئے — موسم گل میں سلامت اب کے داماں رہ گیا
رہ گیا محروم تجھ سے کون لے فصل بہار — ہاں مگر میں رہ گیا میرا بیاباں رہ گیا
اُس نمک پاش جراحت نے کیا اچھا علاج — زخم میرے بھر گئے خالی نمکداں رہ گیا
سایہ چھوٹا جست کرتے ہی کہ جاتی تھی بہار — اے جنوں سایا سر دیوار زنداں رہ گیا
بات ہی ایسی تھی یہ منہ چوم لیتے ہم ضرور — وہ تو کہئے لب تک آتے آتے پیماں رہ گیا
قیس دیوانوں میں اک باقی تھا اب وہ بھی نہیں — پھاڑ کھانے کو مجھے خالی بیاباں رہ گیا
اُڑ گیا پریوں کا سایا بھی مری تقدیر سے — میرے سر پر سایۂ دیوار زنداں رہ گیا
کیوں پھر تے سے ٹوٹے پانوں تم دشمن کے گھر — رہ گیا بھولے سے کچھ یا کوئی ارماں رہ گیا
ایک میں باقی تھا میں بھی ہو گیا گمراہ عشق — اس زمانے میں نہ تو کوئی مسلماں رہ گیا
تیرے صدقے کیا ہوئیں دشمن سے باتیں کہہ بھی دے — اُٹھ رہی کوئی قسم یا کوئی ارماں رہ گیا
سخت جاں وہ ہوں کہ بسمل ہوکے بھی نکلی نہ جان — مجھ کو حسرت رہ گئی قاتل کو ارماں رہ گیا
تار ہیں نکلے ہوئے کچھ خار ہیں اُلجھے ہوئے — لے جنوں داماں مرا اب کیا ہی داماں رہ گیا
عمر بھر رونا ہے گا دیکھنا اے اشک شرم — میرے دامن میں جو کوئی داغ عصیاں رہ گیا
رہ گئے وہ آتے آتے رہ گیا سامان وصل — آج ساماں ہو چکا تھا ہو کے ساماں رہ گیا
تجھ نے جو کانٹے راہ میں اب اس صحرا میں ہیں — کوئی بھی دیوانۂ زلف پریشاں رہ گیا
رہ گیا آنچل ہی آنچل دے چکی محرم جواب — ایک ہی جوبن کا اُن کے اب نگہباں رہ گیا
جاتے جاتے مجھ کو زنداں کی محبت آگئی — میں اُچک کر آج سے دیوار زنداں رہ گیا

ہو گئی رُسوائی مری دُنیا میں لے دستِ جنوں
ایک بھی باقی اگر تارِ گریباں رہ گیا

قیس بھی باقی نہیں ہیں ہوں خدا کی ذات ہے
ہُو کا عالم ہو گیا خالی بیاباں رہ گیا

ناتوانی میں دیا دستِ جنوں نے بھی جواب
پھانسی لینے کو سب مجھے میرا گریباں رہ گیا

کون آئے اب کفن کے کام لے دستِ جنوں
تارِ داماں رہ گیا تارِ گریباں رہ گیا

کام تو ہیں کافروں کے نام ہے اسلام کا
اب مسلماں رہ گیا کوئی نہ ایماں رہ گیا

ولولوں کے دن نہیں وہ دل نہیں وہ سن نہیں
شوقِ عصیاں مٹ گیا اب خوفِ عصیاں رہ گیا

اک بُتِ کافر کو دل دے کر ہوا کافر ریاضؔ
اب تقدس رہ گیا اس میں نہ ایماں رہ گیا

بتا دو تم ہمیں بیداد کرنا
سکھا دیں ہم تمہیں فریاد کرنا

وہ پہلے مسکرا کر یاد کرنا
وہ پھر شرما کے کچھ ارشاد کرنا

قفس کی تیلیاں توڑیں تڑپ کر
نہیں آتا ہمیں آزاد کرنا

تمنا جس کی ہے وہ دن تو آئے
تمہیں آ جائے گا بیداد کرنا

ہم آ جائیں گے اپنی یاد بن کر
نہ بھولے سے کہیں تم یاد کرنا

قیامت ڈھاتی ہے مظلوم کی آہ
سمجھ کر تم ذرا بیداد کرنا

تصور میں یہ کوئی کہہ رہا ہے
شبِ فرقت میں ہم کو یاد کرنا

قفس میں رہ کے قیدِ نغمہ سنجی
ستم ہے خاطرِ صیاد کرنا

سکھایا ہے ہمیں ظالم بتوں نے
مصیبت میں خدا کو یاد کرنا

ہماری خاک ہے رسوا کُنِ حسن
سمجھ کر تم اسے برباد کرنا

ریاضؔ اک مردِ آخر ہیں تو تم بھی
سمجھ کر عاقبت برباد کرنا

نہ منھ دیکھا او چشمِ سوزن کسی کا
رفو کرنے بیٹھے ہیں دامن کسی کا

مزا ہو کہ جھک جھک کے رہ جائے بجلی
گلوں سے چھپا ہو نشیمن کسی کا

یہ شوخی کہ اڑتی ہے ٹھوکر سے اُن کی
ادب بھی کچھ اے خاکِ مدفن کسی کا

دل اتنے بچھے ہوں کہ دب جائیں فتنے
جھٹک دوں جو محشر میں دامن کسی کا

یہ بجلی ہے کیوں گرد میرے قفس کے
چمن میں بتا دو نشیمن کسی کا

زمانے میں ڈرنے کی چیز اک ہمیں ہیں
ہمیں لوٹ لیتے ہیں جوبن کسی کا

خدا جانے کیا آگ اندر لگی ہے
شرر دے اُٹھا سنگِ مدفن کسی کا

جوانی کے دامن سے لپٹا ہوا ہے
نہ اب تک ہٹائے بچپن کسی کا

وہ گل کر نہ دے کیوں شمعِ تربت کو آ کے
ہمیں کیا، ہوا نام روشن کسی کا

وہ صبحِ شبِ وصل نیچی نگاہیں
وہ مسکا ہوا ہائے دامن کسی کا

ریاض ایسی دیوانگی روزِ محشر
اسے چھوڑ کمبخت دامن کسی کا

مشکل اس کوچے سے اُٹھنا ہو گیا
حشر بھی نقشِ کفِ پا ہو گیا

دیکھ واعظ میکدے میں کیا ہو گیا
آدمی تھا، پی، فرشتا ہو گیا

اور ہی وادی وہ ہے اے اہلِ طور
قیس جس میں جا کے لیلےٰ ہو گیا

خُم میں جب تک ہے یہ انگور ہے
شیخ نے توڑا کہ مینا ہو گیا

تم کو سمجھا حورِ تیرہ گور میں
اے فرشتو مجھ کو دھوکا ہو گیا

مُنھ جو کعبے میں کھلا وقتِ اذاں
بند ناقوسِ کلیسا ہو گیا

میکدہ واعظ سے اب چھٹتا نہیں
پارسا بادہ پیما ہو گیا

اے بتو اللہ کو سونپا تمہیں | بتکدہ سنتا ہوں کعبا ہو گیا

باغ تک جاتے بھی ہیں آتے بھی ہیں | اب قفس تو گھر ہمارا ہو گیا

آئے گا پینے پلانے کا مزا | پارسا اب بادہ پیما ہو گیا

موت آئی آپ کا منہ دیکھ کر | آپ کا بیمار اچھا ہو گیا

ڈوب جائیں جس سے وہ طوفاں کہاں | اشک تو آنکھوں کا تارا ہو گیا

رنگ بدلا کیا زمانے نے ریاض
دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا

او محبت کا فریب سمجھے کیا ہو گیا | غیر کے سجدے سے خدا ہو گیا

ہے یہ بہت نشہ ذرا ہو گیا | دل لگی تھوڑی سی بھلا ہو گیا

حشر میں آ گئے مرے منہ پر نقاب | میں بھی کوئی آج نیا ہو گیا

پانی پیا ساغر مے میں اگر | وہ بھی مے سے ہوشربا ہو گیا

مجھ سے بڑھ جائے مرے قاصد کا شوق | نامہ ما اور ہوا ہو گیا

کس کی نظر اور دل ناداں لگی | میں ترے صدقے تجھے کیا ہو گیا

بگڑی تمہارے آتے ہی ترتیب بزم | حشر میں ہنگامہ بپا ہو گیا

کہتے ہیں رات آئی جہاں وصل کی | جان کو تو میری بلا ہو گیا

جھومتے ہیں بیٹھے حرم میں ریاض
آ کے یہاں نشہ ہوا ہو گیا

نازک ہیں نزاکت کا بیاں ہو نہیں سکتا | وہ ایسے ہیں کچھ اور گماں ہو نہیں سکتا

تو اور رہ شوق میں آہستہ روی سے | اب ساتھ ترا عمر رواں ہو نہیں سکتا

میں کون ہوں کیا ہوں نہیں معلوم کہاں ہوں
مجھ سا کوئی بے نام و نشاں ہو نہیں سکتا

اس شیخ کہن سال کی اللہ رے بزرگی
جنت میں بھی جا کر یہ جواں ہو نہیں سکتا

میں اور شبِ وصل کہوں تجھ سے ہی دل کی
ہاں منہ میں ترے میری زباں ہو نہیں سکتا

ایفا جو کریں وعدہ تو سو حشر میں موقعے
کیا ہو نہیں سکتا ہے کہاں ہو نہیں سکتا

کھل کھیلی ہیں بے طرح جوانی کی امنگیں
ایسوں کا تو کوئی نگراں ہو نہیں سکتا

کہتی ہے پکارے ہوئے نقابِ رخِ روشن
یہ حسن تو پردے میں نہاں ہو نہیں سکتا

اکسیر ہے زاہد سے وہ معشوق کا بننا
یہ خوب کہ پیر جواں ہو نہیں سکتا

بن جاتی ہے ہر رات جو موقع بھی خدا دے
یہ جھوٹ ہے یہ عہدِ بتاں ہو نہیں سکتا

جب مانتے ہیں دونوں کی بزرگی ہے مسلم
کیا شیخِ حرم پیرِ مغاں ہو نہیں سکتا

وہ ساتھ گئی وقت کے بھی وقت کی جو بات
دیکھا ہے جو ہم نے وہ زماں ہو نہیں سکتا

کام آئے ہائے جو حسینوں کی جوانی
کیا ہم سا کہن سال جواں ہو نہیں سکتا

رکھ لیں ابھی سر پہ جو ملے بارِ گنہ اور
یہ بار ہو کتنا بھی گراں ہو نہیں سکتا

ہر راز میں سو باتیں ہیں ہر بات میں سو راز
افسانۂ دل ہم سے بیاں ہو نہیں سکتا

ہم نے بھی ریاض آپ کے اشعار سنے ہیں
یہ لطفِ بیاں لطفِ زباں ہو نہیں سکتا

الفت میں عیاں سوزِ نہاں ہو نہیں سکتا
یہ آگ ہے ایسی کہ دھواں ہو نہیں سکتا

کیا پارۂ دل کوئی زباں ہو نہیں سکتا
کیا آہ کے لب پر بھی فغاں ہو نہیں سکتا

اور جلوہ گہِ طور سے کھل کھیلنے والے
کیا دل ہی کوئی خلوت کا مکاں ہو نہیں سکتا

ہم کو ہے لبِ جام شکستہ بھی غنیمت
ساقی یہ ہلالِ رمضاں ہو نہیں سکتا

جوبن سے ہے مسکی ہوئی محرم کا اشارہ — یہ دن وہ ہیں کوئی نگراں ہو نہیں سکتا
جانے میں وہاں آندھی سے اے آہ رسا تو — کیا اشک بہ داں سیل رواں ہو نہیں سکتا
دن اور جگہ اور ہو لے داور محشر — انصاف حسینوں کا یہاں ہو نہیں سکتا
دیوانہ لیلیٰ کو نہ لیلیٰ سے رہا کام — کچھ اور بلا ہے خفقاں ہو نہیں سکتا
جو دام اٹھیں حسن جوانی کے وہ کم ہیں — سودا یہ کسی طرح گراں ہو نہیں سکتا
بتخانے بنا کرتے ہیں کس طرح مساجد — جب نعرۂ ناقوس اذاں ہو نہیں سکتا
دیوانوں کا انداز اڑاتے ہیں عنادل — دیوانے میں یہ رنگ فغاں ہو نہیں سکتا
یہ جان کو میری ہے عذاب آٹھ پہر کا — دل سا بھی کوئی آفت جاں ہو نہیں سکتا
ہیں پیری و طفلی و جوانی کے مزے اور — دنیا سا کوئی اور جہاں ہو نہیں سکتا
بدلے ہوئے ہیں چرخ کے سب چاند ستارے — وہ وصل کی راتیں وہ سماں ہو نہیں سکتا

بننے کو ریاض آپ بنیں کوہکن و قیس
ہیں ساختہ باتیں خفقاں ہو نہیں سکتا

تو اے فلک پیر جواں ہو نہیں سکتا — پٹے ہو جواں یہ بھی گماں ہو نہیں سکتا
ساقی کی گڑی آنکھ ہے کیوں کعبۂ دل پر — یہ بادہ فروشوں کی دکاں ہو نہیں سکتا
اک چاند سی ہے شکل ہم آغوش شب کو — اس سے فلک پیر جواں ہو نہیں سکتا
جنت میں نہ بیٹھیں گے لگا کے کبھی مہندی — یہ عذر حسینوں کو وہاں ہو نہیں سکتا
کچھ خشک سا ہے تربت میخوار کا سبزہ — کیا ابر بہار اشک فشاں ہو نہیں سکتا
جب دختِ رز [illegible] ہوئے یار نہ ہم کو — تو بار معاصی کا گراں ہو نہیں سکتا
[illegible] کی [illegible] — میخانے میں ایسا رمضاں ہو نہیں سکتا

ملتی ہے درِ ساقی کو ترسے خدمت
اس طرح کوئی پیرِ مغاں ہو نہیں سکتا

ہے دل سے سوا طفلِ سرشک آنکھ میں میری
بچپن ہو یہ جس کا وہ جواں ہو نہیں سکتا

اچھا کہ بُرا کوئی بھی ہو گھر ہے یہ اُس کا
میخانہ مرا باغِ جناں ہو نہیں سکتا

ہم دردِ محبت میں نہ کرتے کبھی اُف بھی
مجبور ہیں اب ضبطِ فغاں ہو نہیں سکتا

ہٹتی نہیں چہرے سے نقابِ رُخِ روشن
اس حُسن سے کوئی نگراں ہو نہیں سکتا

رہنے کی حسینوں میں ہے ضد سے دلِ ناداں
تجھ سا بھی کوئی دشمنِ جاں ہو نہیں سکتا

شاید ہو ریاضؔ اس میں کوئی بوند لہُو کی
دل دیدۂ خونابہ فشاں ہو نہیں سکتا

مے چرانے میں ہمیں ہے یدِ طولیٰ کیسا
ہم اُڑا لائے سبو آج اچھوتا کیسا

دلِ بیتاب بھی کیا اشک کے طوفاں میں گیا
پُرشکن موج سے ہے دامنِ دریا کیسا

جائیے جائیے ہم حشر میں سُننے کے نہیں
آئیے آئیے اب وعدۂ فردا کیسا

کہتے ہیں خوب کہی ہم نہ ستائیں تم کو
تم جو پا جاؤ ستاؤ ہمیں کیسا کیسا

سایۂ تاک میں واعظ کو جگہ دی ہم نے
آج شیشے میں اُسے ہم نے اُتارا کیسا

حشر کے روز اُمڈ آئی ہے دُنیا کیسی
دیکھنا یہ ہے کہ ہوتا ہے تماشا کیسا

تنگیِ رزق میں کھانے کو ملی یہ نعمت
غم بنا آکے مرے مُنھ کا نوالا کیسا

اب یہ عالم ہے کہ پلکیں بھی نہیں تر ہوتیں
انھیں آنکھوں سے بہا دیتے تھے دریا کیسا

دیکھنا چُٹکی میں اُن کے کوئی ناوک تو نہیں
مُنھ کو رہ رہ کے یہ آتا ہے کلیجا کیسا

چلمن اُٹھی کسی کمرے کی قیامت بن کر
ہو رہا ہے سرِ بازار تماشا کیسا

مجھ سے مینا یہی کہتا ہے بہ آوازِ بلند
میرے ہوتے ہوئے اندیشۂ فردا کیسا

اری لیلیٰ یہ سمجھ کر کہ ترا عاشق ہے — تیرے ناقے نے کیا قیس سے غمزا کیسا

قرض لایا ہے کوئی بھیس بدل کر شاید — میفروشوں کا ہے واعظ سے تقاضا کیسا

چھا گئیں آ کے سر بزم گھٹائیں کیسی — بن کے طاؤس ہر اک رقص میں مینا کیسا

جب یہ مل جائیں کلیجے سے لگا لے ان کو — یہ حسینوں سے کسی بات کا شکوا کیسا

گھر میں بس ہوں تو یہ رونق نہیں ہوتی گھر میں — ایک کے بولنے سے آباد ہے صحرا کیسا

یوں تو مشہور زمانہ ہیں بہت میر و امیر
کہئے شاعر ہے ریاض سخن آرا کیسا

نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا — جیئے عمر بھر اور مرنا نہ آیا

یہ دل کی تڑپ کیا لحد کو ہلا دی — تمہیں قبر پر پاؤں دھرنا نہ آیا

نمکداں کئے تم نے گو لاکھ خالی — نمک تم کو زخموں میں بھرنا نہ آیا

یہی دن تھے سو سو طرح تم سنورتے — جوانی تو آئی سنورنا نہ آیا

دبا آ تھا کافر حسینوں کا جوبن — مرے داغ دل کو ابھرنا نہ آیا

تری تیغ کیا کیا نہائی لہو میں — تری طرح لیکن نکھرنا نہ آیا

سنا کر وہ کہتے ہیں کس بھولے پن سے — ہمیں وعدہ کر کے مکرنا نہ آیا

بنے بگڑے نقش پا کب لحد پر — تجھے اے صبا گل کترنا نہ آیا

ریاض اپنی قسمت کو کیا کہوں میں
بگڑنا تو آیا سنورنا نہ آیا

تمہارا مدعا پورا ستم سے ہو نہیں سکتا — ہمارا اپنا دل تمہیں دے دیں یہ ہم سے ہو نہیں سکتا

جو ہونا ہے نہ ہوگا ہو کے وہ دن سے پیشتر — الٰہی جھوٹے پچھا اب قول [illegible] سے ہو نہیں سکتا

یہیں سے بندگی دونوں کو پہونچے میکدے والو — تعلق اب مرا دیر و حرم سے ہو نہیں سکتا
بہت پھیکا پڑا رندوا یہ آکر بزم ساقی میں — جمائے رنگ اپنا جام جم سے ہو نہیں سکتا
ٹھہر جائے کبھی دم بھر یہ مجھ بیکس کی تربت پر — ترے چلتے ہوئے نقش قدم سے ہو نہیں سکتا
جو ناممکن ہے آساں ہے تری شان کریمی سے — خدایا کیا ترے فضل و کرم سے ہو نہیں سکتا
مرا دل ہو سپے تیرا ستمگر یہ ہے بہت مشکل — کرم سے ہو بھی سکتا ہے ستم سے ہو نہیں سکتا
انھیں میں سے کوئی آئے تو میخانے میں آجائے — بلوں خود جاکے میں اہل حرم سے ہو نہیں سکتا
وہاں ہیں خار صحرا استخوان فرہاد و مجنوں کے — بیاباں بڑھ کے صحرائے عدم سے ہو نہیں سکتا

ریاض اک بندۂ عاصی ہوں پھر بھی یہ کہتا ہوں
رہوں محروم میں اُس کے کرم سے ہو نہیں سکتا

دور ہی راہ سے کچھ بیٹھ گیا دل میرا — پاؤں کیا خاک اُٹھے اب کٹے منزل میرا
ہو گا ناخن سے نہ وا عقدۂ مشکل میرا — چٹکیاں آپ نہ لیں اف نہیں دل میرا
رنگ بانٹا ہے چمن میں یہ فغاں نے میری — چپکے منھ دیکھتے رہتے ہیں عنادل میرا
نہیں اتنا بھی ٹھہر جائے ذرا تیری نظر — کبھی تل گھٹ کے رہا قاتل سے ترے دل میرا
آستیں رنگ سے آئی لہو دے نکلی — نہ چھپا لاکھ چھپا حشر میں قاتل میرا
کون ہو جان مری پوچھتے ہو کیا مجھ سے — ہے وہی جان مری جس نے لیا دل میرا
منھ اُتر جائے اگر آرسی ٹوٹے اُن کی — دل مرا دیکھتے ہیں توڑ کے وہ دل میرا
ہے وہ مشتاق رہ عشق میں رکھوں جو قدم — بڑھ کے لے پاؤں ابھی جادۂ منزل میرا
کچھ عجب لطف سے مل جل کے رہا ایک سے ایک — غم ترا جان مری، رنج ترا دل میرا
بولی لیلیٰ ہوئی اُڑنے سے میں اس کے شور — آگ لگ جائے اُڑے پردۂ محمل میرا

کثرتِ خارِ الم سے جو ہوا جی چھوٹا   دل بڑھانے کو بڑھا آبلۂ دل میرا

میں کہوں وہ کہیں کیسے شبِ وصل سے بڑھ کے زلف دراز   تو نہ کہہ گھٹ کے شبِ وصل سے ہے تل میرا

یہ مرا ہو کے رہا بعدِ فنا تربت میں   جان سے بھی ہے سوا میرے لئے دل میرا

زخم ایسا تو ہو لے تیغ میں تیرے صدقے   کہ تڑپ جائے مرے ساتھ ہی قاتل میرا

ہاتھ پر رکھ کے اُسے جیب و چمن میں پہنچے   برگِ گل جان کے بلبل نے لیا دل میرا

جو کھلا پھول بنا زخم مرے دل کا ریاضؔ
جو کلی رہ گئی کھلنے سے بنی دل میرا

رسائی بام تک اُن کے ہو ایسا ہو نہیں سکتا   بلند اتنا مری قسمت کا تارا ہو نہیں سکتا

زمیں بھی اُنکے کوچے کی مجھے بھاری تھی بستی   کہیں اپنوں کا دنیا میں ٹھکانا ہو نہیں سکتا

تمنا دل کی تم سے کیا چھپاؤں چھپ نہیں سکتی   یہ دل گھر ہے تمھارا تم سے پردا ہو نہیں سکتا

نہ نکلا کام بیماروں کا اُن کا نام کیوں نکلا   وہ اچھے ہیں مسیحا کوئی اچھا ہو نہیں سکتا

ہماری بات رکھ لی آج کس نے طور والوں میں   پکارا کون ادھر آ تجھ سے پردا ہو نہیں سکتا

اُٹھاؤں ناز بھی دل کے نباہوں وضع بھی اپنی   بڑا جھگڑا ہے مجھ سے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

کئے ہیں شیشۂ دل چور تو نے سخت باتوں سے   ارے واعظ ترا انجام اچھا ہو نہیں سکتا

سلامت کنجِ تنہائی سلامت یہ خم و ساغر   بہار آئے نہ آئے مجھ کو سودا ہو نہیں سکتا

ترے کوچے میں اُفتاد آ چکی ہے پیش اس کو بھی   وہ کیوں جو کھا کے ٹھوکر حشر برپا ہو نہیں سکتا

یہاں ہنستا ہے مجنوں ایک بازارِ محبت کا   ترے کوچے میں آ کر کوئی رسوا ہو نہیں سکتا

حرم والو ریاضؔ آ کر حرم میں پڑ رہیں کیونکر
گزران کا کہیں بے جام و مینا ہو نہیں سکتا

رہگزر کس کی تھی سجدے میں مرا سر رہ گیا
ناتوانی یہ ترا احسان سر پر رہ گیا

اس سے اچھے دشت صحرا اس سے اچھے گردباد
عالمِ وحشت میں میرا گھر کوئی گھر رہ گیا

رحم ان کو آ گیا کچھ سخت جانی پر مری
کیا لہو کے گھونٹ پی کر آج خنجر رہ گیا

در سے سر ٹکرا رہا ہے صبح سے سایا مرا
قیدِ تنہائی تھی وہ زنداں کے باہر رہ گیا

اک شریکِ انجمن سے دخترِ رز کا تھا پیام
لا کے لب تک بزم میں خاموش ساغر رہ گیا

تھی رگِ جاں کی تڑپ بھی کس قدر چبھتی ہوئی
چارہ گر نشتر کے بھی چبھ چبھ کے نشتر رہ گیا

ہاں قفس کی تیلیاں ٹوٹیں تڑپنے سے مرے
میرے بازو میں سلامت کب کوئی پر رہ گیا

گھر میں پہونچا تھا کہ آئی نجد سے آوازِ قیس
پاؤں میرا ایک اندر ایک باہر رہ گیا

وصل کی شب ماہ و انجم رک گئے گردش سے کیوں
آج تو کچھ آسماں بھی کھا کے چکر رہ گیا

کام اے رندو نہ آئی حشر کی بھی تیز دھوپ
خشک ہونے سے یہاں بھی دامنِ تر رہ گیا

کیوں قفس سے ہاتھ میں صیاد پھر مجھ کو لیا
تیرے صدقے کیا کترنے سے کوئی پر رہ گیا

حشر میں بھی ساتھ غفلت نے نہ چھوڑا اے ریاضؔ
سو کے ہم اٹھے بھی کب دن جب گھڑی بھر رہ گیا

ہم اڑ کر بھی نہ پہونچیں ہم سے اتنی دور ہو جانا
مبارک شاخِ گل کو شاخِ نخلِ طور ہو جانا

جوانی آتے ہی نشے میں ایسا چور ہو جانا
یہ دو دن کے لئے اچھا نہیں مغرور ہو جانا

وہ راتیں یاد آتی ہیں وہ باتیں یاد آتی ہیں
مرا کھل کھیلنا ظالم ترا مجبور ہو جانا

بتانِ ماہ سیما کو عجب عالم دکھاتا ہے
سحر ہوتے ہمارے رنگ کا کافور ہو جانا

قیامت ہے وہ تیرا ناز سے انگڑائیاں لینا
ستم ہے کافر آنکھوں کا تری مخمور ہو جانا

دکھا دو مست ہو کر تم اپنا ناز سے چلنا
دکھا دیں شیشۂ دل کا نقص ہم چور ہو جانا

مرے دل سے نگاہِ لطف کی کچھ راہ تو نکلی — مبارک میرے زخموں کو ہوا ناسور ہو جانا

کسی کا وصل کی شب آن ادا سے ہائے یہ کہنا — پرائے بس میں پڑ کر قہر ہے مجبور ہو جانا

نظر کے سامنے کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے — کہ دل سے دور ہونا ہے نگہ سے دور ہو جانا

بھرے ساغر میں ہے بھرپور رنگ اُنکی جوانی کا — غضب ہے بے پئے نشہ میں میرا چور ہو جانا

بہار آئے تری قسمت سے اب کے ہم دکھا دیں گے — ترے سبحے کا زاہد خوشۂ انگور ہو جانا

جو موج آ جائے کچھ تو آ نکلنا بام پر میرے — ادھر بھی اک ذرا جلوے سے برقِ طور ہو جانا

ذرا دیتی ہیں گھڑیاں انتظارِ یار کی کیا کیا — کبھی مسرور ہو جانا کبھی رنجور ہو جانا

کہوں کیا اپنی تربت پر اندھیری رات کا عالم — عجب حسرت فزا تھا شمع کا بے نور ہو جانا

ریاض اس شہر سے اب کیا کریں ہم قصد جانے کا
نصیبوں میں لکھا ہے خاکِ گورکھپور ہو جانا

رنگ پر کل تھا ابھی لالۂ گلشن کیسا — بے چراغ آج ہے ہر ایک نشیمن کیسا

دلِ پُر داغ جو ہوتا ہے لحد میں بیتاب — جھلملاتا ہے چراغِ سرِ مدفن کیسا

میں کہیں کا نہ رہا بادِ خزاں کے چلتے — اُڑ گیا میرے مقدر سے نشیمن کیسا

اب خدا جانے بہار آتی ہے اس میں کہ نہیں — میرے دم سے کبھی آباد تھا گلشن کیسا

چھپ کے راتوں کو کہیں آپ نہ آئے نہ گئے — بے سبب نام ہوا آپ کا روشن کیسا

مال ہاتھوں نے لیا ہونٹھوں نے افشاں چن لی — آ کے قابو میں لٹا آپ کا جوبن کیسا

ہم نے دیکھے ہیں مقاماتِ تجلی اُن کے — طور کہتے ہیں کسے وادیِ ایمن کیسا

ہے ابھی میرے بڑھاپے میں جوانی کیسی — ہے ابھی اُن کی جوانی میں لڑکپن کیسا

ذبح کے وقت بہت صاف رہا تھا یہ تو — لے اُٹھا خون دمِ حشر یہ دامن کیسا

تو دھری جائے گی اس گھر سے جو نکلی کوئی بات — نگہ شوق یہ دیوار میں روزن کیسا

میری سچ پوچھ تو کوئی عشق بتاں میں دیکھے — ساتھ قشقے کے ہے زنار برہمن کیسا

آئے ہیں داغ نیا دینے وہ مجھ کو پس مرگ — آج پھیلا ہے اجالا سر مدفن کیسا

مسی مالیدہ لب یار کی سن کر تعریف — منہ پھلائے ہوئے ہے غنچۂ سوسن کیسا

باغباں کام ہمیں کیا ہے وہ جھگڑے کر لے — جب ہمیں باغ سے نکلے تو نشیمن کیسا

پارسا بن کے ریاض آئے ہیں میخانے میں
آپ بیٹھے ہیں بچائے ہوئے دامن کیسا

یہ سن کے لیں بلائیں جو سو بار کیا ہوا — سہتے ہیں بلائے جاں یہ ہوا بیمار کیا ہوا

رحمت سے اس کی خلد کے دروازے کھل گئے — قسمت مری کھلی ہے گنہگار کیا ہوا

بیکس سمجھ کے ٹوٹ پڑا مجھ پر آسماں — سر سے جدا وہ سایۂ دیوار کیا ہوا

کمبخت دل کی فکر کرے وہ گیا گیا — مجھ کو تو یہ پڑی ہے کہ غم یار کیا ہوا

ہلکی شراب پی جو کسی نازنیں کے ساتھ — واعظ میں اس گناہ سے گراں بار کیا ہوا

دشمن کے گھر گئے وہ دبے پاؤں کس طرح — اس کی گلی میں فتنۂ رفتار کیا ہوا

میں دست شوق پیار سے گردن میں ڈال دوں — کہتے ہیں وہ گلے کا مرے ہار کیا ہوا

اے دل نگاہ ملتے ہی شرما گئے وہ کیوں — آنکھوں ہی آنکھوں میں یہ مرے یار کیا ہوا

قابو میں آ کے آج یہ کیوں آپ چپ ہیں — فرمائیے وہ روز کا انکار کیا ہوا

وہ کوچۂ رقیب میں یہ قبر پر مری — نقش قدم کو شوخیٔ رفتار کیا ہوا

چوری چھپے کی بات تھی کیوں آنکھ کھل گئی — سوئے مرے نصیب وہ بیدار کیا ہوا

وہ کیا بتائیں غیر کو کیونکر زبان دی — اب کیا کہیں کہ غیر سے اقرار کیا ہوا

تھا دیکھنے کا لطف تجھے دیکھتے یہاں — محشر کے دن ہوا بھی تو دیدار کیا ہوا

کہتے ہیں میری راہ میں ہو کوئی پائمال — جاتی ہے پوچھنے مری پیزار کیا ہوا

پیری میں وہ شباب کی سج دھج کدھر گئی — وہ بانکپن وہ طرۂ دستار کیا ہوا

رنگیں وہ ساغر مے گلرنگ کیا ہوئے — پیش نظر جو تھا وہ چمن زار کیا ہوا

صدقے ترے نثار ترے اے نگاہ شرم — چھپ چھپ کے کچھ بہت ہی اب پیار کیا ہوا

چھپتا نہیں چھپانے سے عالم ابھار کا — آنچل کی تہہ سے دیکھ نمودار کیا ہوا

مجھ کو بھی اپنے غنچۂ دل کی تلاش ہے — اترا ہوا گلے کا ترے ہار کیا ہوا

سینچے ہوئے چمن میں مرے تھا گل انار کی — وہ جوش اشک دیدۂ خونبار کیا ہوا

جن پر حسین لوٹتے تھے وہ داغ کیا ہوئے — جس کی یہ تھی بہار وہ گلزار کیا ہوا

کوئی نہ کوئی سانحہ گزرا ضرور ہے — اے جان زار اے دل بیمار کیا ہوا

مقصود ہے کوئی نہ بنے وہ حریص دل — واعظ ہوا ہے بندۂ تسبیح خوار کیا ہوا

سیدھا سا دل بھی پیچ میں تیرے نہ آ سکا — کس بل ترا وہ طرۂ طرار کیا ہوا

انگلی پر آرسی نے نچایا کسے یہ آج — تیرا غرور آئینہ رخسار کیا ہوا

دیکھا کبھی نہ پھر کے مرے خوش خرام نے — کس کس کے دل پہ سے دم رفتار کیا ہوا

"فتنے" کو پوچھتا ہے کوئی کس ادا کے ساتھ
چھوٹا سا وہ ریاض کا اخبار کیا ہوا

ہمیں پینے پلانے کا مزا اب تک نہیں آیا — کہ بزم مے میں کوئی پارسا اب تک نہیں آیا

ستم بھی لطف دیتا ہے بھولے پن کی باتوں سے — تجھے اے جان انداز جفا اب تک نہیں آیا

دم آخر سر بالیں جو آنے کو وہ آئے بھی — تو ہنس کر کہہ گئے وقت قضا اب تک نہیں آیا

سحر ہوتے بُجھائے کون لے شمع لحد مجھ کو — کوئی جھونکا نسیمِ صبح کا اب تک نہیں آیا

خدا جانے ہوا کیا کوچۂ جاناں میں ل جاکر — مرا بھولا ہوا بھٹکا ہوا اب تک نہیں آیا

گیا تھا کہہ کے یہ قاصد کہ اُلٹے پاؤں آتا ہوں — کہاں کمبخت جاکر مر رہا اب تک نہیں آیا

جسے تم کوستے ہو عمر اُس کی اور بڑھتی ہے — تمھیں سب کچھ تو آیا کوسنا اب تک نہیں آیا

ستم کرنا، دغا کرنا، کہ وعدے کا وفا کرنا — بتاؤ کیا تمھیں آیا ہے کیا اب تک نہیں آیا

کسی نے کوئے دشمن میں چھپا ڈالا مٹا ڈالا — گلی تو آئی اُن کا نقشِ پا اب تک نہیں آیا

یہ کیا انصاف ہے صیاد چھوٹے قید سے مجھ کو — کہ ایسا کوئی مُرغِ خوشنوا اب تک نہیں آیا

بتادیں آگیا کیا تم کو اس اُٹھتی جوانی میں — بتادیں کان میں چپکے سے کیا اب تک نہیں آیا

بُتانِ نازنیں جب دیکھتے ہیں مجھ سے کہتے ہیں — تمھاری جان پر قہرِ خدا اب تک نہیں آیا

کیا حسرت سے رخصت صبح کے تاروں کو یہ کہکر — کہ جس کا شام سے تھا آسرا اب تک نہیں آیا

یہ غفلت ہے کہ محشر میں بھی آنکھیں بند ہیں میری — سمجھتا ہوں یہی روزِ جزا اب تک نہیں آیا

نہ پھوٹی کوئی کونپل تک مری شاخِ نشیمن میں — خزاں کے بعد موسم دوسرا اب تک نہیں آیا

دیا ہو تو دیا ہو کچھ پیامِ شوق آنکھوں نے — مرے لب پر تو حرفِ مدعا اب تک نہیں آیا

اس اُبھرے اُبھرے جوبن پر یوں ہی بیٹھے رہ جاتے — انھیں اُٹھتی جوانی کا مزا اب تک نہیں آیا

وہ دن آئے مرے سرکار اہلِ بزم سے پوچھیں
کہاں ہے کیوں ریاضِؔ خوشنوا اب تک نہیں آیا

آپ کے پہلو میں دشمن سو چکا — جائیے ہونا تھا جو کچھ ہو چکا

ہنستی ہے تقدیر ہنس لے اُن کے ساتھ — دل بجھے میں اپنے دل کو رو چکا

---

۵ نواب حامد علی خاں بہادر بانقابہ فرمانروائے رام پور

ہاتھ رکھا میں نے سوتے میں کہاں
بوسے وہ جھنجھلا کے اب میں لے چکا

حشر میں تنہا پہلے سے ہیں
ہم کب آئے جب تماشا ہو چکا

خار اس دل نے مجھے کیا کیا دئے
میرے حق میں یہ بھی کانٹے بو چکا

اب جو گھٹتا ہے گھٹے طوفان اشک
اپنی قسمت کا لکھا میں دھو چکا

بک گیا شغامہ ہو کر رہن سے
بوجھ اترا سر سے جھگڑا تو چکا

توبہ کی عصیاں سے اب پوچھے گا کون
جمع کی تھی جتنی دولت کھو چکا

آفتاب حشر کب چمکا ریاضؔ
داغ مے دامن سے جب میں دھو چکا

وہ حشر میں بھی سر بہ گریباں نہیں ہوتا
کافر نہیں ہوتا ہے پشیماں نہیں ہوتا

کیوں پوچھتے ہو وصل کا ساماں نہیں ہوتا
ساماں سے پورا کوئی ارماں نہیں ہوتا

آفت ہے مری جان کو اس ضعف میں وحشت
ہاتھوں سے مرے چاک گریباں نہیں ہوتا

پی کر بھی جھلک نور کی منھ پر نہیں آتی
ہم رندوں میں جو صاحب ایماں نہیں ہوتا

ہم کو تو فقط لطف ہے پیماں شکنی سے
صدقے ترے تم سے کبھی پیماں نہیں ہوتا

ہم خاک کسی بات کا ارماں کریں گے
جو دل نہیں رکھتے انہیں ارماں نہیں ہوتا

اب پھولوں سے رنگیں نظر آتا نہیں دامن
خوں نابہ فشاں دیدۂ گریاں نہیں ہوتا

جو دور ہی سے آگ لگاتا ہو دلوں میں
وہ حسن چھپانا تہ داماں نہیں ہوتا

گر شوق طبیعت کہیں پروانوں کی لے شمع
یوں کوئی بھری بزم میں عریاں نہیں ہوتا

بچ جائے جوانی میں جو دنیا کی ہوا سے
ہوتا ہے فرشتہ کوئی انساں نہیں ہوتا

سایہ بھی پھٹکنے نہیں پاتا ترے در پر
ہوتے ہیں یہاں ہم جو نگہباں نہیں ہوتا

اُٹھ جائے کہیں ہاتھ میسر مہِ نو پر
یہ جھک کے حسینوں کا گریباں نہیں ہوتا

کس طرح پٹتی ہیں سیہ کار بلائیں
بے تیرے مزا لے شبِ ہجراں نہیں ہوتا

سن اور تھا دن اور تھے کچھ اور تھا عالم
اب ہم کو کسی بات کا ارماں نہیں ہوتا

مشتاق بہت قدر شناسانِ سخن ہیں
کیوں طبع ریاضؔ آپ کا دیواں نہیں ہوتا

نذر اُس بُت کے ہو ایمان یہ کچھ دُور نہ تھا
اپنے اللہ کے صدقے اُسے منظور نہ تھا

ہم چھلکتے ہوئے ساغر کی اُٹھاتے لذت
باغ میں کوئی چھلکتا ہوا انگور نہ تھا

میں چُراتا ہوں ترا دیکھنے والے دوست
وہ بھی جلوے مری آنکھوں میں ہیں جن سے طور نہ تھا

اُس کے آغازِ جوانی کا کہوں کیا عالم
کچھ اُسے نشہ سا تھا نشے میں وہ چور نہ تھا

دل پر داغ کا گلدستہ جو لائے آئے
آپ کی بزم میں پہلے تو یہ دستور نہ تھا

بزمِ ساقی میں شکستہ سے تھی اے شیخ
کیا ترے واسطے افشردۂ انگور نہ تھا

شوق سے میں نے رہِ عشق میں کاٹے ہیں پہاڑ
کوہکن ہو تو ہو میں تو کوئی مزدور نہ تھا

کوئی مایوس نہ مرا ہو کہیں آنکھ ہو کر
منہ کفن کھول کے دیکھا تو ذرا نور نہ تھا

تھی چمکنے کو سرِ شاخِ نشیمن بجلی
آشیانے کے لیے نخلِ سرِ طور نہ تھا

آئی دن بننے کو تو میرے سیہ خانے میں
کیا اُٹھا کا کہیں تیرا شبِ دیجور نہ تھا

بیٹھ کر کیا دلِ مرحوم کو روتے ہو ریاضؔ
بگڑی قسمت سے اللہ کو منظور نہ تھا

نہ کانٹا تھا نہ کوئی پھانس نشتر تھا نہ پیکاں تھا
جو دل میں چُبھ رہا تھا وہ ہمارے دل کا ارماں تھا

بہار آئی تھی گلشن میں وہ دن بھی یاد ہیں ہم کو
کسی کے ہاتھ میں ساغر تھا کوئی گل بداماں تھا

ہماری طرح دن کاٹے نہ راتیں ہجر کی کاٹیں — کیا وہ کام تو نے کوہکن جو تجھ کو آساں تھا

جو سینے سے ہٹا آنچل نگاہِ شوق کھُل کھیلی — ہوا میں اُڑنے دیا اُن کے جوبن کا نگہباں تھا

وہاں جا کر یہ ہم تھے کون دامن تھامنے والے — عدو تھا وہ تھے اُن کا باغ تھا اُن کا شبستاں تھا

ہوا شورِ سلاسل سے بھری رہتی تھی جنگل کی — ہُوا تھا جب جنُوں ہم کو بہت آبادِ زنداں تھا

کوئی بوسہ نہ کچھ وعدہ نہ راتوں کے نہ باتوں کے — دل اُن کو کوئی دے دیتا اب ایسا کوئی ناداں تھا

بڑا میدان مارا اُس ضعیف و زار مجنوں نے — جو سچ پوچھو تو دیوانوں میں وہ اک مردِ میداں تھا

زمانہ ہو رہا تھا تنگ مجھ پر میں کہاں جاتا — رہائی پا کے بھی میں سایۂ دیوارِ زنداں تھا

تمھارے گھر رہی مہماں بہت یا رخصت ہوا دشمن — کہا تھا کہنے والے نے کہ وہ دو دن کا مہماں تھا

نہ یاری کعبہ والوں سے نہ کاوش دیر والوں سے
ریاضؔ اللہ والا تھا بڑا مردِ مسلماں تھا

بہار میں مجھے صیاد اسیرِ دام کیا — ترا بُرا ہو مرا کام ہی تمام کیا

یہ کس کی زلف نے آزاد اک غلام کیا — کہ دل نے دور سے جھک کر اُسے سلام کیا

اُٹھا کے اک خُمِ مے جا کے مر رہے اُس میں — یہ ہم نے حشر میں جانے کا انتظام کیا

بہائی قیس نے ہم نے کبھی نہ جوئے سرشک — ہمارے بھائیوں میں کوہکن نے نام کیا

چھلکتے جام سے سوئے زمیں نہ جانے دی — عمامہ ہم نے سرِ بزم نذرِ جام کیا

رہے گا ہوش کسی کو نہ خلد و دوزخ کا — کبھی جو حشر میں جلوے کو اُس نے عام کیا

نکلتے دیکھ لیا ہے شراب خانے سے — کسی نے آج ہمیں دور سے سلام کیا

یہ کم نہیں ہے بڑھاپے میں ہم نے توبہ کی — تمام عمر میں ہم نے یہ ایک کام کیا

کیا جو میکدہ جانے سے منع واعظ نے — تو روز اُٹھ کے یہی کام صبح و شام کیا

اُٹھا کے میز سے مینا لگائے خوشۂ تاک — یہ میری توبہ کا ساقی نے احترام کیا

نمازِ عید ہوئی میکدے میں دھوم سے آج
ریاضؔ بادہ کشوں نے ہمیں امام کیا

جنوں میں تیشہ لئے سوئے کوہسار گیا — گیا جہان سے اب کوہکن سا یار گیا

کمندِ زلف کے حلقے سے صاف نکلا دل — بڑا شکار گیا یہ بڑا شکار گیا

شبِ وصال یہ دیوانگی ہے شوق نہیں — وہ کہہ رہے ہیں کہ میرے گلے کا ہار گیا

اثر فزا تھا بہت آج وعظ خیر ہوئی — نہ میں گیا نہ کوئی اور بادہ خوار گیا

یہ فصلِ گل ہے اسیرِ قفس کہاں صیاد — قفس وہ ساتھ لئے لوٹنے بہار گیا

ہمیشہ فقر میں فاقے میں نقد دے کر پی — وہ اور ہوں گے سیہ دا جہاں اُدھار گیا

فرشتے تھے نہ گنہ بارِ دوش حشر کے دن — مرا جنوں تھا جو سر پر مرے سوار گیا

قریب نجد کا جنگل نہ بے ستون نزدیک — یہ کون تھا مجھے صحرا میں جو پکار گیا

وہ نامہ بر تھا مرا میں نہ تھا لئے درباں — ہزار بار جو آیا ہزار بار گیا

بتوں کو دیکھ کے اللہ یاد آتا ہے — وہ دن گئے وہ محبت گئی وہ پیار گیا

ضرور قصد کیا اُس نے بام لیلےٰ کا — بلند آج بہت قیس کا غبار گیا

مزے کی چیز تھی بڑھتی جو انتظار کی رات — سحر کے ہوتے ہی وہ لطفِ انتظار گیا

نہ اُٹھ سکا میں لحد سے اثر یہ ضعف کا تھا
ریاضؔ حشر میں اُٹھ کر مرا مزار گیا

ملا بھی یہ تو اسے پھر خدا نہیں ملتا — نہیں نہیں دلِ بے مدعا نہیں ملتا

وہ کہہ رہے ہیں کہ ان کو خدا نہیں ملتا — کوئی ہمارے سوا دوسرا نہیں ملتا

مٹے ہوؤں کا الٰہی پتا نہیں ملتا | رہِ عدم میں کہیں نقشِ پا نہیں ملتا

حنا سے خون کسی غیر کا ملا ہوگا | ہمارے خون سے رنگِ حنا نہیں ملتا

زمیں پر کبھی اُنکے قدم نہیں پڑتے | کہ سجدہ کرنے کو بھی نقشِ پا نہیں ملتا

نکل کے دیکھتے کیا ہے ہوا زمانے کی | درِ قفس کبھی ہم کو کھلا نہیں ملتا

لحد سے اُٹھ کے کہاں جائیے قیامت ہے | وہ بھیڑ ہے کہ کہیں راستا نہیں ملتا

اچھوتے جام ہیں مستوں کے پیچھے لگ رکھے | کسے پلائیں کوئی پارسا نہیں ملتا

یہ آس لگائی ہے ساقی ترے آستانے پر | درِ کریم سے سائل کو کیا نہیں ملتا

بُری طرح لبِ شیریں کسی کے چوسے ہیں | کہ گالیوں میں تری اب مزا نہیں ملتا

بجا کے دیکھے ہیں ناقوس ہم نے وقتِ اذاں
ریاض آپ کا اُن سے گلا نہیں ملتا

نیا کھلا ہے شگوفہ کوئی بہار میں کیا | گندھا ہوا ہے مرا دل کسی کے ہار میں کیا

اُڑانے پھول حسیں آئے ہیں بہار میں کیا | لگی ہے آگ سی یہ آج لالہ زار میں کیا

کسی سے کہنے یہ آئے ہیں وہ سحر ہوتے | تمام رات کٹی میرے انتظار میں کیا

تمہارے خال کا بوسہ نہیں ہے گنتی میں | ذرا سی چیز ہے آئے گی یہ شمار میں کیا

اُتار لی سرِ بازار جس نے رخ سے نقاب | حجاب آئے اُسے سو میں کیا ہزار میں کیا

یہ سرمۂ چشمِ عدو کے لئے اٹھا رکھیں | وہ خاک ڈالتے ہیں چشمِ اعتبار میں کیا

بنائیں گے دلِ پُر داغ جمع کر کے انہیں | چمکتے دیکھے ہیں ذرے مرے غبار میں کیا

یہ میرے دوش سے ہوتے نہیں جدا دمِ نزع | گڑیں گے میرے فرشتے مرے مزار میں کیا

ہے انتظار کہ مونس غم لئے پہونچیں | گھری ہیں کل سے گھٹائیں سبزہ زار میں کیا

جو دیکھے سانپ کے کاٹے کی لہر اٹھے آ کے ۔۔۔ بھرا ہے زہر ایسا بھی زلفِ یار میں کیا

شراب بھی سوا خوشگوار ہے ہم کو ۔۔۔ بتائیں کیا کہ مزا پڑ گیا اُدھار میں کیا

کنارِ شوق میں آ کر حسین نکل نہ سکے ۔۔۔ اثر خدا نے دیا ہے ہمارے پیار میں کیا

ریاضؔ توبہ کرو دن خزاں کے آئے ہیں
تم آئے پینے کو جاتی ہوئی بہار میں کیا

پاؤں کا آگے بڑھانا مجھ کو دوبھر ہو گیا ۔۔۔ دیکھ کر سر پر سبو واعظ مرے سر ہو گیا

بے کہے کچھ آپ سے کمبخت باہر ہو گیا ۔۔۔ زیبِ ممبر ہوتے ہی واعظ نئے سر ہو گیا

میں لبا لب قیس میں تھا جیب تھا جوشِ بہار ۔۔۔ فصلِ گل آتے ہی میں جامے سے باہر ہو گیا

روز لا کھوں گلے کٹتے ہیں اُس کے شوق میں ۔۔۔ رہ کے دستِ ناز میں اتنا تو خنجر ہو گیا

دھجیاں دیوانے لے بھاگے تبرک کی طرح ۔۔۔ ٹکڑے ٹکڑے اس طرح دامانِ محشر ہو گیا

نرم تھیں جتنی زمینیں بن گئیں وہ سنگلاخ ۔۔۔ میں نے رکھا جس جگہ جو لفظ پتھر ہو گیا

دور تھا تو ناوکِ دلدوز تھا موئے مژہ ۔۔۔ تم جو پاس آئے تو یہ ناوک سے نشتر ہو گیا

کھلنے سے پہلے تو وہ مینائے مے تھا سر بمہر ۔۔۔ پھول کھل کر بادۂ رنگیں کا ساغر ہو گیا

آنکھیں تلووں سے ملا کرتے ہیں آ کر غزال ۔۔۔ ہو رہا صحرا کا میں صحرا مرا گھر ہو گیا

رنگ سخن کے دربار میں پائی جگہ شاید ریاضؔ
تجھ کو حاصل عیش کا سامان کیونکر ہو گیا

پھول ہے لالۂ صحرائی کا ۔۔۔ یا کلیجہ ترے سودائی کا

پنکھڑی پھول کی محرم نہ بنے ۔۔۔ قطع جامہ نہ ہو رعنائی کا

سنہ مرحوم فرماز دلے رام پور اعلی اللہ مقامہ

بیٹھ کر چوری سے پینا پسِ خم — راز ہے گوشۂ تنہائی کا

مثلِ گیسو ہیں پریشاں شبِ وصل — تھا جنھیں شوقِ خود آرائی کا

خم قد ہے خمِ مینا سوئے جام — موجِ مے ہاتھ ہے انگڑائی کا

لے کے پہلو سے ذرا دامن میں — رنگ دیکھو دلِ شیدائی کا

جائے یہ میرے سیہ خانے سے — منہ ہو کالا شبِ تنہائی کا

اس میں ہوں نخلِ سرِ طور کے پھول — دامنِ دل ہے تماشائی کا

لے خدا عقل تو دیوانہ بنے — کہ جنوں کام ہے دانائی کا

مستِ مینا ہوں پیا ہے میں نے — جام امیر احمد مینائی کا

قید کعبے کی نہ بتخانے کی — شوق ہے ناصیہ فرسائی کا

کچھ سے کچھ ہو گئی حالت دل کی — اب نہیں کام شکیبائی کا

حشر کا نام یوں ہی نکلا ہے — وہ تو دن ہے مری رسوائی کا

جل بجھے طور تو پروا نہیں کچھ — دل نہ بجھ جائے تماشائی کا

بزمِ ساحر[٥] میں ہوں خاموش ریاضؔ
ناطقہ بند ہے گویائی کا

کام کیا دل میں شکیبائی کا — پاس ہے حسن کی رسوائی کا

رنگ لے جائے گا تجھ میں مل کر — لے حنا دل ہے تمنائی کا

نہیں خورشیدِ قیامت واعظ — داغ ہے دامنِ رسوائی کا

جا کے فرہاد سے ٹکراتا ہے — سر پھرا ہے ترے سودائی کا

---

[٥] سرمہاراجہ محمود آباد اعلی اللہ مقامہ

شاخ گل سیکھے صبا سے انداز — بُت طنّاز کی انگڑائی کا

نگہِ شوق یہ کہتی آئی — دل میں کیا کام شکیبائی کا

دل پر داغ ہیں گلدستوں میں — شوق ہے انجمن آرائی کا

تھوڑی پیتا ہوں بڑھاپے میں بھی — کہ سبب ہو یہ توانائی کا

سر پہ اب دھوپ نہیں چین سے ہوں — سایہ ہے لالۂ صحرائی کا

منھ کو آیا ہے کلیجہ سو بار — ہائے عالم شب تنہائی کا

آنکھیں بیمار ہیں جن کی مشہور — اُن کو دعوےٰ ہے مسیحائی کا

مٹ گئیں تیری ادائیں تجھ پر — ہائے عالم تری انگڑائی کا

کسی شاعر کا تخلص ہے ریاضؔ

نام ہے یار ترے سودائی کا

وہ گئے ناز سے ٹھکراتے ہوئے سر میرا — یہ بھی کہتے گئے اب چھوٹ چکا در میرا

جس جگہ شام ہوئی ہے وہیں بستر میرا — نہ ٹھکانا کہیں میرا نہ کہیں گھر میرا

توبہ کرتے ہوئے آتا ہے یہ رہ رہ کے خیال — منھ مرا دیکھ کے رہ جائے گا ساغر میرا

دلِ مشتاق سے کہتی ہے یہ گھونگھٹ کی نگاہ — پاؤں نکلا نہیں گھر سے کبھی باہر میرا

کیا ترے ہاتھ سے صیاد تڑپ کر نکلوں — ہاتھ میں تیرے نہ رہ جائے کوئی پر میرا

داورِ حشر نہ ہوں عشق کے کچھ راز اس میں — بات کیا ہے نہیں کھلتا ہے جو دفتر میرا

میں رہوں یا نہ رہوں اتنی اجازت مل جائے — آپ گھر میں ہیں در پہ ہے بستر میرا

لے چلوں میں طرفِ خُلد انھیں کھینچ کے ہاتھ — وہ کہیں حشر کے دن یہ بھی ہے مقدر میرا

کوئی تیغ نگہِ ناز کی باتیں تو سنے — مجھ سے کہتی ہے ذرا دیکھ لو جوہر میرا

کہتی آئیں ہمیں اُن گیسوؤں نے بھیجا ہو　　دیکھنے آئیں بلائیں جو کبھی گھر میرا

کہتے ہیں مرہم نہیں سر کام کے مژگانِ دراز　　منھ رگِ جاں سے چُرا جائے گا نشتر میرا

سایہ گستر ہے مرے سر پہ ہیں سرکار ریاض

پاؤں پر حضرت ساحر کے ہے سر میرا

اب کیا ملے گا آنسوؤں میں دل نکل گیا　　وہ قافلہ بھی تو کہیں منزل نکل گیا

کچھ شبہ کے خالِ رُخ سے رہا بوسے کا نشان　　تل سے اِدھر اُدھر کوئی دو تل نکل گیا

ہاتھ اپنے میرے خون سے تونے تو رنگ لیے　　تیرا تو حوصلہ مرے قاتل نکل گیا

سینے میں دیکھیے تو کوئی زخم بھی نہیں　　تیرِ نگاہ لے کے مرا دل نکل گیا

خوش تھے کہ ہم نے جور و ستم سب بجا کیے　　محشر میں زعم دعوئے باطل نکل گیا

بچ بچ کے آج شیخ نے انگور کھا لیے　　اب کیا کھنچے گی تاک کا حاصل نکل گیا

صیاد سے بھڑک بھی نہ باقی رہی ریاض

رہ کر قفس میں خوفِ عنادل نکل گیا

پہلو سے کوئی یوں سرِ محفل نکل گیا　　معلوم یہ ہوا کہ مرا دل نکل گیا

لائے گا رنگ حشر میں کل خونِ بے گناہ　　دامن بچا کے آج تو قاتل نکل گیا

آنا تھا اس کو چاند سی صورت کے سامنے　　بادل میں چھپ کے کیوں مہِ کامل نکل گیا

کس سخت جاں سے کام پڑا تیغِ ناز کو　　سب زورِ دست و بازوئے قاتل نکل گیا

شاید گلوں کے دامنِ رنگیں میں ہو تو ہو　　بن بن کے اشکِ خونِ عنادل نکل گیا

دستِ جنونِ قیس تھی موجِ ہوائے نجد　　کیوں سو جگہ سے پردۂ محمل نکل گیا

سنجیدگی سے محفلِ ساقی میں بات کی　　ناصح سا بے وقوف بھی عاقل نکل گیا

کچھ فیض میکدے کو وہ پہونچا گیا ضرور　　ہو کر اُدھر جو مرشدِ کامل نکل گیا

وحشت زدہ ریاضؔ نہ زنداں میں رہ سکا
لے کر وہ سب کے طوق و سلاسل نکل گیا

بن کے وہ نقشِ قدم خاکِ قدم سے اُٹھا　　پس کے محشر تری رفتارِ ستم سے اُٹھا

مجھ کو ہنسنے کے لیے غیر بھی آ بیٹھا تھا　　وہ بھی گھبرا کے مری محفلِ غم سے اُٹھا

سر فرشتوں کے پڑا دفترِ عصیاں کیسا　　ہم نے یہ بار اُٹھایا تو نہ ہم سے اُٹھا

کیا کہا وعدہ وفا ہوگا ترے سر کی قسم　　اعتبار آج ترا تیری قسم سے اُٹھا

ہاتھ سے بوجھ گناہوں کا اُٹھے گا کیونکر　　رعشہ ایسا ہے کہ ساغر بھی نہ ہم سے اُٹھا

تیری رفتار کی شوخی نے قیامت ڈھائی　　فتنۂ حشر ترے نقشِ قدم سے اُٹھا

ہو رہیں گے ابھی میخانے کے ہم بھی جا کر　　آب و دانہ جو کبھی دیر و حرم سے اُٹھا

میری محفل میں ریاضؔ آ کے وہ بیگانہ رہا
لطف صحبت کا نہ کچھ شرکتِ جم سے اُٹھا

تو بھی تھا شمع بھی تھی بزم میں گلگیر بھی تھا　　بوسہ لینے کو لئے میں تری تصویر بھی تھا

میں نے کیا رکھ لئے سب تیر ذرا سے دل میں　　تیرے صدقے ترے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

شفقِ سرخ کی سج دھج یہ کہے دیتی ہے　　کہ جوانی میں حسیں کچھ فلکِ پیر بھی تھا

زخم خوردہ کوئی دل اُن کے حوالے کر دے　　صید ہے وابستۂ فتراک یہ نخچیر بھی تھا

جل بجھی شمع لگن میں نہ ہوا کوئی شریک　　منھ میں لینے کو زباں شمع کی گلگیر بھی تھا

نالہ و آہ نہ ہوں وہ کسی دیوانے کی　　عرش کی آج ہلاتا کوئی زنجیر بھی تھا

ایک بوسے کے عوض اس نے سنائیں سو سو　　واقعی جرم مرا قابلِ تعزیر بھی تھا

وصل کی رات بھی ہوتے رہے وعدے ہم سے
ذکر یہ ہے کسی ناداں کی دانائی کا

اور بڑھ جاتی ہے آشفتہ مزاجی اسکی
حال پوچھے جو کوئی آپکے سودائی کا

آگئی آپکے حصے میں جوانی کی پھبن
زیب دیتا ہے غرور آپ کو رعنائی کا

دلِ وارفتہ بھی پہلو سے گیا وائے نصیب
نہ رہا کوئی شریک اب غمِ تنہائی کا

لبِ شیریں سے وہ کوسیں ہمیں سو بار ریاضؔ
ہم نے لوٹا ہے مزا ان کی مسیحائی کا

کشمکش میں نہ شکن آئی نہ داماں نکلا
خیر گزری کہ یوں ہی غیر کا ارماں نکلا

کچھ مرے خون کا پیاسا ہر اک ارماں نکلا
کوئی دشنہ کوئی خنجر کوئی پیکاں نکلا

دے گیا میں بھی طرح سوچ کے کچھ حشر کے دن
وہ بھی کچھ اپنی جفاؤں سے پشیماں نکلا

ہنس کے کہتے ہیں کسی کا دلِ پرخو ہوگا
بن کے فتنہ جو سرِ گوشۂ داماں نکلا

ڈر گئے چیخ اٹھے بات تھی کیا سوئے تو
کیا شبِ وصل کسی کا کوئی ارماں نکلا

کیا سمائے ہوئے تھے حشر کے دھڑکے دل میں
آنکھ میری جو کھلی خواب پریشاں نکلا

ٹیلے صحرا کے دکھا جاتے ہیں پھرتی رونق
قیس کا ڈھیر تو کچھ ننگِ بیاباں نکلا

کیسے ہم کھوئے گئے قیدِ قفس سے چھٹ کر
آشیانے کی طرح باغ بھی ویراں نکلا

بن سنور کر مرے گھر شام سے آنے والا
اپنے گیسو کی طرح صبح پریشاں نکلا

کام آئی نہ تو محرم نہ وہ دہرے آنچل
عیبِ حسن آپکے جوبن کا نگہباں نکلا

اشک نے دل کے مزے آج دکھائے ان کو
وہ سمجھتے تھے کہ قطرہ ہے طوفاں نکلا

دیر والوں نے کیا کعبہ نشینوں کو سلام
کیا ادھر ہو کے کوئی دشمنِ ایماں نکلا

رام پور آئے ریاضؔ آپ بہت خوب ہوا
اپنے استاد کی پابوسی کا ارماں نکلا

میرے گھر مثل تبرک کے یہ سامان نکلا　　آستیں قیس کی فرہاد کا داماں نکلا

صبح ہوتے ہی رفو ہونے کو داماں نکلا　　رات شاید کسی کم بخت کا ارماں نکلا

حشر کہہ کر جسے واعظ ہمیں چونکاتا تھا　　وہ شبِ گور کا اک خواب پریشاں نکلا

آتے آتے سرِ مژگاں جو کبھی خشک ہوا　　گرتے گرتے وہی آنسو کبھی طوفاں نکلا

نہ درازی ترے دامن کی نہ اتنے فتنے　　دامنِ حشر ترا گوشۂ داماں نکلا

کرتے ہیں غل در و دیوار بھی زنجیر کے ساتھ　　سنئے دیوانوں سے آباد یہ زنداں نکلا

چھوڑ دیتا یوں ہی ہیں مردِ مسلماں تجھ کو　　بُتِ کافر ترا اللہ نگہباں نکلا

حشر کے روز گئی کاتبِ اعمال کے سر　　شکر ہے حرفِ غلط دفترِ عصیاں نکلا

پرِ جبریل نہ تھی ریشِ درازِ واعظ　　ہم فرشتہ جسے سمجھے تھے وہ انساں نکلا

کھال کھچوائی عبث غصے میں دپردہ نشیں　　قیس تو بعد سزا اور بھی عریاں نکلا

دونوں سینے سے مرے ہو کے جدا ایک ہے　　دل نہ پیکاں سے نہ دل سے مرے پیکاں نکلا

اٹھ رہی تھی یہ ادا خاص قیامت کے لئے　　جو رہے لپٹے کوئی آج پشیماں نکلا

اک زمانہ جسے کہتا تھا کہ کافر ہے ریاضؔ
وہی بدکیش ترا مردِ مسلماں نکلا

کچھ بگولوں سے بھرا خانۂ ویراں نکلا　　خاک میں مل کے بھی چھوٹا سا بیاباں نکلا

جب کہا کشمکشِ وصل میں داماں نکلا　　بولے وہ آپ کو کیا آپ کا ارماں نکلا

وہ ادا تھی کہ فدا لاکھ حسینوں کا بناؤ　　خون میں ڈوب کے اس رنگ سے پیکاں نکلا

دور رہ کر بھی رہا چبھ کے ہمارے دل میں　　کچھ عجب چیز ترا ناوکِ مژگاں نکلا

شفقِ شام بنی لالہ رخوں کا دامن　　مہِ نو بن کے حسینوں کا گریباں نکلا

یہ وہ پتھر ہے جگہ سے جو کبھی ہٹ نہ سکا	سنگِ در سے بھی سوا آپ کا درباں نکلا

ہم نے دل کھول کے لیں کتنی بلائیں شبِ وصل	بل ترا آج کچھ اے زلفِ پریشاں نکلا

خاکِ مجنوں کے بگولے گلے ملنے کو اُٹھے	کوئی دیوانہ سوئے نجد جو عریاں نکلا

رات بھر غیر کے گھر تم رہے ماتم میں رہے	آستیں آپ کی نکلی نہ گریباں نکلا

مُنہ میں ٹپکائی تھی مینا سے کہ ہچکی آئی	شیخ میخانے میں کچھ دیر کا مہماں نکلا

اُٹھ رہے دوسرے دن پر نہ کہیں سب کا حشر	پیش ہونے کو مرا دفترِ عصیاں نکلا

شعرا کو نگہِ کم سے جو دیکھے وہ ریاضؔ
فکرِ ساحر کا ہزاروں میں ثنا خواں نکلا

کیا بنے کو جوان کچھ آبِ بقا لیا	اے شیخ! مےفروش سے آخر یہ کیا لیا

دیوانہ میں نے حشر میں خود کو بنا لیا	جو مل گیا حسین گلے سے لگا لیا

اُٹھنے کا اب تو نام بھی لیتا نہیں ہے درد	پہلو میں ہم نے آج یہ کس کو بٹھا لیا

کمبخت جب قبول نہ ہو کوئی کیا کرے	مدت ہوئی کہ ہاتھ دعا سے اُٹھا لیا

ہم دل کے ساتھ ساتھ بتوں کے رہا کیے	اس دل نے راہ پہ ہمیں آخر لگا لیا

بعدِ فنا بھی دل ہے مرا سر بتوں کی چوٹ	ایسا نہیں ہے چپکے سے جس کو چھپا لیا

کھانے میں قیدِ وقت نہ پوچھے بُرے سے ہم	جب مل گیا تو شکر کیا اور کھا لیا

ڈر سے کوئی سمجھ بھی تو اب چھیڑتا نہیں	تصویرِ یار ہم نے تو اپنا جتا لیا

اقلیمِ حُسن و عشق میں اس کا چلن ہے خوب	داغِ جنوں نے خوب ہی سکہ جما لیا

رکھا ہے پان دان تو اتنا مناسبی	لیکن نہ اس میں پان نہ کتھا نہ چھالیا

باقی لہو نہیں وہ تن و توش اب کہاں	ہم کو تو لنگرِ رزق نے اے شیخ کھا لیا

دل لاکھ پاک صاف ہے دامن کو کیا کروں　　جا جا کے میکدے میں یہ دھبا لگا لیا

تم جانو ہم تو تھے ہی عجب دل لگی کی چیز　　ساتھ اُس کے ہو لئے ہمیں جس نے لگا لیا

بوسے سے چوکتا تھا کہیں دے کے دل ریاضؔ
لاکھوں میں ایک شخص تھا جس نے دیا لیا

یہ بھی اک چاند لئے تیرے مقابل ہوتا　　دل میں تصویر تری آرسی میں دل ہوتا

کچھ تو مرنے کا اس دشت میں حاصل ہوتا　　خاکِ مجنوں کا بگولا سرِ محمل ہوتا

وہ گلِ اندام ہو تم ٹوٹتے بلبل تم پر　　تم جدھر جاتے اُدھر شورِ عنادل ہوتا

جانے دیتا نہ مجھے خون کا دعویٰ کرنے　　ہاتھ میں ہاتھ لئے حشر میں قاتل ہوتا

برق کے شعلے ہر اک شاخ سے لپٹے ہوتے　　پھولتی کشتِ تمنا تو یہ حاصل ہوتا

صدقے ہوتی دلِ پر زخم پہ آ آ کے بہار　　خون سے میرے چمن کوچۂ قاتل ہوتا

میری قسمت کی کجی راہ بھلاتی مجھ کو　　کبھی سیدھا جو کوئی جادۂ منزل ہوتا

ہاتھ قاتل نے لگایا نہ اُسے خیر ہوئی　　میں تو کیا خنجرِ جلاد بھی بسمل ہوتا

یاد ہوں گی تجھے گلشن کی بہاریں گلچیں　　پنکھڑی ٹوٹتی تو شورِ عنادل ہوتا

چھوٹے سے دل کا سویدا تو اسی کام کا تھا　　کہ ترے چاند سے رخسار کا وہ تل ہوتا

نیند کے آنے سے کیا آنکھ جھپکتی اُس کی　　موت کے آنے سے دربان نہ غافل ہوتا

رہ کے پہلو میں یہ بیگانہ بنا رہتا ہے　　کام میرے کبھی آتا جو مرا دل ہوتا

کام شیشے کی پری سے نہیں چلتا ہے ریاضؔ
میرے پہلو میں کوئی حور شمائل ہوتا

جاتے ہی میکدہ مجھے اجمیر ہو گیا　　اتنی ہی کہ پینے سے جی سیر ہو گیا

جا کر گلی میں زلف کی اندھیر ہو گیا | اچھا بھلا تھا دل ابھی کچھ پھیر ہو گیا

لے لیں بلائیں زلف کی دشمن نے بڑھ کے آج | دن دوپہر یہ حشر میں اندھیر ہو گیا

دیکھا کچھ اس ادا سے گریں لاکھ بجلیاں | کی ایک ہی نگاہ کہ میں ڈھیر ہو گیا

وہ اور بھیجیں مجھ کو خدا شوق نامہ بر | کیا اس میں کچھ سمجھ کا تری پھیر ہو گیا

دیکھا مجھے جو آج سگ کوئے یار نے | اپنی گلی میں دیکھتے ہی شیر ہو گیا

وہ چاہتا تھا جا نہ سکے آہ عرش پر | سرکش تھا آسمان مگر زیر ہو گیا

جاتے تھے سوئے میکدہ نکلے حرم میں ہم | کیا جانے آج راہ میں کیا پھیر ہو گیا

تا دیر بزم مے میں رہے شیخ گل فشاں | ذکر مے طہور بھی کچھ دیر ہو گیا

ہنگامہ رقص گھٹ کے رہا دور چرخ سے | کہ ان کی پیشواز کا کچھ گھیر ہو گیا

کیوں وقت وصل تول رہے ہو نگاہ میں | اب دل کا وزن بڑھ کے کئی سیر ہو گیا

تڑپا رہا ہے شوق زیارت مجھے بہت | میرا بھی قصد اب سوئے اجمیر ہو گیا

اُٹھے پھرے تو آنکھ سے دل تک آ سکے | مانع ضرور راہ کا کچھ پھیر ہو گیا

بس اے فلک معاف کہ نیت ہی بھر گئی | کھایا غم اس قدر کہ دل اب سیر ہو گیا

پہونچا کہاں ریاض سا سجدہ گزار حق
تھا قصد کعبہ رخ سوئے اجمیر ہو گیا

مانگے دیا تھا آپ کو بیجا تو کچھ نہ تھا | دل تھا مرا و شفقت کا سودا تو کچھ نہ تھا

آپ آ کے دل میں دل کی تمنائیں دیکھتے | گھر آپ کا تھا آپ سے پردا تو کچھ نہ تھا

بجلی گرائی تیری چمک نے مریض پر | اے درد تیرے اٹھتے ہی دیکھا تو کچھ نہ تھا

کھاتے تھے اپنی بھوک کو سوتے تھے نیند | تا قفس میں تھے ہمیں کھٹکا تو کچھ نہ تھا

ہم لے کے میفروش سے منھ چور کیوں بنے | جب چاہے دیتے دام تقاضا تو کچھ نہ تھا
اُس کی گلی کو چھوڑ کے جاتا جو سوئے دشت | دیوانہ میں نہ تھا مجھے سودا تو کچھ نہ تھا
چلو ہی بھر سہی ہمیں تسکین اُس سے تھی | جب تک سبو میں تھی غم فردا تو کچھ نہ تھا
یہ سُن کے مجھ سے رسم ہے تم کیوں برس پڑے | جو کچھ کہا رقیب نے سمجھا تو کچھ نہ تھا
کیوں اس قدر ہجوم تھا گرد اُس غریب کے | دم توڑتا تھا کوئی تماشا تو کچھ نہ تھا
جنت سے کم سہی مگر اچھا تھا میکدہ | جب تک نہال تھے ہم غم فردا تو کچھ نہ تھا

کیا جانے کیوں رقیب بنا تھا گلے کا ہار
صورت میں وہ ریاض سے اچھا تو کچھ نہ تھا

خانقہ میں جو کبھی طاق سے مینا اُترا | ہم یہ سمجھے کوئی رحمت کا فرشتا اُترا
رستے چھوٹے جو سرِ راہ عماما اُترا | سر سے ان بادہ فروشوں کا تقاضا اُترا
نشہ بھی نیند بھی خلوت بھی مگر ہائے رہی شرم | نہ کھُلے بند قبا کے نہ دوپٹا اُترا
آج ممبر سے جو واعظ کو اُتارا سرِ بزم | بعد مدت کے ذرا نشۂ صہبا اُترا
اُتری وہ چین جبیں موجِ تبسم بن کر | دیکھو دیکھو وہ ہنسی آئی وہ غصا اُترا
ہے تعجب مجھے مٹی میں ملانے کیلئے | دوشِ احباب سے کس طرح جنازا اُترا
صبح کو وصل کی شب وہ ہیں کہ اُن کی تصویر | شرم سے آنکھیں جھُکیں چہرہ کچھ اُترا اُترا
کسی بھٹی میں کبھی پکے گھڑے کی پی تھی | ڈھل گیا حشر کا دن جب کہیں نشا اُترا
جس کا مصرع یہ ہے ساحر کی غزل خوب ہے وہ | ہم چھپر کھٹ سے اُتر آئے تو غصا اُترا

گھر مرا جیسے پرستان کا اکھاڑا ہو ریاض
جب ہوئی شام کوئی تخت پری کا اُترا

مری جان تیری، تیرے قربان جاتا — مری بات چپکے سے تو مان جاتا

نگاہوں سے میری وہ پہچان جاتا — جو ہوتی مرے دل میں وہ جان جاتا

کبھی قیس دیوانہ آتا جو مجھ تک — مرے پاس سے بن کے انسان جاتا

جو گونج اُٹھی نالی کی جھنجھلا کے بولے — لگے پیار کو آگ ابھی کان جاتا

اگر پاؤں پڑتا نہ میدانِ محشر — مرے ہاتھ سے کیوں یہ میدان جاتا

اُٹھالی معاصی کی جی بھر کے لذت — سرِ قبر میں کون ارمان جاتا

کبھی ہاتھ اُٹھاتے نہ ہم ان بتوں سے — وہ ایمان رہتا کہ ایمان جاتا

بہت پاک جاتا میں پھر میکدے میں — جو توبہ سے ہو کر پشیمان جاتا

وہ کافر حرم میں تھا ہم میکدے میں — جو کعبے میں ہوتے تو ایمان جاتا

[illegible] اور جاتا پئے حج کعبہ
وہ کافر نہ [illegible] مسلمان جاتا

انگارہیں پہلو جو رہے اس سے بھی اچھا — قرباں ترے وہ تیرے پیکاں سے بھی اچھا

ارماں ہے خلش میں ترے پیکاں سے بھی اچھا — پیکاں ہے ترے دل میں تو ہے ارماں سے بھی اچھا

کیوں سنتے کہ نہیں ہے کون زباں بننے کو جاتا — میں تجھ سے بھی اچھا ترے درباں سے بھی اچھا

جھنجھوڑتے بالوں کے سے ہے کچھ اداہی عالم — چھوڑا سا مرا گھر ہے بیاباں سے بھی اچھا

درماں کا سبب ہوتی ہے تکلیف اذیت — جس درد میں لذت ہو وہ درماں سے بھی اچھا

زاہد تجھے لذت ہی نہیں عشقِ بتاں کی — اس راہ میں تو کفر ہے ایماں سے بھی اچھا

زخموں میں مزا دیتے ہیں ٹوٹے ہوئے پیکاں — لذت کا یہ پہلو ہے نمکداں سے بھی اچھا

اُلفت جو کبھی سینہ ترے دل سے تعلق — سمجھوں گا ترا ربط پریشاں سے بھی اچھا

سرکار کے اشعار ریاض اور ہی کچھ ہیں
جو شعر ہے رد ہے مرے دیواں سے بھی اچھا

مرے ہاتھ سے پہننا انھیں دربار ہوتا — کمر اور بھی لچکتی جو گلے میں ہار ہوتا
یہ ذرا سا حشر کا دن شب وصل یار ہوتا — شب وصل اگر نہ ہوتا شب انتظار ہوتا
یہ نشاط زندگانی یہ شباب یہ جوانی — یہی دن وہ ہیں کہ جن کا نہیں اعتبار ہوتا
جو گھر ابر تیرہ یہ جھکا تھا میکدے پہ — خم مے ابھی اڑا کر سر کوہسار ہوتا
مجھے جان سے سوا تھا وہ مزاق آشنا تھا — شب غم کوئی نہ ہوتا دل غمگسار ہوتا
بڑے بھی ساتھ اڑتی جو اڑاتے کاگ میکش — کوئی جوئبار ہوتی لب جو شکار ہوتا
ترے نقش پا نہ ہوتے بت بے وفا نہ ہوتے — مری حسرتیں تو ہوتیں جو مرا مزار ہوتا
بڑی کیا تھی فاقہ مستی ترے لطف سے گزرتی — سہے کچھ جو مے کی تلخی غم روزگار ہوتا
تری چٹکی تک پہنچے اس کو مرے دست شوق لاتے — ترے ہاتھ سے جو ناوک مرے دل کے پار ہوتا
ہوئی صبح حشر اٹھا میں کبھی خم چڑھائے تھا میں — خم مے سے تھا سوا میں مجھے کیا خمار ہوتا
اسے کیا تھا ڈر نہ اٹھتا وہ ترا تھا در نہ اٹھتا — کبھی بیٹھ کر نہ اٹھتا جو مرا غبار ہوتا

مے سلسبیل ہوتی نہ شراب حوض کوثر
جو ریاض سا مسلماں نہ شراب خوار ہوتا

جو زمین کو دباتا وہ مرا مزار ہوتا — جو فلک کو زیر کرتا وہ مرا غبار ہوتا
ترے ناوکوں کے صدقے دل بے قرار ہوتا — کوئی دل میں چھپ کے رہتا کوئی دل کے پار ہوتا
کبھی ہیں بلائیں لیتا کبھی میں نثار ہوتا — جو نصیب میں لکھی تھی خم زلف یار ہوتا
یہ بت حسیں ستمگر اسے ٹھوکریں لگا کر — نہ چڑھاتے آسماں پہ جو مرا مزار ہوتا

تری رحمتوں کے بادل ابھی ٹوٹ کر برستے | جو سیاہ کار یارب کوئی اشکبار ہوتا
ارے داستانے والے تجھے یہ بہت ستاتا | شبِ وصل تجھ سے بڑھ کر دلِ بیقرار ہوتا
یہی اشک نمک لاتے یہی میرے کام آتے | انھیں دل بنا کے رکھتا اگر اختیار ہوتا
وہ مژہ چبھوتی رہتی یوں ہی گھر کے گھر نشتر | مرے دل میں درد یارب یوں ہی بار بار ہوتا
مرے حلق سے اُتر کے مئے صاف اشک بنتی | ابھی میں گناہ کرتا ابھی اشکبار ہوتا
جو یہ زلف اُڑ کے آتی دمِ ذبح تیرے رخ پر | تو بلائیں لینے والا یہی جاں نثار ہوتا
مری انجمن میں رہتا شب و روز شور قلقل | ترے حلق پہ جو مینا مجھے اختیار ہوتا
ترے نشترِ نگہ سے رگِ جاں لہو جو دیتی | تو لہو کا قطرہ قطرہ دلِ بیقرار ہوتا

ترے آگے سر اُٹھاتا کوئی پارسا نہ ساقی
جو ریاضؔ پارسا بھی کہیں بادہ خوار ہوتا

مرے سینے میں جو میرا دلِ داغدار ہوتا | مرے باغِ آرزو کی وہی اب بہار ہوتا
پئے سیر جلوہ فرما جو بُتِ گلعذار ہوتا | دلِ داغ داغ میرا کوئی لالہ زار ہوتا
کوئی خاک اگر اڑاتا یہ زمیں زمیں نہ ہوتی | یہ فلک فلک نہ ہوتا یہ فلک غبار ہوتا
تری رحمتوں کے بادل خمِ دوش جھک کے بنتے | لئے حشر میں خمِ مے یہ سیاہ کار ہوتا
کبھی تو نے بھی یہ دیکھا ارے او نگاہِ پُرفن | وہی تیر دل میں رہتا وہی دل کے پار ہوتا
کبھی خارِ راہ بنتے اگر استخوانِ دشمن | تو گلی میں تیری جا کر تجھے اور خار ہوتا
یوں ہی لیتا پیتا رہتا اے میفروش تجھ سے | کبھی دام نقد ملتے کبھی کچھ اُدھار ہوتا
بتِ شوخ و شنگ کیونکر رہیں عاشقوں کے بس میں | کہ ذرا سے دل پہ ان کو نہیں اختیار ہوتا
کبھی حشر میں نہ ہوتی انھیں میکدے کی پروا | جو بہشتِ میگساراں کوئی سبزہ زار ہوتا

سئے لاکھ حشر ہوتا کسی زلف کی درازی
تری شام ہی کا حصہ شبِ انتظار ہوتا

ارے او ریاض سچ ہے تری وضع ہے کچھ ایسی
تری بات کا کسی کو نہیں اعتبار ہوتا

کھلتا نہیں ہے کچھ مرے دشمن نے کیا کہا
دشمن کی سن کے اس بتِ پرفن نے کیا کہا

کوئی تو ایسی بات تھی جو گدگدی اٹھی
گل ہنس پڑے یہ بلبلِ گلشن نے کیا کہا

دبنے کا وہ نہیں ترے بندِ قبا سے اب
کھل کھل کے تیرے سامنے جوبن نے کیا کہا

رکھ دے گی ذبح کر کے مجھے یہ چھری سے آج
تو نے تو کچھ نہیں تری چتون نے کیا کہا

سنبل نے لیں بلائیں جو دیکھی تمھاری زلف
دیکھی مسی جو لب کی تو سوسن نے کیا کہا

کیا دی مجھے دعا تجھے آنا ہو پھر نصیب
غربت میں مجھ کو لوٹ کے رہزن نے کیا کہا

یارب دکھائے حشر میں میرے لہو کے داغ
قاتل کی آستین سے دامن نے کیا کہا

دے گا ترے لبِ مسی آلودہ کا جواب
یہ پھوٹے منہ سے غنچۂ سوسن نے کیا کہا

بوسے کا مجھ کو وہم ہے بدلا جو رنگِ رخ
جھک کر یہ تیرے کان میں دشمن نے کیا کہا

راتوں کو لوٹے جاتے ہیں ہم دونوں ہاتھ سے
تو نے بھی کچھ سنا ترے جوبن نے کیا کہا

دامن کا چاک تھا جو ہنسا کچھ رفو کے وقت
بے منہ کی تھی وہ چپ ہی رہی سوزن نے کیا کہا

کیا اے صبا اسیرِ قفس کو دیا پیام
جھک جھک کے تجھ سے شاخِ نشیمن نے کیا کہا

کچھ ہوش ہے کلیم چلا طور کس طرح
آتش فروز وادیٔ ایمن نے کیا کہا

میں نے جو بزم میں لئے ساغر بڑھا کے ہاتھ
آنکھیں دکھا کے ساقیٔ پرفن نے کیا کہا

ہم تو خدا پرست بھی تھے بت پرست بھی
ہم کو ریاض شیخ و برہمن نے کیا کہا

شاید مرے رقیب سے تھا آسماں ملا　　اُٹھ اُٹھ کر اِس سے قبر کا اُس کی نشاں ملا

چھُٹ کر قفس سے چین ہمیں پھر کہاں ملا　　وہ شاخِ گُل ملی نہ ہمیں آشیاں ملا

تو نے دئے جو داغ تو دل کھل اُٹھا مرا　　معلوم یہ ہوا چمنِ بے خزاں ملا

ظالم کا مُدعا تھا بڑھائے فشارِ قبر　　کیوں ٹوٹ کر زمیں سے مری آسماں ملا

ریشِ سفید پنبۂ مینا بنی رہی　　پیری میں تجھ سے فیض یہ پیرِ مغاں ملا

سب سمجھے تھے گردِ راہ وہ میرے غبار کو　　ہر ذرہ میری خاک کا محشر نشاں ملا

کس بانکپن کے ساتھ نباہی ہے چرخِ پیر　　باوضع کوئی بھی تجھے ہم سا جواں ملا

کم بخت کو پلائی بھی لیکن چلا نہ کام　　کس درجہ ہوشیار اُنھیں پاسباں ملا

وہ کشمکش وہ بھیڑ وہ آفت کی دار و گیر　　ملنے کا اُن سے حشر میں موقع کہاں ملا

ہے میکدے کا خاص مقامات میں شمار　　جو مُغبچہ ملا مجھے پیرِ مغاں ملا

شیشے میں کس پری کو اُتارا ریاض نے
بنتِ عنب سے ہے خوش مجھے کیسا جواں ملا

بڑھ کے کیوں پست حوصلہ آیا　　خار پر منھ نہ آبلہ آیا

بوسہ کس نے لیا کہ بن کے ہنسی　　آپ کے ہونٹ پر گلہ آیا

ہو گئی اب نوک جھونک مژگاں سے　　بن کے دل دل کا آبلہ آیا

واپس آیا نہ کوئے زلف سے دل　　پیش کوئی معاملہ آیا

مجھ سے بھی کچھ سوا تھا درماندہ　　پاؤں میں ڈٹ کے آبلہ آیا

پُر خطر ہے بہت ہی منزلِ گور　　لُٹ کے آیا جو قافلہ آیا

چھِڑ گئی کچھ زبانِ خار کی بات　　منھ پھُلاتے جو آبلہ آیا

آئینہ کیوں غرور سے دیکھا　　عکس کرنے مقابلہ آیا

منّت کی کھاتا زباں دراز تجھے خار　　اُن کے منہ کیوں نہ آبلہ آیا

گم شدہ ہوں نہ میکدے والے　　کعبے سے کوئی قافلہ آیا

شغلِ مے ہے ریاضؔ پیری میں
کیوں جوانی کا ولولہ آیا

وہ ہوا جنّت کی وہ ابرِ کرم چھایا ہوا　　میکدہ جنّت ہے جنّت میں جو پی تو کیا ہوا

کیا ہوا بزمِ عدو میں لے ہیں صدقے کیا ہوا　　ہنس رہا ہے آج کچھ دامن ترا مسکا ہوا

آ چکا اُن کی گلی میں میرے آگے آ چکا　　فتنۂ محشر تو ہے سو بار کا دیکھا ہوا

دیکھنے کی چیز تھا محفل میں ساقی کا شباب　　بے پیئے سو بار مجکو نشۂ صہبا ہوا

میں جو خم پر جھک پڑا تو ہو گیا وہ میرے سر　　مجھسے بڑھکر آج کل ناصح ہی کچھ بہکا ہوا

خم بنا میرے لئے وہ فیض ساقی سے تو کیا　　دانۂ انگور تھا قطرے سے جو دریا ہوا

کل تو اُٹھکر دب چکا تھا حشر کوئے یار میں　　آج سُنتا ہوں کوئی فتنہ نیا برپا ہوا

آئی آوازِ اذانِ صبح اُٹھو بھی ریاضؔ
میکدے میں بھی تو شورِ قلقلِ مینا ہوا

اس عشق جنوں خیز میں کیا کیا نہیں ہوتا　　دیوانہ ہے جو قیس سے لیلیٰ نہیں ہوتا

کچھ حشر لحد پر ابھی برپا نہیں ہوتا　　آئے ہو تو ٹھہرو کوئی زندہ نہیں ہوتا

کیونکر یہ کہوں حُسن کا نشّا نہیں ہوتا　　ہوتا تو بہت ہے مگر اتنا نہیں ہوتا

کچھ کہیے تو شرما کے جھکا لیتے ہیں گردن　　بھولے سے بھی اب وعدۂ فردا نہیں ہوتا

ملتے ہیں وہ دل سُرخ ہوئی جاتی ہے چٹکی　　نازک ہیں بہت خونِ تمنّا نہیں ہوتا

دیتی ہے مزا مے کا ہمیں تلخیٔ توبہ — جب ہاتھ میں پیمانۂ صہبا نہیں ہوتا

وہ حشر کے دن کشتے کو ٹھکرا چکے سو بار — کچھ جان سی پڑ جاتی ہے زندہ نہیں ہوتا

بولی یہ تمنا جو رکے وہ در دل پر — گھر آپ کا ہے آپ سے پردا نہیں ہوتا

تیروں کو جگہ دیتے ہیں جو سینے میں اپنے — ان لوگوں کے اے جان کلیجا نہیں ہوتا

صحرا سے قدم گھر کی طرف خاک اٹھاؤں — کانٹے سے جدا پاؤں کا چھالا نہیں ہوتا

بیٹھے نظر آتے ہیں وہی تیری گلی میں — جنکا کہیں دنیا میں ٹھکانا نہیں ہوتا

فرقت میں ہے کیوں نزع کی تکلیف گوارا
مر جائیں ریاض آپ سے اتنا نہیں ہوتا

محشر کے لئے قول و قسم کیا نہیں ہوتا — جھوٹے تجھے اندیشۂ فردا نہیں ہوتا

رندان بلانوش میں گنتی ہے ہماری — ہم خم بھی چڑھا جائیں تو نشا نہیں ہوتا

پیکاں کے لئے کیوں جگر و دل میں کشش ہے — اے زخم دل آپس میں تو ایسا نہیں ہوتا

وحشت نے مری ڈال دی کچھ خاک سی پہ — اب قیس کا فرہاد کا چرچا نہیں ہوتا

جو اف نہیں کرتے ستم و جور و جفا پر — وہ جانتے ہیں ان کے کلیجا نہیں ہوتا

آزار محبت نہیں جاتا نہیں جاتا — بیمار محبت کبھی اچھا نہیں ہوتا

پڑتے ہی نہیں دل کے سوا پاؤں زمیں پر — مغرور کوئی حسن پہ اتنا نہیں ہوتا

ہم رند سمجھتے ہیں اسے انجمن وعظ — جس بزم میں ذکر مے و مینا نہیں ہوتا

ہوتی ہیں وہاں کوہکن و قیس کی باتیں
مدت سے ریاض آپ کا چرچا نہیں ہوتا

مر کر ارے واعظ کوئی زندہ نہیں ہوتا — وہ حشر مرنے کا ہے جو برپا نہیں ہوتا

بُت توڑنے سے بُتکدہ کعبہ نہیں ہوتا — پہلے کبھی ہوتا ہوا اب ایسا نہیں ہوتا

سب حشر میں ہیں آج ہمیں زیر لحد ہیں — کیا جانئے کیوں حشر ہمارا نہیں ہوتا

ہوتی ہے جو شیشے میں تو ہوتی نہیں کچھ فکر — تھوڑی سی بھی ہو تو غم فردا نہیں ہوتا

ٹھکراتے نہیں پائے حنائی سے وہ سر کو — روشن کبھی قسمت کا ستارا نہیں ہوتا

سُن لیتے ہیں چُپکے سے مؤذن کی ہم اے شیخ — جب ہاتھ میں ناقوسِ کلیسا نہیں ہوتا

آنے کو تو آتی ہیں جنوں خیز بہاریں — کیا جانئے اب کیوں ہمیں سودا نہیں ہوتا

میخانے میں کیوں یاد خدا ہوتی ہے اکثر — مسجد میں تو ذکرِ مے و مینا نہیں ہوتا

اللہ دکھائے نہ بُرا وقت کسی کو — کوئی بھی زمانے میں کسی کا نہیں ہوتا

ٹھکراتے ہوئے ڈرتے ہو کیوں میری لحد کو — ٹھوکر سے تمہاری کوئی زندا نہیں ہوتا

آقا سے ریاضؔ آپ تو کہتے نہیں کچھ بھی
اوروں سے گلہ کام ہمارا نہیں ہوتا

اس نزاکت سے مہِ نو کا نمایاں ہونا — چاہتا ہے کوئی نازک سا گریباں ہونا

اب کہاں عکس کا اس گھر میں وہ مہماں ہونا — آئینہ سیکھ گیا دیدۂ حیراں ہونا

نگہِ شرم سے دبتے رہے سرکش جوبن — کام آیا خمِ گردن کا نگہباں ہونا

مجکو آنکھوں نے دکھایا ہے پلک جھپکاتے — خشک ہو کر کسی دریا کا بیاباں ہونا

سب سے پہلے کسی غنچے کا وہ کھلنا سرِ شاخ — اس سے پہلے وہ مرا چاک گریباں ہونا

یاد گیسوئے دراز اور تری عمر دراز — اب بہت دُور ہے صبح شبِ ہجراں ہونا

کیا زمانہ ہے کہ دشوار نظر آتا ہے — لاکھ دو لاکھ میں بھی صاحبِ ایماں ہونا

کیف ہوتے نہیں اے حشر کوئی آپ میں آج — رنگ لایا ہے مرا داغ بہ داماں ہونا

سر جھکانا مجھے تقدیر سے سب کے آگے　　کوئی بھی ہو مجھے شرمندۂ احسان ہونا

دیکھ کر زرشتے ہوئے پاؤں کے ناخن اُن کے　　وہ ابھرنا مہِ نو کا وہ پشیمان ہونا

شورِ دیوانوں میں ہونا وہ بہار آئی ریاضؔ

اور وہ گھر کا مرے صورتِ زنداں ہونا

ساتھ ہی تیر فگن لے صفِ مژگاں ہونا　　آج ہم کو بھی ہے سوجان سے قرباں ہونا

رنگ وہ ہار کے پھولوں کا بدلنا شبِ وصل　　بے چھوئے چھیڑے وہ زلفوں کا پریشاں ہونا

حشر تک غیر کو تڑپائیگا یارب شبِ وصل　　مجھ میں اس شوخ میں کل کے لئے پیماں ہونا

تم ملو یا نہ ملو ہم کو خدا ملتا ہے　　ہے بڑی چیز بتو صاحبِ ایماں ہونا

سلسلے کی ہے کڑی موجِ شرابِ گلرنگ　　لہر رندوں کی ہے مستِ مئے عرفاں ہونا

صدقے اس منہ کے جو بولی کر عرقِ شرم ہے　　کام آ جانے مرا دل میں پشیماں ہونا

غیر نے شام ہی سے گھی کے جلائے ہیں چراغ　　آج دشوار ہے صبحِ شبِ ہجراں ہونا

وضع رندانہ رہے ریش رہے صاف ریاضؔ

خوف کی چیز ہے اس وقت مسلماں ہونا

کبھی ممکن نہیں مے خانہ کا ویراں ہونا　　کبھی ممکن نہیں جنت کا بیاباں ہونا

ایسی دیوانی جوانی کہ یہ کہتی آئی　　لے مبارک ہو تجھے چاک گریباں ہونا

جس کی آنکھوں میں سماتا ہی نہیں کوئی حسیں　　آئینہ دیکھ کے اس شوخ کا حیراں ہونا

پھول برسانے کو لے ابرِ کرم کافی ہے　　داغ دامن سے مرا سر بہ گریباں ہونا

موت ہی موت اگر یاس سے بدلے امید　　کچھ نہیں دل میں کسی بات کا ارماں ہونا

عمر بھر کاتبِ اعمال فرشتے ہی رہے　　پاکے صحبت بھی نہ آیا انہیں انساں ہونا

دیکھنے میں تو نہیں کچھ بھی وہ مژگان دراز | مگر آتا ہے اسے ناوک و پیکان ہونا
کام سے کام جگانا نہ ستانا شب بھر | نہ پریشاں انہیں کرنا نہ پریشاں ہونا
دستِ بے تیغ سے ظالم نے لیا تیغ کا کام | آستیں چڑھتے ہی شمشیر کا عریاں ہونا
مدد اے زورِ جنوں اب نہ لگی رہ جائے | طوقِ زنجیر سے ہے دست و گریباں ہونا

ہم سے کہتا ہے ہمارا دلِ صد چاک ریاضؔ
تمہیں آتا ہی نہیں چاک گریباں ہونا

جس پر گمان حشر میں ہے آفتاب کا | تاریک رخ ہے وہ مری فردِ حساب کا
نقطہ بنا ہر اک مری فردِ حساب کا | محشر کے دن حجاب ہے رخِ آفتاب کا
آئے ہمارے آگے وہ ساغر شراب کا | ساقی نے جس میں رنگ بھرا ہو شباب کا
دل کو نہیں ہے خوف نگاہِ عتاب کا | ہے پاؤں پیچ میں ترے تارِ نقاب کا
وقتِ عتاب بن گئی چہرہ عتاب کا | دیکھے تو کوئی رنگ بدلنا نقاب کا
موقع شبِ وصال ملا ہے جواب کا | ممنون ہوں ترے ستمِ بے حساب کا
پردے میں چھپ سکا نہ وہ چہرہ عتاب کا | دیکھا ہے ہم نے رنگ بدلنا نقاب کا
بدمست دل ہے آنکھ ہی ساغر شراب کا | ساقی کا میکدہ ہے زمانہ شباب کا
خاکسترِ شرار کو انساں بنا دیا | بھر کر ہوا حباب کی پانی حباب کا
جس کو ہوا اُڑا نہ سکے میں وہ خاک ہوں | بیٹھا ہوا غبار ہوں میں سطحِ آب کا
الجھی بری طرح ہے کسی کی نگاہِ شوق | جو حال اب نہ ہو تری نازک نقاب کا
سوئے حرم گیا ہے کوئی مست میکدہ | ہر نقشِ پا چراغ ہے راہ ثواب کا
بنتے بگڑتے دیر نہیں اس جہان میں | دیکھا ہے بیٹھنا بھی ابھر کر حباب کا

رحمت کو یہ ادا مری شائد پسند آئے | ڈر ڈر کے کانپ کانپ کے پینا شراب کا
شوخی وہ کیا کہ جس سے بڑھیں بدگمانیاں | عنوان اور ہے مرے خط کے جواب کا
عصیاں کے بعد بھی تری رحمت وہی رہی | ممنوں ہوں ترے کرم بے حساب کا
غالب ہے خوف ذوق معاصی کے ساتھ ساتھ | دھڑکا لگا ہوا ہے عذاب و ثواب کا

پیری میں سر بمہر رہیں یونہی اے ریاض
ہے بوتلوں میں بند زمانہ شباب کا

یہ کہاں لگی یہ کہاں لگی جو قفس سے شور فغاں اٹھا | جلے آشیانے کچھ اس طرح کہ ہر ایک دل سے دھواں اٹھا
لگی آگ سینے جگر میں یوں لگے کسی کے بھی گھر میں یوں | نہ تو لو اُٹھی نہ چمک ہوئی نہ شرر اُڑے نہ دھواں اُٹھا
کوئی مست میکدہ آگیا ہے بیخودی وہ پلا گیا | نہ صدائے نغمۂ دیر اُٹھی نہ حرم سے شور اذاں اُٹھا
گئے ساتھ شیخ حرم کے ہم نہ کوئی ملا نہ لئے قدم | نہ تو خم بڑھا نہ سبو جھکا جو اٹھا تو پیر مغاں اٹھا
لب خم سے نکلے صدائے قم سر دوش ابر ہے ہر خم | خم آسماں بھی ہو جس میں گم وہ سیاہ ابر کہاں اُٹھا
تجھے مے فروش خبر بھی ہے کہ مقام کون ہے کیا یہ شے | یہ رہ حرم میں دکان مے تو یہاں سے اپنی دکاں اُٹھا

یہ سپید ریش ریاض ہے جو بنا ہے بزم میں پند گو
اسے کیوں نہ ابر سیہ کہوں کہ برس پڑا یہ جہاں اُٹھا

در کھلا صبح کو پو پھٹتے ہی مے خانے کا | عکس سورج ہے چھلکتے ہوئے پیمانے کا
رقص موجوں کا چھلکنا بھرے پیمانے کا | رقص پریوں کا ہے عالم ہے پری خانے کا
ہائے زنجیر شکن وہ کشش فصل بہار | اور زنداں سے نکلنا ترے دیوانے کا
صدقے اس سوز کے جو سوز ہو اس حسن کے ساتھ | شعلہ گویا پر پرواز ہے پروانے کا
ہوں وہاں گم ہے جہاں ہستی موہوم مری | دوسرا نام عدم ہے مرے ویرانے کا

نہ بیاں ہو جو ملے صبحِ ازل شامِ ابد — حشر ہے بیچ کا ٹکڑا مرے افسانے کا

پردہ بھی بات بھی جلوہ بھی پسِ دامنِ برق — شوخیاں ہیں کہ یہ انداز ہے شرمانے کا

بال کے بدلے نظر آتے ہیں اس میں سو چاک — عکس آئینۂ دل پر بھی پڑا شانے کا

پیٹ میں خم کے ہے جو کچھ وہ بھرا ہی اس میں — منہ نہ کھلواؤ ارے واعظ مرے پیمانے کا

کیا تصور ہی سے اٹھ جاتے ہیں پردے دل کے — دل بھی کیا نام ہے اُن کے کسی کاشانے کا

رکھتی ہے عالمِ نو شورشِ ہنگامۂ عشق — حشر اک حرفِ غلط ہے مرے افسانے کا

آپ کے ہار کی کلیوں سے یہ ملنے کا نہیں — دل ہے مٹی کا نہ کھلنے کا نہ مرجھانے کا

کھینچنے والی کی جھلک دیکھی ہے جب سے ساقی — دیکھنا منہ مجھے انگور کے ہر دانے کا

پھرتی ہے حشر کے دن آنکھ کے نیچے شبِ وصل — ہائے انداز وہ زلف کے بل کھانے کا

شمعِ کعبہ رہے محفوظ الٰہی تا حشر — نام روشن ہے اک اُجڑے ہوئے بتخانے کا

نہ ہوا اتنی نہ مری آہ عدو سے نہ وہ تھے — حال شب کو نہ کھلا شمع کے بجھ جانے کا

لوگ کہتے ہیں کہ ہے زاہدِ مرتاضِ ریاض
رند کہتے ہیں اُسے چور ہے مے خانے کا

شرارِ برق گو تنکے بنے لیکن نشاں ہوگا — جہاں میرا نشیمن تھا وہاں اب تک دھواں ہوگا

مقاماتِ اثر میں اب اثر کا امتحاں ہوگا — یہ نالے ہونگے ان کا بام ہوگا آسماں ہوگا

ملے گی خدمتِ میخانہ شاید کعبے والوں کو — سنا شیخِ حرم آکر یہاں پیرِ مغاں ہوگا

مزا اس وقت آئیگا قیامت میں شہادت کا — اتر کر جب دہانِ زخم میں خنجر زباں ہوگا

یہ دوشِ ابر پر جاتے ہیں خم کے خم کہاں ساقی — بتا دے آج شورِ قلقلِ مینا کہاں ہوگا

سحر ہوتے گیا کوئی تو یہ کہتا گیا کوئی — یہی تو ہیں کہ ان کے گھر کوئی پھر میہماں ہوگا

نہیں صبح چمن میں کیف خواب صبح مستانہ
کہ شور خندۂ گل کان میں شور اذاں ہوگا

گلی میں کچھ جھپک بھی رات اندھیری تو چوکی
ہمیں بڑھکر لیا جس نے وہاں کا پاسباں ہوگا

شکن افتادہ دامن میں چھپا ہو زلف پر خم میں
دل کج راہ کو ہم ڈھونڈ لینگے جہاں ہوگا

ہر اک پل ہجر کا طول حیات خضر رکھتا ہے
جو تو آئے ترا احسان مرگ ناگہاں ہوگا

اندھیرا ہوتے واماندہ عجب حسرت سے کہتے تھے
سر منزل پہنچتا اب ہمارا کارواں ہوگا

عدو کی قبر ہوگی بال بکھرائے جہاں پہنچے
بچے سایہ سے جس کے آپ وہ میرا مکاں ہوگا

تبسم اور شوخی اس پہ انداز تبسم کی
ترے لب پر جو یوں آیا کوئی راز نہاں ہوگا

لگی الفت کی بجھ سکتی نہیں ہے خاک ہونے پر
چمک اٹھے گا میری خاک کا ذرہ جہاں ہوگا

جوانی لے ریاض اب لوٹتا ہے دختر رز کی
بڑھاپا کہہ رہا ہے تو نے سر سے جواں ہوگا

نہ سجدے پے بہ پے ہونگے نہ سجدوں کا نشاں ہوگا
جبیں ہوگی ہماری اور ان کا آستاں ہوگا

نکلکر تیرے کوچے سے گزر میرا جہاں ہوگا
ہزاروں آسماں ہونگے وہاں ایک آسماں ہوگا

زمیں پر اب نیا پیدا جواب آسماں ہوگا
ترا کوچہ ترے نقش قدم سے کہکشاں ہوگا

کہیں منہ چوم لے ان کا نہ کوئی ایسی باتوں پر
مرے آگے سر بزم عدو میرا بیاں ہوگا

قفس میں آؤں تو دیگا جگہ صیاد آنکھوں میں
چمن میں جاؤں تو ہر پھول میرا آشیاں ہوگا

بط مے کا شکار اچھا رہیگا آج لے زاہد
لب جو سبزہ ہوگا سامنے آب رواں ہوگا

بہت ہی خیر گزری ہوتے ہوتے رہ گئی اس سے
جسے میں غیر سمجھا ہوں وہ ان کا پاسباں ہوگا

رہا میں پھول بنکر نخل گل کی ڈالی پر
مرا رہنا چمن میں باغباں پر کیوں گراں ہوگا

گل آہ گرم سے جس نے گرائیں بجلیاں بنکے
تمہارے بیقراروں میں کوئی آتش بجاں ہوگا

لئے ناقوس کوئی دیر والا آج آیا ہے — اگر سچ ہے تو کعبے میں مزا وقت اذان ہوگا

بتو ہم کو رُلا ئیگا یہ نظارہ اسیری میں — قفس میں ہوں گے ہم موج ہوا پر آشیاں ہوگا

شراب ناب تو کیا آگ پانی بن کے برسیگی — اگر ابر بہار اس آتش گل کا دھواں ہوگا

وہاں بھی پھول برسیں گے گنہگاران اُمت پر — جو دو چار آئے ہم سے تو جہنم بھی جناں ہوگا

لہو رو دینگے میرے زخم دامن رکھ کے آنکھوں پر — تمہارا داغ دامن حشر میں جب گلفشاں ہوگا

ذریعہ ہے یہی رحمت کا کہدی تو ہی اے زاہد — یہ میرا پھول سا بار گنہ مجھ پر گراں ہوگا

ترا دیوان تو شایع ہو جگہ سب آنکھ پر دینگے

ریاض اشعار کا تیرے زمانہ قدرداں ہوگا

پہلے تیر نگہ ناز کا پیکاں سمجھا — دور سے دل میں اتر آئی تو مژگاں سمجھا

زندگانی کو خیال شب ہجراں سمجھا — موت آئی تو اُسے خواب پریشاں سمجھا

بھولے پن سے یہ اُسے محفل جاناں سمجھا — حشر کی خوب حقیقت دل ناداں سمجھا

نہ ہوا سے کہیں بجھ جائے ذرا سانس نہ لی — داغ دل کو میں چراغ شب ہجراں سمجھا

دل میں کمبخت نے سو زخم تو ڈالے ہونگے — تھا وہ ارمان ترا میں جسے پیکاں سمجھا

دی جگہ تھوڑی سی ہر آرزوِ مردہ کو — میں نے سینے کو کوئی گور غریباں سمجھا

میں گنہگار بڑھا تا دم محشر کیوں ہاتھ — ابر رحمت کو مگر آپ کا داماں سمجھا

تو گئی ساتھ نشان کف پا کیوں لیکر — میں تری چال نہ اے عمر گریزاں سمجھا

داغ تھے کچھ مے گلگوں کے مرے دامن پر

وہ ریاض ایسے کھلے ہیں گل داماں سمجھا

دنیا سے الگ ہم نے — میخانے کا در دیکھا — اللہ کا گھر دیکھا

گوشے سے نشیمن کے آہوں کا اثر دیکھا — صیاد کا گھر جلتے بے برق و شرر دیکھا

دونوں کے مزے لوٹے دونوں کا اثر دیکھا — اللہ کا گھر دیکھا میخانے کا در دیکھا

یوں حشر میں سیریں کیں فردوس و جہنم کی — کچھ دیر اِدھر دیکھا کچھ دیر اُدھر دیکھا

اے شیخ وہ کعبہ ہو یا ہو درِ مےخانہ — تو نے مجھے جب دیکھا سجدے ہی میں سر دیکھا

نالہ نہیں کرنا تھا دم عشق کا بھرنا تھا — سو رنگ سے مرنا تھا ہر رنگ سے مر دیکھا

جب موج ابھرتی ہے کہتی ہے وہ شوخی سے — بازو میں بطِ مے کے سرخاب کا پر دیکھا

ٹانکے دیئے جاتے ہیں کیوں لب سیے جاتے ہیں — ہنسنے کا مزا تو نے اے زخم جگر دیکھا

نسبت نہیں تجھکو کچھ بیکس کے بجھے دل سے — بجھتے ہوئے تجھکو بھی اے شمع سحر دیکھا

سہمے ہوئے بیٹھے ہیں کھوئے ہوئے بیٹھے ہیں — جس رات کے ارماں تھے اس رات کو ڈر دیکھا

پھل پھول نہیں لاتے یہ باغ محبت میں — ہر نخل تمنا کو بے برگ و ثمر دیکھا

کعبے میں نظر آئے جو صبح اذاں دیتے — میخانے میں راتوں کو ان کا بھی گزر دیکھا

کچھ کام نہیں مے سے گو عشق ہے اس شے سے
ڈرتے رہے ریاض ایسے دامن بھی نہ تر دیکھا

مکاں ملتے ہیں کیا لامکاں نہیں ملتا — نشان لاکھ ہیں لیکن نشاں نہیں ملتا

کہیں بھی جائیں کہاں آسماں نہیں ملتا — لحد ہی ایک جگہ ہے جہاں نہیں ملتا

ہوئی ہے روشن اسی سے ہماری پیشانی — جبینِ عرش کو جو آستاں نہیں ملتا

سنی ہے میں نے بھی رنگیں نوائی ناقوس — گلے سے میرے یہ وقتِ اذاں نہیں ملتا

یہ چاہتا ہوں کہ بے منہ کے آبلوں سے مجھے — کہیں بھی خار کوئی بے زباں نہیں ملتا

بہار آتے ہی پھولوں نے چھاؤنی چھائی — کہ ڈھونڈتا ہوں مجھے آشیاں نہیں ملتا

یہ کہہ رہا ہے ترنّم ہوا کی موجوں کا — خموش پھولوں کا حسنِ بیاں نہیں ملتا

یہ شب گزار حرم ہے ضرور لے ساقی — کسی سے رات کو پیرِ مغاں نہیں ملتا

چلے نہ کام بھرے خم اگر نہ ساتھ چلیں — حرم کی راہ میں کوسوں کنواں نہیں ملتا

شفق کھلی نہ سرِ قبر پائے رنگیں سے — زمیں سے جھک کے کبھی آسماں نہیں ملتا

خدا کے واسطے پہنچا دے کوئی منزل تک — بچھڑ گیا ہوں مجھے کارواں نہیں ملتا

زبانِ حال میں اُن کی عجب لطافت ہے — کسی سے پھولوں کا حسنِ بیاں نہیں ملتا

چلے نہ ہاتھ گلے پر تو خود ہی چل جائے — انہیں گلا ہے کہ خنجر رواں نہیں ملتا

ریاضؔ چھانٹ لیا اس نے مجھ سے بوڑھے کو
کوئی بھی دخترِ رز کو جواں نہیں ملتا

گئے ہوئے مرے دل کا نشاں نہیں ملتا — لٹا ہوا کوئی اب کارواں نہیں ملتا

جو چاہتا ہوں وہ حُسنِ بیاں نہیں ملتا — کہ عندلیب سے رنگِ فغاں نہیں ملتا

لحد میں اور تو آرام ہے یہ الجھن ہے — کہ دیکھنے کو یہاں آسماں نہیں ملتا

بنی ہوئی ہے یہ ہمسایہ میفروش سے بات — اُدھار بھی ہمیں سوداگراں نہیں ملتا

نگہ کے ساتھ چلیں تیر اُڑ کے ترکش سے — اب اس ادا سے وہ ابروکماں نہیں ملتا

بہار آتے ہی تو نے بھی رنگ کچھ بدلا — ترا مزاج اب اے باغباں نہیں ملتا

کڑی نگاہوں سے میری سمجھ گیا دل میں — کہ سوتے جاگتے اب پاسباں نہیں ملتا

نہ آتی نیند غرض یہ تھی وقت کٹ جاتا — ہمیں کوئی شبِ غم قصہ خواں نہیں ملتا

ستائے جاتے ہیں راتوں کو چاند کے ٹکڑے — انہیں بھی چین تہِ آسماں نہیں ملتا

بلائیں رونقِ کاشانہ روز رہتی ہیں — کوئی حسین ہمیں میہماں نہیں ملتا

ہزار حسن سے کہتے ہیں راز قدرت کے ‏ ‏ خموش پھولوں کا حسن بیاں نہیں ملتا

یہ کھنچ کے بڑھ گئی دو ہاتھ اور قاتل سے ‏ ‏ مزاج تیغ و دم امتحاں نہیں ملتا

وہ چاہتے ہیں تصور میں کوئی آ نہ سکے ‏ ‏ انہیں گلہ ہے کوئی پاسباں نہیں ملتا

شگفتہ پھول ہے گویا مرے جسام کی قبر ‏ ‏ مگر جسام کا اس میں نشاں نہیں ملتا

لحد کی خاک سے کیا کیا اُگے ہیں لالہ و گل ‏ ‏ نکل کے مجھ سے مرا نوجواں نہیں ملتا

ریاض کو حرم و میکدہ برابر ہے
پیے شراب وہ شب کو کہاں نہیں ملتا

میخانے میں مزار ہمارا اگر بنا ‏ ‏ دنیا یہی کہے گی کہ جنت میں گھر بنا

تو بن کے گرد باد نہ دیوار و در بنا ‏ ‏ اے قیس خاک ہو کے ہوا پر نہ گھر بنا

بے پر قفس میں جان کے آئے آمد بہار ‏ ‏ تنکا جو آشیاں سے اُڑا آ کے پر بنا

میرے گلے لگا کبھی خنجر کمر سے باندھ ‏ ‏ زیب گلو بنا کبھی زیب کمر بنا

وہ بھی اجل بھی نیند بھی غش بھی شب فراق ‏ ‏ ہر ایک میرے حال سے کیوں بے خبر بنا

بوتل چرا کے لاتے تھے ہم میکدے سے روز ‏ ‏ موقع ملا تو رات کو خم بار سر بنا

اللہ ہے جو حشر ہو اس گھر کا اے اجل ‏ ‏ میری لحد ہی کہ نیا آج گھر بنا

کیا خضر بھی پہنچتے ہیں اس کی گلی میں روز ‏ ‏ یہ کون آ کے آج مرا ہمسفر بنا

دنیا کے رات دن سے الگ کچھ یہ وقت تھا ‏ ‏ میرے لئے فراق کا ہر پل پہر بنا

پانی کی طرح خون بہے جو نئے زخم سے ‏ ‏ اب کیا یہ زخم دل بھی مری چشم تر بنا

یہ شوق ہے نہ پاؤں زمیں پر پڑیں کبھی ‏ ‏ کیوں جادہ کہکشاں کا تری رہگزر بنا

ہو جس کے ٹوٹنے میں صدائے شکست دل ‏ ‏ ایسا بھی کوئی جام ارے شیشہ گر بنا

آیا جنوں میں دینے وہ نشتر مجھے ریاضؔ
ناصح کو دیکھئے کہ مرا چارہ گر بنا

مجکو نظارہ الگ سب سے میسر ہوتا
ہوتے سب خلد میں ہیں خلد کے باہر ہوتا

محفلِ وعظ میں واعظ نہ مرے سر ہوتا
عوض شیشہ اگر ہاتھ میں پتھر ہوتا

حشر ہے حشر کوئی قتلگہِ ناز نہیں
آج کیوں مہندی لگے ہاتھ میں خنجر ہوتا

اس کے ہر گوشہ میں ہوتا شرر برق کا رقص
میں تو میں کوئی نشیمن میں اگر پر ہوتا

آئینہ ساتھ ترے دیکھتے ہم بھی شب وصل
منہ ہمارا ابھی ترے منہ کے برابر ہوتا

چل سکا زور جنوں کچھ نہ ترے دامن سے
وصجیاں اُڑتیں اگر دامن محشر ہوتا

سیج پر پھولوں کی سوتے وہ عدو کے ہمراہ
دل جلوں کے لئے انگاروں کا بستر ہوتا

گھر مرا کہتے ہیں جس کو کوئی زنداں ہوگا
در و دیوار نہ ہوتے جو مرا گھر ہوتا

زندگی آٹھ پہر لطف سے کٹتی قاتل
سانس کی طرح رواں سینے میں خنجر ہوتا

مے جوانی کی طرح جس سے اُبلتی ساقی
تیری تصویر ترے ہاتھ میں ساغر ہوتا

محتسب خم شکنی سے تری بڑھتا یہ جوش
ہر طرف آج رواں چشمۂ کوثر ہوتا

طفل اشک اُن کی گلی میں جو نہ ہوتا ضایع
قد میں وہ آج قیامت کے برابر ہوتا

ساغر دل کی طرح جام کوئی دے ساقی
جو نہ بھرتا کبھی ایسا کوئی ساغر ہوتا

وہیں رہتے وہیں پیتے وہیں سجدے کرتے
ایک گوشے میں بس خم کہیں بستر ہوتا

بیخودی ہم کو نہ ہوتی تو ادھر بھی جاتے
طور پر یار کا نظارہ میسر ہوتا

مجھسے واعظ نہ کمی ہوتی ذرا خدمت میں
پی کے بھی میں نہ کبھی آپ سے باہر ہوتا

عشق کی آگ کے دن رات اُبلتے دریا
ظرف میرا بھی جہنم کے برابر ہوتا

رنگ تھے جام لب جام پہ موجیں بنتیں لب معشوق سے نازک لب ساغر ہوتا

ہم سے میخوش جو لب کھولتے واعظ کی طرح صحن مسجد میں رواں چشمۂ کوثر ہوتا

بار ہوتا نہ شب وصل نزاکت کو تری لب مراشل تبسم ترے لب پر ہوتا

ایک چلو کے نہیں کوثر و تسنیم ریاض
خاک اڑتی جو لب خشک مرا تر ہوتا

وہ کوسنا مجھے ان کا مرا دعا دینا بڑھے نہ بات یہ ہے آگ کو ہوا دینا

کہاں اڑیگی نہ زاہد کو کچھ پتا دینا چمن میں آئے تو رندو ہوا بتا دینا

تمہارے کوچے میں کچھ طور والے بیٹھے ہیں ذرا تم آکے لب بام مسکرا دینا

بلا ہے گور کی شب اس سے بڑھکے حشر کا دن نہ آؤں ہوش میں اتنی مجھے پلا دینا

رہیگا یاد انہیں بھی مجھے بھی وصل کی شب وہ ان کے ہار کی کلیوں کا مسکرا دینا

مزا ہو تنگ در خانقہ میں شیخ پھنسے بڑا سا خم کوئی رندو گلے لگا دینا

نہ لالہ زار بنانا مزار کو نہ سہی چراغ آکے کبھی شام کو جلا دینا

ہزار بار میں اس التفات کے صدقے ہمیشہ داغ مرے دل کو اک نیا دینا

ہوا سا جائیگا تا شاخ آشیاں صیاد قفس سے پر کوئی ٹوٹا ہوا اڑا دینا

ملیں گے پاؤں سے وہ اور خون شدہ دل کو لگی میں جاکے حنا اور تو لگا دینا

سحر ہے بام سے پچھلے کی نیند ہر شب وصل نسیم آکے ذرا شمع تو بجھا دینا

ہزاروں عیب چھپاتی ہے میری ریش دراز چرا لے کوئی خم مجھے بتا دینا

مرے سوا نظر آئے نہ کوئی دوزخ میں کسی کا جرم ہو مالک مجھے سزا دینا

چمک رہی ہیں نگاہوں میں بجلیاں پیہم حریم ناز سے پردہ ذرا اٹھا دینا

اِدھر اُدھر بہت آنے لگا ہے مُنہ واعظ
ذرا اسے کہیں رندو مزا چکھا دینا

سنا ہے ہم نے بہت کچھ کلیم کے مُنہ سے
ہم آئیں تو ہمیں آواز ہی سنا دینا

زباں ہو بند مری تو بھی میں کروں توبہ
دمِ اخیر مجھے بادہ جانفزا دینا

حرم ہے جائے ادب کام دیگی جنت میں
فرشتو طاق سے بوتل مری اُڑا دینا

نہ روکے طور تو ہم جائیں عرش سے اونچے
ہماری راہ سے پتھر ذرا ہٹا دینا

گراں ہے توبہ کو مینا کا شور قلقل بھی
وہ غل مچائے تو اُس کا گلا دبا دینا

شرابِ نابِ سخن کا یہ دورِ آخر ہے
ریاضؔ کی یہ غزل بزم میں سُنا دینا

اُتری ہے آسماں سے جو کل اُٹھا تو لا
طاقِ حرم سے شیخ وہ بوتل اُٹھا تو لا

لیلےٰ کے دل میں قیس نکل آئیگی جگہ
تو سر پہ آج نجد کا جنگل اُٹھا تو لا

دھونا ہی داغ جامہ احرام صبح صبح
حجرے سے شیخ پانی کی چھاگل اُٹھا تو لا

مجکو بھی انتظار تھا ابر آئے تو پیوں
ساقی اگر یہ سچ ہے کہ بادل اُٹھا تو لا

وہ حسن و ضع دیکھیں گے کیونکر جڑی ہیں دل
زرگر نئی بنی ہے جو ہیکل اُٹھا تو لا

طاقِ حرم میں شیخ گلابی ہے پھول سی
اس کام کا ملے گا تجھے پھل اُٹھا تو لا

بن جائے دن یہ تیرہ شبِ ہجر اے ندیم
روشن تھا جس سے طور وہ مشعل اُٹھا تو لا

میں کام لونگا ابر کا لے رند تان کر
تو مجھ فقیر مست کا کمل اُٹھا تو لا

اے شیخ مینہ سے دمِ افطار فرش پر
پینے کو پھول کھانے کو کچھ پھل اُٹھا تو لا

ناصح کا منہ ہو بند چکھا دوں شرابِ خُلد
ساقی ذرا ریاضؔ کی بوتل اُٹھا تو لا

مے نورِ خدا ہوتی دل عرشِ خدا ہوتا
تھوڑی سی جو پی لیتے کیا جانئے کیا ہوتا

مے نور کے ساغر میں ڈھلتی تو مزا ہوتا
ایک نور کے سانچے کا ساغر بھی ڈھلا ہوتا

تم دل میں جو آجاتے کیا جانئے کیا ہوتا
دیدارِ خدا ہوتا وہ حشر بپا ہوتا

بے خار نظر آتا۔ کانٹوں سے بھرا جنگل
چننے کے لئے کانٹے میں آبلہ پا ہوتا

صیاد قفس میں وہ آج آئی بھی لائی بھی
بے نکہتِ گل کیونکر دامانِ صبا ہوتا

مہندی لگی ہاتھوں میں رکھنا تھا قیامت تک
آلودۂ خونِ قاتل دامن نہ ترا ہوتا

ہم جاکے جو بھولے سے مسجد میں اذاں کہتے
بے دست برہمن بھی ناقوس بجا ہوتا

ہر فصل میں لطف آتا ہوتا جو کہیں دامن
پھولوں سے بھرا ہوتا کانٹوں سے بھرا ہوتا

دل ہے یہ قیامت کا ہم ہجر کے مارے ہیں
افسانہ ہمارا ابھی تھوڑا سا سنا ہوتا

خلوت گہِ دل میں تم چپکے سے جو آجاتے
پردے میں سویدا کے کیا جانئے کیا ہوتا

لطف آتے اسیری میں لے کاش قفس اپنا
پھولوں سے لدا ہوتا پھولوں سے بھرا ہوتا

آگئے ترے وحشی کے سنتا نہ کوئی اس کی
آوازۂ مجنوں بھی صحرا کی صدا ہوتا

ملتا نہ کوئی فتنہ فتنوں سے قیامت کے
کوچہ وہ تمہارا تھا ہر فتنہ نیا ہوتا

اچھا تھا مرے مالک یوں میری گزر جاتی
درگاہ تری ہوتی یہ دستِ دعا ہوتا

رحمت سے ریاض اس کی تھے ساتھ فرشتے تو
اک حور جو بڑھ جاتی تو اور مزا ہوتا

میں سمجھا جب جھلکتا سامنے جامِ شراب آیا
مرا منہ چومنے شاید مرا مستِ شباب آیا

ترے نازک سے چہرے پر جہاں رنگِ عتاب آیا
صباحت رخ کی بول اٹھی کہ رخ زیرِ نقاب آیا

قیامت اٹھتی رہتی ہے یہاں یہ تو گلی اس کی
کہاں پامال ہونے تو دلِ خانہ خراب آیا

سرِ تربت بھی گھوڑے پہ ہو کے وہ سوار آئے　　قیامت ہم عنان آئی نہ دشمن ہم رکاب آیا
ہوئے ہنگامہائے حشر کتنے گوشۂ دل میں　　وہ میرے سامنے کچھ اس ادا سے بے نقاب آیا
وہ آئے سیرِ دریا کے لئے تو بجھ گئیں موجیں　　قدم سے اُن کے اپنی آنکھ ملنے ہر حباب آیا
بہت بوسے لئے ہیں میں نے ان کافر حسینوں کے　　مزا آئیگا مجکو بھی اگر روزِ حساب آیا
تکلف برطرف اے شیخ صحبت ز آبیں کی　　مرے آگے شراب آئی ترے آگے کباب آیا
اسی کوشش میں کتنی ہجر کی راتیں ہوئیں آخر　　نہ اُن کے گیسوؤں کا میرے دل میں پیچ و تاب آیا
خیالِ یار کے صدقے خیالِ یار ہی ہو گا　　تسلّی مجکو دینے کوئی وقت اضطراب آیا
تری نوکِ قلم نے دل میں گہرے زخم ڈالے ہیں　　ہزاروں دشنہ و نشتر لئے خط کا جواب آیا
وہ تصویر آج تک محفوظ ہے چشمِ تصور میں　　ترے بچپن سے جب اٹکھیلیاں کرتا شباب آیا
نہیں موجیں ہیں سیلِ حوادث کے طمانچے ہیں　　اُسے کھانا پڑی منہ کی ابھر کر جب حباب آیا
برابر میری تربت کے کیا ہے دفن دشمن کو　　یہ اچھا میرے حصے میں جہنم کا عذاب آیا
کہیں دعوت میں کل ہم اور واعظ پاس بیٹھے تھے　　کوئی لیکر شراب آیا کوئی لیکر کباب آیا
لحد پر میری بھیجا جو عدو کو فاتحہ پڑھنے　　جو پہنچانے ثواب آیا وہی بنکر عذاب آیا
جو آئے بھی تو گھوڑے پر ہو کے وہ سوار آئے　　عدو بھی ساتھ سائے کی طرح تھامے رکاب آیا
ہوا بنتِ عنب سے عقد اس پیرانہ سالی میں　　مبارک ہو مجھے ساقی بڑھاپے میں شباب آیا

نرالے ہیں ہمیں دنیا میں توبہ توڑنے والے
اِدھر ساقی ریاضؔ آئے اُدھر جامِ شراب آیا

مدینے میں گدائی کر کے میں خوددار ہو جاتا　　کہاں کا طور گھر بیٹھے مجھے دیدار ہو جاتا
یہ دل داغوں بھرا تیرے گلے کا ہار ہو جاتا　　گلے کے ہار کا ہر پھول تجھکو بار ہو جاتا

کرم سے تیرے ساقی دشمن بیدار ہوجاتا   بس اتنی تجکو مل جاتی کہ میں ہشیار ہوجاتا

عدو پر آج ہلکا سا مرا بھی وار ہوجاتا   مرا نالہ بھی کچھ کر یار کی تلوار ہوجاتا

کہیں عیسیٰ نفس آتے اگر میری عیادت کو   کبھی اچھا نہ ہوتا اس طرح بیمار ہوجاتا

یہ رہنا چاہتا ہر وقت حسرت تیری نوک میں   ہمیں سمجھتا دل کی تو جینا تجھے دشوار ہوجاتا

نکلنا ہی تجھے ترکش سے ناوک کا قیامت تھا   کہ آتے آتے پہلی بس جگر کے پار ہوجاتا

میں بس جاتا اگر آ بیٹھتا دیوار کے نیچے   گراں اتنا اسی کا سایۂ دیوار ہوجاتا

مرے سینے میں رہ جاتا یہ میرا زخم دل بنکر   لہو سے سینچ اتنا تو لب سوفار ہوجاتا

قدم اپنا اٹھاتے ہم اگر صحرا نوردی کو   تو گلگشت نقش پا ہر وادی پرخار ہوجاتا

ابھی بچپن ہے دل لیتے تو بنتی کس طرح دل سے   یہی ہوتا کبھی دشمن کبھی وہ یار ہوجاتا

اگر اس کو لئے جاتا میں اپنے ساتھ کعبے میں   حرم تیرے برہمن ہاں رشتۂ زنار ہوجاتا

ارے واعظ جو تیرے حلق سے گھونٹ اتر جاتی   ابھی تو ہر رشتۂ جبہ و دستار ہوجاتا

نکلتی ساتھ رندوں کے لحد سے کشتی مے بھی   کنارہ حشر کے طوفان سے بیڑا پار ہوجاتا

گلی میں ان بتوں کی تنکے چنتے دیکھتے تجکو   اگر واعظ تجھے بھی عشق کا آزار ہوجاتا

ریاض اس سے اگر جا کر کبھی ہم تجھ بن سنتے

تو وحشی قیس دو دن میں ہمارا یار ہوجاتا

نہ جلوہ طور سوز تیرا نہ جلوہ برق تاب تیرا   ادھر سے تجلی گرا رہا ہے یہ کوئی تار نقاب تیرا

لئے ہیں گن گن کے بوسے میں نے یہ دو ہیں گن گن کے دینے ہوں تو   برا برا ترے گا دیکھ لینا حساب میرا حساب تیرا

شباب ہوں میں جو بن کیا ہی جبین گو تو کیا ستا رہا ہے   تو نے سنی جو یہ رہا ہو تو وہ رہا ہے رباب تیرا

تجھے ہو یہ دے عذاب واعظ مجھے ہو دے ثواب واعظ   عجیب شے ہے ثواب واعظ مجھی کو عذاب تیرا

مزاج تیرا ہی آسمان پہ نہ پانی پانی ہو تو اُبھر کر — نہ دیکھے نیچا ہوا میں بھر کر سر غرور لے حباب تیرا

اُڑیگا رنگ نقاب اس سے کھُلیگا رنگ عتاب اس سے — چھپا سکیگی نقاب کیونکر یہ چہرہ تیرا عتاب تیرا

نہ تجھ سے واعظ مجھے تکلف نہ مجھ سے واعظ تجھے تکلف — ہر ایک دعوت میں بے تکلف شراب میری کباب تیرا

دبے گا ہر گلعذار اس سے دبے گا سب کا اُبھار اس سے — دبے گا جوش بہار اس سے یہ جوش پر ہے شباب تیرا

ہجوم محشر میں پیش داور یہ میرے لب زخم کے لب تر — زبان تیری زبان خنجر سوال میرا جواب تیرا

میں کہہ رہا ہوں پکارے ساقی کرشمے تیری ہیں سارے ساقی — یہ چاند سورج ستارے ساقی ہر ایک جام شراب تیرا

کچھ آج مجھ سے مٹے ہوئے پر ترس یہ کس کو ریاض آیا
سنا کے مجکو کہا یہ کس نے بھلا ہو خانہ خراب تیرا

بندھا ہر کافر و دیندار کو اک تار میں دیکھا — عجب نازک سا رشتہ سبحہ و زنار میں دیکھا

فرشتے شیخ کے جھک جھک کے دھوتے آب زمزم سے — کبھی وہ قبا نہ ہم نے دامن میخوار میں دیکھا

ترے صدقے اسی کو ڈھونڈتا ہوں وہ مرا دل ہے — جسے تو نے ہجوم فتنۂ رفتار میں دیکھا

تصور ہی تو ہے دل ہو کہ میری آنکھ کی پتلی — وہ کہتے ہیں کسی کو روزن دیوار میں دیکھا

چھپی اودی گھٹاؤں میں وہ پریاں تھیں جنھیں ساقی — اُتر کر رقص کرتے دامن کہسار میں دیکھا

اُمید افزا تبسم بھی نہیں کے ساتھ تھا لب پر — عجب اقرار کا پہلو ترے انکار میں دیکھا

گندھی کلیوں میں شاید دل بھی میرا تھا سر محرم — یہ شرما کر کسے تم نے گلے کے ہار میں دیکھا

میں وہ بیتاب ہوں طاقت بھری ہی مجھ میں بجلی کی — ہلے جب پر قفس رکھا ہوا گلزار میں دیکھا

یہی ہیں وہ ریاض اے شیخ جو جیبیں کترتے ہیں
جنہیں تو نے ہمیشہ جبہ و دستار میں دیکھا

نمایاں ہر ہجوم فتنۂ رفتار میں دیکھا — حنا کا رنگ ہم نے نقش پائے یار میں دیکھا

نظر آیا نہ پہلو میں تو ڈھونڈا اس طرح دل کو | خم گیسو میں دیکھا پھر گلے کے ہار میں دیکھا

نگہ کیونکر نہ دوڑے دل میں انہیں چبھ کچھ گئے کانٹے | مجھے آتے ہوئے جب وادی پر خار میں دیکھا

کسی کی جان پڑتا فلک اتنی بلندی سے | سبب بیٹھا تمہارے سایۂ دیوار میں دیکھا

ڈراتا ہے ہمیں محشر سے تو واعظ ارے جا بھی | یہ ہنگامہ تو ہم نے روز کوئے یار میں دیکھا

ریاض اس مرتبہ روزے ہمارے لطف سے گزرے

ہلال عید ہم نے دامن کہسار میں دیکھا

انگشت نما آپ سے قاتل نہیں ہوتا | بات اتنی ہے پیکاں سے جدا دل نہیں ہوتا

ہاتھوں سے جدا خنجر قاتل نہیں ہوتا | ہاتھ ایسے ہیں جن سے کوئی بسمل نہیں ہوتا

کمبخت وہی دل ہے کہ تھا ہار گلے کا | اب ہار کے پھولوں میں بھی شامل نہیں ہوتا

تسکین ہی کچھ رہتی ہے گو ڈوب ہی جائے | کشتی سے مری دور جو ساحل نہیں ہوتا

کہتے ہیں تجھے آگ لگے اے دل پر داغ | ٹھنڈا تری ان گرمیوں سے دل نہیں ہوتا

ہم تھک کے کبھی گر کے اٹھے اٹھ کے چلے بھی | تجھ پر اثر اے دوری منزل نہیں ہوتا

داغ اتنے حسینوں سے اٹھائے مرے دل نے | ہو چاندی سی بھی شکل تو مائل نہیں ہوتا

بے تو نے ستم ہاتھ نہیں رہتے ہیں خالی | بیچاری حنا پستی ہے جب دل نہیں ہوتا

اے پیچشکن زلف کی دن رات بلائیں | دیوانہ اب ایسا کوئی اے دل نہیں ہوتا

مجنوں کی جھلک تجھ میں شاید نظر آئی | محمل سے جدا پردۂ محمل نہیں ہوتا

ان شوخ حسینوں سے یہ اب جا کے کہے کون | بت ہوتے ہیں پتھر کا مگر دل نہیں ہوتا

آتے نہیں پروانے جو شمع فسردہ | جب بزم میں وہ رونق محفل نہیں ہوتا

بیٹھا نہیں رہتا ہوں نہیں شغل سے خالی | میں کام سے اپنے کبھی غافل نہیں ہوتا

صیاد نے جا جا کے چمن کر دیئے خالی — سنتا ہوں کہ اب شورِ عنادل نہیں ہوتا

پاجاتے ہیں جب آپ کسی پر کبھی قابو

پہلو میں ترے احسن آپ کے یہ دل نہیں ہوتا

آنکھ میں شوخ حسینوں کے سمانا دل کا — ہم نے دیکھا ہے جوانی میں زمانا دل کا

وہ تلے ہیں کہ اڑائینگے نشانا دل کا — ہم دکھائینگے انہیں چوٹ بچانا دل کا

تیر مژگاں سے ہے دشوار بچانا دل کا — بال باندھا وہ اڑاتا ہے نشانا دل کا

اب یہ تانا کہ لئے کہتے ہیں آنا دل کا — ہم ہنسی کھیل سمجھتے تھے لگانا دل کا

ان حسینوں کا تو بازار لگا رہتا تھا — ہائے وہ وقت کہ گاہک تھا زمانا دل کا

کیوں نہ چن چن کے ترے تیر جگر میں کھاؤں — کس مزے سے یہ اڑاتے ہیں نشانا دل کا

بیقراری نہ جگہ بیٹھ کے لینے پائے — ان کے کوچے میں لگا آئے ٹھکانا دل کا

کیا زمانے کا اثر ہے کہ ہوا خون سپید — آنکھ کا کام نہ تھا خون بہانا دل کا

عالمِ ہو میں کچھ آواز سی آجاتی ہے — چپکے چپکے کوئی کہتا ہے فسانا دل کا

طائرِ رنگِ حنا بن کے رہا ہاتھوں میں — کوئی دیکھے تو ذرا رنگ جمانا دل کا

درد دل آج سنایا جو انہیں رو رو کر — ہنس کے بولے کہ یہ قصہ ہے پرانا دل کا

اپنے سائے میں لئے ہے تری مژگاں دراز — چھاؤں میں تیروں کے اب تو ہے ٹھکانا دل کا

ٹوٹے پڑتے ہیں جو سننے کو حسیں ایک پر ایک — حشر میں چھیڑ دیا کس نے فسانا دل کا

نہ جگہ دل میں ترے ہے نہ ترے کوچے میں — نہ ٹھکانا کہیں میرا نہ ٹھکانا دل کا

وقت کے ساتھ گئیں وقت کی باتیں بھی اے احسن

نہ وہ ہم ہیں نہ وہ دل ہے نہ زمانہ دل کا

قفس سے اُڑ دوں تو نہ آوازدینا　　مدد اتنی لئے بال پرواز دینا

مرے ٹوٹے دل سے ہم آواز دینا　　مجھے کوئی ٹوٹا ہوا ساز دینا

مجھے بال و پر مایہ ناز دینا　　خدایا پرِ عرش پرواز دینا

خدایا ہو آغاز انجام جس کا　　جوانی کو میری وہ آغاز دینا

جو پوچھوں کہ پہلو سے دل لیگیا کون　　ہوا بھی نہ اے ناوکِ ناز دینا

میں کہتا ہوں مینا سے جب اُٹھے بادل　　صدا میرے طاوس طناز دینا

فریب ادا سے جو لے کام یارب　　وہ معشوق دم ساز دمباز دینا

وہ جانا مرا روٹھکر میکدے سے　　صراحی کا مجکو وہ آواز دینا

نرالی زمانے سے ہو چال جس کی　　خدایا وہ معشوق طناز دینا

شریکِ شکارِ لبِ جو تھا ناصح　　مجھے قاز آئے روغنِ قاز دینا

کسی خوش گلو کا ہے اصرار کب سے
ریاضؔ اک غزل مایۂ ناز دینا

ایسا ہو تو وہ اُس بتِ خودبیں سے بھی اچھا　　میرا ہو تو ایمان سے مرے دین سے بھی اچھا

اے تاک عجب حسن عجب بات ہے اس میں　　خوشہ ہے ترا خوشۂ پروین سے بھی اچھا

ہوتا ہی نہیں اب مرے سینے سے جدا داغ　　ہمدرد ملا یہ دلِ غمگین سے بھی اچھا

پیچیدہ دل اس زلف گرہ گیر میں رہ کر　　نکلا گرہ گیسوئے مشکیں سے بھی اچھا

اے وسعتِ دل تھوڑی جگہ دے کہ بنا لوں　　بتخانہ کوئی بتکدۂ چین سے بھی اچھا

شانہ دلِ صد چاک کا لے اس کی بلائیں　　یہ مشغلہ ہے زلف کی تزئیں سے بھی اچھا

خوش رنگ ہوا ہے گلِ قالین سے ہر اک داغ　　آ بیٹھو دلِ نرم ہے قالیں سے بھی اچھا

پیوستہ رہا ہو ترے لب سے جو لبِ جام | رل جائے مجھے تو لبِ لعلین سے بھی اچھا
اے شمع اُدھر آ کے جو وہ بیٹھ گئے ہیں | پائین لحد ہے مرے بالین سے بھی اچھا

چیدہ گل اشعار ریاض اس میں ہیں کیا کیا
گلچیں تو رہا دامنِ گلچیں سے بھی اچھا

مٹ چکا اب نشان مدفن کا | نام اس پر لکھا ہے دشمن کا
آئے یہ کہتے میرے مدفن پر | منھ چھپاتا ہے شمع روشن کا
اُٹھ گیا آج وہ بھی دنیا سے | قیس ساتھی تھا میرے بچپن کا
حشر کے دن اُٹھوں میں قبر سے کیا | بوجھ مجھ پر ہے سیکڑوں من کا
مسی مالیدہ لب پر آئی ہنسی | بنگیا پھول غنچہ سوسن کا
اشک کے تار کو میں روؤں کیا | آستین کا نہ میرے دامن کا
میں چلا ہوں عدم کو خالی ہاتھ | چور کا ڈر نہ خوف رہزن کا
ایک شعلہ سا روز اُٹھتا ہے | سینہ ٹکڑا ہے دشت ایمن کا

اے ریاض آفتاب حشر نہیں
رنگ لایا ہے داغ دامن کا

حشر میں ایک بھی تو داغ بہ داماں نہ رہا | کوئی عصیاں جو بچا مجھ سے وہ عصیاں نہ رہا
کام اب ضبط سے لینا بھی کچھ آساں نہ رہا | میرے قابو میں مرے اشک کا طوفاں نہ رہا
دامن آلودۂ مے کر نہ سکی مجکو بہار | گل بہ داماں تو رہا داغ بہ داماں نہ رہا
ستارۂ ابلیس نے نئے دین میں رخنے ڈالے | جو ہو متنفس اس سے وہ مسلماں نہ رہا
آگیا یاد مجھے آنکھ بدلنا اُن کا | شکوہ تجسے مجھے اے گردش دوراں نہ رہا

شوخیاں اتنی بڑھیں نیچی نگاہیں بھی گئیں
حسن بے پردہ کا اب کوئی نگہباں نہ رہا

اثر انداز نہ ہوگا وہ بھری محفل میں
شمع عریاں کی طرح حسن جو عریاں نہ رہا

پردہ داری کی جگہ پردہ دری نے لے لی
سوز پنہاں نہ رہا ساز بھی پنہاں نہ رہا

دونوں جاں دادۂ مذہب ہیں مگر وقت کی بات
کوئی ہندو نہ رہا کوئی مسلماں نہ رہا

سحر کاری تری اے عالم فانی دیکھی
گھر تک آتے اثر گور غریباں نہ رہا

کھل کے ہر بزم میں لب تک مرے آجاتا ہے
اب مرا جام چراغ تہ داماں نہ رہا

نہ رہے جبہ و دستار امامت باقی
غم غلط کرنے کو افسوس یہ ساماں نہ رہا

مختصر وقت میں کیا کچھ نہ ہوا وصل کی شب
مجکو حسرت نہ رہی آپ کو ارماں نہ رہا

کیوں بھٹکتی نہ پھرے کوہکن و قیس کی روح
کوہ وہ کوہ بیاباں وہ بیاباں نہ رہا

دشنہ و نشتر و پیکاں کی قسمت ہے کہاں
چٹکیاں لینے کو دل میں کوئی ارماں نہ رہا

راہی خلد ہوئے میکدے میں آج ریاض
خم کدھر سجدہ کریں کعبۂ ایماں نہ رہا

منہ زیر تاک کھولا واعظ بہت ہی چوکا
بیلوں نے ڈاڑھی پکڑی خوشوں نے منہ میں تھوکا

کہتا ہے کیوں انا الحق جو قطرہ ہے لہو کا
منہ کھل گیا ہے شاید میری رگ گلو کا

شوخی جو برق کی ہے گرمی شرار کی ہے
کچھ کہہ رہا ہے مجھسے انداز گفتگو کا

دھوتا ہے وقت آخر منہ کی مجھے سیاہی
اے اشک شرم اب بھی موقع ہے شست و شو کا

کیوں طفل اشک لپٹے اے دل نہ آستیں سے
پروردہ ہے یہ میرے دامان آرزو کا

ساقی بہار در کف بھول آئے میکدے سے
طوفاں اٹھ رہا ہے گلشن میں رنگ و بو کا

واعظ تجھے خبر ہے میخانہ کس کا گھر ہے
خم اس کی پشت پر ہے کھلوا نہ منہ سبو کا

میرے بدن کے روئیں آوازدیں گے ہُو کی — صحرا میں گھر ہے میرا گھر ہے مقام ہُو کا

یکساں ہے خونچکانی یکساں ہے خونفشانی — ہیں ایک دیدہ و دل یہ جوش ہے لہو کا

سمجھے ہیں خضر جس کو صحرا نوردِ الفت — نقشِ فنا وہ اک ہے وہ پائے جستجو کا

گرداب دل حباب اس میں غرق آفتاب ہیں — دل کی بساط کیا ہے ایک قطرہ ہے لہو کا

کیوں اتنے اونچے جائیں کیوں اُلٹی منہ کی کھائیں — آتا ہے اپنے منہ پر جب آسماں کا تھوکا

دونوں بہت ہیں نازک ان نازنیں بتوں سے — اللہ ہے نگہبان ایمان و آبرو کا

انگور ہی میں اترا قسمت کا آب و دانہ — میں تھا اسی کا پیاسا میں تھا اسی کا بھوکا

میں اے ریاضؔ خوش ہوں اک بوریا ہی میں ہوں
پہلے جو ظرف مے تھا اب ظرف ہے وضو کا

آئینہ دیکھتے ہی وہ دیوانہ ہو گیا — دیکھا کسے کہ شمع سے پروانہ ہو گیا

گل کر کے شمع سوئے تھے ہم نامراد آج — روشن کسی کے آنے سے کاشانہ ہو گیا

دیوانہ قیس پہلے ہمیں چھیڑتا رہا — پھر رفتہ رفتہ سنجا ہیں یارانہ ہو گیا

کافی نہ تھی خم کو ہوئے گلہائے ابر — اب اس قدر وسیع یہ خم خانہ ہو گیا

حاصل یہ اختصاص ہے اس دل کو یہ شرف — کعبہ بنا کبھی کبھی بتخانہ ہو گیا

لائے چرا کے بہرِ پرستش بتوں کو گھر — ویران چار روز میں بتخانہ ہو گیا

منہ چوم لوں کسی نے کہا مجکو دیکھکر — دیوانہ تھا ہی اور بھی دیوانہ ہو گیا

توڑی تھی جس سے توبہ کسی نے ہزار بار — افسوس نذرِ توبہ وہ پیمانہ ہو گیا

مے توبہ بن کے آئی تھی لب تک کہ اے ریاضؔ
لبریز اپنی عمر کا پیمانہ ہو گیا

آگیا تقدیر سے میری مدینا آگیا — جس سے بام عرش پہ پہنچوں وہ زینا آگیا

ہر قدم پر موت کا مجکو پسینا آگیا — عشق میں مرنا تو کیا مر مر کے جینا آگیا

رات ہر اک عید کا دن شام ہر اک صبح عید — اب وہ راتیں آگئیں اب وہ مہینا آگیا

مجھسے عاصی کا ہوا جب ان کی امت میں شمار — حشر کے دن شرم سے مجکو پسینا آگیا

خم کے خم پی جائیں ہم ضایع نہ ہو اک بوند بھی — باندھکر چلّو میں اب مے کا پینا آگیا

نام اقدس نقش ہے مہر نبوت کی طرح — کام میرے اب مرے دل کا نگینا آگیا

جان تک تھا صبر گا بک تری ایمان کے — آگیا کافر بتوں سے دل میں کینا آگیا

لے جنوں کچھ دھجیاں میرے گلے میں ڈالدے — پھوٹتی ہے جس میں کونپل وہ مہینا آگیا

اک جنازہ دوش پر بحر عدم قعر لحد — ہم سمجھے تھے کہ ساحل پر سفینا آگیا

میرے شیشے کی پری ہے گنبد خضرا کا عکس — میکشو جان مدینہ سبز مینا آگیا

حشر زا ہے کس اوج سے آرزوں کا ہجوم — بزم دل میں بزم اقدس کا قرینا آگیا

سیر کرتی ہے مجھے کیونکر مری تشنہ گاہ — مجکو ماہ صوم میں اس مے کا پینا آگیا

میں جو آیا غیر سے ہنسکر کہا اس نے ریاض
ختم ہے جس پر شرافت وہ کمینا آگیا

تکلیف سے بچ جائیگی نازک سی کمر اب
آئے بھی تو وہ بیٹھ گئے تھام کے سر اب

سر پھوڑیں کہاں جا کے نہ دیوار نہ در اب
صحرا ہے یہ صحرا ہے کوئی گھر ہے یہ گھر اب

ہے نور کا عالم رخ روشن کی ضیا سے
وہ خوش ہیں شب وصل کی ہوتی ہے سحر اب

کم بخت نے سیکھی ہیں تمہاری ہی ادائیں
آغوش دعا میں کہیں آتا ہے اثر اب

چھیڑو نہ مجھے دل کو تو میں رو ہی چکا ہوں
کھائے نہ کہیں جوش مرا خون جگر اب

میں وصل کی شب اٹھ کے گلا گھونٹ ہی دونگا
بولا کبھی بھولے سے جو لے مرغ سحر اب

نازک تو وہ تھے ہو گئے کچھ اور بھی نازک
بل کھاتے ہیں گیسو تو لچکتی ہے کمر اب

جس چاند کی صورت کی میں لیتا تھا بلائیں
اٹھتی ہے تکلف سے ادھر میری نظر اب

دل حشر کے فتنوں سے سوا جمع ہوئے ہیں
آباد ہوئی جا کے تری راہگذر اب

آفت تھی نشیمن میں یہ مجھ سوختہ جاں تک
جھلکتی ہے نہ بجلی نہ لپکتے ہیں شرر اب

کھویا ہمیں ان بیخودیٔ عشق نے ایسا
باقی نہیں سو ان ہمیں اپنی ہی خبر اب

اب پاؤں نہ جمتا ہے نہ اٹھتا ہے کسی کا
کچھ اور سے ہے اور تری راہگذر اب

چھوٹیں بھی تو صیاد قفس چھٹ نہیں سکتا
ٹوٹے ہیں کچھ ایسے کہ نکلتے نہیں پر اب

یہ بے اثری آنکھ سے دیکھی نہیں جاتی
اچھا ہے یہی پھوٹ بہیں دیدۂ تر اب

کچھ اور ہی باتیں ہیں تو کچھ اور ہی گھاتیں
کھل کھیلی ہے کچھ آپ کی دزدیدہ نظر اب

ن کے مرے جھگڑے میں ٹوا نہیں پڑتا | کچھ ڈر سا گیا ہو نہ ادھر ہے نہ اُدھر اب
وستے ہوئے اُٹھے وہ پیٹتے ہیں کر سے | اب کچھ نہ کہیں گیسوؤں سے تیغ کمر اب
یوانے ہیں مرغانِ سحر بول رہے ہیں | یہ ہجر کی شب ہے کہیں ہوتی ہے سحر اب

ابھی نہیں غفلت یہ ریاضؔ اب دم آخر
ہے وقتِ سفر کیجیے ساماں سفر اب

فریاد میں کم ہے اثرِ دردِ نہاں اب | ہم آپ بدلتے کو ہیں اندازِ فغاں اب
لے بھی تو کس وقت وہ آئے سرِ بالیں | کہتا ہوں کوئی بات تو رکتی ہے زباں اب
رزہ ہوئے اشکوں سے گھر کے در و دیوار | رونے کے لئے لیں گے کرائے کا مکاں اب
دھو سکتے ہیں بادہ کشی اُسے بھی کوئی دو گھونٹ | پہلے سے بہت نرم ہے واعظ کی زباں اب
وہ گل نہ وہ باغ نہ وہ شاخِ نشیمن | اے اہلِ قفس چھوٹ کے ہم جائیں کہاں اب
پہنچتے ترے صیاد یہ بازو قفس چمن تک | کچھ فکرِ بہار اب ہے نہ کچھ فکرِ خزاں اب
وہ وقتِ عنب تھی جو پڑی توبہ سے پہلے | توبہ شکنوں میں ہے وہی خورِ جہاں اب
اب ہے تری قسمت میں بھٹکتے ہوئے پھرنا | لے پاس نہ تربت ہے نہ تربت کا نشاں اب
آ بیٹھے ہیں رند انجمنِ وعظ میں دو چار | اچھا ہے اگر ہوئے کوثر کا بیاں اب

ہر روز ہے کیوں ریشِ مبارک کی صفائی
کچھ تو نہیں ہوتے کہ ریاضؔ آپ جواں اب

ملقلِ مینا اُسے کیوں ہے برابر کا جواب | بات واعظ کی ہے دیوانے کے پتھر کا جواب
کیا ہے گل کھل رہے ہیں واہ رے فیضِ بہار | اندلوں منقارِ بلبل ہے گلِ تر کا جواب
چڑھ تو جائے مسے فرا ساقی دماغِ رند پر | خطِ پیشانی بنے گا خطِ ساغر کا جواب

آئے تو وہ لوں۔ بلائیں لمبی لمبی رات کے — ہو شب وعدہ الٰہی روز محشر کا جواب

اپنی عرض مدعا پر سُن چکا میں سُن چکا — بندہ پرور کی زباں ہے بندہ پرور کا جواب

زخم دل نے خون پانی ایک میرا کر دیا — کس طرح اس کو بناؤں دیدۂ تر کا جواب

وہ اشارے کا یہ اُن کے ہاتھ کی محتاج ہے — ہو گی کیا تیغ کمر ابرو کے خنجر کا جواب

سُن کے میرا حال دل وہ بن گیا میرا رقیب — میں بہت کھویا ہوا ہوں سُن کے پیمبر کا جواب

حشر فتنے لاکھ اٹھائے خود اُٹھے سب کچھ ہی — لیکن اُس کے پاس کیا ہے اُنکی ٹھوکر کا جواب

ہے اثر یکساں حوادث کا گل و بلبل کے ساتھ — پنکھڑی ہی پھول کی ٹوٹے ہوئے پر کا جواب

ایسی کیا کچھ گھڑے کی ہی چڑھی مجکو ریاضؔ
شیخ کو پتھر سے دوں میں جام کوثر کا جواب

کہاں سے لائے کوئی رد ناب کباب شراب — ہماری جان کا آخر ہوئی عذاب شراب

لگا کے دھوکے سے منہ شیخ پھر نہ چھوڑ سکا — پکارتا ہی رہا میں ارے شراب شراب

وہ چیز اور تھی وہ نشہ اور تھا ساقی — مرے شباب کا بنتی ہے کیوں جواب شراب

خم فلک تو ہی خالی وہ اس کے گرد ہے کیوں — ہمارے جام سے لے جام آفتاب شراب

پیوں تو حلق میں پیچ میرے ڈالتی ہے لکیر — نہ منھ لگاؤں تو ہوتی ہے آپ آب شراب

مے کہن نے نکالا ہے رنگ ساغر میں — دکھا رہی ہے بڑھاپے میں بھی شباب شراب

اُتار دوں حلق سے دو چار شہد و شیر کے گھونٹ — کہے جو شیخ یہ کیا ہے کہوں جناب شراب

حساب سے دم محشر معاف ہی رکھو — فرشتو بولے کہ ہم آئے ہیں لیے حساب شراب

سُنی ہیں رندوں سے کوثر پرستیاں اُس کی — پیئے بھی شیخ تو کھاتی ہے پیچ و تاب شراب

کوئی جو بہکے۔ بنے بڑھ کے راہبر ہر موج — بتائے بادہ کشو نکو رہِ ثواب شراب

کشید خاص کا گھر پہ ہوا اہتمام ریاض

کہ میفروش تو دیتے ہیں اب خراب شراب

ہے صحن چمن سے دامن کہسار بہت خوب — رہنے کو ملے تو ہے در یار بہت خوب

کہنے کو ہمارے بھی ہیں اشعار بہت خوب — سچ یہ ہے کہ فرماتے ہیں سرکار بہت خوب

آنکھوں سے وہ جاتی نہیں سکتی دم آخر — دیدار سے تو حسرت دیدار بہت خوب

تصویر میں بوسوں کے نشاں حسن فزا ہیں — کھنچنے میں ہے آپ کے رخسار بہت خوب

آئے ہیں جو میخانے میں واعظ بہت اچھا — ہر گردہ یہاں آتے ہیں ہشیار بہت خوب

اب ورد رسائی ہوئی بام تک ان کے — ہم کو نظر آتے ہیں یہ آثار بہت خوب

کچھ فرق زیادہ نہیں گلزار و قفس میں — گلپوش قفس خوب ہے گلزار بہت خوب

جو بات ہو بن بانی ہے کچھ دیدہ و دل پر — قسمت سے ہوئے ہیں تجھے غمخوار بہت خوب

سہرا ترے سر خوب باصافی سے کہ — واعظ ہے یہ تیری نئی دستار بہت خوب

جس رنگ میں گزرے ساری تھیاں وہ کھرے ہے — تنکے بھی جو ہوں تو بھی ہیں گلزار بہت خوب

یہ رنگ یہ شوخی یہ نفاست یہ سلاست

کہتے ہیں ریاض آپ تو اشعار بہت خوب

اپنے دیوانوں سے سن لو تم فغان عندلیب — ہم تو یہ جا کے سیکھی ہیں زبان عندلیب

برق کیسی اور کیسا آشیان عندلیب — وہ قفس ہے جس میں پڑی ہے قفل پر جان عندلیب

کیا بھلا دیں گے نشیمن کو قفس کے پر چھول — ہائے وہ اجڑا ہوا سا آشیان عندلیب

باغ میں نازک لب گل سے آتی ہے صدا — نکہت ہو نہ دیکر سنکر بیان عندلیب

تھا یقیں سر پہ اٹھا لیگی یہ گھر صیاد کا — دو ہی دن میں کیا ہوئی تاب و توان عندلیب

باغ میں تنکا نشیمن کا نہ پر ٹوٹا ہوا — ہائے کیسا مٹ گیا نام و نشان عندلیب

کیوں قفس کے گرد پھر جاتی ہیں آ کر رات کو — برق کے شعلے بنے ہیں پاسبان عندلیب

ہیں قفس کے گرد کیسے کیسے مرغان چمن — ہم صفیر آ کر ہوئے ہیں میہمان عندلیب

آشیان برباد کو ہے تنکے تنکے کا خیال — خانۂ صیاد گویا ہے مکان عندلیب

آنکھیں کھل جاتی ہیں اے گل شکل بلبل دیکھ کر — کان کھل جاتے ہیں سنکر داستان عندلیب

کوئی دیوانہ کہے یا کوئی سودائی کہے

اے ریاض اک ہم سمجھتے ہیں زبان عندلیب

رات دن ہے ایک حالت پر فغان عندلیب — اب کہیں تالو سے لگتی ہے زبان عندلیب

عندلیب اب ہے نہ باقی آشیان عندلیب — مٹ گیا گلزار سے نام و نشان عندلیب

ہے بہت حسرت فزا طرز بیان عندلیب — ٹکڑے کرتی ہے جگر کو داستان عندلیب

وسعت گلشن بھی ناکافی پر پرواز کو — یا قفس اب ہے زمین و آسمان عندلیب

کس تکلف سے زمین باغ میں ہے فرش گل — ان کے دیوانے ہوئے ہیں میہمان عندلیب

فصل گل جاتی ہے جھونکے ایسے صرصر کے چلے — اڑ کے آیا ہے قفس تک آشیان عندلیب

کاٹ کر پھولوں میں رکھ دو تو نہ پہچانے کوئی — پنکھڑی ہے پھول کی یا ہے زبان عندلیب

دست ماتم شاخ گل ہے اہل ماتم نخل گل — گل زبان حال سے ہیں نوحہ خوان عندلیب

ایسی نازک ٹھہری ہے وزن گل کانٹے کی تول — ایسی لاغر ہے رگ گل استخوان عندلیب

فصل گل آنے ہی کیا رنگ بلبل جم گیا — پھول کھل کر بن گئے ہیں آشیان عندلیب

ایک تو صیاد وہ یونہی ہی تھی دھان پان — خشک تیرے خوف سے ہے اور جان عندلیب

خاک اڑ جائیگی تیرے باغ میں اے باغباں — کوچ کر جائے گا کل تک کاروان عندلیب

چپ ہی کیوں تھا قفس میں نغمہ سنجی کیا ہوئی — کاٹ لی صیاد نے شاید زبانِ عندلیب

اور ہی رنگِ اثر ہے آگئی شاید بہار — چٹکیاں لینے لگی دل میں فغانِ عندلیب

آشیاں اپنا بنایا زاغ نے اونچا تو کیا — ایسی باتوں سے کہیں گھٹتی ہے شانِ عندلیب

ہاتھ تو بس ہاتھ سے ناوک نگن ٹپکے لہو — کوئی ناوک تھا کہ مرگِ ناگہانِ عندلیب

پھونک دو منہ سے تو اُڑ جائے تنکے کی طرح — گھل گئے کیسے قفس میں جسم و جانِ عندلیب

نالے جانے میں جہاں تک ساتھ جاتی تھی بہار — رنگ پر آئی ہے جا کر اب فغانِ عندلیب

دیکھ کر گلچیں کو ڈر صیاد کا جاتا رہا — غنچہ و گل میں پڑی ہے اب تو جانِ عندلیب

یہ بھی جھکتی نہیں شاخِ نشیمن کی طرح — بڑھ گئی شاخِ قفس پر اور جانِ عندلیب

کاش اب بھی [illegible] میں جگہ ہوتی نصیب — سوکھ کر کانٹا ہوئے ہیں استخوانِ عندلیب

ہم سے دیوانوں کو یہ سو سو سناتی ہے ریاضؔ
کون بولے ہاتھ بھر کی ہے زبانِ عندلیب

رکھتے نہیں ہیں ورد بھی دل میں دعا طلب — بیٹھے ہیں ایک دل ہے مگر وہ جفا طلب

دل جائے کوئی جاں مری کیوں نہ اس پہ جائے — سنتا نہیں ہے کچھ بھی دلِ مدعا طلب

شوخی سے اضطراب کی کچھ چھیڑ چھاڑ ہے — ان کی نگاہِ ناز سے دل ہے دعا طلب

کیا ہاتھ میں ہے آج کروں نذر نقدِ جاں — ظالم نے مسکرا کے مرا دل کیا طلب

جب پی نہ شے فرشتے یہ کہتے ہیں حشر میں
لطف آگیا ریاضؔ مرا خم ہوا طلب

اس کے یہ جیتے جی ابر اٹھے تو پیا ثواب — لٹ رہا تھا میکدہ میں ہم نے بھی لوٹا ثواب

بھیجتے ہیں اعمالِ دنیا کا بدلے عقبےٰ ثواب — جو نہ کام آئے یہاں کس کام کا ایسا ثواب

نزع تک قلقل سے رکھی یادِ اللہ اس لیے
پڑھ کے قل بخشے گی ہم کو قلقلِ مینا ثواب

پینے سے پہلے ہی کھانا تھا ہمیں ساقی کباب
کر کے افطار آج روزہ مے سے خود کھویا ثواب

کچھ ہو اب آتشیں ہو، چاہے آب سرد ہو
ہم ہیں پیاسے جو پلائیگا وہ پائے گا ثواب

پی کے مے ذکرِ خدا اشکرِ خدا یادِ خدا
ہے ہمارے واسطے شغلِ مے و مینا ثواب

ایک دن تو خواب میں آتا لیے جامِ طہور
پڑھ کے قرآں عمر بھر ہم نے جسے بخشا ثواب

راہ سے کعبے کے ہم نے ریزۂ مینا چنے
کیا عجب اس کے عوض ہم کو ملے حج کا ثواب

عید کے دن میکدے میں ہے کوئی ایسا ریاضؔ
ایک چلو دے کے جو لے تیس روزوں کا ثواب

جام چھلکانے لگے بھر کر مئی کوثر سے آپ
حضرتِ واعظ بہت اونچے گئے منبر سے آپ

بیٹھئے گا دست خوں آلودہ لیکر بعد ذبح
سخت جاں ہوں ہاتھ دھو رکھئے ذرا خنجر سے آپ

فتنۂ محشر بھی اُٹھے میں بھی اُٹھوں قبر سے
ساتھ دونوں کو اُٹھائیں ایک ہی ٹھوکر سے آپ

یہ بھی احساں صبح ہوتے آئے تربت پر مری
کچھ گل پژمردہ لیکر غیر کے بستر سے آپ

شیشۂ دل چور ہونے پر پسیجا کچھ نہ دل
بت تو پتھر کے بنے ہیں بڑھ کے ہیں پتھر سے آپ

لیتے رہئے چٹکیاں دل میں نگاہ ناز سے
چھیڑتے رہئے اسی چبھتے ہوئے نشتر سے آپ

بار عصیاں کے لئے یارب فرشتہ بھیجدے
ہم لدے آئے ہیں اپنے شیشہ و ساغر سے آپ

خانہ باغ غیر کے آگے کھلا میدان تھا
شاید آئے ہیں ہوا کھا کر ابھی باہر سے آپ

کاتبِ اعمال ہیں آپ کے ہاتھوں کا کھیل
بوجھ اتروا لیجئے محشر میں کس کے سر سے آپ

تیغ و خنجر مرنے والوں سے سوا اچھے ہوئے
قتلگہ میں آج آئے ہیں بڑے تیور سے آپ

میرے گھر میں غیر کے ڈر سے کبھی چھپ جائیے
غیر کے گھر میں چھپے تھے آج کسکی ڈر سے آپ

کچھ قیامت سی نکلتے ہی تھے قامت میں حضور
چال میں بھی بڑھ گئے ہیں فتنۂ محشر سے آپ

سچ ہے مرغِ نامہ بر سے تیز اُڑتا ہے قلم
اب جوابِ خط بھی تو لکھنے لگے پر ہی سے آپ

آگے کچھ بڑھ کر ملے گی مسجد جامع ریاضؔ
اک ذرا مڑ جائیگا میکدے کے در سے آپ

راہ سیدھی غیر کے گھر کی چلے چکر سے آپ　　اپنے گھر سے آئے ہیں جائینگے میرے گھر سے آپ

کشتگانِ ناز مچلے ہیں بُرے کچھ روزِ حشر　　وہ گئے دن جب اُٹھا لیتے تھے اِک ٹھوکر سے آپ

جھوٹی قسمیں ہیں عدو کو خواب میں دیکھا نہیں　　آ رہے میرے بغل میں رات کس کے ڈر سے آپ

سایہ مجھسے چھوٹ کر ہمراہ اس کے رہ گیا　　پوچھئے گا حال میرے شوق کا رہبر سے آپ

آنکھ کوثر پر دکھائی شیخ نے کچھ اِس طرح　　واسطہ رکھتے ہیں گویا ساقیِ کوثر سے آپ

حضرت واعظ پسینے میں ہیں تر اس رنگ سے　　ڈوب کر نکلے ہیں گویا چشمۂ کوثر سے آپ

خوش تھے پہلے جان کر صبح شبِ غفلت ریاضؔ
اور پھر گھبرا گئے کیا ہنگامۂ محشر سے آپ

نشتر چبھونے آئے ہیں دل میں کہاں سے آپ　　چھیڑیں ذرا نہ کیجئے مجھ بدگماں سے آپ

کیا آج خوابِ ناز میں تھے بامِ غیر پر　　اُترے ہیں فتنہ لے کے کوئی آسماں سے آپ

جب یہ سمجھ لئے نہ رہا خاک کے سوا　　سر کو مرے اُٹھاتے ہیں اب آستاں سے آپ

بوئے دہانِ غیر چھپیگی شراب سے　　بس بس نکالئے نہ کچھ اپنی زباں سے آپ

یہ حال ہے ریاضؔ کا روتے ہیں آج غیر
پھر بھی تو پھر رہے ہیں بہت شادماں سے آپ

تھی ظرفِ وضو میں کوئی شئے پی گئی کیا آپ　　اے شیخ یہاں کون ہے میں چپ رہوں یا آپ

دیوانوں کے سر ہو گئی کیا زلفِ دوتا آپ　　وہ جا کے گلے اپنے لگا لائے بلا آپ

ہنس ہنس کے مجھے آپ عبث کوس رہے ہیں　　رو رو کے مرے واسطے مانگیں گے دعا آپ

اُڑتے بھی اگر ہم تو قفس لے کے نہ اُڑتے　　صیاد قفس سوئے چمن اُڑ کے چلا آپ

جو اُٹھ نہیں سکتے تھے گئے اُٹھ کے لحد میں　　بیٹھے رہیں اب گھر میں لئے عذرِ حنا آپ

جاتے نہیں ہم مست کبھی اُٹھ کے حرم سے — آئی ہے یہاں اُڑ کے مئے ہوش رُبا آپ

کیوں پھر گئیں کمبخت کی آنکھیں دمِ آخر — رکھتے تھے بہت غیر سے اُمیدِ وفا آپ

آواز مری بیٹھی ہے اے حضرتِ زاہد — کیوں ہر اذاں آج دباتے ہیں گلا آپ

ہلکا سا غلاف ایک تھا صیاد قفس پر — تھی اور نہ کچھ روک رُکی مجھ سے صبا آپ

ہم دل میں اُتاریں گے یہ کہتی ہیں نگاہیں — آجائیں کسی طرح لبِ بام ذرا آپ

قابو کا تمہارے بھی نہیں جوشِ جوانی — بے چھیڑے ہوئے ٹوٹتے ہیں بندِ قبا آپ

محتاط ریاضؔ آپ جوانی میں بہت ہیں
پیری میں بھی لوٹیں گے جوانی کا مزا آپ

شاید کوئی عدو ہی مرا خوش بیان بہت — سنتے ہیں اس کے منہ سے مری داستان بہت

میں تھا کہ اور کوئی لباسِ رقیب میں — کرتی ہے اب خطا نگہِ پاسبان بہت

کیا جانے کیا جنوں میں منہ سے نکل گیا — بگڑا ہے مجھ سے آج مرا رازدان بہت

مرنے کے بعد آپ نے میری بھلی کہی — میرے لئے ہیں زیست میں بھی نوحہ خوان بہت

ٹل جائے دو گھڑی کو الٰہی شبِ وصال — لیتا ہے میرے دل میں کوئی چٹکیاں بہت

دیکھا جو مجکو اور بھی اترائے ناز سے — پھرتے تھے ساتھ غیر کے وہ شادمان بہت

لے لیجئے گا دل جو کوئی بیچنے کو لائے — بازار میں یہ چیز ملے گی گران بہت

پہلو میں دل ہو گوشۂ دامن کی کیا کمی — مجھ سے نیازمند کو نازِ بتان بہت

عصیاں کے ساتھ دو دو فرشتے لدے ہوئے — یا رب ہے دوش پر مرے بارِ گران بہت

کچھ دام رُک گئے ہیں تو یہ حال ہے ریاضؔ
دیتے ہیں میفروش ہمیں اب گران بہت

خواب میں بھی نظر آجائے جو گھر کی صورت — پھاڑ کھائیں تجھے دربان جگر کی صورت

ایسی بگڑے نہ الٰہی کسی گھر کی صورت — وہی دیوار کی صورت ہے جو در کی صورت

پر شکستہ ہوں تہِ شاخ پڑا رہنے دے — باغباں تو مجھے ٹوٹے ہوئے پر کی صورت

چھوٹتا ہی نہیں اب عرشِ خدا بام تباں — دیکھ لی ہے کہیں نالوں نے اثر کی صورت

گھیرے رہتا ہے بگولا مجھے اب ایک نہ ایک
کی ہے پیدا مرے صحرا نے بھی گھر کی صورت

جان جائے کہ رہے آپ کے آتے آتے
اور سے اور ہوا اب درد جگر کی صورت

پانی ہو جاتے ہیں آنسو مرے موتی بن کر
ورنہ اچھی تو نہ تھی ان سے گہر کی صورت

کوچۂ زلف میں جاتے ہوئے دل ڈرتا ہے
ہر قدم پر ہے نئی خوف و خطر کی صورت

کبھی پھولا نہ پھلا نخل تمنا افسوس
پھول کی شکل نہ دیکھی نہ ثمر کی صورت

غیر کی قبر ہے گلشن ہے نہ دامن ان کا
مجھ سے دیکھی نہیں جاتی گل تر کی صورت

چارہ گر آتے ہیں تو آنکھ چرا جاتے ہیں
ایسی بگڑی ہے مرے زخم جگر کی صورت

آشیانے کو چلے باغ میں مدت گزری
پھرتی ہے آنکھ میں کیوں برق و شرر کی صورت

گھر سے بے فکر میں صحرا میں پھرا کرتا ہوں
میری آنکھوں میں پھرا کرتی ہے گھر کی صورت

قیس بھٹکا تھا کہ صحرا میں ریاضؔ آئے نظر
رہ نما اس کے بنے آپ خضر کی صورت

صبح ہے رات کہاں اب وہ کہاں رات کی بات
بات ہی بات تو ہے بیٹھ بھی لو بات کی بات

عرش پر رہتے ہیں کیا کعبے کے رہنے والے
کوئی سنتا ہی نہیں اہل خرابات کی بات

یہ کوئی بات ہے ہم ساتھ لئے واعظ آئے
اور پھر میں نہ سنوں قبلۂ حاجات کی بات

پھوٹ کر روتے ہوئے دیکھ لیا ہے مجھ کو
چھیڑنے کو مرے ہر وقت ہے برسات کی بات

وہی ابھری ہے شکن بن کے جبین پر تیری
گڑ گئی دل میں ترے کیا کسی بد ذات کی بات

نہ کھلا یہ کہ کہاں شب کو بچھائی تھی بساط
غیر کی چال کا کچھ ذکر تھا کچھ بات کی بات

جب کہا میں نے کہو غیر کے گھر کا کچھ حال
بولے جھنجھلا کے نکالی وہی لے بات کی بات

کہیں ایسا نہ ہو آ جائے ترس آپ کو کچھ
آپ سنئے نہ کسی مورد آفات کی بات

ظرف بے مئے سے پلائی تو حرم میں پھیلی
پھیلتی جلد ہے کچھ اہل کرامات کی بات

رات کعبے میں گئی قلقل مینا بن کر
نہ تو چھپتی ہے نہ دبتی ہے خرابات کی بات

کوستے ہیں وہ بری طرح جو کہتا ہوں ریاضؔ
رات بھر آج بھی ہوتی رہی کل رات کی بات

کیا وصل کی شب ہائے بگڑتی ہے بنی بات
کہتا ہوں کچھ اُن سے تو وہ کہتے ہیں بُری بات

ہر چند شبِ وصل کوئی اُٹھ نہ رہی بات
اِس شرم کے قربان نہ کرنا تھی نہ کی بات

صدقے ترے نازک لبِ نعلیں سے کڑی بات
پتھر کی طرح آج مرے دل میں لگی بات

روٹھے ہوئے لیٹے ہیں نہ مانیں گے مری بات
لطف آئے جو چپ چپ یونہی ہو جائے کوئی بات

بن بیٹھے ہیں لے بیٹھے ہیں وہ سوگ عدو کا
چُہلیں ہیں نہ چھیڑیں ہیں نہ شوخی نہ کوئی بات

بوچھار سے میری عرق آئے اُنہیں کہا کیا
اللہ ری نزاکت کہ اٹھائے نہ اُٹھی بات

لوٹی ہے بہت ہم نے حسینوں کی جوانی
پیری میں بھی ابتک ہے جوانی کی وہی بات

کیوں رہ گئے چپ حشر میں اللہ کے آگے
بولے نہ بڑا بول یہ بت آج بڑی بات

دنیا کے بھلے غیر جو کرتے ہیں خوشامد
دُنیا کے بُرے ہم ہیں جو کہتے ہیں کھری بات

ملتی مری جاں ہے کہیں روزِ شبِ وصل
قربان ترے اب وہ مروّت کی گئی بات

تقدیر سے قاصد بھی ملا آج تو ایسا
اُن سے نہ کہی بات نہ کچھ اُن سے سُنی بات

شکوہ ہے کہ الزام لگائے مجھے کیسے
میرے لئے محشر میں کوئی اُٹھ نہ رہی بات

جب بنت عنب ہم سے کھنچی کھنچ گئے ہم بھی
اے قلقل مینا نہ سُنی بات نہ کی بات

بیتاب ہے قبر میں بھی چرخ سے بالا
صد شکر کسی سے کبھی نیچی نہ پڑی بات

موقع ہے ستانے کا وہ چلائیں کہ چیخیں
سُنتا نہیں محشر میں کوئی کان پڑی بات

وہ بھی تو دم نزع کھڑے تھے سر بالیں بیمار نے تو آج کسی سے بھی نہ کی بات

پیری میں ریاضؔ اب نہ امنگیں ہیں نہ وہ جوش
ہمراہ جوانی کے جوانی کی گئی بات

وہ بولے وصل کی ہاں ہے تو پیاری پیاری رات کہاں سے آئی یہ اللہ کی سنواری رات

وہ پیاری پیاری کوئی شکل پیاری پیاری رات بڑے مزے سے کٹی آج تو ہماری رات

یہ شام سے سحر عید کی خوشی تھی ہمیں کہ چاند دیکھنے ہی کی ہے بادہ خواری رات

یہ کوہکن کے بھی کاٹے تو کٹ نہیں سکتی پہاڑ ہو گئی فرقت کی ہم کو بھاری رات

گئے تھے آپ جنازہ اٹھانے دشمن کا کہاں گئی تھی بڑے دھوم سے سواری رات

شب وصال جو چھیڑا تو ہنس کے فرمایا ستاؤ شوق سے ہم کو یہ ہے تمہاری رات

کئے تھے ایک زمین آسمان اس نے بھی بڑھی ہوئی تھی مرے دل کی بیقراری رات

یہ سادگی سے اُن آنکھوں کو سرمہ بھاری ہے کہ جس طرح کسی بیمار کو ہو بھاری رات

یہ ٹوٹ ٹوٹ کے تارے نہیں گرے شب ہجر فلک نے ساتھ مرے کی ہے اشکباری رات

وہ بیکسی وہ اداسی وہ تیرگی وہ ہراس خدا دکھائے نہ دشمن کو بھی ہماری رات

گئے تھے جھونک کے آنکھوں میں خاک غیر کے گھر ہماری آنکھوں سے دریا رہے ہیں جاری رات

یہ انتظار میں تیری کھلی رہیں آنکھیں پلک سے میں نے لگائی پلک نہ ساری رات

وصال یار میں کس کو ریاضؔ ہے ترجیح
کہ دن ہے رات سے پیارا تو دن سے پیاری رات

رہ گئے تھے کبھی ہم جا کے یونہی رات کی رات مدتوں یاد رہی ہم کو خدا بات کی رات

رات تھی دن ہو گئی رخ سے الٹ دی جو نقاب کھول دی زلف جہاں ہو گئی بے رات کی رات

یہ بدلنے کے نہیں لاکھ زمانہ بدلے
مجھ سے کمبخت کا دن غیر سے بدذات کی رات

شب کو میخانے میں کیوں پہنچے تھے ای حضرتِ شیخ
کہیے اچھی تو کٹی قبلۂ حاجات کی رات

عیش تھا بام تھا ساقی تھا شب ماہ بھی تھی
رہ گئی آج بھی محتاج اسی بات کی رات

شب بسر کوچۂ جاناں میں نہ کرنا اے دل
ہے خطرناک بہت ایسے مقامات کی رات

ہنس کے تم باندھ لو جوڑا اسرِ بالیں اپنا
آج کٹ جائے کسی ہورِ دِ آفات کی رات

وہ مزے وصل کے وہ مینھ کا برسنا رم جھم
اُف ری برسات کی رُت ہائے ری برسات کی رات

یاد آتا ہے ریاضؔ اُن سے وہ میرا کہنا
آج رہ جاتیے صدقے مرے گھر رات کی رات

ہم بھی پئیں تمہیں بھی پلائیں تمام رات
جاگیں تمام رات جگائیں تمام رات

اُن کی جفائیں یاد دلائیں تمام رات
وہ دن بھی ہو کہ اُن کو ستائیں تمام رات

زاہد جو اپنے روزے سے تھوڑا ثواب دے
میکش اُسے شراب پلائیں تمام رات

اے قیس بیقرار ہے کچھ کوہکن کی روح
آتی ہیں بے ستوں سے صدائیں تمام رات

تا صبح میکدے سے رہی بوتلوں کی مانگ
برسیں کہاں یہ کالی گھٹائیں تمام رات

خلوت ہی بے حجاب ہیں وہ جل رہی ہے شمع
اچھا ہے اس کو اور جلائیں تمام رات

شب بھر رہے کسی سے ہم آغوشیوں کے لطف
ہوتی رہیں قبول دعائیں تمام رات

ولبے رہی پروں سے نشیمن کو رات بھر
کیا کیا چلی ہیں تیز ہوائیں تمام رات

کاٹا ہے سانپنے ہمیں سونے بھی دو ریاضؔ
اُن گیسوؤں کی لی ہیں بلائیں تمام رات

نظر آتی ہے دور کی صورت
آنکھ میں ہے حضور کی صورت

ایک یہ بھی ہے نور کی صورت
دیکھی شمع طور کی صورت

کیوں نہ ہو جان کا عذاب یہ جسم
تنگ زندان قبور کی صورت

سر تربت کوئی ہے فتنۂ حشر
ہوئی پیدا فتور کی صورت

خانقہ میں پری تھی شیشے کی
بن کے آئی جو حور کی صورت

آگیا کیا سوِ قفس صیاد
ہو گئی کیا طیور کی صورت

پھرتی ہے آنکھ میں بہ صد حسرت
اب دل ناصبور کی صورت

ایک ہے ایک کبریائی میں
اُف وہ اس کی غرور کی صورت

حشر زا اف وہ صور کی آواز
ق
وہ سرافیل و صور کی صورت

باڑھ تلوار کی صراط کا پُل
اور مشکل عبور کی صورت

شعلہ زار ایک لالہ زار ہی ایک
سامنے نار و نور کی صورت

مضطرب اپنے حال پر ہر ایک
ہائے ہر ناصبور کی صورت

فروعصیاں نوشتۂ تقدیر
ہائے ہر بے قصور کی صورت

آس اُس کے کرم کی قہر کا ڈر
جو ہو ربّ غفور کی صورت

اے میں قربان شان رحمت کے
نظر آئی حضور کی صورت

کس کو پروائے کوثر و تسنیم
ہوئی پیدا سرور کی صورت

صدقے کیا جلد حشر میں بدلی
مجھ سراپا قصور کی صورت

ہو مبارک سیاہ کار ریاضؔ
نور کی شکل نور کی صورت

ہو کے بیتاب بدل لیتے تھے اکثر کروٹ — اب یہ ہے ضعف کہ قابو سے ہے باہر کروٹ

ہجر سے بڑھ کے شبِ وصل اذیت ہے مجھے — غیر کی یاد دلاتی ہے تری ہر کروٹ

رِند بیدار رہا محتسبِ شرع سے تیز — اس قدر جلد اری پھینک کے ساغر کروٹ

چٹکیاں ہجر میں لیتی ہے شکن بستر کی — میرے پہلو میں چبھو دیتی ہے نشتر کروٹ

شوخیاں ہیں کہ بنے ہجر کی شب وصل کی رات — سوئے ہیں پھیر کے منہ آپ بدل کر کروٹ

بیٹھنا اُن کا نزاکت سے دبا کر سینہ — پھر یہ کہنا کہ نہ لینا تہِ خنجر کروٹ

تیری ٹھوکر سے نہ اُلٹے کہیں وہ تختۂ قبر — لے نہ خوابیدہ کوئی فتنۂ محشر کروٹ

ہر طرف کانٹے بچھے ہیں شکنِ بستر کے — ہم کو مشکل ہے بدلنا سرِ بستر کروٹ

انہیں منہ پھیر کے سونے نہیں دیتا ہوں ریاضؔ
وصل کی رات مجھے کیوں نہ ہو دوبھر کروٹ

پھول کے مول خزاں میں اری ساقی تلچھٹ — ان دنوں ہے ترے سر جوش سے اونچی تلچھٹ

نہ رہی خم میں جو باقی تو مجھے دی تلچھٹ — حاصلِ خم ہے ترے ہاتھ کی ساقی تلچھٹ

کیا سبک صاف لطیف آب کی کھینچی ہے ساقی — مے تو ہے نکہتِ گل بن کے اُڑے گی تلچھٹ

رہ کے پستی میں ہوئی ہے جو بلندی حاصل — حلق سے نیچے نہ اتری خمِ مے کی تلچھٹ

پھر کرا ہو غمِ افلاس سے نشہ نہ کبھی — مفت ملتی رہے تو مے سے ہے اچھی تلچھٹ

قحطِ مَی سے ہین بھرے خم کے برابر دو گھونٹ   آج کل ہے مے سرجوش سے اچھی تلچھٹ
دے کے ساغر مجھے اندھا نہ بنا بادہ فروش   پانی آدھا ارے کمبخت تو آدھی تلچھٹ
خاک چھانی درِ ساقی کی سحر سے تا شام   جب ملی ہے کہین پینے کو ذرا سی تلچھٹ
مجھ بلا نوش کے پینے کا نہ پوچھو عالم   مَے سرجوش تو کیا خم مین چھوڑتی تلچھٹ
تر نہین ہونے کا اے شیخ ترا حلق کبھی   اونٹ کے منہ کا ہی زیرہ یہ ذرا سی تلچھٹ
فصلِ گل مین ہی کثرت ہی جو مینوشی کی   پھول کے مول بکے گی ارے ساقی تلچھٹ
پی گئی روح کسی مست کی آکر شب کو   مے تو مے آج سبو مین نہیں باقی تلچھٹ
زرِ گل بن کے عجب حسن کیا ہے پیدا   جامِ گل مین یونہی ڈالی تھی ذرا سی تلچھٹ

شیخ صاحب کے گلے اس کو لگانا تھا ریاض
ایسی میٹھی کہ ابھارے سو نہ ابھری تلچھٹ

آنکھیں کھُل جائیں جو ظاہر ہو مقامِ وارثؒ ۔۔۔ کان ہو جائیں جو سُن لے کوئی نامِ وارثؒ

جامِ کوثر کے نہ واعظ سرِ محفل چھلکا ۔۔۔ ہم قدح خوار پئے بیٹھے ہیں جامِ وارثؒ

وہ بھی اس طرح اُنہیں یاد نشیمن نہ چمن ۔۔۔ طائرِ دل ہیں ہزاروں تہِ دامِ وارثؒ

ہو محبت تو نہیں کافر و دیندار میں فرق ۔۔۔ ہے یہی عشق کے بندوں سے پیامِ وارثؒ

یونہی آتی رہے کوثر سے ہمیشہ خم میں ۔۔۔ یونہی تا حشر رہے دَور میں جامِ وارثؒ

ہو قیامت نہ کہیں پائے نظر سے پامال ۔۔۔ میری آنکھوں میں ہے اندازِ خرامِ وارثؒ

بوئے گل جا بھی یہاں کام نہیں ہے تیرا ۔۔۔ کہ بسا اور ہی بُو سے ہے مشامِ وارثؒ

دھوپ پڑنے نہیں دیتا ہی ادب سے خورشید ۔۔۔ سایۂ عرش بریں ہے سرِ بامِ وارثؒ

جان پڑ جاتی ہے ایمان کا شرف ملتا ہے ۔۔۔ کلمہ پڑھتے ہیں بہت سُن کے کلامِ وارثؒ

گُل بنیں دھو کے نسیمِ سحری کے تلوے ۔۔۔ یہ مدینے کو جو لیجائے سلامِ وارثؒ

سرو سے اس کی بلندی کو نہیں ہو گی سو سرو ۔۔۔ دَورِ طوبےٰ ہے کہ ہے گنبدِ بامِ وارثؒ

صدقے میں ساقیِ کوثر کے دعا ہو یہ قبول ۔۔۔ نزع میں پیاس بجھائے مئے جامِ وارثؒ

نگہِ لطف کا طالب ہے ریاکار ریاضؔ

گو ریاکار ہے لیکن ہے غلامِ وارثؒ

کیوں نہ لب پر مرے ہو یا وارثؒ ۔۔۔ نامِ نامِ خدا ہے کیا وارثؒ

تو ہے مقبول کبریا وارثؒ   بخشوانا مری خطا وارثؒ

تیرے در سے خدا کے گھر پہنچوں   میری سن لے مرا خدا وارث

مجھ سے بیکس کا دستگیر ہے تو   مجکو تیرا ہے آسرا وارثؒ

مشکل نزع ہو گئی آسان   کام آیا مرے مرا وارثؒ

پھر جو ہو حشر کچھ نہیں پروا   کہہ کے اُٹھوں لحد سے یا وارثؒ

مجھ سے طوفان زدہ کو باد مراد   میری کشتی کا ناخدا وارثؒ

وہی وارثؒ مرا وہی والی   وہی والی مرا وہی وارثؒ

حشر کھو یا گیا اُٹھا کے مجھے   مجکو سمجھا تھا مال لاوارث

حضرت خضر رہنما سب کے   وہ جو گم ہوں تو رہنما وارثؒ

نہیں تجھسے چھپا ریاضؔ کا حال
اِس طرف بھی نظر ذرا وارثؒ

بام پر آئے کتنی شان سے آج ‏ ‏ ‏ ‏ بڑھ گئے آپ آسمان سے آج

جب کہا ہم خفا ہیں جان سے آج ‏ ‏ ‏ ‏ بولے خوش کر دیں امتحان سے آج

کس مزے کی ہوا میں مستی ہے ‏ ‏ ‏ ‏ کہیں برسی ہے آسمان سے آج

بے تکلف نہ ہو کوئی ان سے ‏ ‏ ‏ ‏ بنے بیٹھے ہیں میہمان سے آج

میں نے چھیڑا تو کس ادا سے کہا ‏ ‏ ‏ ‏ کچھ سنو گے مری زبان سے آج

دل کے ٹکڑوں کی طرح ہم نے چنے ‏ ‏ ‏ ‏ ٹکڑے کچھ دل کی داستان سے آج

نیچی ڈاڑھی نے آبرو رکھ لی ‏ ‏ ‏ ‏ قرض پی آئے اک دکان سے آج

آ کے ہم دل جلوں کی تربت پر ‏ ‏ ‏ ‏ کچھ سنو شمع کی زبان سے آج

اونچے کوٹھوں کے بیٹھنے والے ‏ ‏ ‏ ‏ باتیں کرتے تھے آسمان سے آج

ناتواں دل کی بے زباں دل کی ‏ ‏ ‏ ‏ آپ نے سن لی اپنے کان سے آج

کوئی جا کر ریاض کو سمجھائے

کچھ خفا ہیں وہ اپنی جان سے آج

کٹتے ہیں مصیبت کے کوئی چار پہر آج ‏ ‏ ‏ ‏ یہ ہجر کی ہے رات نہ کل ہے نہ سحر آج

آباد کریں بادہ کش اللہ کا گھر آج ‏ ‏ ‏ ‏ دن جمعے کا ہے بند ہے میخانے کے در آج

محشر ہے سمجھ داور محشر کو ادھر آج ‏ ‏ ‏ ‏ انصاف کا دن ہے ارے اللہ سے ڈر آج

صیاد بہار آئی ہے گلزار میں شاید
اُڑتے ہیں ہوا میں مرے ٹوٹے ہوئے پر آج

سوتے ہیں وہ پہلو میں مرے بام پر اپنے
آغوش دعا میں ہے سر عرش اثر آج

میخانہ ہمارا کوئی مسجد تو نہیں ہے
تسبیح لئے کون بزرگ آئے ادھر آج

پیش آئی ہو یارب نہ چمن میں کوئی اُفتاد
آئی ہے قفس میں کوئی اُڑتی سی خبر آج

میری یہ شب وصل ہے شرمائیں گے گیسو
بل کھائیگی اتنے تری نازک سی کمر آج

ہے موسم گل ٹوٹتے ہیں زخموں کے ٹانکے
صیاد کئی بار کھلے زخم جگر آج

میں تھا وہ نہ تھا غیر جسے دھوکے میں دیکھا
کھوئی گئی کیا بزم میں دزدیدہ نظر آج

میخانے میں اچھلے گی ضرور آنے سے تیرے
تو آئیگا تو جائیگی واعظ ترے سر آج

جاتے ہیں یہ کہتے نگہ ناز کے مارے
آجاؤ دکھا دیں تمہیں حسرت کی نظر آج

کچھ آج سوا پی ہے جو کھلتی نہیں آنکھیں
کیا ہے کہ ریاض آپ اُٹھاتے نہیں سر آج

وحشی زار ہوں زنجیر نہ کھینچ ۔۔۔ یا مصوّر مری تصویر نہ کھینچ

تن بیجان میں ابھی جان سی ہے ۔۔۔ میرے سینے سے ذرا تیر نہ کھینچ

وصل کی شب نہ بنے گی شب ہجر ۔۔۔ بے اثر نالۂ شبگیر نہ کھینچ

آستیں کا ہے چڑھانا کافی ۔۔۔ نازنیں ہاتھ سے شمشیر نہ کھینچ

ٹکڑے ہو جائیگی اے دست جنوں ۔۔۔ تو مرے پاؤں سے زنجیر نہ کھینچ

کھینچ نخچیر کی صورت مانی ۔۔۔ حسرت دیدۂ نخچیر نہ کھینچ

عرش ہل جائے نہ اے دست دعا ۔۔۔ اس طرح دامن تاثیر نہ کھینچ

جان ہی میری نکل جائے گی ۔۔۔ دل کو اے زلف گرہ گیر نہ کھینچ

نہ کر اس سوختہ جاں پر غصّہ ۔۔۔ تو زباں شمع کی گلگیر نہ کھینچ

جامہ سب میرؔ کا پہنے ہیں ریاضؔ
قبر سے تو کفن میرؔ نہ کھینچ

جفا میں نام نکالو نہ آسمان کی طرح
کھلیں گی لاکھ زبانیں مری زبان کی طرح

فریب اثر کو کوئی دے مری فغاں کی طرح
تراشتی ہے یہ فقرے تری زباں کی طرح

یہ کس کی سایۂ دیوار نے مجھے پیسا
یہ کون ٹوٹ پڑا مجھ پر آسماں کی طرح

ضرور ڈھائیں گے آفت کچھ اُن کے ناوکِ ناز
چڑھے میں گوشۂ ابرو کڑی کماں کی طرح

رہِ حیات کٹی اس طرح کہ اُٹھ اُٹھ کر
میں بیٹھ بیٹھ گیا گردِ کارواں کی طرح

برنگِ طائرِ بو میں ہوں غنچہ و گل میں
مرے قفس کی طرح میرے آشیاں کی طرح

نہ تیرے در سے ہٹے تیری ٹھوکریں کھا کر
وہیں جمے رہے ہم سنگِ آستاں کی طرح

ہمیں ہے گھر سے تعلق اب اس قدر باقی
کبھی جو آئے تو دو دن کو میہماں کی طرح

گیا چمن کو تو جھک کر بہت ملیں شاخیں
لیا گلوں نے مجھے میرے آشیاں کی طرح

بلا ہے یہ کوئی کھٹوڑا نہ جانے پیکاں کو
لہو پیئے گا ہمارا غمِ نہاں کی طرح

ذرا سی جان کو لاکھوں طرح کے کھٹکے ہیں
چمن نہ لائے کہیں رنگِ آسماں کی طرح

میں آؤں آپ کے گھر کیا مجھے ڈرانے ہیں
عدو کے نقشِ قدم چشمِ پاسباں کی طرح

شریکِ درد تو کیا باعثِ اذیت ہیں
وہ لوگ جن سے تعلق تھا جسم و جاں کی طرح

تمہیں بھی دیگی مزا کچھ مری مصیبتِ عشق
کہیں کہیں سے سنو اس کو داستاں کی طرح

رہے کبھی نہ الٰہی مرا قفس خالی
کہ مجھکو چین ملا اس میں آشیاں کی طرح

مجھے شباب نے مارا ابلائے جاں ہو کر | بہار آئی مرے باغ میں خزاں کی طرح

قفس میں لوٹ لئی کون سے مزے میں نے | دکھائے آنکھ نہ صیاد و باغباں کی طرح

کسی کو چین نہ قاتل کی شوخیوں سے ملا | مرے ہوئے بھی تڑپتے ہیں نیم جاں کی طرح

تری اٹھان ترقی کرے قیامت کی | ترا شباب بڑھے عمر جاوداں کی طرح

جو اپنے گھر کوئی آئے تو کون دے تکلیف | ستائے کون وہ بیٹھے ہیں میہماں کی طرح

ریاض موت ہے اس شرط سے ہمیں منظور
زمیں ستائے نہ مرنے پر آسماں کی طرح

روز غم کچھ اور ہی ہے رنگ آثار صبح | ہر کرن سورج کی ہے برق سر کہسار صبح

دن کٹے گا کس طرح اتنا ابھی سے بار صبح | غم کے بادل لے کے سر پر آرہا کہسار صبح

رات باقی ہے ابھی کیونکر کروں اقرار صبح | تیرے صدقے دن بھی نکلے تو کروں انکار صبح

وقت سے پہلے نظر آنے لگے آثار صبح | مے چھلک کر جام ساقی سے ہی انوار صبح

صبح ہوتے گھر چلے دیکر مجھے آزار صبح | دوپہر سے پہلے پہلے ختم ہے بیمار صبح

وہ گئے تو یہ گئے ایسے بھی کیا ہوش و حواس | آشنائے شب جو تھے اب وہ نہیں ہیں یار صبح

کیا بلا ہے شام غم جب دیکھئے موجود ہے | روز آتی ہے مرے گھر پھاند کر دیوار صبح

دن ہے ان کے وصل کا آیا جو بن کر روز عید | کہہ رہے ہیں آج تو کچھ اور ہی آثار صبح

وصل کی راتیں تو اچھی لیکن اتنا عیب ہے | ساتھ اپنے کیوں لگا لاتی ہیں وہ آزار صبح

کھوئیں دولت کیوں سحر کی سونے والے ہاتھ سے | زرفشاں یکساں ہے سب پہ دامن زرتار صبح

وصل کی شب بھی کسی پہلو نہیں آتا ہے چین | شام سے دل میں کھٹکتا ہی ہمارے خار صبح

جانے والے کہہ گئے ہیں شام کو آئیں گے ہم | یاد رہنے کا نہیں ہے شام تک اقرار صبح

صبح ہونے بھی نہ پائی آگئی ہم کو اجل ہجر کی شب لے چلے ہم حسرت دیدار صبح

وصل کے دن کی سحر بھی کیا کوئی معشوق ہے آفتاب صبح ہے یا شعلہ رخسار صبح

خندۂ دنداں نما شب کو تمہارا یاد ہے میں یہی سمجھا نمایاں ہو گئے آثار صبح

صبح غم پر میں ترس کھاؤں یہ ہو سکتا نہیں اے شفق تو کیوں بنی ہے زخم دامن دار صبح

قلقل مینا صدا ناقوس کی شور اذاں ٹھنڈے ٹھنڈے دیدنی ہے گرمی بازار صبح

وصل کے دن اُن کے گھر سے اُن کو لائی ہے یہی چوم کر رخسار اُن کے چوم لوں رخسار صبح

وصل کی شب پر ترس آیا نہ گردوں کو ریاض

ایسی اچھی رات کو بھی دے دیا آزار صبح

مجھسے بڑھ کر ہے دل مرا گستاخ
نظر اس سے بھی کچھ سوا گستاخ

آنکھ میں آنکھ ڈالے منہ چڑھ کر
ہے یہ آئینہ کس قدر گستاخ

پہلے سے اور رنگ صحبت ہے
شوخ تھی اب ہی ہر ادا گستاخ

بوسہ سوتے میں لے لیا تھا کبھی
نام میرا ہے نا سزا گستاخ

آج ٹوپی دکھا کے واعظ کو
میں کبھی اس قدر نہ تھا گستاخ

سر چڑھا کوئی منہ چڑھا کوئی
شانہ گستاخ آئینا گستاخ

چھیڑیں دونوں کی ہلکے آنچل سے
شوخ کچھ آپ کچھ صبا گستاخ

ان کے تلووں سے کیوں لگی ہے آج
کچھ لگا آئی یہ حنا گستاخ

ہاتھ دستار پر رہے واعظ
کہ ہے میخانے کی ہوا گستاخ

اک حماقت کے ساتھ ادھر واعظ
اس طرف اک ریاض یا گستاخ[1]

کی توبہ تو مجھ پر ہوئی یہ کالی بلا سرخ
دیکھی ہی نہ تھی بادہ کشو میں نے گھٹا سرخ

عکس ہے گلگوں سے نہ ہو جائے گھٹا سرخ
سبزے میں مزا دیگی مے ہوش رُبا سرخ

کس درجہ کف یار ہوا ہے رنگ حنا سرخ
بے ذبح کئے ہاتھ میں ہے تیغ جفا سرخ

---

[1] گستاخ مرحوم رام پوری۔

تربت کے لئے لائی ہے چُن چُن کے چمن سے
آئی ہے تو پھولوں سے ہی دامان صبا سُرخ

لالہ آندھی جب اُٹھتی ہے تو اُٹھتی ہے یہیں سے
مقتل کی زمیں سُرخ ہے مقتل کی ہوا سُرخ

پھیکا نہ کہیں حشر میں خون شہدا ہو
وہ آئے ہیں پہنے ہوئے محشر میں قبا سُرخ

انگشت نما ظاہر و باطن کا ہوا فرق
کیوں رگِ حنا سبز ہیں کیوں رنگِ حنا سُرخ

کچھ رنگ ترا حشر میں ہے حد سے سوا زرد
کچھ حد سے سوا آج ہے خون شہدا سُرخ

کچھ آنسوؤں میں خون مرے دل کا ملا ہے
آنکھوں سے مری آتے ہیں اب اشک ذرا سُرخ

بہنے کی طرح خون شہیدوں کا بہا ہے
آئیگا نظر بعد فنا بحر فنا سُرخ

لاتی ہے بہت رنگ نقاب اُن کی دم قہر
ہو جاتی ہے چہرے سے ہی کمبخت سوا سُرخ

برسانے کو پانی کے عوض آگ وہ برسائے
مجھ پر مری توبہ سے نہ اتنی ہو گھٹا سُرخ

مے جان کے پی جائیں گے میخوار دم نزاع
کڑوی ہو سوا زہر سے لیکن ہو دوا سُرخ

پیری میں ریاضؔ اب بھی جوانی کے مزے ہیں
یہ ریش سفید اور مے ہوش ربا سُرخ

بھول جائیں گے خدائی کا مزا میرے بعد　　یاد آئیگا بتوں کو بھی خدا میرے بعد

کام آئی ہے مرے۔ میری دعا میرے بعد　　سب جفا پیشہ بنے اہلِ وفا میرے بعد

نہ رہے شوخ حسینوں کے وہ دل ہی نہ رہے　　کہ وفا کیا نہ رہی یاد وفا میرے بعد

مفتیِ شرع کو پینے میں تکلف نہ رہا　　ہوئی پانی یہ مئے ہوش ربا میرے بعد

نہ رہا میں تو بھی حشر پر اس کوچے میں　　کہ جنازے کی طرح حشر اٹھا میرے بعد

آشیانے ہیں قفس خانۂ صیاد و چمن　　ہوگئی اور زمانے کی ہوا میرے بعد

گزرے کتنے ہی جم و خسرو و پرویز کے دور　　کبھی خالی نہ رہا جام مرا میرے بعد

کون پہلو میں جگہ چھیر کے پہلو دیگا　　قید گیسو سے چھٹا دل تو چھٹا میرے بعد

آئے ہیں مہندی لگائے وہ مری ماتم میں　　رنگ لائی ہے قیامت کا حنا میرے بعد

نہ وہ عشوہ نہ کرشمہ نہ وہ غمزہ نہ وہ ناز　　نہ وہ قاتل ہے نہ قاتل کی ادا میرے بعد

ارے صیاد نہ تھا میں تو قفس تھا میرا　　جھانکنے کو کبھی آئی نہ صبا میرے بعد

خاک برسی اگر آیا جو کبھی ابرِ بہار　　کیا سے کیا ہو گئی گلشن کی ہوا میرے بعد

اب کہاں نقشِ کفِ پائے حنائی کے چراغ　　میرے گھر آئے حسینوں کی بلا میرے بعد

موجِ مے لاکھ بنے موجِ تبسم ساقی　　نہ رہا ہائے کسی شئے میں مزا میرے بعد

بنتی جنت نہ مرے واسطے تربت میری　　میرے کام آئی حسینوں کی دعا میرے بعد

سوکھے کانٹے مری صحرا کے ہری ہو جاتے   آنکلتا جو کوئی آبلہ پا میرے بعد

خدمت شمع فروزی میرے دم تک تھی ریاض
کیسی تاریک ہے بزم شعرا میرے بعد

کہہ اٹھے چپ ہو کیوں وصال کے بعد   خود ہی شرمائے اس سوال کے بعد

آنکھ بھر کر جبیں کو دیکھ تو لوں   کہ قفس دیکھنا ہے جال کے بعد

اے جوانی نہ جا بہار کے ساتھ   وہ تو آئے گی ایک سال کے بعد

میرے گھر سے نہ جاؤ غیر کے گھر   وہ خوشی کیا جو ہو ملال کے بعد

اے میں قربان شان رحمت کے   ہوئی پرسش نہ انفعال کے بعد

مے کا پینا خدا معاف کرے   عید آئی ہے ایک سال کے بعد

چال مشہور ہے قیامت کی   نہ بچی وہ بھی تیری چال کے بعد

تیرے صدقے مزے کی چیزوں میں   خواب بھی ہے ترے خیال کے بعد

جو کبھی ہے خوشی کے بعد ملال   تو کبھی ہے خوشی ملال کے بعد

داغ کے بعد رہ گئے تھے جلال   نہ رہا کوئی بھی جلال کے بعد

اب جوانی کو رو رہے ہیں ریاض
قدر نعمت ہوئی زوال کے بعد

مجکو نہ دل پسند نہ دل کی یہ خو پسند   پہلو سے میرے جائے دل آرزو پسند

تجکو عدو پسند ہے وضع عدو پسند   مجکو ادا پسند تری مجکو تو پسند

روز ازل سے تھے ڈھیر ہزار دل لگے ہوئے   چپکے سے چھانٹ لائے دل آرزو پسند

تم نے تو آستیں کے سوا ہاتھ بھی رنگے   آیا شہید ناز کو اتنا لہو پسند

اے دل تری جگہ شکنِ زلف میں نہیں ۔۔۔ خو بو تری پسند نہ کافر کو تو پسند

پہنچا جو میں تو دھوم مچی بزمِ یار میں ۔۔۔ آئے ہیں آج ایک بڑے آرزو پسند

مسجد میں ظرف آب نہ تھا کوئی لے چلے ۔۔۔ آیا جو میکدے میں اچھوتا سبو پسند

جنت کی حور جیسے کوئی میری قبر پر ۔۔۔ اے شمع اس طرح مجھے آئی ہے تو پسند

آتا پسند کاش کچھ ان کا کلام بھی ۔۔۔ بزمِ سخن میں آئے کئی خوش گلو پسند

ہو عکس آئینے میں ترا یا ہو کوئی اور ۔۔۔ آیا ہے اک حسین ترے روبرو پسند

دن میں شباب کے وہ بھرے ہیں شباب میں ۔۔۔ مسکی ہوئی قبا میں نہیں ہے رفو پسند

میرا مذاق اور ہے مجکو تو اے کلیم ۔۔۔ پردے کے ساتھ دور سے ہی گفتگو پسند

مے کا نہ میکدے کا نہیں کچھ رہیگا ہوش ۔۔۔ آئے خدا کرے نہ کوئی خوب رو پسند

کس طرح اس نے رو کے ملایا ہے خاک میں ۔۔۔ آیا نہ آنکھ کو بھی ہمارا لہو پسند

کچھ شوق ہے تو اہلِ خرابات سے ملو ۔۔۔ اے صوفیو نہیں یہ ہمیں ہائے ہو پسند

آئیگا میکشو بطِ مے کا شکار یاد ۔۔۔ جنت میں آگئی جو کوئی آبجو پسند

سو بار سر سے شیخ کے ٹکرا چکے سبو جسے ۔۔۔ ہم کو تو میکدے میں وہی ہے سبو پسند

جب پی لگا کے منہ دمِ افطار رند نے ۔۔۔ بوتل کے منہ کی آئی فرشتوں کو بو پسند

ہو جاؤں میں بھی گم کہیں تیری تلاش میں ۔۔۔ تیری طرح مجھے ہے تری جستجو پسند

یہ کون ہیں ریاضؔ ہیں رسوائے کوئے یار

آئے ہیں آج بن کے بڑے آبرو پسند

ہنس کے پیمانہ دیا ظالم نے ترسانے کے بعد ۔۔۔ آج نازک ہے لبِ ساقی ہیں بہلانے کے بعد

خمکدوں میں کچھ نہ ہوگا ایک پیمانے کے بعد ۔۔۔ رہ نہیں سکتی کبھی مے لب تک آجانے کے بعد

میں ہوں ساقی ہے شبِ خلوت ہے دورِ جام ہے — بوسہ پر بوسہ ہے پیمانہ ہے پیمانے کے بعد

وقت ہی ایسا تھا رخصت ہو گئی اُن کی حیا — بات ہی ایسی تھی کھُل کھیلے وہ شرمانے کے بعد

چھیڑتے ہیں پا کے موقع اُن کے اُترے ہار بھی — بنتے ہیں کیوں دل ہمارا پھول مرجھانے کے بعد

حسن ہو یا عشق ہوتی ہے بری دل کی لگی — جل بجھی رو رو کے آخر شمع پروانے کے بعد

کہہ کے میں دل کی کہانی کس قدر رکھوایا گیا — ہیں فسانوں پر فسانے میرے افسانے کے بعد

بیخودی گم گشتگی سکر و تحیر محویت — کچھ مقامات اور بھی پڑتے ہیں میخانے کے بعد

دور تک شہرت ہے اس کی طور کہتے ہیں جسے — بے چراغ اک جلوہ گہ ہے میرے ویرانے کے بعد

کوئی ہیرے کی کنی سے کم نہ تھا ہنگامِ ضبط — کچھ ہمیں پینا پڑے آنسو بھی غم کھانے کے بعد

عشق کی تاریخ دہرائی زمانے نے ضرور — نام پایا قیس نے بھی تیرے دیوانے کے بعد

شور ہے رہنا قیامت سے بہت ہی ہوشیار — اُن کے کوچے سے اُٹھی ہے ٹھوکریں کھانے کے بعد

طبع ہو بھی تو کہیں دیوان میرا اے ریاضؔ
دیکھنے کی چیز ہوگا یہ صنم خانے کے بعد

ہو بھی کچھ تو ہے بہت بیجا گھمنڈ　　چار دن کی زندگی پر کیا گھمنڈ
خاک میں چھپنا ہے تو کیسا غرور　　خاک میں ملنا ہے تو کیسا گھمنڈ
بے تکلف روندتے پھرتے ہیں دل　　ہائے رے حسن جوانی کا گھمنڈ
عجز سے بڑھکر نہیں ہے کوئی چیز　　کیسی نخوت کبر کیسا کیسا گھمنڈ
حُسن ہی اللہ نے ایسا دیا　　تجکو زیبا سب کو نا زیبا گھمنڈ
ہاتھ بھی ان کو لگا سکتے نہیں　　ہے نزاکت پر انہیں کتنا گھمنڈ
ایک فقرے میں وہ میرے ہو لیے　　بات کہتے اس طرح ٹوٹا گھمنڈ
پیچ و تاب دل کبھی دیکھا نہیں　　پیچ و خم پر زلف یار اتنا گھمنڈ

کوئی گویا آپ کا ثانی نہیں
اے ثریا صٓ اتنا غرور اتنا گھمنڈ

لے گیا گھر سے انہیں غیر کے گھر کا تعویذ
ہم نے دیکھا نہ سنا ایسے اثر کا تعویذ

دے کے بو زلف کی رکھ لو نہ مجرم دل کو
خواب میں پھر نہ ڈرو گے یہ ہے ڈر کا تعویذ

صدقے تیرے مجھے تسکین بہتی سکین ہوئی
خط ترا تھا کہ مرے درد جگر کا تعویذ

ہو مبارک تجھے آنکھوں میں سمانا دن رات
زیب بازو رہے ہر وقت نظر کا تعویذ

رہ گیا غیر کے گھر جائیے جبھی لائیے بھی
آپ کے سر کی قسم آپ کے سر کا تعویذ

باندھ لے بہر خدا اپنے بھرے بازو پر
نظر بد سے بچائے گا نظر کا تعویذ

گھر گئے اپنے بنا کر وہ نہیں راہ عدم
وصل کی شب کی نشانی ہے کمر کا تعویذ

ہاتھ بھی آئیں تو ہے ہاتھ لگانا مشکل
سر بازو ہے بندھا خاص اثر کا تعویذ

ڈرتے اُن کے بھرے بازو کی کا عہد اُترے
ہاتھ تھا ہاتھ تھا شب وصل اِدھر کا تعویذ

دل ہے اب تاک کے آغوش میں ان رات کے باعث
یہ تو سر چڑھ کے بنا یار کے سر کا تعویذ

ڈالے نظر تمہاری بلا لالہ زار پر / تم بجلیاں گراؤ دلِ داغدار پر

صیاد گھات میں ہے تُلا ہے شکار پر / آنکھوں میں کیوں کھٹکتے ہیں بلبل کے چار پر

بنتِ عنب کے عقد میں کچھ دیر ہے ابھی / تقریب اُٹھ رہی ہے یہ فصلِ بہار پر

اُٹھ کر پہنچ تو جائے لحد سے یہ تا فلک / آنکھ آسماں کی ہے ہمارے غبار پر

اتنا قفس سے تیز گیا میں سوئے چمن / جیسے لگا دیئے ہوں کسی نے ہزار پر

عمامہ و عبا و قبا سب ہیں رہنِ مے / اب دے کوئی اُدھار تو کس اعتبار پر

مشکل ہماری نزع میں آسان ہو گئی / وہ کہہ گئے ہم آئیں گے تیرے مزار پر

اُودی گھٹائیں بادۂ گلرنگ سبزہ زار / پریوں کے ناچ کا ہے مزا کوہسار پر

مہندی لگا کے ہاتھ میں چھوئیں شبِ وصال / یہ بھی کوئی ادا ہے کہ جھنجھلائے پیار پر

ملنا مقامِ قیس کا مشکل تھا اے جنوں / برسوں چلے ہیں دشت میں ہم نوکِ خار پر

بیکس سی رات دن مرے گھر میں پڑی رہی / آیا نہ تم کو رحم شبِ انتظار پر

دامن میں پھول لیکے چلے تھے عدو کے گھر / حسرت پکار اٹھی کہ ہمارے مزار پر

سہرا جنوں کا باندھنے والے تھے ہم ریاضؔ
یہ رسم اُٹھ رہی مگر اب کی بہار پر

گنبدِ مدفن ہے یا ہی آسماں بلائے سر / یہ مکیں رکھتے ہیں سب اپنے مکاں بالائے سر

یوں لیے ہوں حشر میں بار گراں بالائے سر ‏ دوش پر خم ہے گنہ کی گٹھریاں بالائے سر

چھوٹی سی کشتی بنا ہے آسماں بالائے سر ‏ سیل اشک اسطرح چشم خوں فشاں بالائے سر

زیر مسجد میکدہ - میں میکدے میں مست خواب ‏ چونک اٹھا جب موذن نے اذاں بالائے سر

ہم ہیں سوئے سایۂ گل میں نہیں اتنا خیال ‏ اے عنادل اس طرح شور فغاں بالائے سر

نخل گل کی طرح دیوانوں سے بھی مانوس ہیں ‏ لینے میں بلبل جگہ اے باغباں بالائے سر

یہ نرالی تیری خلقت شمع اس پر حسن بھی ‏ ہم نے دیکھی ایک تیری ہی زباں بالائے سر

خوش کیا یوں باغ میں لاکر مجھے صیاد نے ‏ شاخ کے نیچے قفس ہے آشیاں بالائے سر

بیچتے پھرنے میں ہم اس طرح رہنے لگی ‏ جائے خم چھوٹی سی ہے مے کی دکاں بالائے سر

رحم کر مالک کہ ہیں دو دو فرشتے بھی لدے ‏ اور پھر عصیاں کا بھی بار گراں بالائے سر

پیچھے کارواں کے ہم تھکے ماندے ہیں یوں ‏ پاؤں میں چھالے ہیں گرد کارواں بالائے سر

پاؤں کے نیچے سے نکلی جاتی ہے یارب زمیں ‏ کھا رہے ہیں چکر اتنے آسماں بالائے سر

میں وہ ہوں محشر کے پیاسوں کو پلاؤں تو سہی ‏ حوض کوثر ہوگا اے پیر مغاں بالائے سر

آتش رنگ حنا و زلف پیچاں دیکھئے ‏ آگ تلووں میں لگی نکلا دھواں بالائے سر

لینے جاتا ہی حرم سے کیا کہیں تم کو ریاض

طاق پر رکھی ہے بوتل مہرباں لائے سر

فریاد جنوں اور ہے بلبل کی فغاں اور ‏ صحرا کی زباں اور ہے گلشن کی زباں اور

کٹ جائے زباں تیری تو ہو گرم زباں اور ‏ اللہ نے دی ہے تجھے اے شمع زباں اور

جنت بھی ہے دوزخ بھی ہر سینے میں ہمارے ‏ یہ داغ نہاں اور ہے یہ سوز نہاں اور

ہو جائے سپیچ - افلاس میں بستا ہوں رہیگا ‏ دو چار مہینے ابھی ماہ رمضاں اور

آغاز محبت میں یہ دل خون ہوا ہے — روئینگے ابھی دیدۂ خوں نابہ فشاں اور

دنیا میں اب ایسا قدر انداز نہیں ہے — ہوتے ہی ہدف دل کے چڑھی ان کی کماں اور

جو پیتے ہیں پیتے نہیں وہ بھی رمضان میں — سنتا ہوں کوئی بند ہوئی مے کی دکاں اور

اچھا ہے رہیں جا کے الگ دونوں جہاں سے — عشاق کے رہنے کو بنے ایک جہاں اور

پینے کا مزا جب ہے کہ منہ خم سے لگا ہو — مجھ رند سے ساقی یہ کہو جائے کہاں اور

نکلا ہے مرا نام کہ بے نام ونشاں ہوں — مجھسا بھی نہ ہوگا کوئی بے نام ونشاں اور

سنتا ہوں مسلمانوں میں اب تانگ بہت ہے — ڈرتا ہوں مے ناب نہ ہو جائے گراں اور

پہنچے در و دیوار کو نقصاں تو کیا غم — رونے کے لئے لینگے کرایہ کا مکاں اور

تیز آتش سیال ہے پہلے سے زیادہ — اب آگ لگائے نہ ذرا پیر مغاں اور

دی ہم نے جگہ دل کو بھی آنکھوں کی برابر — آنکھوں میں سمانے نہیں وہ ہو کی جواں اور

مرنے کا ریاض اپنے ذرا نام نہ لینا
جینا ابھی مر مر کے تجھے ہے مری جاں اور

پردے پردے میں یہ کر لیتی ہیں راہیں کیونکر — پار ہو جاتی ہیں سینے کی نگاہیں کیونکر

دل میں آنے کی نکل آتی ہیں راہیں کیونکر — اوپر اٹھ جاتی ہیں وہ نیچی نگاہیں کیونکر

کر لیا کرتے تھے دل کھول کے آہیں کیونکر — اب یہ رونا ہے کہ آہیں تو کراہیں کیونکر

گدگدانے نہیں آتی ہیں سر بام تمہیں — عرش پر کھیلتی ہیں جا کے یہ آہیں کیونکر

نکلیں گھونگھٹ میں یہ مژگاں کے جو نکلیں کبھی بھی — شوخ ہو جاتی ہیں شرمیلی نگاہیں کیونکر

تو بھی جانے کہ ملا چاہنے والا تجھکو — تو بتا دے ترے صدقے تجھے چاہیں کیونکر

کیا خبر ہے تجھے او چین سے سونے والے — کہ دم سرد بنا کرتی ہے آہیں کیونکر

طور والو وہ لبِ بام ہیں آنے والے
دیکھیں لڑتی ہیں نگاہوں سے نگاہیں کیونکر

شوق اُدھر شرم اُدھر بات نئی رات نئی
دیکھیں ملتی ہیں نگاہوں سے نگاہیں کیونکر

یہ اُمنگیں یہ ترنگیں یہ جوانی یہ شباب
توبہ کر کے یہ بتاؤ کہ نباہیں کیونکر

شرم کے پُتلے کو آجاتی ہے کیونکر شوخی
بجلیاں بنتی ہیں شرمیلی نگاہیں کیونکر

ہم ریاضؔ اوروں سے خوددار سوا ہیں لیکن
رہ کے معشوقوں میں ہم وضع نباہیں کیونکر

بام سے پوچھتے ہو تم کو بتائیں کیونکر
چاند سے چہرے کی لیتے ہیں بلائیں کیونکر

یونہی ہو جائیگا نشہ ہمیں پینے والے
ہم تو پیتے نہیں ہم تجھکو پلائیں کیونکر

وصل کو ہجر نزاکت نے بنا رکھا ہے
ایسے نازک کو شبِ وصل ستائیں کیونکر

آئینہ سامنے آتا ہے تو شرماتے ہیں
شرم کے پُتلے ہیں وہ سامنے آئیں کیونکر

داغ کی طرح دکھانے کی تو یہ چیز نہیں
درد کو پوچھتے ہیں ان کو بتائیں کیونکر

سایۂ زلف چلا بن کے پری کا سایہ
دیکھنا یہ تقاضا کر آتی ہیں بلائیں کیونکر

غیر کی جان پہ لے جان ذرا بن جاتی
دیکھتے ہم بھی کہ ہوتی ہیں جفائیں کیونکر

شرم جاتی بھی نہیں شمع ہٹاتی بھی نہیں
ہم لگی دل کی شبِ وصل بجھائیں کیونکر

بوسے یہ کہہ کے شبِ وصل لیے ہیں میں نے
گنی جاتی ہیں مری آج خطائیں کیونکر

بڑھتی جاتی ہے بہت اہلِ جنوں کی تعداد
کوئی روکے یہ جنوں خیز ہوائیں کیونکر

حشر آشوب وہ ہنگامے زمانے میں نہیں
سوتے فتنے ترے کوچے کے جگائیں کیونکر

چھیڑتی ہے شکنِ زلف شبِ وصل ہمیں
لیں سنوارے ہوئے گیسو کی بلائیں کیونکر

موج بو بھی نہیں گیسو کی سہارے کو ریاضؔ
ضعف سا ضعف ہے ہم آپ ہی آئیں کیونکر

کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر — شکن رہ جائے گی یونہی جبیں پر

گری تھی آج تو بجلی ہمیں پر — یہ کہیئے جھک پڑے وہ ہمنشیں پر

لہو بیکس کا مقتل کی زمیں پر — نہ دامن پر نہ اُن کے آستیں پر

بلائیں بن کے وہ آئیں ہمیں پر — دعائیں جو گئیں عرش بریں پر

یہ قسمت داغ جس میں درد جیس — وہ دل ہو لوٹ دستِ نازنیں پر

رُلا کر مجکو پونچھے اشک دشمن — رہا دھبا یہ اُن کی آستیں پر

اُڑائے پھرتی ہے ان کو جوانی — قدم پڑتا نہیں ان کا زمیں پر

ارے او چرخ دینے کے لیئے داغ — بہت ہیں چاند کے ٹکڑے زمیں پر

نزاکت کوستی ہے مجکو کیا کیا — طبیعت آئی اچھی نازنیں پر

تمنائے اثرا و چشم حسرت — اُٹھا رکھ اب نگاہِ واپسیں پر

دھری رہجائے گی یونہی شبِ وصل — نہیں لب پر شکن ان کی جبیں پر

خدا جانے دکھائیگی یہ کیا رنگ — دعائیں جمع ہیں عرش بریں پر

نگاہِ شوق گرم اتنی کہ بجلی — نہ آنچ آئے کہیں اس نازنیں پر

مجھے ہی خون کا دعویٰ تجھے ہے — اِنہیں پر داورِ محشر انہیں پر

ریاضؔ اچھے مسلماں آپ بھی ہیں

کہ دل آیا بھی تو کافر حسیں پر

رہے ہم آشیاں میں بھی تو برقِ آشیاں ہو کر — لگا دی آگ اپنے گھر میں سرگرم فغاں ہو کر

نہ اپنے غمزدوں کو خوش کرو اب مہرباں ہو کر — بتو تم خوش رہو ہم کیا کریں گے شادماں ہو کر

کھلے غنچے نہ بو چھوٹی نہ شاخِ گل پھلی پھولی — قفس میں جب سے ہم آئے بہار آئی خزاں ہو کر

چلے ہو گلِ بداماں کچھ تو کہتے جاؤ اُن سے بھی ۔۔۔ کہ تم سی کہہ رہے ہیں کچھ عنادل ہم زباں ہو کر

جواں ہونے نہ پائے تھے کہ دل آیا حسینوں پر ۔۔۔ اجل یہ کہنے آئی کیا کروگے تم جواں ہو کر

ہوئے پست ایسے اُن کی خاک بھی اُڑتے نہیں دیکھی ۔۔۔ رہے رہنے کو کتنے اس زمیں پر آسماں ہو کر

جو کھا کر وار موسیٰ پر تو ہم پر چوٹ پڑتے ہیں ۔۔۔ وہی جلوہ عیاں ہو کر وہی جلوہ نہاں ہو کر

قیامت اُن کی چھیڑیں ہیں مرے بیتاب کرنے کو ۔۔۔ جو ناوک آئے چٹکی سے تو اُن کی چٹکیاں ہو کر

ملایا خاک ہو کر حسرتوں کو اپنی مٹی میں ۔۔۔ چھپایا کارواں کو ہم نے گردِ کارواں ہو کر

کبھی تقریرِ ساقی میں جو لغزش اس نے پائی ہے ۔۔۔ تو موجِ مے نے ہم سے گفتگو کی ہے زباں ہو کر

یہ رنگیں نعرۂ مستانہ کس کے ہیں ارے زاہد ۔۔۔ صدا ناقوس کی دے دی کہیں گونجی اذاں ہو کر

ترے کوچے میں پیدا ہی اسی نے ہم غریبوں کو ۔۔۔ گرا ہے سایۂ دیوار ہم پر آسماں ہو کر

کسی محرم سنبھالے گی نہ ڈہرے ہوئے آنچل ۔۔۔ رہیں گے وہ نہ قابو میں کسی کے بھی جواں ہو کر

دکن میں کیا وزیرِ فوج نے مہماں نوازی کی ۔۔۔ جنابِ شادؔ[ع۱] کے در سے پھرے ہم شادماں ہو کر

ریاضؔ اس وضع سے پہنچے کہ بھولے میکدے والے
بزرگِ خضر صورت آئے جنت میں جواں ہو کر

بالائے بام غیر ہے میں آستان پر ۔۔۔ چاہیں جسے چڑھائیں حضور آسمان پر

کیوں نامراد آہ گئی آسمان پر ۔۔۔ ٹوٹے نہ آسماں کہیں میری جان پر

رسوائیاں ہیں ساتھ وہ چھپ کر ہزار جان ۔۔۔ سو سو کے سر جھکے ہیں قدم کے نشان پر

آتا اُسے ضرور تو ہو لاکھ اہتمام ۔۔۔ عاشق ہے ان کی نیند مری داستان پر

تھا رازدارِ حسن وہ کافر جو کہہ گیا ۔۔۔ معشوق دل کی بات نہ لائیں زبان پر

ع۱ - حضور مہاراجہ کشن پرشاد بہادر بالقابہ حال وزیر اعظم دکن۔

ان کی گلی میں رات میں اس وضع سو گیا
گھبرا کے پاسبان گری پاسبان پہ

نازک سی تیغ یار ہی کیا زہر کی بجھی
کھائے ہوئے ہیں زہر مرے امتحان پہ

بنتے ہیں شوخیوں سے وہ سورج بھی چاند بھی
نقش قدم بھی آپ کے ہیں آسمان پہ

خلوت میں بھی چلی ہیں کہیں سینہ زوریاں
اس طرح آپ تن کے اٹھے کس گمان پہ

ذکر مے طہور نے تڑپا دیا ریاض
جانا پڑا ہمیں کسی اونچی دکان پہ

ترے پائے حنائی آئے جب سبزے کے دامن پر
کھل اٹھے پھول سبزہ لہلہایا میرے مدفن پر

نہ تیری آستیں پر چھینٹ آئیگی نہ دامن پر
رہیگا میرے قاتل خون میرا تیری گردن پر

قفس سے ہم بھی جا بیٹھتے ذرا شاخ نشیمن پر
کہ جوش لالہ و گل سے بہار آئی ہے جوبن پر

لہو کا داغ لیگی پارسائی اپنے دامن پر
چھری میری چلیگی اے بط مے تیری گردن پر

چمن سے اڑ کے برگ گل قفس پر چھائے جاتے ہیں
مرے ٹوٹے ہوئے پر چھائے رہتے ہیں نشیمن پر

بھرے تھے کچھ وہ نرگس سے مگر آتے ہی گلشن میں
جو منہ آئے تو غنچوں پر زباں کھولی تو سوسن پر

جو میری تاک میں تو ہے اڑیں گے تجھ سے تنکے بھی
ارے صیاد ابھی کیا ہے نکالے گا نشیمن پر

یہ خون بے گنہ ہے ہاتھ کی منہدی نہیں ظالم
رہیگا تیرے دامن پر رہیگا تیری گردن پر

بتو ہو بدگماں جس سے حرم کے کچھ موذن ہیں
یہ آوازے نہیں کستے ہیں ناقوس برہمن پر

کچھ ایسے سادہ دل ہم ہیں ہمیشہ ٹھوکا کھاتے ہیں
گماں رہبر کا ہوتا ہے ہمیشہ ہم کو رہزن پر

سیئے جاتے ہیں زخم دل کہ ڈورے ڈالے جاتے ہیں
ارے او بخیہ گر میری نظر ہے چشم سوزن پر

لگی ہے آگ سی یارب بھڑکتی ہے نہ بجھتی ہے
چمک تو دل میں ہے لیکن نظر ہے دشت ایمن پر

بہار ایسی کبھی آئی نہ تھی اے باغباں پہلے
بیٹھے ہیں آجکل صیاد و گلچیں میرے گلشن پر

مجھے دو کرکے ان کی تیغ کتنی صاف نکلی ہے — وہ ایسے ہیں لہو کی چھینٹ آنے دینگے دامن پر

نگاہیں اس سے ہٹتی ہیں نہ وہ نظروں سے ہٹتی ہے — پڑی ہے آنکھ میری آج کس نازک سی چلمن پر

کہاں کے شمع رو معشوق دس جائیں تو بیس آئیں — رہیں جھرمٹ حسینوں کے الٰہی میری مدفن پر

انہیں کا عکس میرے نامۂ اعمال پر ہوگا — نظر آتے ہیں جتنے داغ عصیاں میرے دامن پر

رہا کرتی ہے روشن تیرہ شب میں برق کی مشعل — یہ آ آ کر چمکتی ہے ہمیشہ میرے خرمن پر

بہار آئے نہ آئے لے ریاض اس ضعف پیری میں
نہ زور اپنا گریباں پر نہ اپنا زور دامن پر

خدا کرے رہے جاری پیام یار نثار — کہ تیرے بعد یہ ہے تیری یادگار نثار

کسی کی بھی نہیں سنتے ہیں آج یار نثار — ہزار کوئی پکارا کرے نثار نثار

چھلکتے جام ہیں حوریں ہیں باغ جنت ہے — اڑا رہے ہیں مزے کیا تہِ مزار نثار

دم اخیر کچھ اس طرح پھیر لیں آنکھیں — نہ تھے زمانے میں گویا کسی کے یار نثار

روا روی میں اتارے نہ عکس بھی اترا — ہوا کے گھوڑے پر آئے تھے کیا سوار نثار

یہ اس کی شان کریمی نثار کو بخشا — ہزار بار فدا ہیں ہزار بار نثار

بچھڑنے والو کبھی تم نہ چھوڑنا دامن — چلے ہیں لوٹنے فردوس کی بہار نثار

ابھی یہ پھوٹ کے روئے نہ لوں جو ضبط سے کام — بھری ہے مجھ سے بہت چشم اشکبار نثار

ریاض فاتحہ پڑھنے نہ تم گئے اب تک
تمہارے واسطے ہیں محو انتظار نثار

ہوئی ہے میری جوانی فدائے گورکھپور — لحد سے آئیگی آواز ہائے گورکھپور

یہاں کی موت بھی ہے زندگانی جاوید — ہوائے باغ جناں ہے ہوائے گورکھپور

پرستش ان کی ہمارا تو دین و ایماں ہے — عجیب چیز ہیں اہل وفائے گورکھپور
اودھ کی شام بنارس کی صبح صدقے ہو — کہ اک جہان سے جدا ہے ادائے گورکھپور
اٹھائے دور سے انگلی ہلال بھی سوئے بام — نظر پڑے جو کوئی مہ لقائے گورکھپور
پکارتی ہیں یہی دلفریبیاں اس کی — کہ آکے ہو جسے جانا نہ آئے گورکھپور
ہم اپنے خون تمنا سے سینچ آئے ہیں — حسیں لگائیں منگا کر حنائے گورکھپور
نہیں ضرور ہے سنتا مرا سنوں نہ سنوں — غزل یہ گائے کوئی خوشنوائے گورکھپور
مزار سے شہدا کے یہ آ رہی ہے صدا — فضائے باغ ارم ہے فضائے گورکھپور
نہ مٹ سکیں گے کبھی نقش بھولی باتوں کے — ہمارے دل میں بسی ہے ادائے گورکھپور
چمن بھی حور بھی حسن شباب بھی مے بھی — جسے بہشت میں جانا ہو آئے گورکھپور
گیا وصال کا دن آگئی وصال کی شب — مزے کی چیز ہے مہمانسرائے گورکھپور

ریاض تم نے کہی ہے اسی لئے یہ غزل
برا کہیں نہ تمہیں دلربائے گورکھپور

صیاد کہاں جائیں گے گلشن سے نکلکر — ہم موت کے منہ میں ہیں نشیمن سے نکلکر
فرہاد نہ جاتا ہو کہیں قیس سے ملنے — یہ کون چلا کوہ کے دامن سے نکلکر
اک عام جگہ طور تھی دل ایسے کا گھر تھا — کھل کھیلے کہاں وادیٔ ایمن سے نکلکر
کیوں ہاتھ مرے ٹوٹیں میں ان ہاتھوں کے صدقے — ہیں تیری کمر میں تری گردن سے نکلکر
ہونا ہے جو کچھ حشر ہمارا وہ یہیں ہو — جائیں گے نہ اب ہم کہیں مدفن سے نکلکر
اللہ بچائے نگہ پردہ نشیں سے — گھر کرتی ہے دل میں بھی روزن سے نکلکر
تم زخم سیو رہنے دو اس کو مرے دل میں — آئی ہے گرہ رشتۂ سوزن سے نکلکر

جاؤں جو حرم کو تو خود آواز کے ہمراہ ناقوس چلے دست برہمن سے نکلکر
کہتی ہے یہ شوخی نگہِ شوق بھی ہٹ جائے آتا ہے کوئی آنکھ میں چلمن سے نکلکر

پہنے کفنی کیا یہ ریاض آئے حرم میں
یا کوئی بزرگ آئے ہیں مدفن سے نکلکر

ہے عرش بریں اور مدینے کی زمیں اور اللہ یہاں کے ہیں مکاں اور مکیں اور
اٹھ اٹھ کے چلے ساتھ کبھی طور نشیں اور جو کعبے کو جاتے ہیں وہ جائینگے کہیں اور
آخر تجھے کس بات کا دعوے ہے زلیخا تو کوئی دکھا دے مرے یوسف سا حسیں اور
ہے عرش بریں فرش رہ گنبد خضرا ہے میری جبیں اور فرشتوں کی جبیں اور
دونوں ہیں مقام ایک مکاں ایک مکیں ایک کعبے سے کوئی جاکے مدینے میں نہیں اور
بدلوں دل پُر نقش سے کیا مہر سلیماں وہ نقش و نگیں اور ہے یہ نقش و نگیں اور
سیدھا سا مسلماں ہوں سمجھتے ہیں بت بھی ملت نہ مری اور نہ میرا کوئی دیں اور
فرمائیں گے مجکو شرف اندوز زیارت ٹھہرا ہے سینے میں جو دم بازپسیں اور
دن دن ہوئی جاتی ہے جو نزدیک قیامت وعدے کی وفا کا مجھے ہوتا ہے یقیں اور
منہ پونچھ کے کہنا وہ مرا شیخ حرم سے ہاں نام سے زمزم کے ذرا قبلۂ دیں اور
تربت ہو قیامت ہو جہنم ہو کہ جنت ہم اٹھ کے نہ جائیں گے تری در سے کہیں اور

لو کھول دیں آنکھیں شرف سجدۂ در نے
ہیں اپنی نگاہوں میں ریاض آج ہمیں اور

گرد دامن بن گیا صحرا کا داماں دیکھکر پاؤں پھیلائے ہیں میں نے بھی بیاباں دیکھکر
تو نہ جا جانے بھی دے اب کوئی لیلیٰ کا خیال قیس دنیا کیا کہے گی تجکو عریاں دیکھکر

دن میں چرچے خلد کے شب میں مے کوثر کے خواب　　ہم حرم میں آ رہے میخانے ویراں دیکھ کر

نکلے میرے جرم میرے علم سے باہر بہت　　دم بخود ہوں روز محشر فرد عصیاں دیکھ کر

نجد سے آ کر غبار قیس لیتا ہے قدم　　ہم وہ ہیں بیٹھے ہیں جو کتنے بیاباں دیکھ کر

ہر طرف سے شور اٹھا خون دو عالم ہے معاف　　حشر کے دن میرے قاتل کو پشیماں دیکھ کر

صبح پیری آنکھ اپنی جب کھلی تو یوں کھلی　　جیسے کوئی چونک اٹھے خواب پریشاں دیکھ کر

ہوش میں ہوں تو بھی آتے جاتے اے فصل جنوں　　دور سے کھنچتا ہے دل دیوار زنداں دیکھ کر

مجھکو کیا حسن مہ تو لاکھ ہو عالم فریب　　کون دیکھے ان حسینوں کا گریباں دیکھ کر

چشم حسرت دیدۂ عبرت تھے ذرّے خاک کے　　رو دیے ہم عالم گور غریباں دیکھ کر

دل سے بڑھ کر پھول ہیں سبزہ رگ جاں سے سوا　　پاؤں رکھنا میری تربت پر مری جاں دیکھ کر

سحر ہیں اعجاز ہیں سب چیدہ اشعار ریاضؔ
معتقد ہم بھی ہوئے حضرت کا دیواں دیکھ کر

نظر ہے حضرت واعظ کی خلد و کوثر پر　　بہت ہی اونچے گئے یہ پہنچ کے منبر پر

جمے تھے پہلے سے ہم رند حوض کوثر پر　　نگاہیں دور سے ڈالیں ہجوم محشر پر

کہا تھا ہم سے کہ آئیں گے پہنچے غیر کے گھر　　وہ کل کی بات گئی آج روز محشر پر

نگاہیں مستوں کی ہیں اور آنکھ ساقی کی　　یہ موجیں وہ ہیں جو چھائی ہیں مے کی ساغر پر

یہ خشک آج ہوئے ہیں ذرا لہو رو کر　　بہت ہنسیں نہ لب زخم دیدۂ تر پر

قفس کی ٹوٹی ہیں کچھ تیلیاں بھی اے صیّاد　　بہت سے پر ہیں قفس میں بہت سے باہر پر

وہ خود ہی پھوٹے گا فصّاد دل کا پھوڑا ہے　　یہ اٹھ رہیگا نہ تجھ پر نہ تیرے نشتر پر

چھلکتے جام کی موجیں ہیں تیرے ہونٹھ نہیں　　جو اٹھ کے ہوتی ہیں صدقے ترے لب تر پر

کسی کا ہاتھ یہ بہکا بُرا ہو واعظ — وہ سمجھے آرہی مسجد کی چھت مری سر پر

اس انتظار میں اس شوق میں وہ آئیں گے — کھلے جو پھول وہ مرجھا چلے ہیں بستر پر

اُٹھیں گے ہم نہ جنازہ ہمارا اُٹھے گا — ہماری خاک ہمیں لائی ہے ترے در پر

چھپا ہی آج تو کیا۔ کل کھلے گا قتل کا حال — یہ بات آئے گی اک دن زبانِ خنجر پر

یہ سمجھے رند کہ ہی اس کو توڑنے کا خیال — کہ بعد توبہ نگاہیں مری تھیں ساغر پر

شکستہ جام گلی واعظو بہت ہی مجھے — نہ تم ہنسو مرے پھوٹے ہوئے مقدر پر

شریک میری صُراحی کے قہقہے بھی ہوئے — بڑھا یہ شور بھی ہنگامۂ محشر پر

مرا خیال رہے تجھکو لے گراں جانی — بہت ہی ناز ہی قاتل کو اپنے خنجر پر

نصیب سنگِ لحد کو ہوئی نقشِ قدم — اُتر گئے مرے دل میں پڑے جو پتھر پر

وہ تابشِ درِ دنداں وہ جنبشِ لبِ تر — رواں ہے کشتیٔ مے کیسی آبِ گوہر پر

دبا نہ قلقلِ مینا سے سخت دل واعظ — اثر نہ ڈال سکے میرے شیشے پتھر پر

اُڑا کے لے گئے گلشن میں خانۂ صیّاد — یہ ہم نے رہ کے قفس میں نکالے کیونکر پر

بڑھی ہماری سیہ اختری کی یہ تاثیر — سیاہی شبِ غم چھا گئی ہے اختر پر

میں ہوں وہ بندۂ آزاد ناز مجکو ہے — خدائے برتر و آقائے[1] بندہ پرور پر

ریاضؔ ہائے رے تیرا وہ خواب کا انداز
سبو تو ہے تہِ سر دستِ شوق ساغر پر

---

[1] سر مہاراجہ بہادر محمود آباد اعلیٰ اللہ مقامہٗ

اُن کے ہوتے کون دیکھے دیدہ و دل کا بگاڑ
پڑ گیا دونوں میں فرطِ رشک سے کیسا بگاڑ

اس کی محفل کا مرقع کھینچ لے مانی مگر
اس مرقع میں ذرا تو غیر کا چہرا بگاڑ

تیرے جُھکنے سے جُھکے ہیں دل کے لینے کو حسین
کم لگا کر دام اے ظالم نہ تو سودا بگاڑ

دختِ رز کو شکل تیری دیکھکر نفرت نہ ہو
تلخیٔ مے سے ارے زاہد نہ مُنہ اپنا بگاڑ

ہاں وہی پھر کعبہ بن جائے گا اے شیخ حرم
بتکدے کا پہلے نقشہ کھینچ پھر نقشا بگاڑ

ہو تعلق گلرخوں سے تو مزا ہر بات میں
کیا بناوٹ کیا کھنچاوٹ کیا لگاوٹ کیا بگاڑ

میرے حال زار پر آجائے تجکو آپ رحم
او بنانے والے میرے مجکو تو اتنا بگاڑ

کوئی ہو ں کافر ہوں یا اللہ والے اے ریاض
چار دن کی زندگانی میں کسی سے کیا بگاڑ

میرے بیاں پہ آج ہے طرز بیاں کو ناز	میری زباں پہ آج ہے اُردو زباں کو ناز
بیداریوں پہ اپنی ترے پاسباں کو ناز	سوتے نصیب پر مرے خواب گراں کو ناز
گرتے ہیں ٹوٹ ٹوٹ کے خود صید تیر پر	مژگاں پہ اپنی ہے مری ابرو کماں کو ناز
دونوں سے رات دن ہے تعلق کہیں تو یوں	مجھ پر قفس کو ناز مرے آشیاں کو ناز
تم نے ملائے خاک میں لاکھوں تو کچھ نہیں	مجھ کو ملا کے خاک میں ہے آسماں کو ناز
اُس سنگِ در کو بار ہا سجدہ جبیں	رکھتے جو پاؤں غیر تو اس آستاں کو ناز
بو زلف کی ہے رنگ ہے اس میں شباب کا	ایسی پری کھنچی کہ ہے پیر مغاں کو ناز
اٹھا دھواں جگر سے مگر اُف کبھی نہ کی	ہم دل جلوں پہ آج ہے سوز نہاں کو ناز

سو بار امتحان نگہ ناز لے چکی
مجھ پر ریاض ہے نگہ امتحاں کو ناز

کوئی ان دونوں سے بچ جائے نشیمن یا قفس　　بجلیاں ہی بجلیاں ہیں آشیاں سے تا قفس
دم مرا گھٹتا ہے مل جاتی ذرا تازہ ہوا　　کوئی لے جاتا سوئے گلشن سوئے صحرا قفس
چھوٹ کر بھی ٹوٹ کر آتا ہوں بجلی کی طرح　　دور سے میں نے کھلا دیکھا جہاں اپنا قفس
سو بہاریں آ چکیں لیکن نہ یہ بدلا گیا　　میرے دل سے بھی سوا ٹوٹا ہوا میرا قفس
کونپلیں پھوٹیں بہار آئے کھلیں گل مجکو کیا　　میں ہوں بے بال و پری ہے اور ہے میرا قفس
تول کر پر رہ گیا میں آج اے بادِ بہار　　سیر ہوتی سوئے گلشن لے کے اُڑ جاتا قفس
مجکو اے صیاد وہ راحت ملی ہے میں تو کیا　　جھانکنے کو بھی نہ آئے گا مرا سایا قفس
شاخِ گل شاخِ قفس شاخِ نشیمن ایک ہے　　مردہ دل کو کیا گلستاں کیا نشیمن کیا قفس
بولتا ہی طوطی مینا رہے مے قابل نہیں　　موجِ مے طوطی ہے گویا اور ہی مینا قفس

صدقے ہونیکو ریاضؔ آئی گلستاں کی بہار
اس طرح صیاد نے پھولوں سے کچھ چھپایا قفس

ہے بری شئے کاتبِ اعمال انساں کی ہوس　　لے چلا میں بھی تمہارے ساتھ عصیاں کی ہوس
دامن الجھائیگی میرا میرے داماں کی ہوس　　اے جنوں چھوائے گی تنکے بیاباں کی ہوس
سر سے پانی ایک دن ہو جائیگا اونچا ضرور　　مجکو لے ڈوبے گی اک چاہِ زنخداں کی ہوس
میں فدا او گیسوؤں والے ستائے گی تجھے　　مجھ پریشاں کی تمنا مجھ پریشاں کی ہوس
ٹوٹ کر دل میں ہے یا ڈوب کر دل میں ہے　　اک ذرا سے دل کو ہی چھوٹے سے پیکاں کی ہوس

پڑتے ہیں اس راہ میں میدانِ محشر سیکڑوں
لیے چلی ہے اب تو ہم کو کوئے جاناں کی ہوس

صدقے دستِ ناز کے ارمان پورا ہو گیا
ساتھ ہی نکلی گریباں کے گریباں کی ہوس

قبر میں بھی حشر میں بھی ہو گی میرے دل میں کیا
ساتھ جاتی ہی نہیں جاتی ہے انساں کی ہوس

آنے والے حشر کا ہنس ہنس کے وہ لیتے ہیں نام
اچھی نکلی سچے سچے قول و پیماں کی ہوس

شوق ہے دامن سے نکلے دامنِ دل میں ہے
لائے جنوں اب ہے یہ میرے خارِ داماں کی ہوس

کچھ سیہ کاری کی حد بھی ہے بہ این ریش سفید
اے ریاضؔ اس عمر میں ہے تم کو عصیاں کی ہوس

تو بھی صیاد نہیں مرغِ گرفتار کے پاس
اور رکھا ہے قفس باغ کی دیوار کے پاس

غیر بھی انجمنِ ناز میں ہے یار کے پاس
باغ میں خار بھی ہے پھول بھی ہے خار کے پاس

بند آنکھیں ہیں مری حال نہیں کھلتا ہے
دور ہیں آپ کہ ہیں طالبِ دیدار کے پاس

ہے بڑی شوخ قیامت تجھے معلوم نہیں
آتی جاتی ہے ترے فتنۂ رفتار کے پاس

لے کے تم ان کو کلیجے میں عدو کے رکھنا
خارِ حسرت ہیں کئی میرے دلِ زار کے پاس

بوسہ لینے کے لئے میری لب شوق کہاں
بجلیاں کان کی ہیں آپ کے رخسار کے پاس

اُٹھ گئے کہہ کے بلا لے کوئی فرہاد کو آج
بیٹھ کر رات ذرا کاٹ دی بیمار کے پاس

دیکھ لے شیخ کہن سال تو آنکھیں کھل جائیں
جام اک جم کے زمانے کا ہے مے خوار کے پاس

قیس نے نجد لیا طور لیا موسیٰ نے
لی جگہ تھوڑی سی ہم نے تری دیوار کے پاس

دامنِ تر نے دیا کام کچھ لئے گرمیِ حشر
زاہدِ خشک بھی بیٹھے ہیں گنہگار کے پاس

ضعف پیری ہے ریاضؔ اب نہیں اٹھا جاتا
گاہے ماہے کبھی جا رہتے ہیں سرکار[1] کے پاس

---

[1] سرمہاراجہ محمود آباد اعلیٰ اللہ مقامہٗ

جو پلائے وہ رہے یا رب وہ ساغر سے خوش
خوش رہے پیر مغاں جانتے ہیں اس کے در سے خوش

سنگ خوں آلودہ کو سمجھے ہیں گلشن کا پھول
توڑ کر سر تیرے دیوانے ہیں کیا پتھر سے خوش

اس گلی کے رہنے والے بھی مزے کے لوگ ہیں
فتنۂ محشر سے خوش ہنگامۂ محشر سے خوش

یوں گلے سی کیوں لگاتا سخت جانوں کو کوئی
ہم گلے مل کر ہوئے کیا کیا ترے خنجر سے خوش

خم کے خم بھر بھر کے جائیں کم نہ ہووے بوند بھر
زاہد و ہم ہیں تمہارے چشمۂ کوثر سے خوش

خون پانی ایک میرا ہو گیا ان کے لئے
اپنے زخم دل سے خوش ہوں اپنی چشم تر سے خوش

دل میں گھر کرتی ہے وہ کافر مژہ کافر نگہ
میں ترے پیکاں سے خوش ہوں میں ترے نشتر سے خوش

خانہ باغ غیر میں نکلے یا کھلے میدان میں
وہ کہیں سے آئے ہوں آئی میں کچھ باہر سے خوش

میکدے میں آکے پیتے ہیں پلاتے ہیں **ریاض**
کہہ رہی ہے وضع ان کی ہیں یہ اپنے گھر سے خوش

نہیں مینا یہ اے شراب فروش
ہے کوئی شاہد شباب فروش

پہنچے کعبے میں ہم شراب فروش
لیکے مشکیزہ بن کے آب فروش

سمجھے ہیں خود کو کیا شباب فروش
دن جوانی کے ہیں حباب فروش

نقد دل لے کے ہیں سراپا لطف
تھی ادائے غضب عتاب فروش

سن کے یہ - بیچتا ہوں - دل کی بیاض
بولے پیشہ - کہا کتاب فروش

رات دن گرد مسجد جامع — میکدے سی سوا کباب فروش

کیسی مے۔ مول لونگا حج کا ثواب — ہے کہاں حاجی ثواب فروش

خوب ہیں شاہدان بازاری — ہم سیہ کار و حضاب فروش

آگ لیں بادہ کش شراب کے مول — ہو جہنم اگر عذاب فروش

زال دنیا ہو یا ہو دختر رز — بنتی ہے نوجوان شباب فروش

صرف دولت عبث ہی بہر خطاب — جب حکومت نہیں خطاب فروش

غیر کے پاس میرے خط کا جواب — مل گیا قاصد جواب فروش

مول لوں بے قرار دل کے لئے — برق ہو کاش اضطراب فروش

بیل انگور کی ہے کاہکشاں — تارے توڑینگے آفتاب فروش

حشر میں دونگا ایک کے دس دس — دے مجھے قرض اے شراب فروش

کام کی چیز ہے ملے تو ریاض
نوجواں دخت رز شباب فروش

میرے دل کو ہے غمِ یار کی حرص
مجھسے بڑھکر مرے غمخوار کی حرص

حرصِ زر سے نہیں خالی کوئی
دو جو مل جائیں تو ہے چار کی حرص

حرصِ پیری میں سیہ کاری کی
ہائے مجھ پیرِ سیہ کار کی حرص

جب کبھی پی تو پلا کر ہم نے
اور بدنام ہے میخوار کی حرص

دل میں ہر دم اسے بڑھتے دیکھا
ہائے ری لذتِ آزار کی حرص

کچھ عجب چیز ہیں دیوانۂ زلف
رکھتے ہیں طولِ شبِ تار کی حرص

خون پینے سے نہیں پھیرتی منہ
اُف ری ظالم تری تلوار کی حرص

پھر گیا خنجرِ خونخوار کا منھ
مٹ گئی خنجرِ خونخوار کی حرص

ابھی معشوق سے ہے ربط ریاضؔ
ابھی پیری میں ہے کچھ پیار کی حرص

رات فرقت کی بنے زلف رسا کو کیا غرض   وصل کی شب تن بنے تل کی بلا کو کیا غرض

غیر کے کوچے میں جانا آپ کا وہ کیوں چھپائے   خاک آنکھوں میں وہ ڈالے نقش پا کو کیا غرض

کام تو اس کا ہے گُل کرنا چراغ گور کا   پھول لائے قبر پر بادِ صبا کو کیا غرض

جو ادا پر مر رہے ہیں شوق سے مرتے رہیں   جائے بن بن کر قضا اُن کی ادا کو کیا غرض

میرے لب تک ضعف میں آ جائے تو احساں ہے   کیوں اُٹھائے آسماں سر پر دعا کو کیا غرض

شوق سے جائیں عدو کی محفلِ ماتم میں وہ   پاؤں پڑ پڑ کر انہیں روکے حنا کو کیا غرض

شکرِ جور اُن کی زباں پر ہونٹھ پر شکر ستم   شکوہ بیداد سے اہل وفا کو کیا غرض

دخترِ رز شب کو آ جاتی ہے چھپکر میرے گھر   میکدے میں جاؤں مجھے پارسا کو کیا غرض

کفر و ایماں سے نہیں کچھ بحث رکھتا ہے ریاضؔ
کیوں پڑے جھگڑے میں اس مردِ خدا کو کیا غرض

وہ ہنس کے کہہ رہے ہیں مقامِ اثر غلط
نالوں کی دھوم اور کہاں عرش پر غلط

واعظ ترا یہ وعظ نہیں سر بسر غلط
حِصّہ ترے بیان کا ہے بیشتر غلط

سر پہ ہمارے سایۂ دیوارِ یار جھوٹ
درباں کے ہوتے سجدۂ در سر بسر غلط

چلتے ہیں ناز سے تو لچکتی ہے کچھ ضرور
بل لاکھ لاکھ کھاتی ہے ان کی کمر غلط

چوری سے تھا قفس کے اُڑانے کا اہتمام
صیّاد نے اڑائی ہماری خبر غلط

چُبھتی ہوئی ہے سب یہ انہیں کی زبان کی
یہ بھی ہے کوئی بات کہے نامہ بر غلط

دیکھی ہے ہم نے عمر دو روزہ میں ایک بار
شامِ شبِ فراق تو سچ ہے سحر غلط

دیوانہ آرہا ہے کوئی کوئے یار میں
ہنگامہائے حشر سرِ رہگزر غلط

جب سُن چکے وہ حال تو یہ کہہ کے اُٹھ گئے
او جھوٹے ہے بیان ترا کس قدر غلط

تجھ میں پڑی رہی گی مری جان رات دن
تیرا قدم پڑے نہ کہیں نامہ بر غلط

کیوں کہہ گئی صبا کہ کٹے گی تری زباں
سوسن تری زبان کی ٹھہری اگر غلط

بنتے ہیں کچھ ریاض بھی اس فن کے مدعی
اشعار ان کے خوب ہیں دعوے مگر غلط

کافر بتوں کے نام ہوں کیونکر تمام حفظ | اتنے خدا کہ ہو نہ سکیں جن کے نام حفظ
مطلب نہ خبط ہو کوئی فقرہ نہ چھوٹ جائے | قاصد نے حرف حرف کیا سب پیام حفظ
رونا مرا ہوا ور بھی باعث ثواب کا | پڑھتا ہوں سوز میں نے کئے ہیں سلام حفظ
دوزخ کا ڈر نہیں ہے تو پتھر کی آگ کیا | کافر بتو ہمیں ہے خدا کا کلام حفظ
پیتے ہی یاد آگئے بھولے ہوئے سبق | پوچھو کسی مقام سے ہے ہر مقام حفظ
میخانے میں نماز جو کی تو نے جلد ختم | سورہ بڑا نہ تھا کوئی تجھکو امام حفظ
تجکو قفس میں تیری سناوں گا گفتگو | صیاد باتیں کی ہیں تری زیر دام حفظ

کس کو نہیں ہے قدر ہمارے کلام کی
لوگوں کو ہے ریاض ہمارا کلام حفظ

وہ لوٹنے کو بیٹھے ہیں تیری بہار شمع
بڑھ کر نہ گل بنے کہیں پھولوں کا ہار شمع

جلوے سے تیرے بزم میں روشن ہزار شمع
قربان شمع چاند سے رخ پر نثار شمع

میری لحد پر آکے مکدّر ہوئی ہے تو
پروانے پر نکال نہ دل کا غبار شمع

بے بات یونہی کاٹی گئی بزم میں زبان
بے اعتبار شمع ہے بے اعتبار شمع

موج رواں سے پھیلی ہے بجلی کی روشنی
روشن ہے میکدے میں کوئی سو ہزار شمع

اللہ جل رہی ہے یہ کیسی بجھی ہوئی
میرے مزار پر ہے مری سوگوار شمع

اُس انجمن کی آگ ہے دل میں لگی ہوئی
پروانے سے سوا ہو جہاں بیقرار شمع

خلوت میں اُٹھ کے تو بھی گئی بنتی عدو کے ساتھ
کب سے مچی ہے بزم میں تیری پکار شمع

کچھ کم نہیں کسی سے ترا حسن دلفروز
پُر پیچ موج دود سے گیسو سنوار شمع

رُخ پر ہوا سے آتی رہی بار بار زلف
گل انجمن میں آج ہوئی بار بار شمع

ہم بھی گئے تھے آج مزارِ ریاض پر
پژمردہ چند پھول تھے اِک اشکبار شمع

نیا دل ہے نئی اُلفت نیا داغ ‏ سزا دل کی دکھائے جو مرا داغ

بہار آئی ہے اے بلبل ملیں گے ‏ چمن کو پھول دل کو خوشنما داغ

بُرے ہم۔ داغ پایا دل کے بدلے ‏ تم اچھے لے لیا دل دیدیا داغ

وہ دل کے مدعی یہ کون دل کا ‏ بُری ہوگی اگر ابھرا ذرا داغ

مُبارک آرسی کو چاند سی شکل ‏ مبارک میرے دل کو چاند سا داغ

ارے ظالم مرا خون گشتہ دل ہے ‏ لگایا تو نے دامن میں بُرا داغ

پھلے پھولے ہوئے سو باغ صدقے ‏ ارے مجکو بہت پھولا پھلا داغ

ہمارے زخم تو ہنستے تھے ہم پر ‏ بنے اب خندۂ دندان نما داغ

جو چمکا آفتاب حشر بن کر ‏ ابھی تو میرے دامن میں تھا داغ

ملی[1] مٹی میں اور اک چاند سی شکل ‏ بُرا پہلے سے بھی یہ دوسرا داغ

یہ کس کی موت مجھ سے کہہ رہی ہے ‏ نہ دے ایسا کسی کو بھی خدا داغ

بظاہر کچھ نہیں واقع میں یہ ہے ‏ مٹے ہم مٹ گیا دل مٹ گیا داغ

ہمارے داغ سے ہے قبر روشن ‏ چراغ گور سے اچھا رہا داغ

انہیں غم نے انہیں کھایا اجل نے ‏ ریاض اب ہیں نہ اب ہیں میرزا داغ

---

[1] ۔واقعات۔

سرکار حسن سے یہ ہوئی ہے سزائے زلف
چوٹی نے کس دیے ہیں مُو دست و پائے زلف

مشّاطہ سر چڑھی ہے کوئی کیا بلائیں لے
موتی پروکے بن گئی وہ تو خدائے زلف

دیکھے تو کوئی گیسوؤں والوں کی شوخیاں
اب میرے دل کا نام ہے ناآشنائے زلف

ایسا نہ ہو کہ ہاتھ سے اُس کے شکن بھی جائے
اس طرح آستیں نہ ہم پر چڑھائے زلف

اس لاگ کا لگاؤ کا باعث نگاہ ہے
دل کی نہ کچھ خطا ہے نہ کچھ ہے خطائے زلف

دل کو ہے پیچ و تاب کہ یہ چاہتی ہے کیا
کچھ زلف ہی کھلے تو کھلے مدعائے زلف

گیسو سنوارنے کی ادا کہہ رہی ہے کچھ
دشمن کے گھر کی بات کہاں تک بتائے زلف

طوق گلو کی یاد نہ ہم کو کبھی ستائے
زنداں سے ہم جب آئیں گلے سے لگائے زلف

اِک تم نہیں کہ زلف کو ہو ناز اے ریاضؔ
دیوانے سو ہزار ہیں تم سے فدائے زلف

روٹھے ہوئے کہ اپنے ذرا اب منائے زلف
پیارا ہے دل تو ناز بھی دل کے اٹھائے زلف

درگزرے دل کی یاد سے ہم جان تو بچی
پیچھے پڑی ہے جان کے اب کیوں بلائے زلف

وہ کیوں بتائے ہم کو دل گم شدہ کا حال
پوچھیں جناب خضرؑ تو رستہ بتائے زلف

بکھرائے بال دیکھ لیا کس کو بام پر
ہر وقت ہائے زلف ہے ہر لحظہ ہائے زلف

کس طرح ان حسینوں کے بھرتی رہی ہے کان
پہنچے نہ تیرے کان میں اے دل صدائے زلف

بل کھاکے دوش ناز سے گرنا اِدھر اُدھر　　　وہ زلف اور ہائے وہ کافر ادائی زلف

لیکر بلائیں خود وہ کشاکش میں پڑ گیا　　　دل زلف کو ستائے نہ دل کو ستائی زلف

پھندے میں اس کے طائرِ دل آرہیگا آپ　　　مرغِ نظر کو دام میں پہلے پھنسائی زلف

پینگائے اور یہ جو جنون رہنمائے دل　　　صد سالہ زاہدوں کو تو برسوں جھلائی زلف

آشفتگانِ زلف کا برہم ہے کیوں مزاج　　　کہتا ہے کون کوئی نہ ہو مبتلائی زلف

سائے سے اس کے بھاگتے ہیں لوگ دور دور　　　بگڑی ہوئی ہے آج کل ایسی ہوائی زلف

تم نام اُن کی زلف کو رکھتے ہو کیوں رؔیاض
سُن لے تو ایک کی سو سو سُنائی زلف

حشر میں بات کیا تھی وہ جس نے کیا عرق عرق ۔۔۔ وہ بھی ہوئے عرق عرق میں بھی ہوا عرق عرق
رنگِ شرابِ بھی سُرخ رنگِ شباب بھی سُرخ ۔۔۔ دیکھ کے رنگِ خون مرا ہو گی حنا عرق عرق
یار کا چہرۂ عتاب آج بنا ہے آفتاب ۔۔۔ حشر میں ڈر سے ہی جناب خلقِ خدا عرق عرق
کیسی پھنسی قفس میں آج جاں گھٹی قفس میں آج ۔۔۔ آکے ہوئی قفس میں آج بادِ صبا عرق عرق
حال ہے کیا دمِ وصال شکل ہوئی ہے کیوں نڈھال ۔۔۔ قطرہ فشاں ہے بال بال زلفِ رسا عرق عرق
پس توبہ اے جناب دیکھ کے مَے سے اجتناب ۔۔۔ شیشہ ہوا جو آب آب جام ہوا عرق عرق
داورِ حشر عفو کر اُن کی جفا سے درگزر ۔۔۔ تیرے کرم سے ہوں نہ آج اہلِ وفا عرق عرق
پی کے ہوئی تھی بے حجاب وہ تو نے پی کہاں شراب ۔۔۔ تم تھے سحر کو آب آب غیر بھی تھا عرق عرق
اور ہوا میں تھے یہ کل حشر میں کیا ہوا وہ بل ۔۔۔ آج ہیں کاتبِ عمل مجھ سے سوا عرق عرق
اہلِ حرم کو ہو نہ عار آج تو زمزمی ہیں یار ۔۔۔ بادہ ناب و خوشگوار کہہ کے بھرا عرق عرق
دیکھ کے شیشۂ شراب آئی نہ محتسب کو تاب ۔۔۔ اُس نے کہا شراب ناب میں نے کہا عرق عرق

توبہ نہیں ہے اب عذاب مانگیں رسا ؔ ضاگر شراب
کہدو نہیں ہے اے جناب ہوں تو ذرا عرق عرق

دل لگانے کے ہیں ہزار طریق ۔۔۔ جان جانے کے ہیں ہزار طریق
کبھی مہندی تو ہے عتاب کبھی ۔۔۔ رنگ لانے کے ہیں ہزار طریق

بات کیا چاہیے بگڑنے کو — روٹھ جانے کے ہیں ہزار طریق

غیر کے ہونے پر نہیں موقوف — منہ بنانے کے ہیں ہزار طریق

روٹھیں سو بار کچھ نہیں پروا — کہ منانے کے ہیں ہزار طریق

غیر کے گھر کی سینکڑوں راہیں — ان کے جانے کے ہیں ہزار طریق

کہتے ہیں وہ مرے جواب میں شعر — منہ چڑھانے کے ہیں ہزار طریق

کھلے رہتے ہیں زلف کے اے دل — چلے آنے کے ہیں ہزار طریق

کہہ رہی ہیں ادائیں ساقی کی — مے پلانے کے ہیں ہزار طریق

کہہ رہا ہے یہ دست شوق ریاضؔ
گدگدانے کے ہیں ہزار طریق

تھکا نے اور دورِ آسماں تک — پھر آخر گردشِ قسمت کہاں تک
بڑی اس دل کی بیتابی یہاں تک — ہمیں ہم ہیں زمیں سے آسماں تک
دمِ وعدہ اُنہیں ہے بار ہاں تک — زباں تھک جائے جو لائے زباں تک
مجھے پینا پڑے آخر وہ آنسو — جو بھر جاتے زمیں سے آسماں تک
کوئی سو بار اُڑے سو بار بیٹھے — قفس سے یوں ہم آئے آشیاں تک
گلہ بھی تھا کسی کا راز کوئی — کہ آ کر رہ گیا میری زباں تک
سلامت ہیں اگر میرے پر و بال — قفس جائے گا اُڑ کر آشیاں تک
مری بیداریاں بیکار کیوں جائیں — اُنہیں پہنچا دو چشمِ پاسباں تک
کچھ اس نے اس طرح کاٹی مری بات — کہ ٹکڑے ہو گئی میری زباں تک
جنوں سے ہم نہ کوتاہی کریں گے — ہمارا ہاتھ پہنچے گا جہاں تک
خدایا میرے سجدے دور ہی سے — پہنچ جائیں کسی کے آستاں تک
سہارا کچھ تو درماندوں کو ہوتا — پہنچ جاتے جو گردِ کارواں تک
مری فریاد سن کر چپ رہیں گے — اسے پہنچائیں گے وہ آسماں تک
مجھی پر چھوڑ دو میری ہے تلخ — مزا - اس کا ہے کچھ میری زباں تک
کلیسا و حرم دونوں ہیں آباد — مرے ناقوس تک میری اذاں تک

کچھ ایسا ربط ہے صیاد کے ساتھ — ہمیں ہم ہیں قفس سے آشیاں تک

ہمیں ٹھکراتے جائیں جو وہاں جائیں — پہنچ جائیں یونہی ہم آستاں تک

معاصی کے سوا دو دو فرشتے — انہیں لادے پھروں یا رب کہاں تک

پہنچ جاؤں جو یا رب میکدے میں — مرا پانی بھرے پیر مغاں تک

وہ خوگر نالۂ دشمن کا ہو جائے — نہ سنتا ہو جو حرف داستاں تک

ریاضؔ آنے میں ہے ان کے ابھی دیر
چلو ہو آئیں مرگ ناگہاں تک

نہیں چھپتا ترے عتاب کا رنگ — کہ بدلنے لگا نقاب کا رنگ

بھر گیا آنکھ میں شراب کا رنگ — ظالم اُف رے ترا شباب کا رنگ

اب تو لائے ہیں جان مضطر کے — اور ہی کچھ ہے اضطراب کا رنگ

تیرے آتے ہی ہو گئی پانی — اُڑ گیا محتسب شراب کا رنگ

رنگ لائے گا دیدۂ پُر آب — دیکھنا دیدۂ پُر آب کا رنگ

داغ دامن نے بھی کیا پیدا — حشر کے روز آفتاب کا رنگ

شیخ جانا ہے تجکو جنت میں — دیکھتا جا مری شراب کا رنگ

صدقے میں اپنی پارسائی کے — کہ بڑھاپے میں ہے شباب کا رنگ

خون ہے جیسے واسطے ہی نہیں — صاف ہے خنجر پُر آب کا رنگ

ریش واعظ سفید ہے کتنی — نہیں چڑھتا کبھی خضاب کا رنگ

رنگ کا اس کے پوچھنا کیا ہے — جس کا سایہ بھی ہو گلاب کا رنگ

سچ ہے اے حضرتِ ریاضؔ یہ بات
کہ جدا سب سے ہے جناب کا رنگ

آتے ہی چھا گیا شراب کا رنگ — پیتے ہی آ گیا شباب کا رنگ

اور سے اور ہے نقاب کا رنگ — چھوٹ نکلا ترے شباب کا رنگ

چہرے پر آ گیا عتاب کا رنگ — قہر ہے مہر اس نقاب کا رنگ

ساتھ تقاضے کے ابرِ رحمت بھی — ہر گنہ پر چڑھا ثواب کا رنگ

قدم آئے یہ کس کے محشر میں — ہو گیا زرد آفتاب کا رنگ

برق تاب ایک ایک تار نقاب — ہے نرالا ترے حجاب کا رنگ

وہ مے سرخ وہ سیہ بوتل — وہ بہار اور وہ سحاب کا رنگ

دور سے بوسہ لیں مرے لبِ شوق — ٹپکے رخ سے تری شباب کا رنگ

چھا گیا سر پر آ کے ابرِ بہار — جم گیا آتے ہی شراب کا رنگ

بوسہ لیتے ہی نیند بن کے اڑا — دیکھنا میرے مست خواب کا رنگ

اترا اترا وہ بام پر چہرہ — پھیکا پھیکا وہ ماہتاب کا رنگ

پہلے ہی سے بھگو لی ریشِ سفید — دیکھ لے شیخ پھر خضاب کا رنگ

گلِ عارض نے یہ اثر ڈالا — بن کے بلبل اڑا گلاب کا رنگ

آتشِ تر نے اور سرخ کیا — مے سے ملنے لگا کباب کا رنگ

ہم نے ان سے کیا ہی صاف سوال — دیکھنا ہے ہمیں جواب کا رنگ

چشم پر خوں کا رنگ لانا کیا — کیا حباب اور کیا حباب کا رنگ

حسنِ انساں کو مے سے دیکھ لیا — آتش و باد و خاک و آب کا رنگ

لیں وہ دامن میں کیا گلاب کے پھول — بار دامن جنھیں گلاب کا رنگ

پائے رنگیں کی خاک بھی تو نہیں — کیا دلِ خانماں خراب کا رنگ

جان کاہ ہے عذاب ہجر کی رات — کتنا کالا ہے اس عذاب کا رنگ

خون رلواتے ہیں جناب ریاضؔ — کیا اڑا لے کوئی جناب کا رنگ

کوئی پوچھے نہ ہم سے کیا ہوا دل — ہوا کیا لٹ گیا دل مٹ گیا دل

یہ کہہ کر دے دیا مجھکو مرا دل — ہمیں کوسے گا دے گا بد دعا دل

مزا دے جائے گی مجھکو تری آنکھ — مزا دے جائے گا تجھکو مرا دل

چمن میں جو کھلا گل میں یہ سمجھا — کہ ہے میرا یہ مرجھایا ہوا دل

اٹھے گا لطف صحبت کا ابھی تو — نئے تم ہو نئے ہم ہیں نیا دل

کسی سے یوں دغا کرتے نہیں ہیں — ارے او بے مروت بے وفا دل

قیامت ہے تمہاری چلبلی شکل — قیامت ہے ہمارا چلبلا دل

ہمارا دل ہمارے کام کا ہے — کہاں پائیں تمہارے کام کا دل

بہت ہی جم کو اپنے جام پر ناز — ذرا لانا مرا ٹوٹا ہوا دل

کسی کا زور پھر چلتا نہیں ہے — کسی سے جب کسی کا مل گیا دل

اسے کس منہ سے کہتے ہو برا تم — تمہیں کس دل سے دیتا ہے دعا دل

گیا وہ داغ لے کر داغ دے کر — نشانی دے گیا دل لے گیا دل

حسین اس کو برا سمجھے بری چال — برا بن کر بہت اچھا رہا دل

کہیں کیا کس نے لوٹا کس کو لوٹا — لٹے ہم تم لٹا جوبن لٹا دل

وہی اچھا تھا اس چھاتی کی سل سے — بدل دیتا کسی بت سے خدا دل

تمہاری راہ میں وہ بھی پڑا ہے — ذرا دیکھے ہوئے ٹوٹا ہوا دل

کوئی اب مفت بھی خواہاں نہیں ہے
ریاض ایسا گیا گزرا ہوا دل

قیامت شوخ آفت چلبلا دل — مرا دل اور پھر کیسا مرا دل

ترے گیسو سے ہو اُلجھا ہوا دل — بہت اب حد سے اپنی بڑھ گیا دل

تمہارے ہاتھ کا تل بن گیا دل — تمہیں دھوکا نہ دے بہروپیا دل

خدا کو جان سونپی دل بتوں کو — ہمارے پاس کیا تھا جان یا دل

مجھے دیکھا تو بولے بزم میں وہ — نئے آئے ہیں لے کر یہ نیا دل

ترے گیسو سے یہ بل کر رہا ہے — کچھ اب اور زلفوں والی بڑھ چلا دل

ہماری جان پر بن بن گئی ہے — نہ دے دشمن کو بھی ایسا خدا دل

نہ رنگ آئے تو اس کی کیا خطا ہے — حنا کے ساتھ کیوں سانا گیا دل

منائے کون کس کو کون سمجھائے — اِدھر معشوق اُدھر بگڑا ہوا دل

اُبھر کر داغ لایا ہے نیا رنگ — برابر دل کے ہو اک دوسرا دل

مرے حق میں یہ پتھر کا بنا تھا — خداوندا بتوں سے مل گیا دل

حسینوں کو سمجھتا ہی نہیں کچھ — بہت بنتا ہی خود بیں خود نما دل

ملیں گے حشر میں دل لینے والے — ملے گا حشر میں بچھڑا ہوا دل

رہے گا یاد دل کا دل سے ملنا — ملی دنیا ملے ہم تم ملا دل

بہار آئی کہ آئی وصل کی شام — کھلے غنچے کھلی کلیاں کھلا دل

وہ ناوک کو نگاہِ ناز سمجھا — اسی دھوکے میں تو مارا پڑا دل

بہت ہی لطف سی اُن سے ملی آنکھ　　بہت ہی لطف سی اُن سے ملا دل

دلِ مرحوم آتا ہے بہت یاد
ریاضؔ ایسا کہاں اب چلبلا دل

چھیڑتے ہیں گُدگُداتے ہیں پھر ارماں آج کل　　جھوٹے سچے کوئی کرلے عہد و پیماں آجکل
گھونٹ دی میرا گلا کچھ زور اگر اس کا چلے　　ہاتھ سے میرے ہی تنگ اتنا گریباں آجکل
چڑھ گئے دیوارِ زنداں پر کبھی اُترے کبھی　　ہم بنے ہیں سایۂ دیوارِ زنداں آجکل
روز راتوں کو سُنا کرتا ہوں یہ آوازِ قیس　　پھاڑے کھاتا ہی مجھے خالی بیاباں آجکل
اے عروسِ تیغ کچھ تجکو حیا بھی چاہیئے　　کیوں گلے پڑتی ہی تو ہو ہو کے عریاں آجکل
سنگِ دل کافر کا شاید ٹوٹتے دیکھا ہی کفر　　ٹوٹ کر ملتے ہیں مجھسے اس کے دربان آجکل
آگیا ایسا ہی اب کافر زمانہ کیا کریں　　دابے پھرتے ہیں بغل میں لوگ ایماں آجکل
رات دن ہے میری تربت پر حسینوں کا ہجوم　　دیکھنے کی چیز ہے گورِ غریباں آجکل

دن کو روزہ عید شب کو ہی عجب شغل ریاضؔ
رات بھر پیتا ہے یہ مردِ مسلماں آجکل

آفت ہماری جان کو ہے بیقرار دل　　یہ حال ہے کہ سینے میں جیسے ہزار دل
لے اے نگاہِ شوخ یہ ہے بیقرار دل　　سینے سے میرے لیکے چلی تو ہزار دل
داغوں کا باغ کوئی ہے یہ داغدار دل　　پھولوں کی اپنے لوٹ رہا ہے بہار دل
ہٹتا نہیں ہے آنکھ سے میری کسی طرح　　پُتلی بنا ہوا ہے شبِ انتظار دل
یہ جان کر کہ دل ہے کوئی کھیلنے کی چیز　　کس پیار سے وہ مانگتے ہیں بار بار دل
ظالم بتوں کے جور اُٹھانے کے واسطے　　دیتا نہیں ہے کوئی ہمیں مستعار دل

اے حسن یار تیری وہ الفت نہیں رہی　　اب آرزوئے یار کو کرتا ہے پیار دل
بیٹھے رہو درازیٔ مژگاں لیئے ہوئے　　بے ناوک نگاہ نہ ہوگا شکار دل
دونوں میں ایک دوسرے کے درد کی شریک　　میں دل کا غمگسار مرا غمگسار دل
دل سے بھری ہی تری چشم سرمگیں　　رکھتا نہیں کسی سے ذرا بھی غبار دل
وہ دن گئے گئیں غم الفت کی لذتیں　　اب تو ہے مبتلائے غم روزگار دل
اللہ رے داغہائے جنوں کی شگفتگی　　بن کر رہا حسینوں میں پھولوں کا ہار دل
اتنا تو ہو کہ آنکھ میں معشوق دیں جگہ　　پیدا کرے نگاہ میں کچھ اعتبار دل
بدخو بھی بدمزاج بھی شیدائے حسن بھی　　اچھا مجھے دیا مرے پروردگار دل

اس خوف سے ریاضؔ گئے ہم نہ سوئے طور
بجلی سے لٹ نہ جائے کہیں بے قرار دل

جو تھے ہاتھ منہدی لگانے کی قابل　　ہوئے آج خنجر اٹھانے کے قابل
عنادل بھی کلیاں بھی گل بھی صبا بھی　　یہ صحبت ہی ہنسنے ہنسانے کے قابل
حنا بن کے میں چوم لوں دست نازک　　ترے ہاتھ میں رنگ لانے کے قابل
جوانی کا اب رنگ کچھ آچلا ہے　　وہ اب ہو چلی ہیں ستانے کے قابل
مجھے دیکھ کر دخت رز تن رہی ہے　　یہ کھنچکر ہوئی ہے اڑانے کے قابل
قیامت میں دیکھیں گے کیونکر انہیں ہم　　نہیں شرم سے آنکھ اٹھانے کے قابل
بنائیں نہ اب اس کو اب شمع محفل　　جلا دل نہیں ہے جلانے کے قابل
چمن میں اڑا ان کو لے باد صرصر　　مرے ٹوٹے پر ہیں اڑانے کے قابل
بنے شعلے بجلی کے قسمت سے میری　　جو تنکے تھے کچھ آشیانے کے قابل

بڑھاپے میں ثابت ہوئے ورزمے ہم — نہ آنے کے قابل نہ جانے کے قابل

یہ کہتی ہے حضرت کی ریش حنائی

ریاضؔ اب بھی ہیں رنگ لانے کے قابل

ہوئے ہیں وہ مہندی لگانے کے قابل — ہوئے ہیں وہ اب رنگ لانے کے قابل

کن آنکھوں سے دشمن کو تم رو رہے ہو — یہ آنکھیں ہیں آنسو بہانے کے قابل

یہ کلیاں صبا ہیں ترے چھیڑنے کو — حسیں ہیں مرے گدگدانے کے قابل

جو خلوت میں مل جائے میں بھی نہ چھوڑوں — پری شیشے کی ہے اڑانے کے قابل

برا ہو ترا تو نے اے شوق عصیاں — نہ رکھا ہمیں منہ دکھانے کے قابل

یہ افتادہ دل ہے جنازہ عدو کا — نہ چھونا نہیں یہ اٹھانے کے قابل

سنے میں نے حالات فرہاد و مجنوں — یہ ٹکڑے ہیں میرے فسانے کے قابل

زمانہ بنا دے جنہیں اب وہی ہیں — زمانے کے لائق زمانے کے قابل

وہ یونہی جھکی پڑتی ہے بارِ گل سے — نہیں شاخِ گل آشیانے کے قابل

دیا تیری رحمت نے سجدے کا موقع — نہ تھا سر ترے آستانے کے قابل

بڑی ہی مصیبت سے تنکے چنے تھے — نہ ٹھہرے ہمیں آشیانے کے قابل

ریاضؔ آسماں کے ستائے ہوئے ہیں

نہیں اے بتو یہ ستانے کے قابل

شگفتہ پھول حسینوں کے ہار کے قابل — جو خشک ہوں تو ہمارے مزار کے قابل

ہزاروں داغ دل داغدار کے قابل — ہزاروں چاندسی شکلیں ہیں پیار کے قابل

یہ سرخ سرخ سی شے اک سیاہ بوتل کی — بغیر ابر بھی ہے سبزہ زار کے قابل

تاں حشر میں کچھ ہو مرے گناہوں کا — مجھے ہے ناز کہ نکلے شمار کے قابل

جو دل میں داغ نہ ہوتی تو پیش ہم کرتے — یہ ایک لاکھ میں تھا نذر یار کے قابل

ہزاروں گور غریباں کہاں کہاں سے چھپوں — ہزاروں فتنے ہیں تیرے مزار کے قابل

عبث ہے رشک جوانوں کو میری پیری پہ — ملے خزاں کو جو دن تھے بہار کے قابل

مرے گناہ مرے اعتبار کے دشمن — سفید ریش مری اعتبار کے قابل

خدا ہی جانے مرا راز مٹ کے میں کیا ہوں — جو کچھ زباں سے نکالوں تو دار کے قابل

وہ بن کے آنکھ کی پتلی رہے کرم ان کا — یہ چشم کور نہ تھی انتظار کے قابل

مزے کی چیز اتاری خدا نے دنیا میں — شراب تلخ ہے مجھ میگسار کے قابل

فلک کی تاروں بھری کہکشاں ہی کیا ہے — یہ چادر اچھی ہے میرے مزار کے قابل

بڑے مزے سے گزرتی جو کوئی مل جاتا — حسین شوخ دل بے قرار کے قابل

دباتی گور نہ کچھ زور آسماں چلتا — زمین شعر نہ نکلی مزار کے قابل

ریاض کوئی نہ ان کی بہار دیکھ سکا
یہ داغ دل تھے کسی لالہ زار کے قابل

پھول شبنم سے بنے مے کی پیالے بلبل — اوس سے اپنی لگی آج بجھا لے بلبل

چھن کے ہیں سب سے نرالے بلبل — دیکھکر بول گئے زلفوں کو کالے بلبل

آشیانے سے نکل کر نہ ہوا باغ کی کھا — کہیں تجکو نہ ہوا باغ کی کھا لے بلبل

سب سمجھے زہر کی ہیں ایک سے ہی ایک چھٹا — اُن کے ناوک مری آہیں ترے نالے بلبل

نخل گل سینچنے کو یوں نہ بہا خوں اپنا — پہلے منقار سے تو کھود لے تھالے بلبل

آشیانوں میں ہے کیوں شراروں کا ہجوم — بجلیوں نے بھی پر و بال نکالے بلبل

ایسے نازک ہیں کہ وہ جب ہوئی گرم فغاں
بولیے پڑجائیں زباں میں تری چھالے بلبل

باغباں عیب یہ گلشن میں جما ہے تیرا
پنکھڑی کیا کوئی تنکا تو اُٹھا لے بلبل

مجکو صیّاد نے صرصر نے نشیمن کو لیا
آسماں ٹوٹ پڑا جھپٹ پڑے ڈالے بلبل

تیری منقار سی یہ پھول تو اُٹھنے کے نہیں
کیوں لُنڈھا جاتی ہی تو مے کے پیالے بلبل

باغباں تو نہیں صیاد کہ سُن لے اُس کی
اب قفس میں تو ذرا چونچ سنبھالے بلبل

گل نشیمن کے لئے دامن گلچیں ہیں کہاں
میری تربت سی کوئی پھول اُٹھالے بلبل

اے صبا چاک بھی ہی پاک بھی ہی دامن گلُ
اب بھی مُنہ سی نہ کوئی بات نکالے بلبل

مُنہ بندھی کلیوں کے جوبن کا یہ کہتا ہی اُبھار
اپنے سینے سے ہمیں کوئی لگالے بلبل

کہیں یہ بھی نہ نکل جائے سہارا پا کر
نالہ کرنے میں ذرا دل کو سنبھالے بلبل

ایک کانٹے کی تلی ایک ہی سانچے کی ڈھلے
کچی کلیاں ہیں کہ دل کے ترے چھالے بلبل

ایک میں بلبل گویا ہوں گلستاں میں ریاضؔ
اب کہاں باغ میں ہیں بولنے والے بلبل

اُن کے کوچہ میں اگر جاتے ہیں ہم	راہ چلتے دامن اُلجھاتے ہیں ہم

چُوم کر مُنہ گالیاں کھاتے ہیں ہم	اس سزا میں بھی مزا پاتے ہیں ہم

کیا ہوا کیوں ہم سے شرماتے ہو تم	کیا ہوا کیوں تم سے شرماتے ہیں ہم

جب کوئی تدبیر بن پڑتی نہیں	اپنے دل کو آپ سمجھاتے ہیں ہم

تو بتا دے تیری صورت کے نثار	تیرے صدقے کیوں ہوئے جاتے ہیں ہم

نشئے سی جھکی پڑتی ہے آنکھ	کہہ رہی ہیں نیند کے ماتے ہیں ہم

کوئی جاتا ہو چھڑے پہنے کہیں	گود میں اپنی اٹھا لاتے ہیں ہم

اپنی تربت کا یہی ہو گا چراغ	داغ جو دل پر لئے جاتے ہیں ہم

اس مزے سے کچھ کلیم آگاہ نہیں	بے خودی میں جو مزے پاتے ہیں ہم

بس نہیں چلتا حسینوں سے ریاضؔ
کچھ مزے میں ایسے آجاتے ہیں ہم

کہنے بھی کچھ نہ پائے تھے آہ رسا سے ہم	سُنا پڑا کہ آج لڑیں گے ہوا سے ہم

ضد آپ کو اثر سے اثر کو دعا سے لاگ	فرمائیے تو ہاتھ اُٹھا لیں دعا سے ہم

پیس کیسے یہ کہتے ہیں فتنے وہم خرام	اتنی بڑے حضور قیامت ذرا سے ہم

محشر میں پائی جام بکف حور زاہدو	اچھے رہے یہاں بھی تمہاری دعا سے ہم

سوتے میں کام آئی نہ کچھ چشمِ نیم باز
کھل کھیلے آج یار کے بندِ قبا سے ہم

ہم جانتے ہیں خوب اداؤں کی شوخیاں
ہم ہیں ادا شناس ڈریں کیا قضا سے ہم

اُٹھ جائے بارِ شرم تو سو فتنے ہم اُٹھائیں
کہتی ہے وہ نگاہ دبے ہیں حیا سے ہم

حوروں کے بدلے ہوں بتِ کافر ہمیں نصیب
تم کو اگر ستائیں تو پائیں خدا سے ہم

کرتے نہ ہم وفا تو نہ بڑھتے جفا و جور
شرمندہ وہ جفا سے تو اپنی وفا سے ہم

ممکن ہے جا کے عرصۂ محشر میں سر اُٹھائیں
تیری گلی میں دب کے رہے نقشِ پا سے ہم

اُن کے لئے مرنے کی سزا ہے یہی ریاضؔ
محشر میں مانگ لیں گے بتوں کو خدا سے ہم

دیکھئے جاتے ہیں کب تک گور کے دامن میں ہم
آنکھ کی پتلی رکھ آئے دیدۂ مدفن میں ہم

سایہ اس کا جنت الفردوس تھا بہرِ نگاہ
رنگ و بو اب وہ نہیں پاتے کسی گلشن میں ہم

یاد دلواتا ہے کس کی جا بجا اے جوشِ بہار
باغ کے بدلے رہیں گے آتشِ گلخن میں ہم

حسنِ صورت حسنِ سیرت کو ملا کر خاک میں
بہرِ تسکیں خاکِ تربت لائے ہیں دامن میں ہم

اپنے کیا تھا تیرِ غم سے غیر بچ سکتے نہیں
درد کہتا ہے جگہ لیں گے دلِ دشمن میں ہم

زار اتنا کر دیا ہم کو غم و اندوہ نے
رشتۂ تارِ نظر ہیں دیدۂ سوزن میں ہم

وائے حسرت تربتِ پر نور میں روزن نہیں
پتلی رکھ آتے چھپا کر دیدۂ روزن میں ہم

نرم و نازک خندۂ گل سے تری آواز تھی
ڈھونڈتے ہیں نغمہ ہائے بلبلِ گلشن میں ہم

سایۂ خاتونِ جنت میں ہے اُن کی کنیز
جان دے کر جائیں گے اب خلد کے گلشن میں ہم

نور کا پتلا ہوا شاید کوئی واصل بحق
جلوہ کس کا دیکھتے ہیں آج اس مدفن میں ہم

نور بن کر چشمِ تربت میں ہے وہ وائے ریاضؔ
داغ بن کر اب رہیں گے لالۂ گلشن میں ہم

مل جائے تو شراب کے دریا بہائیں ہم
اللہ دے اگر تو پئیں ہم پلائیں ہم

چھیڑا شبِ وصال یہ کہہ کر ستائیں ہم
بولے وہ ہنس کے بات اگر مان جائیں ہم

سجدے کریں کبھی نہ کبھی سر جھکائیں ہم
پائیں تو ان بتوں کو گلے سے لگائیں ہم

زورِ جنوں کے جھوٹے فسانے سنائیں ہم
قلابے آسمان و زمیں کے ملائیں ہم

لائیں کہاں سے حلقۂ گیسوئے خم بہ خم
اے موجِ گرد باد تجھے سر چڑھائیں ہم

یوں بھی تجھے ہے شغل مے کہ پئیں ہم پلاؤ تم
یوں بھی ہو شغل مے کہ پیو تم پلائیں ہم

اے طورِ شوخ بت بھی تو پتھر کی آگ ہیں
دیکھے ہوئے ہیں یار کی یہ سب ادائیں ہم

او سونے والے آج اسی کام کی ہے رات
لے لے کے بوسے آنکھ کے جادو جگائیں ہم

جائیں حرم میں توبہ کریں ہو کے پاک صاف
لت پت ہیں پہلے تو سرِ زمزم نہائیں ہم

پھولوں کا فرش گھر میں بچھائیں گے دل کے داغ
اے شوقِ یار راہ میں آنکھیں بچھائیں ہم

مل جائے دل انہیں تو ابھی آرسی بنائیں
مل جائے آرسی تو ابھی دل بنائیں ہم

ایک ایک کرکے آج تو چن لیں ہمارے لب
او سونے والے شوق سے افشاں چھڑائیں ہم

اے آسماں وہ دن سہی اٹھاتے نہیں ہمیں
ڈر ہے انہیں زمیں نہ سر پر اٹھائیں ہم

امڈی ہوئی یہ کالی گھٹائیں یہ رُت یہ رات
او زلفوں والے آج تو لے لیں بلائیں ہم

پھانسیں نکال دے جو ہمارے جگر کے تو
صیاد تیرے دل میں نشیمن بنائیں ہم

دیوانگانِ زلف کو ہے ایک ہی سا خبط
ہر ایک چاہتا ہے کہ زنداں کو جائیں ہم

زخمِ کہن ہی تازہ کریں ناخنِ جنون
جب تک بہار آئے نئے گل کھلائیں ہم

رحمت تو تیری آنے سکیں پیش شافعیں
گنوا رہے ہیں حشر میں اپنی خطائیں ہم

اٹھتا ہو ایک پاؤں تو تھمتا ہو ایک پاؤں
نقشِ قدم کی طرح کہاں گھر بنائیں ہم

محشر میں منفعل جو گئے بھی تو کیا گئے　　جی چاہتا ہے شکل نہ اپنی دکھائیں ہم
پیر مغاں بچے نہ کوئی مغبچے بچے　　اس طرح حج کے واسطے کعبے کو جائیں ہم
افلاس بھی، مرض بھی، بڑھاپا بھی، ضعف بھی　　کیا جا کے اب نصیب کہیں آزمائیں ہم

دیں گے ضرور حضرت ساحر سخن کی داد
سرکار کو ریاض غزل یہ سنائیں ہم

پایا جو تجھے تو کھو گئے ہم　　بیدار ہوئے تو سو گئے ہم
دل میں لئے غیر کو گئے ہم　　ایک آئے عدم سے دو گئے ہم
محشر میں لگی بجھانے لئے شیخ　　سیدھے تسنیم کو گئے ہم
سمجھے نہ وہ زخم داغ دل ہے　　لے کر نئے پھول دو گئے ہم
بھر کر دم نزع اک دم سرد　　جنت کی ہوا میں سو گئے ہم
اب دشت نورد عشق جو ہو　　اس راہ میں کانٹے بو گئے ہم
کوثر کا نفاذ کر حوض کے پر　　ہم کہہ کے گرے کہ لو گئے ہم
اللہ بچائے دخت رز سے　　یہ آئی کہ مست ہو گئے ہم
اب کشمش حساب کیسی　　کچھ حشر میں آکے کھو گئے ہم
سو کعبہ دین بتھے جلوہ افروز　　خمخانے میں آج جو گئے ہم
میخانے میں جب کبھی ہم آئے　　ڈاڑھی رو کر بھگو گئے ہم

اس حج میں وہ بت بھی ساتھ ہوگا
یہ سچ ہے ریاض تو گئے ہم

حشر میں بے شاہد و کوثر کہنے والے لوگ ہیں / میکدے والے تو دنیا سے نرالے لوگ ہیں

رہبران عشق کی کچھ اور ہی ہوتی ہے شان / خضر کیا الیاس کیا سب دیکھے بھالے لوگ ہیں

حشر میں رندوں کو چھیڑا ہے تو اچھلے گی بری / ہر طرف کیوں پگڑیاں اپنی سنبھالے لوگ ہیں

قدر ان کی چاہیے اے خوبرویان فرنگ / معرکے میں سرخرو ہوں یہ وہ کالے لوگ ہیں

جان دے کر ان کے خنجر کو لگائیں گے گلے / کیسے کیسے من چلے کیسے جیالے لوگ ہیں

اٹھ تو بیٹھے ڈر سے لیکن حشر میں آتے نہیں / اپنی اپنی تربتوں سے سر نکالے لوگ ہیں

دے کے دل جو چاہو لے لو حلقۂ آغوش میں / حسن کے پتلے بھی کیسے بھولے بھالے لوگ ہیں

سر گرانی ہو نہ ان کو لے قیامت یوں اٹھا / قبر کے آغوش میں نازوں کے پالے لوگ ہیں

دیکھ کر ہنستے ہو کیا تم صورت پاک ریاض
یہ بڑے پہنچے ہوئے اللہ والے لوگ ہیں۔

جو دیکھی بات تہ کی اپنے مرشد کے پیالے میں / یہ گہرائی کہاں اچھے سے اچھے ظرف والے میں

سویدا میرے دل کا چشم نرگس میں ہے پتلی / نہ ایسا چاند میں دھبا نہ ایسا داغ لالے میں

عدو نے کیوں کہی اپنی بات تیرے کان میں ڈالی / جو ہے بیرن بالی میں نہ بجلی میں نہ بالے میں

ترے ہنسنے سے گلشن میں بجلیاں کتنی کھلیں کلیاں / مرے رونے سے پانی آ گیا ندی میں نالے میں

سنبھل جاتا تو اک دنیا بدل جاتی ترے گھر کی / اثر کتنا تھا الفت یا غم تیرے سنبھالے میں

چمک جائے مری قسمت بلائیں لے لوں چھری کی
یہ حلقہ گردِ رخ زلفوں کا ہے یا چاند ہالے میں

یہ چھالے پھوٹ جاتے سب اگر میں پھوٹ کر روتا
یہ کم رونے سے پانی آ گیا ہر ایک چھالے میں

وہ کیا سمجھے اسے جاڑے ہیں لپٹے جب وہ سوزی کو
دبا کر دل کو پہلے رکھ دیا روئی کے گالے میں

تری محفل کے نغمے رہ گئے منہ دیکھتے میرا
بھری تھیں بجلیاں کتنی مرے ایک ایک نالے میں

کہاں یہ بات حاصل ہے تری مسجد کو اے زاہد
سحر ہوتے جو ہم نے دیکھے ہیں جھرمٹ شوالے میں

بہت دیکھی ہے ہم نے خونچکانی دل کے داغوں کی
کلیجا آ گیا منہ کو وہ دیکھا داغ لالے میں

شرابِ ناب کو دیکھا ہے شہد و شیر بن جاتے
نہاں ہیں طاقتیں کیا کیا ہر اک اللہ والے میں

ریاضؔ اس درجہ وہ نواب[1] کی بخشش پہ عاشق تھی
لپٹ کر رہ گئی تقدیر خلعت کے دوشالے میں

وہی اک پھول بن کر جو رہا ہے گلعذاروں میں
تُلا ہے رنگِ گُل جیسے آج کانٹے پر ہزاروں میں

وہیں چل کر ذرا اب جام چھلکیں میگساروں میں
گھٹائیں ہیں کہ پریاں ناچتی ہیں سبزہ زاروں میں

ابھی کم سن ہیں کیا جانیں وہ رسمِ تعزیت کیا ہے
یہ کیا کم ہے جو ہنستے آئے میرے سوگواروں میں

فرشتوں کا بھٹکنا کیا بھلا معلوم ہوتا ہے
مزے کیا کیا دکھاتی ہے یہ تاریکی مزاروں میں

بڑھا دی شوق نے صیاد کچھ طولِ اسیری کو
مزے لوٹے ہیں ہم نے بھی بہت اگلی بہاروں میں

وہ ڈرتے ہیں خدا را تھم تھم کے یارب بجلیاں چمکیں
تڑپ کر آ رہیں وہ بھی نہ اپنے بے قراروں میں

ہمارا جوشِ مستی میں کوئی کھل کھیلنا دیکھے
دبا لی ایک بوتل اور پہنچے سبزہ زاروں میں

سنور کر جب نکلتے ہیں تو ان کے روک لینے کو
ہماری خاک ہوتی ہے پریشاں رہگزاروں میں

دبا جاتا ہوں محشر میں اٹھاؤں آنکھ اوپر کیا
نگاہیں سب کی مجھ پر ہیں ہزاروں شرمساروں میں

۱؎ ۔ خلد آشیاں نواب کلب علی خاں بہادر والی رامپور۔ نواب تخلص۔ دوم ؎ پہ بجائے پر کے اس وقت متروک نہ تھا۔

بہت ہی یونہی رہ جائے اگر زندہ قیامت تک — ہمارا نام نکلا ہی تمہارے دلفگاروں میں

ہمارے دیدہ و دل ایک ہیں یا ہم کو بھی غم ہو — یہ اس کے غمگساروں میں وہ اس کے غمگساروں میں

یہ میخانہ بچا ہی رہا انہیں کتنے گناہوں سے — یہاں مدہوش جتنے ہیں وہ سب ہیں ہوشیاروں میں

مرے گھر آبلے بھر لائے کچھ کانٹے بیاباں کے — مزہ دامن کی تہ میں دھجیاں صحرا کے خاروں میں

نئے گل اے حسینو موسم گل نے کھلائے ہیں — ہمارے داغ دل جا کر بنیں پھول ہاروں میں

ریاض اٹھ کر وہاں سے یوں نگہ نیچی کئے آئے
کہ جو دیکھے یہ جانے ہیں بڑے پرہیزگاروں میں

ہمارے داغ یوں چمکے نہ تھی بجلی بہاروں میں — لگا دی آگ تم نے آب کی جا کر لالہ زاروں میں

اثر خود ڈھونڈنے آیا ہے بجلی کے شراروں میں — کہ نالے اونچے ہو کر گم ہوئے ہیں آج تاروں میں

نہیں سودا یہ بنتا ہم ایک نکلیں گے ہزاروں میں — ہزاروں بن گئے دیوانے دیکھے لالہ زاروں میں

گئے میخانوں سے کتنے حرم کو خانقاہوں کو — نہیں اک رہ گئے ہیں اب پرانے بادہ خواروں میں

تڑپ دل میں ہے بجلی کی تڑپ بجلی میں ہے دل کی — مزے کی چیز دونوں ہیں تمہارے بیقراروں میں

رہے زندہ قیامت تک الٰہی نام دونوں کا — یہ قیس و کوہکن بھی تھے مرے بچپن کے یاروں میں

مبارک جلوہ دختر رز کی ہو ماہ مبارک کو — کہ صبح عید بن کر شام آئے روزہ داروں میں

ہماری طرح کتنے ان کی گنتی ہو نہیں سکتی — ہزاروں ان سے اچھے ہیں یہاں امیدواروں میں

ٹھہرئیے حشر اپنا تنہا ان کی پوری ہو جائے — پڑے سوتے ہیں جو یوں پاؤں پھیلائے مزاروں میں

ترے دیوانے تیری زلف سمجھے شام غربت کو — کہاں سے آئی یہ کالی بلا شامت کے ماروں میں

جو رہ رہ کر کھٹکتی ہو کا سا دیتی ہو مرے دل کو — کلی ایسی بھی ہے کوئی ترے پھولوں کے ہاروں میں

سر بام آئے وہ موقع نہ تھا کچھ کھل کے کہنے کا — ہوئیں کچھ دور سے باتیں اشاروں ہی اشاروں میں

چھلکتے جام کی موجیں نگاہیں جن کی بنتی ہیں
نہیں پیتے کچھ ایسے مست بھی ہیں مے گساروں میں

خبر غفلت میں کس کو حشر زا دیبا کہاں پہنچی
یہ ہم اپنے گھروں میں ہیں کہ مُردے ہیں مزاروں میں

حسینوں پر ریاضؔ اب ہاتھ اپنا ڈال دیتے ہیں
جنوں ہے ڈھونڈتی پھرتی ہیں ان پھولوں کے ہاروں میں

عبث اُمید محشر پر ہماری دن گزرتے ہیں
وفا ہوتا ہی دشمن ہے جو وعدہ ہم سے کرتے ہیں

میں چُپ ہوں وعدۂ محشر پر اُن کے وہ یہ ڈرتے ہیں
کہ مُنہ سے جو نہیں کہتے ہیں وہ کچھ کر گزرتے ہیں

نہیں ہے آنکھ ڈیوڑھی ہی مرے کاشانہ دل کی
اسی پردے میں وہ آ کر سواری سے اُترتے ہیں

بلائے دام میں آنے کی صورت ایک چھپی سب کی
کہ آنکھوں سے اُنہیں دیکھوں جو صدقے میں اُترتے ہیں

شبِ فرقت میں ہم نے ڈوبنا تاروں کا دیکھا ہے
ہمارا دل اُبھرتا ہی نہ دل کے داغ اُبھرتے ہیں

ہماری حسرتِ پرواز پر صیاد کا کہنا
اُڑانے کو ہوا میں ہم تمہاری پر کترتے ہیں

دلِ پر داغ کا اتنا اثر ہے خاک ہونے پر
دُھواں اُٹھتا ہے سینے سے جب اس کو یاد کرتے ہیں

حقیقت سے ہماری تو نہیں واقف ہوئے زاہد
یہ عصیاں ہم نہیں کرتے ہیں اس پہ ناز کرتے ہیں

سُنا تو یہ سُنا وہ محوِ تزئیں ہیں شبِ وعدہ
مرے جاتے ہیں خم زلفوں کو بیٹھے ہیں سنورتے ہیں

سمجھتا ہے اسے لغزش اگر زاہد سمجھنے دو
بہت ڈر ڈر کے اس کی راہ میں ہم پاؤں دھرتے ہیں

یہ لہراتے ہیں کالے گیسوؤں کے دوش پر کس کی
وہی تو ہیں جو اپنے سایۂ گیسو سے ڈرتے ہیں

قفس میں حسرتِ پرواز دیکھیں کب نکلتی ہے
یہ سُن کر روح کا کہنا کہ ہم پرواز کرتے ہیں

کسی کا ہنس کے کہنا موت کیوں آنے لگی تم کو
یہ جینے چاہنے والے ہیں سب بے موت مرتے ہیں

بہت مشہور اسی سے ہو رہی تیری مژگاں کی
یہ چھوٹی چھوٹی ناوک روز دل میں اُترتے ہیں

نہ منہ آنا غضب ہے واعظو بینہ وہ ہنس شیشے
کہ اُن کے مُنہ میں جو آتا ہے یہ بھی کہہ گزرتے ہیں

دبائی ہی ہماری طرح خاک گوران کو بھی　　ہماری قبر کے تختے یہ ہم سی کیوں رکھتے ہیں
یہ کیوں مجھ سی تجلی گاہ کا ہر ذرہ کہتا ہے　　جو کھل کھیلے تھی موسیٰ سی وہ تم سی پردہ کرتے ہیں
وہ جائیں تو چمن میں مسکراتی ہیں بہت کلیاں　　جو میں دیوانہ جاؤں تو عنادل شور کرتے ہیں

ریاض اس شوخ نے گلگیر اب تو نام رکھا ہے
یہ خدمت ہی ہماری شمع کا ہم گل کترتے ہیں

نشہ سا ہے شراب کا ہر چند پی نہیں　　یہ رنگ ہے شباب کا تو زندگی نہیں
صدقے تمہارے ہونٹوں کے جن پر مسی نہیں　　اس ضبط کے نثار کہیں گدگدی نہیں
سیدا یہی خیال ہے گو میں نے پی نہیں　　کوئی حسین پلائے تو یہ شئے بری نہیں
بوتل کا کاگ زور میں توبہ کو لے اڑا　　ہم گل جلوں کے ہاتھ کی کوئی رکی نہیں
ناصح کے سر پہ ایک لگائی تڑاق سے　　پھر ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں
آتا ہی مجھ سے ملنے کو شاید غبار قیس　　اس زور سے کبھی کوئی آندھی اٹھی نہیں
رنگت نہیں ہے شوخ شراب طہور کی　　تیزی بہت سہی مگر اچھی کھنچی نہیں
سو آئیں میکدے سے حرم سی کھلا ہے در　　یہ گھر فقیر کا ہے یہاں کچھ کمی نہیں
چھیڑوں سے میری وصل کی شب جو نہ مسکرائے　　پھولوں کی ہار میں کوئی ایسی کلی نہیں
ہلکی مئے طہور ہے یہ خانہ ساز سے　　ہر چند خانہ ساز بھی اچھی کھنچی نہیں
مسجد میں آج ہم بھی گئے تھے پئے نماز　　دیکھا سلام پھیر کے تو شیخ جی نہیں
شام شب وصال مری بے قراریاں　　ان کا دبی زبان سے کہنا ابھی نہیں
سمجھیں نہ بزم وعظ اسے یاران میکدہ　　محشر کی باز پرس ہے کچھ دل لگی نہیں
ہم جانتے تھے پہلے سی دونوں میں کج ادا　　وہ دن بھی زلف یار سے دل کی بنی نہیں

بیٹھا ہوں میں یہاں سے مجھے کوئی کیوں اٹھائے
دشمن کے گھر کی راہ ہے اُن کی گلی نہیں

میرے سپرد میکدے میں ظرف مَے رہیں
سب جانتے ہیں یہ مری نیّت بُری نہیں

جُبّہ بدن سے سر سے عمامہ اُتر گیا
پینے کے بعد وضع پُرانی نبھی نہیں

پوچھیں گے آپ کو نہ ریاضؔ اہلِ لکھنؤ
شاعر یہاں ہزار ہیں ایک آپ ہی نہیں

یہ بلا میرے سر چڑھی ہی نہیں
میں نے کچّے گھڑے کی پی ہی نہیں

آگ ایسی کبھی لگی ہی نہیں
کہ لگی دل کی پھر بجھی ہی نہیں

پی بھی یوں جیسے میں نے پی ہی نہیں
مُنہ سے میرے کبھی لگی ہی نہیں

دل نہ جب تک ہوا شریکِ حنا
مہندی اُن کی کبھی پسی ہی نہیں

شکنِ زلف حلقۂ گیسو
بیڑیاں بھی ہیں ہتکڑی ہی نہیں

کون لیتا بلائیں پیکاں کی
آرزو کوئی دل میں تھی ہی نہیں

کس قدر ہوں بنا ہوا میں بھی
جیسے میں نے شراب پی ہی نہیں

دل میں کیا آئے کیا چلے دل سے
تم نے چٹکی تو کوئی لی ہی نہیں

صبح کا جھٹپٹا تھا شام نہ تھی
وصل کی رات رات تھی ہی نہیں

کیوں سُنے شیخ قلقلِ مینا
اُس نے ایسی کبھی سُنی ہی نہیں

آئے آنے کو فصلِ گُل سَو بار
میرے دل کی کلی کھلی ہی نہیں

ہائے سبزے میں وہ سیہ بوتل
کبھی ایسی گھٹا اُٹھی ہی نہیں

لاگ بھی دل سے ہی لگاؤ کے ساتھ
دشمنی بھی ہے دوستی ہی نہیں

مُنہ لگا نا مرا اِک آفت تھا
خُم میں وہ چیز جیسے تھی ہی نہیں

بزمِ آرائے حشر کے صدقے — محفل ایسی کبھی جمی ہی نہیں
کچھ مزے میں ہم آگئے ایسے — توبہ پینے سے ہم نے کی ہی نہیں

کوئی ناخوش ریاض سے کیوں ہو
اس روش کا وہ آدمی ہی نہیں

جو اُن سے کہو وہ یقیں جانتے ہیں — وہ ایسے ہیں کچھ بھی نہیں جانتے ہیں
بڑے جنتی ہیں یہ میخوار زاہد — مئے تلخ کو انگبیں جانتے ہیں
جوانی خود آتی ہے سو حسن لے کر — جواں کوئی ہو ہم حسیں جانتے ہیں
شبِ ماہ بنتی ہے ہر شب مری گھر — یہ سب بادہ وش مہ جبیں جانتے ہیں
بناوٹ بھی اک فن ہے جو جانتا ہو — تری سادگی کچھ ہمیں جانتے ہیں
نگاہیں نہ آنکھوں کے گھونگھٹ سے نکلیں — ادائیں غضب شرمگیں جانتے ہیں
تری کم نگاہی سے اُبھرے ہیں فتنے — تجھے غیر چیں بر جبیں جانتے ہیں
مری جان پر رات بن بن گئی ہے — مرا حال کچھ ہم نشیں جانتے ہیں
جو واقف نہیں لطفِ تجدید سے کچھ — وہ توبہ کی لذت نہیں جانتے ہیں
وہ شرمیلی آنکھیں وہ شرمیلی باتیں — وہ ہنسنا بھی کھل کر نہیں جانتے ہیں
مری بت پرستی بھی ہے حق پرستی — مرا مرتبہ اہلِ دیں جانتے ہیں

بڑے پاک طینت بڑے صاف باطن
ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

ریاض اک چلبلا سا دل ہو ہم ہوں — حسینوں کی بھری محفل ہو ہم ہوں
کہا لیلیٰ سے کس نے دل ہو تو ہو — کبھی تو ہو ترا محمل ہو ہم ہوں

مزا دے جائی ہم کو خواب غفلت　　مزا آجائے تم غافل ہو ہم ہوں

ذرا ہم بھی سنیں تم نے کہا کیا　　عدو سے جب سر محفل ہو ہم ہوں

لئے حلقے میں ہوں سب اہل محشر　　کمر میں ہاتھ ہو قاتل ہو ہم ہوں

بنے تل آنکھ کا گھٹ کر شب وصل　　ہماری آنکھ میں یہ تل ہو ہم ہوں

تری اُلٹی چھری دل میں اتر جائے　　عدو جب اس طرح بسمل ہو ہم ہوں

یہ تھک کر بیٹھنا ہو وجہ آرام　　مزا ہے سختی منزل ہو ہم ہوں

نہ خلوت چاہئے ہم کو نہ معشوق
ریاض اک آرزوئے دل ہو ہم ہوں

مُنہ دکھا کر منہ چھپانا کچھ نہیں　　کچھ نہیں یہ منہ دکھانا کچھ نہیں

تھا جو کیا کچھ بات کہتے کچھ نہ تھا　　آدمی کا بھی ٹھکانا کچھ نہیں

گل ہیں معشوقوں کے دامن کے لئے　　قبر عاشق پر چڑھانا کچھ نہیں

ہے ستانے کا بھی لطف اک وقت پر　　ہر گھڑی ان کو ستانا کچھ نہیں

بے منائے من گئے ہم آپ سے　　ایسے روٹھے کو منانا کچھ نہیں

ہاتھ سی گلچیں کے جھٹکے کون کھائے　　شاخ گل پر آشیانا کچھ نہیں

یہ حسیں ہیں پیار کر لینے کی چیز　　ان حسینوں کو ستانا کچھ نہیں

اے حباب اپنی ذرا ہستی تو دیکھ　　اس پہ اتنا سر اُٹھانا کچھ نہیں

تو نے توبہ کی تو ہے لیکن ریاض
بات کا تیری ٹھکانا کچھ نہیں

روز کا حیلہ بہانا کچھ نہیں　　روز کا مہندی لگانا کچھ نہیں

میری ہستی کچھ نہیں یونہی سہی　　کچھ بن نہیں کچھ میں نے مانا کچھ نہیں

اس کے آگے پھر قفس اک چیز ہے ۔۔۔ مال تو ہے آشیانا کچھ نہیں

ایسی ہنس مکھ شکل پر اے شمع بزم ۔۔۔ یہ ترا آنسو بہانا کچھ نہیں

کہتی ہے بل کھاتی وہ نازک کمر ۔۔۔ نازنینوں کو ستانا کچھ نہیں

شوق سے قاضی کے گھر نالش کرو ۔۔۔ میفروشو ہم سے پانا کچھ نہیں

کہہ گیا محفل میں اک خلوت نشیں ۔۔۔ کھل کے یوں پینا پلانا کچھ نہیں

آپ ہوں یا آپ سے بڑھکر کوئی ۔۔۔ ہم نہیں تو اک زمانا کچھ نہیں

اتنے جھگڑے زندگانی کے لئے ۔۔۔ زندگانی کا ٹھکانا کچھ نہیں

سب حسیں تم کو ستائیں گے ریاض
بات کہتے روٹھ جانا کچھ نہیں

وہ کون لوگ ہیں جو مے اُدھار لیتے ہیں ۔۔۔ کہ میفروش تو ٹوپی اُتار لیتے ہیں

یہ پاس پردہ نشینوں کا ہے کہ نالے بھی ۔۔۔ جو اونچے ہوتے ہیں پر وہ پکار لیتے ہیں

وہ کہتے ہیں ابھی اللہ اتنی طاقت ہے ۔۔۔ جو کروٹیں کبھی ہم بے قرار لیتے ہیں

بچائیں گے گل و بلبل کو دام گلچیں سے ۔۔۔ جو کوئی پہنچے تو فصل بہار لیتے ہیں

یہی ہیں کام نکلتا ہے جن کا بے طاعت ۔۔۔ مزے کرم کے ترے شرمسار لیتے ہیں

اُترتے عرش سے ڈرتا ہے تو دعا والے ۔۔۔ اثر کو ہاتھ بڑھا کر اُتار لیتے ہیں

شراب کے لئے بیہوش منہ ہیں پھیلائے ۔۔۔ جمھائیاں نہیں وقت خمار لیتے ہیں

گناہگار ہیں اتنے ہی ان بتوں کے ہم ۔۔۔ کہ پانچ وقت خدا کو پکار لیتے ہیں

جما یہ رنگ کہ اب وقت زمزمہ سنجی ۔۔۔ چمن میں مجکو عنادل پکار لیتے ہیں

پہنے ہوں کتنی ہی لیکن یہ ہوش رہتا ہے ۔۔۔ کہ سوتے وقت وہ زیور اُتار لیتے ہیں

ریاض باتوں میں اپنی اگر نہیں جادو
پری کو شیشے میں یونہی اُتار لیتے ہیں

خاک آنکھوں میں مری ڈال دیا کرتے ہیں
شوخیاں آپ کی نقش کف پا کرتے ہیں

نزع میں یار سے پیمان وفا کرتے ہیں
اُس دغا باز سے ہم آج دغا کرتے ہیں

چھیڑتے ہیں ہمیں معشوق بُرا کرتے ہیں
ہم بھری بزم میں منہ چوم لیا کرتے ہیں

سونپتے جاتے ہیں اللہ کو اُن کی باتیں
ہم نہ شکوہ نہ شکایت نہ گلا کرتے ہیں

دل لہو ہونے کا افسوس ہے کتنا اُن کو
منہدی ملتے نہیں اب ہاتھ ملا کرتے ہیں

وہ بھی کیا وقت ہی ہوتی ہیں شگفتہ جب دل
وہ بھی کیا وقت ہی جب پھول کھلا کرتی ہیں

آپ سوئیں تو سہی آنکھ لگائیں تو سہی
وا ابھی ہم گرہ بند قبا کرتے ہیں

کہتے ہیں کون کفن منہ سے ہٹائے اُن کے
آنکھ حوروں سے لگائی ہی حیا کرتے ہیں

اُن کے جوڑے میں جگہ پائی ہی کیا حضرتِ دل
نہیں کھلتا ہی کہاں آپ رہا کرتے ہیں

آسماں کو وہ مجھے سونپ ہی ہیں پس دفن
ہاتھ اٹھائی جو سوئے چرخ دعا کرتے ہیں

اچھے بل کھائے ہوئی آپ بھی سیدھے مجھ پر
یہ خطا میری ہے یا تیر خطا کرتے ہیں

ہم کفن میں وہ ڈوپٹے میں چھپائے ہیں مُنہ
کچھ حیا اُن کو ہی کچھ ہم بھی حیا کرتے ہیں

مے و معشوق سے لطف آٹھ پہر رہتا ہے
چین دن رات ہی دن رات مزا کرتے ہیں

سجدے ہی کرتے تھے بتوں کو کبھی دن رات ریاض
اب تو ہم خدمتِ خاصان خدا کرتے ہیں

کوئی لائے اس کو ذرا ہوش میں
یہ واعظ ہی کس خوابِ خرگوش میں

شبِ وصل اُٹھائے یہ باہم مزے
نہ وہ ہوش میں ہیں نہ ہم ہوش میں

خمِ مے کا ڈر سے لہو خشک ہے — پڑا جام دستِ بلانوش میں

میں صدقے کیسے آج پیار آگیا — یہ کون آگیا میرے آغوش میں

نہ چھیڑو نکل جائے گی جان ابھی — دبی ہے وہ لبہائے خاموش میں

بڑھی ہیں دل آویزیاں حسن کی — زمرد کے آویزے ہیں گوش میں

سرِ بزم واعظ سے دبنا پڑا — وہ خُم سے سوا اتفاق و نوش میں

ٹھکانا ہے کیا شیخ بدمست کا — کبھی کہہ دیا ہوگا کچھ جوش میں

فرشتے مرے بانٹ لیں کچھ گناہ — کمی ہو گرانباری دوش میں

نہیں پاؤں میں صرف مہندی لگی — لگے لال ہیں ان کی پاپوش میں

خدا جانے کہتا ہوں مستی میں کیا — خدا جانے بکتا ہوں کیا جوش میں

بنے دیر الٰہی یہ کعبہ مرا — رہیں بت دلِ حق فراموش میں

ریاضؔ اب کہاں وہ جوانی کے دن
کہاں اب حسیں کوئی آغوش میں

ان اچھی شکل والوں سے ہم کچھ خفا بھی ہیں — یہ بات مان جائیں تو ان پر فدا بھی ہیں

بیجا گلے ترے ارے ظالم بجا بھی ہیں — گویا روا ترے ستمِ ناروا بھی ہیں

ہاں ہاں یہی دعائیں جو جاتی ہیں چرخ پر — الٹی پھریں تو حق میں ہمارے بلا بھی ہیں

آئے نظر نہ کوچۂ دشمن میں یہ کبھی — چلتے ہوئے حضور کے کچھ نقشِ پا بھی ہیں

کہتا ہے یہ فریبِ نمودِ شرار سنگ — دو ایک کیا ہزاروں کے یہ بت خدا بھی ہیں

پس کر الگ یہ رنگ جماتی ہیں اس کے ساتھ — ٹکڑے جدا ہیں دل کے شریکِ حنا بھی ہیں

یوں تو ادا بھی شوخ ہے اُن کی نگہ بھی شوخ — موقع حیا کا ہو تو سراپا حیا بھی ہیں

مژگاں ہوں یا وہ شوخ نگاہیں کسی کی ہوں ‌ ‌ جو دور سے چبھیں وہی تیرِ قضا بھی ہیں

افسردہ ہوں کبھی نہ مری داغہائے عشق ‌ ‌ روشن رہیں تو مشعلِ راہِ فنا بھی ہیں

آنا سنور کے روز لبِ بام دن رہے ‌ ‌ خود بینیوں کے ساتھ حسین خود نما بھی ہیں

جب دیکھیے تو ہے مے و معشوق پر نگاہ

بایں ہمہ ریاض بڑے پارسا بھی ہیں

ہم سے وفا کریں کہ وہ ہم پر جفا کریں ‌ ‌ پائیں خدا سے ہم جو بتوں سے دعا کریں

صیاد اڑا دیا مجھے سر سے اتار کر ‌ ‌ صدقے ترے ہمارے سر پہ اُڑا کریں

وہ دن خدا دکھائے کہ ہم بھی انہیں ستائیں ‌ ‌ یہ نازنیں حسین ہمارا گلا کریں

آنکھوں میں اشک آئے تو ہنسنے کا لطف کیا ‌ ‌ اتنا نہ گدگداؤ کہ ہم رو دیا کریں

سمجھا دی جا کے تو ہی انہیں اے نگاہِ یاس ‌ ‌ اب کوسنے کا وقت نہیں ہے دعا کریں

رکھ لیں ہم آپ لاؤ دلِ بے قرار میں ‌ ‌ ایسا نہ ہو کہ تیر تمہارے خطا کریں

ہم لاکھ پارساؤں کے ایک پارسا سہی ‌ ‌ موقع سے تم کو پائیں تو بتلاؤ کیا کریں

پژمردہ پھول بن کے رہے نامراد دل ‌ ‌ کھل کر تمہارے ہار کی کلیاں ہنسا کریں

وہ دن کہاں ریاض وہ راتیں کہاں ریاض

بیٹھے ہوئے کسی کی بلائیں لیا کریں

عیش و عشرت سب سہی دم میں نہیں تو کچھ نہیں ‌ ‌ ایک دنیا ہو تو کیا جب ہم نہیں تو کچھ نہیں

سرمگیں آنکھوں میں اشکِ غم نہیں تو کچھ نہیں ‌ ‌ دستِ رنگیں سے مرا ماتم نہیں تو کچھ نہیں

صبح کو شب کے ستانے کا گلا شکوہ عبث ‌ ‌ جب پریشاں گیسوئے برہم نہیں تو کچھ نہیں

عشق سے تھوڑا بہت تو ہو ہر انساں کو لگاؤ ‌ ‌ دل میں کچھ کچھ درد کچھ کچھ غم نہیں تو کچھ نہیں

اس کمر پر اس نزاکت پر یہ سیدھی چال کیوں | بل نہیں تو کچھ نہیں کچھ خم نہیں تو کچھ نہیں

اس کی شوخی نے اسے اے دل چھپا رکھا کہاں | حشر میں وہ فتنۂ عالم نہیں تو کچھ نہیں

ملنے والوں کا بہم مل بیٹھنا بھی لطف ہے | جمگھٹے شب کو سر بزم نہیں تو کچھ نہیں

اس کی رونق اور ہے اس کا اثر کچھ اور ہے | ان کی محفل میں مرا ماتم نہیں تو کچھ نہیں

پیارے پیارے اچھے اچھے منہ سے ہاں کہہ دی کبھی | تیری صدقے یہ تری ہر دم نہیں تو کچھ نہیں

بال کھولے تم نے تو کیا چوڑیاں توڑیں تو کیا | میرے مرنے کا جو دل سے غم نہیں تو کچھ نہیں

بات جس کی تھی گئی ساقی وہ اس کے دم کے ساتھ | جام جم ہو بھی تو کیا جب ہم نہیں تو کچھ نہیں

پھوٹ کر رونا نہیں تو پھوٹ ہی جائیں یہ آص
کام کے جب دیدۂ پرنم نہیں تو کچھ نہیں

کچھ ایسی کم تو بارش ابر کرم نہیں | شرمندہ ہوں جو سبزۂ تربت بھی نم نہیں

جھوٹی قسم بھی میری تسلی کو کم نہیں | لیکن حضور غیر کے سر کی قسم نہیں

آنکھیں تہ ہیں فرش راہ اٹھ الیگیا کوئی | پھر کر جو دیکھتے ہیں تو نقش قدم نہیں

وعدہ غلط کیا ہے کسی نے وصال کا | کیوں ہونٹھ پر نہ آئے ہنسی کچھ تبسم نہیں

دیکھے چھدی ہوئے جگر و دل نہ ایک ساتھ | چلتے ہوئے کچھ آپ کے تیر ستم نہیں

کس شوق سے وہ پھول چڑھانے کو آئے ہیں | آتا ہی رشک قبر میں دشمن کے ہم نہیں

رسوا وہ آپ ہوتے ہیں پھر پھر کے رات کو | روشن چراغ راہ میں نقش قدم نہیں

لکھتا ہوں خط شوق کسی گلعذار کو | منقار عندلیب ہے میرا قلم نہیں

لائے گی کیوں اڑا کے صبا میری قبر پر | پھولوں کی پنکھڑی ترے نقش قدم نہیں

سب دوڑ دھوپ تھی مری تربت کیواسطے | اب بے قرار سایۂ ابر کرم نہیں

ہم دل میں خوش کہ سبزہ تربت ہرا ہوا — وہ اس ادا سے روئی کہ پلکیں بھی نم نہیں

ہم کو تو لوٹنا ہیں مزے عفو کے ریاضؔ
یہ کیوں کہیں کہ اس کے گنہگار ہم نہیں

جو کرنا ہیں جفائیں وہ کیے جائیں — دعائیں ان کو لینا ہیں لیے جائیں
کسی سے ہائے ساقی کا یہ کہنا — لہو میرا پئیں جو بے پیے جائیں
گلا کیا ہے دعائیں دے رہا ہوں — یہ آخر ہونٹھ میرے کیوں سیے جائیں
گھٹا اٹھتے ہی بوچھاریں یہ ہم پر — ارے واعظ کہاں تک ہم پیے جائیں
نہ پہچانیں تو لیں ہم بوسہ انعام — مزا ہے بن کے ہم بہروپیے جائیں
بچے گی جان تو دل مل رہے گا — بچا لیں جان، دل تم کو دیے جائیں
ہم اے رندو خدا سے چاہتے ہیں — پلائے جائے کوئی ہم پیے جائیں
کہاں تک ہم لکھے جائیں خط شوق — کہاں تک ڈاکیوں پر ڈاکیے جائیں
نہ سمجھایا کریں رندوں کو ناصح — ملیں موقع سے تو سمجھا دیے جائیں
پلاتے ہیں مے گلگوں عدو کو — لہو کے گھونٹ ہم کب تک پیے جائیں
ترے دیوانے رخصت ہو رہے ہیں — ذرا کہہ دے بلائیں تو لیے جائیں
جفا سے شرم انہیں آتی نہیں ہے — جفا پر بھی ہم اپنی سی کیے جائیں

ریاضؔ الٹی سمجھتے ہیں نہ سیدھی
جو ان کے دل میں آئے وہ کیے جائیں

یہ کیوں ہم مفت اپنی جان سے جائیں — جو تم کہہ دو تو دشمن کو بھی لے جائیں
سلامت ہم رہیں یا جان سے جائیں — انہیں لینا ہی دل وہ آ کے لے جائیں

وہ کہتے ہیں مجھے سب کچھ ہے منظور
کہیں یہ روز کے شکوے گلے جائیں

تڑپنے کا مزا جانے نہ پائے
وہ بیٹھے دل کو چٹکی سے ملے جائیں

مزا آئے ہمیں بھی گالیوں میں
ذرا ہم بھی ترا منہ چومتے جائیں

دم وصل آئینہ پیش نظر ہو
وہ اپنا رنگ بھی تو دیکھتے جائیں

ستانے ہم کو وہ آئے یہاں بھی
ہم اٹھ کر قبر سے ہی کیا چلے جائیں

لگی دل کی سنی تو بولے ہنس کر
یونہی قسمت میں جلنا ہی جلے جائیں

ہمارے آڑے آئے رحمت اس کی
جب اس کے آگے سب اچھے برے جائیں

ہمارا دل گراں ان کو نہ ہم کو
اسے سو بار دے جائیں لے جائیں

ہمارے گھر وہ ہنستے کھیلتے آئیں
عدو کے گھر وہ روتے پیٹتے جائیں

ڈبوئی آبرو کیا آنسوؤں نے
یہ عالم ہے جہاں جائیں ہنسے جائیں

بلائیں اس لئے ہم لے رہے ہیں
یہ زلفوں والے ہم کو کوستے جائیں

ریاض اب وہ طبیعت میں نہیں لطف
مزے کے شعر ہم سے کیا کہے جائیں

نہ رہنے پائے بلبل جی کی جی میں
کہ اب رس آ چلا ہے ہر کلی میں

جو پوچھا جان لو گے دل لگی میں
تو بولے ہنس کے ہی کیا آدمی میں

جگہ دو دل کو آئینے میں اپنے
ہماری آنکھ رکھ لو آرسی میں

نہ چھیڑ اب اے خیال یار جا بھی
کوئی ہوتا ہے کس کا بیکسی میں

رہیں اب میکدے میں رند و زاہد
بسر مل جل کے کر لیں ایک ہی میں

عنادل میں صبا میں چل گئی تھی
اڑا دی بات پھولوں نے ہنسی میں

فلک سے بڑھ کے دشمن تھا مرا کون ــــ رہے تم اُس سے بڑھکر دشمنی میں

جو یہ کھل جائے تو سب راز کھل جائے ــــ کوئی شئے بند ہے دل کی کلی میں

مری توبہ یہ کیسا دور آیا ــــ مزا باقی نہیں اب میکشی میں

کرن سورج کی نکلی جامِ مے سے ــــ یہ کیسی دھوپ پھیلی چاندنی میں

ہر ایک ساعت ہو جس کی حاصلِ عمر ــــ کہاں وہ دن ہماری زندگی میں

یہ بت کیسے بتوں کا ہوش کس کو ــــ نہ تھا کوئی خدا تھا بیخودی میں

رہا تقدیر کا رونا ہمیشہ ــــ ہماری عمر تو گزری اِسی میں

نگاہِ محتسب کی قید ہے سخت ــــ پڑی ہے جان شیشے کی پری میں

محبت اور اُن کافر بتوں کی
ریاضؔ اس عمر میں اس مفلسی میں

جو بے حجاب کہیں سینہ تانے جاتے ہیں ــــ کھلے خزانے وہ جوبن لٹانے جاتے ہیں

ہماری قبر پر اب خاک اُڑانے جاتے ہیں ــــ مٹے ہوؤں کا وہ شکوہ مٹانے جاتے ہیں

کلیم جاکے جہاں ہوش اپنے کھو آئے ــــ وہاں تو روز ہم آنکھیں لڑانے جاتے ہیں

ستم ستم ہے نہ کچھ لطف نزع کے وقت ــــ ہماری یاد سے اب یہ فسانے جاتے ہیں

سکون و صبر چلے اب ہی اضطراب و تپش ــــ نئے رفیق ملے ہیں پرانے جاتے ہیں

ہمارے نالے تو ہم سے بڑھے چڑھے نکلے ــــ وہ بام پر ہیں یہ اُن کو ستانے جاتے ہیں

نکال لائیں گے دشمن کی لاش قبر سے کیا ــــ وہ اپنے روٹھے ہوئے کو منانے جاتے ہیں

کہاں چلے ہیں جبیں پہ چھینٹے ہوئے افشاں ــــ کہاں وہ حسن کی دولت لٹانے جاتے ہیں

کشیدہ رہتے ہیں ہم سے جو تیغ کی صورت ــــ ہم اُن کو آج گلے سے لگانے جاتے ہیں

طریقِ عشق کے رہرو کبھی کبھی اب بھی | جنابِ خضر کو رستہ بتانے جاتے ہیں
جنا لگا کے جو آئے ہیں غیر کے گھر سے | وہی اب آگ مرے گھر لگانے جاتے ہیں
چلے یہ کہہ کے بجھانے وہ شمعِ تربت کو | کسی کے دل کی لگی ہم بجھانے جاتے ہیں
ڈریں گے حشر سے کیا نازنیں بتِ کافر | وہی تو حشر جسے یہ اٹھانے جاتے ہیں
ہوا چلی ہے یہ کیسی کہ آج سوئے قفس | چمن سے اڑتے ہوئے آشیانے جاتے ہیں

نظر بچائے بغل میں دبائے شیشۂ مے
کہیں ریاض بھی پینے پلانے جاتے ہیں

اپنے خرامِ ناز پہ اتراتے جاتے ہیں | چلنے میں لاکھ لاکھ وہ بل کھائے جاتے ہیں
بھر بھر کے جام بزم میں چھلکائے جاتے ہیں | ہم ان میں ہیں جو دور سے ترسائے جاتے ہیں
صیاد کو بہار میں سوجھی ہے یہ کیا | پھولوں سے آج سب کے قفس چھائے جاتے ہیں
چل دور ہٹ بھی پاس سے اے شمعِ بے حجاب | پروانے تجھکو دیکھ کے شرمائے جاتے ہیں
سوفار ان کے تیروں کے کھولے ہوئے ہیں منہ | دل کے لئے یہ جان مری کھائے جاتے ہیں
رات آپ کی بے چینی سے پہلو میں ہو گئے | کیوں آپ جیسے جاتے ہیں گھبرائے جاتے ہیں
تر دامنوں کی قید نہ تھی او آفتابِ حشر | سب لوگ کیوں یہ دھوپ میں جھلسائے جاتے ہیں
کیا کیا خوشامدیں ہیں کہ پی لوں بہار میں | سر پر شگوفے ابر کے کیوں چھائے جاتے ہیں
دربان ان کے ہیں سگِ در سے بڑھے ہوئے | اس طرح دیکھتے ہیں مجھے کھائے جاتے ہیں
مہندی چھڑا کے آئیں کبھی وہ دیر اب نہیں | ہم خاک میں ملانے کو نہلائے جاتے ہیں
شامت کہ بے بلائے گئے بزمِ ناز میں | ہم بھی انہیں میں ہیں جو نکلوائے جاتے ہیں
وعدے پہ اپنے آج بھی شاید نہ آئیں گے | بستر کے پھول شام سے مرجھائے جاتے ہیں

پروانوں سے حجاب نہ گلگیر سے حیا ۔۔۔ عریانیوں سے شمع کی شرمائی جاتے ہیں

آیا ہے اب پیام کہ فرصت نہیں ہے آج ۔۔۔ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ آئے جاتے ہیں

دنیا کی اور بات نہیں کوئی بھی یہاں ۔۔۔ افسانے پچھلے حشر میں دُھرائے جاتے ہیں

آنے کو ہے ریاض سا اک پارسا بزرگ

مینا و جام بزم سے اُٹھوائے جاتے ہیں

رہ گئے تیر نظر ہو کے ترازو دل میں ۔۔۔ رُک گئے چلتی ہوئی آنکھ کے جادو دل میں

فرق باہم نہیں رکھتے ہیں سر مو دل میں ۔۔۔ دل ہے گیسو میں سے رہتے ہیں گیسو دل میں

دل تجھے کیوں نہ کرے پیار مری جان ہے تو ۔۔۔ دل کو میں کیوں نہ کروں پیار کہ ہے تو دل میں

کیا ہوئی ہائے لگی دل کی بجھانے والے ۔۔۔ نہیں آنکھوں میں لگانے کو بھی آنسو دل میں

دل میں کیا بیٹھے ہو آغوش میں میرے آجاؤ ۔۔۔ تنگی دل سے نہیں چین کا پہلو دل میں

اب حسینوں سے بھی رکھتا ہے بڑھ چڑھ کے دماغ ۔۔۔ آ گئی چار ہی دن میں تری خو بو دل میں

گوشے گوشے میں ہے ارمانوں کا ماتم دن رات ۔۔۔ ایک ٹیس سی پڑی رہتی ہے ہر سو دل میں

نہ وہ چبھتی ہوئی پھانسیں نہ کھٹکتے ہوئے خار ۔۔۔ پھرتے ہی ان کی نظر پھر گئی جھاڑو دل میں

منہ سے نکلی نہیں دم حشر خدا لگتی کچھ ۔۔۔ لے رہا بات مری وہ بت بدخو دل میں

ہو کلیجا تو کرے غیر ہماری تقلید ۔۔۔ لخت دل آنکھ میں کچھ آنکھ کے آنسو دل میں

کتنی ہلکی مے گلگوں مجھے دی ہے ساقی ۔۔۔ دل میں جو بوند گئی بن کے رہی بو دل میں

خلش ناخن غم ہو نہ سوا ڈرتا ہوں ۔۔۔ چٹکیاں لیتی ہے کیوں جنبش ابرو دل میں

مے پیے توبہ کیے گزری ہے اک عمر مگر ۔۔۔ ہے وہی لطف وہی رنگ وہی بو دل میں

یہ بہانہ تھا نکالیں گے وہ پھانسیں دل کی ۔۔۔ آ کے وہ پھیر گئے اور بھی جھاڑو دل میں

چٹکیاں لیتی جو امید ہماری ہوتی — بیٹھے ہیں کچھ وہ چھپائے تہہ زانو دل میں

رہنے سہنے سے چمن میں یہ ہوئی ہو تاثیر — گل و بلبل کی بہت آگئی خو بو دل میں

کوئی دامن ہے نہیں پونچھنے والا ان کا — آنکھ تک آکے پلٹ جاتے ہیں آنسو دل میں

کیا بنایا ہے دم حشر حسینوں نے ریاض
سوچ کر آئے تھے ہم وصل کے پہلو دل میں

گنہ بھی کئے ہیں تو پنہاں کئے ہیں — فرشتوں سے چھپ چھپ کے عصیاں کئے ہیں

ٹپکتا ہے یہ خونچکاں آبلوں سے — ہزاروں بیاباں گلستاں کئے ہیں

بہت دولت حسن لوٹی ہے ہم نے — حسینوں کے گھر ہم نے ویراں کئے ہیں

کہاں تم نے دشمن کا ماتم کیا ہے — بری طرح گیسو پریشاں کئے ہیں

سر حشر بھی میری گردن جھکی ہے — بہت میرے قاتل نے احساں کئے ہیں

ترے صدقے باقی نہیں کوئی حسرت — وہ پورے ہوئے ہیں جو ارماں کئے ہیں

جو تو نے سنوارے تھے مشاطہ ہو کر — وہ گیسو ہمیں نے پریشاں کئے ہیں

ذرا ناز کرنا نہ تم خال رخ پر — بہت ہم نے ہندو مسلماں کئے ہیں

مزا وہ بھی دے جائیں گے حشر کے دن — کبھی جھوٹے سچے جو پیماں کئے ہیں

ریاض ان میں بھی کوئی بات اچھی ہوگی
برے شعر جو درج دیواں کئے ہیں

اثر اتنا ہے بلبل کی زباں میں — گلوں کا رنگ کھنچ آیا فغاں میں

مرے نالے کہاں پہنچے شب غم — ستارے ہیں کہ روزن آسماں میں

ہمیں کو وہ سمجھتا ہے کوئی ہو — ہمیں ہم ہیں نگاہ پاسباں میں

مزے کا درد جو دل میں اُٹھا تھا — وہی اُٹھ کر چلا آیا فغاں میں
ادائے ناز سے ابرو کھنچے ہیں — کھڑے ہیں تیر جوڑی وہ کماں میں
عدو کے کام آئی تو شبِ ہجر — ترا کالا ہو منہ دونوں جہاں میں
جب اُترے حلق سے دو گھونٹ مے کے — پھلے پھولے چمن دیکھے خزاں میں
سمجھ بیٹھے ہیں مجکو پارسا وہ — مری گنتی ہے اب اہلِ جناں میں
یہ کیا پائے حنائی رکھ دئے تھے — جڑے ہیں لعل سنگِ آستاں میں
یہاں بھی لو خزاں میں اُڑ گئی خاک — نہیں کچھ میفروشوں کی دکاں میں
قفس میں تو پڑا میں پھنک رہا ہوں — لگا نے آگ جاؤں آشیاں میں
میں صدقے اُن بلاؤں کے جو آئیں — وہ پریاں ہیں مرے اُجڑے مکاں میں
پکڑتی ہے گلا کچھ یادِ ناقوس — یہ کیوں آواز بیٹھی ہے اذاں میں
جو آدھی بات دشمن کو کہی ہو — الٰہی چھالے پڑ جائیں زباں میں

سُنیں تو بُت بھی تیرا چوم لیں مُنہ
ریاضؔ اتنا اثر تیری زباں میں

کھٹکتے ہیں نگاہِ باغباں میں — جو ہیں دو چار تنکے آشیاں میں
ہر اک سختی میں عالم نزع کا تھا — ہماری عمر گزری امتحاں میں
چھُٹا لے سجدہ کرنے میں نہ کوئی — لگے ہیں لال سنگِ آستاں میں
شرارے ہیں مرے نالوں کے قائم — کہ تارے جڑ دئے ہیں آسماں میں
قریب اب فصلِ گُل شاید ہے صیّاد — مزا آنے لگا میری فغاں میں
ترس آتا نہیں مجھ پر کسی کو — میں فریادِ جرس ہوں کارواں میں

اثر مے کا ہے یا توبہ کا ناصح　　کہ تلخی سی ہے کچھ اب تک زبان میں

تڑپنے والوں میں بھی تفرقہ ہے　　قفس میں ہم ہیں بجلی آشیاں میں

کسی سے چھوٹ کر عالم ہی کچھ اور　　پڑا ہے تفرقہ سا جسم و جاں میں

ریاض استاد نے رتبہ یہ بخشا

ہماری دھوم ہے ہندوستان میں

وہ دل کو مل کے جگر کو مسل کے جاتے ہیں　　وہ رنگ بزم کا میری بدل کے جاتے ہیں

انہیں گلا ہی تجھے آ کے ہم نہیں پاتے　　لحد سے روز کہاں ہم نکل کے جاتے ہیں

جو رکھ کے ہار کے پھولوں میں دام ایسے　　وہ چٹکیوں سے دم صبح مل کے جاتے ہیں

سبو سے مے ہیں گراں تن ضرور تو لے واعظ　　اچھالنے سے وہ بہت دور اچھل کے جاتے ہیں

اب اتنے نام خدا ہو گئے ہیں شوخ شباب　　کہ پاؤں پاؤں گلی تک بھی چل کے جاتے ہیں

بتوں سے ہو کے فرشتوں سے ہو کے واعظ سے　　خدا کے سامنے ہم بھی سنبھل کے جاتے ہیں

یہ ان کے آنے سے پہلے نکل گیا ہے کہیں　　وہ آج دل کے لئے ہاتھ مل کے جاتے ہیں

وہ اپنے ہار کے پھولوں میں ان کو رکھیں گے　　کہیں جو داغ بھی دل سے نکل کے جاتے ہیں

وہ گا کے نور کے سانچے میں ان کو ڈھالیں گے　　جو شعر چھن کے ہمارے غزل کے جاتے ہیں

بہار آئی ہے لینے کو اسے ریاض نہیں

جو گھر سے ہم سوئے صحرا نکل کے جاتے ہیں

وہ آج ہم سے نئی چال چل کے جاتے ہیں　　لگا کے آگ کہیں مہندی مل کے جاتے ہیں

خبر فرشتوں کے لیتے ہیں کاگ بوتل کے　　جو آسمان سے اونچے اچھل کے جاتے ہیں

تمہارے کوچے میں آئیں یہی قیامت ہے　　کہاں یہ لوگ لحد سے نکل کے جاتے ہیں

یہ مجکو دیکھ کے ہیں بیقراریاں ساقی
کہ اُبلے پڑتے ہیں خم جام چھلکے جاتی ہیں

کھٹکتے سائے سے اپنے ہیں ان کے کوچے میں
بہت ہی بچ کے بہت ہی سنبھل کے جاتی ہیں

اٹھا جنازہ تو دیوانگی مری بولی
یہ ملنے خاک میں کپڑے بدل کے جاتی ہیں

نہیں عمامہ تو سر پہ سبوئے رکھ لیں
جناب شیخ بہت آج ہلکے جاتی ہیں

وہ ٹھنڈی ہو کے جو اُٹھتی ہے شمع محفل ہے
تمہارے بزم سے ہم روز جل کے جاتی ہیں

ریاض بارگراں تھے ہمیں گناہوں سے
ہمیں ہیں چار کے کاندھے جو ہل کے جاتے ہیں۔

اسی عروس کا جلوہ ہے چشم بلبل میں
بہار ہے کہ دُلھن ہے لحافۂ گل میں

مزا بھرا ہے جو مینائے مے کی قلقل میں
کہاں وہ خندۂ گل میں نوائے بلبل میں

کسی کے گیسوئے شبگوں سے اس کو نسبت کیا
وہ رنگ و بو ہے نہ وہ پیچ و تاب سنبل میں

چمن میں جا کے سحر ہوتے دیکھ آتے ہیں
چھپی ہوئی ہے ہنسی تیری خندۂ گل میں

یہ خاص رنگ ہمیشہ سے تیرا حصّہ ہے
ریاض مانتے ہیں سب تجھے تغزّل میں

یہ مے تلخ ترے منہ سے لگی ہے کہ نہیں
سچ بتا دے ارے زاہد کبھی پی ہے کہ نہیں

اُٹھ کے بوتل طرف جام جھکی ہے کہ نہیں
یہ گھٹا شیخ کے حجرے میں اُٹھی ہے کہ نہیں

بزم ماتم میں جو آئے ہیں بتا دیں اتنا
مہندی ہاتھوں میں کبھی ایسی رچی ہے کہ نہیں

جی میں آتا ہے ابھی جا کے خود اس کو پوچھوں
بات قاصد کی ترے منہ کی کہی ہے کہ نہیں

دیکھ کر شوخ حسینوں کو بتا اے ناصح
گدگدی دل میں کبھی تیرے اٹھی ہے کہ نہیں

آتش گل کی لپٹ کیوں نہ قفس تک آئے
ہر طرف آگ گلستاں میں لگی ہے کہ نہیں

شرر اس کے ہیں بنے صبح تبسم بھی کبھی
روتے روتے کبھی یہ شمع ہنسی ہے کہ نہیں

قبر پر آنے میں ان کو نہ تکلف ہو کہیں
بیکسی تیرے سوا اور کوئی ہے کہ نہیں

لگی تلووں سے ہے تمھارے رگِ حنا میں دل بھی
بے لگائے ہوئے یہ آگ لگی ہے کہ نہیں

شعر تر میرے چھلکتے ہوئے ساغر ہیں ریاض
پھر بھی سب پوچھتے ہیں آپ نے پی ہے کہ نہیں

پانی میں آگ مرے نالے لگا دیتے ہیں
نفس سرد انہیں اور ہوا دیتے ہیں

ہم کسی کو ترے کوچے کی ہوا دیتے ہیں
خضر بھٹکے ہوں تو انہیں راہ بتا دیتے ہیں

تو قفس سے لئے جا سوئے نشیمن ان کو
اپنے ٹوٹے ہوئے پر تجھ کو صبا دیتے ہیں

میکدے والو ادھر بھی نگہِ لطف رہے
دور سے کعبہ نشیں تم کو دعا دیتے ہیں

رنگ وہ نکلیں گے ہم پس کے رہِ الفت میں
رنگ کیا پیسے پہ برگِ حنا دیتے ہیں

وہ سمجھتے ہیں کہ انگارے بھرے ہیں اس میں
دلِ پر داغ کو دامن کی ہوا دیتے ہیں

آپ سنتے کبھی نالے کسی دیوانے کے
بھیگتی رات میں کانوں کو مزا دیتے ہیں

میکدہ چھوڑ کے ہیں گوشے میں ٹھہرے لیکن
کوئی آ جائے تو دو گھونٹ پلا دیتے ہیں

ابھی آ جاتی ہے کعبے میں ہمیں دیر کی یاد
بیٹھے بیٹھے کبھی ناقوس بجا دیتے ہیں

ہم نشیں اب تو وہاں غیر ہیں ہم میں یہ فرق
ہم پہنچتے ہیں تو پردہ وہ اٹھا دیتے ہیں

گالیاں بھی نہیں تقدیر میں ان کے منہ کی
ان کے دربان بھی دو چار سنا دیتے ہیں

کہیں آنے کو وہی آج نہ ہوں بات ہے کیا
آنے والے مجھے پیغام قضا دیتے ہیں

بعض کی بات بھی ہٹنا ہے حیا کا پہلو
شرم سے شمع وہ خلوت میں بجھا دیتے ہیں

تو نے دیکھی ہی نہیں چیز وہ کوثر والی
شیخ انگور جھلک اس کی ذرا دیتے ہیں

یاد آتی نہیں افلاس کے غم کی لذت
رمضان میں ہیں روزے وہ مزا دیتے ہیں

شیخ فانی کبھی رندوں میں جو آجاتا ہے
مے کے بدلے اسے ہم آب بقا دیتے ہیں

ارے او بام کو بھی عرش سمجھنے والے
نالے کس کے ہیں کلیجا جو ہلا دیتے ہیں

دل ہدف اور وہاں تیر بھی چٹکی میں نہیں
بس کے ناوک ہیں وہ بے پر بھی اڑا دیتے ہیں

آپ سے میں بھی چلا آئی ہے کیا فصل بہار
کیوں مجھے نالے عنادل کے مزا دیتے ہیں

پس پردہ یہ تماشا ہے کہ چلمن بن کر
بجلیاں گرتی ہیں پردہ جو اٹھا دیتے ہیں

اللہ اللہ یہ کئے وجہ کا شرف ہے کہ ریاض
جام میں اپنے مے ہوش ربا دیتے ہیں

ہم کو پروا نہیں وہ ہم کو بلاتے بھی نہیں
جان جاتی نہیں ہم جان سے جاتی بھی نہیں

نزع حیلہ ہی کہ وہ دیکھنے آتے بھی نہیں
وہ جو آتے نہیں ہم جان سے جاتے بھی نہیں

رکھ کے احسان شب وصل وہ فرماتے ہیں
لو الگ بیٹھے ہیں ہم تم کو ستاتے بھی نہیں

پھک گیا طور وہ جلوے نے گرائی بجلی
اس طرح جا کے کہیں آگ لگاتے بھی نہیں

مجمع حشر میں ان پر ہیں نگاہیں سب کی
شکل چھپتی بھی نہیں شکل چھپاتے بھی نہیں

آپ کی آنکھ سے کیوں نیند اڑی جاتی ہے
آج تو مرغ سحر شور مچاتے بھی نہیں

خوف یہ ہے نہ کلائی کی نزاکت کھل جائے
آستینیں کبھی مجھ پر وہ چڑھاتے بھی نہیں

ایک ہم ہیں کہ جلاتی ہے ہمیں غیر کی آگ
ایک وہ ہیں کہ لگی دل کی بجھاتے بھی نہیں

جلوہ گر ہیں نگہ شوق سے پنہاں دل میں
ہم سے پردہ بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

چشم بد دور بڑھا حسن یہ دن دن ان کا
اب تو یہ حال ہے آنکھوں میں سماتے بھی نہیں

جس کا سودا ہے اسے اس کے خریدار نہیں
تم جو یوسف نہیں ہم دام لگاتے بھی نہیں

سحر بھی ہوتی ہے چلتے ہیں اے اجل ہم بھی — اب اُن کے آنے کا ہم کو بھی انتظار نہیں
اذیت اس دلِ مردہ کو کیوں ہے پہلو میں — عذاب گور نہیں گور کا فشار نہیں
یہی چراغِ لحد سے بجھے یہی پھولے قبر کے پھول — اب اُن کے نقش قدم بھی سرِ مزار نہیں

حنا لگا کے پہنچتے ہیں گل رخوں میں ریاضؔ
کچھ ان کے ریشِ مبارک کا اعتبار نہیں

گریبان چاک کچھ ٹکڑے لئے دامن کے بیٹھے ہیں — جو ہوش آیا تو اب محتاج پیراہن کے بیٹھے ہیں
ذرا اُن سے یہ کہہ دو جو اُدھر چلمن کے بیٹھے ہیں — گلی میں مرنے والے وادیٔ ایمن کے بیٹھے ہیں
وہی ہم ہیں نہ چھوڑا تار تک ہم نے گریباں کا — وہی ہم ہیں کہ اب ٹکڑے لئے دامن کے بیٹھے ہیں
جو آجائے گی دل میں اُٹھ کے سیرِ طور کر لیں گے — ابھی تو سنگِ در پر اس بتِ پرفن کے بیٹھے ہیں
ہوئی مٹی حنا اُن کی لگی ہے آگ تلووں سے — مٹانے والے وہ دیکھو مرے مدفن کے بیٹھے ہیں
مِسّی مالیدہ لب کیوں میں نے جو سیر آج گلشن میں — وہ مجھ سے منہ چھپائے سائے میں سوسن کے بیٹھے ہیں
بڑھیں گے پینگ نشہ کے جھلائیں گے حسینوں کو — ابھی ہم پاؤں توڑے منتظر ساون کے بیٹھے ہیں
لگا لانے ہیں اپنے ساتھ یہ گم کردہ راہوں کو — ہمارے رہنما ہیں پاس جو رہزن کے بیٹھے ہیں
یہ ظالم کیا ابھر کر تیرے جوبن کو دبا دے گا — دل پر داغ پر سکتے تری جوبن کے بیٹھے ہیں
بھرے خم کی طرح ہم میکدے سے اُٹھ نہیں سکتے — یہاں بھی ہم جو بیٹھے ہیں تو لاکھوں من کے بیٹھے ہیں
وفا میری جفا اپنی انہیں کچھ یاد آئی ہے — نظر نیچی کئے وہ سامنے مدفن کے بیٹھے ہیں
ارے وہ حشر میں اترانے والے یوں نہ چل تن کر — یہاں بھی لوٹنے والے تری جوبن کے بیٹھے ہیں
بیاں کیا ہو نیاز و ناز حسن و عشق کا عالم — اِدھر چلمن کے ہم ہیں وہ اُدھر چلمن کے بیٹھے ہیں
غضب ہے بے چھوئے چھیڑے وہ جھجکنا چونکنا ڈرنا — یہ عالم ہے کہ گویا گھر میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں

عدو آیا تو فرمایا چلو محفل سے خلوت میں　　یہاں پہچاننے والے مری چتون کے بیٹھے ہیں

ذرا اے آرزوئے وصل موقع ہاتھ آنے دے　　کہ وہ روٹھے ہوئے پہلو میں اب چھپ کر کے بیٹھے ہیں

اٹھانے سے ریاض اٹھتے نہیں یہ ماجرا کیا ہے

در دولت پر ان کے آج سائل بن کے بیٹھے ہیں

پھوٹ سی پھوٹ پڑی رات کو میخواروں میں　　محتسب خوب چلی خوب چھنی یاروں میں

پھول بلبل جو لیے پھرتے ہیں منقاروں میں　　مانگ ہے غنچۂ پیکاں کی دل افگاروں میں

دل کی ہے قدر تو کچھ حسن کے سرکاروں میں　　یہ وہ سودا نہیں بک جائے جو بازاروں میں

ہم نشیں نالے مرے جا کے فلک پر پہنچے　　کچھ تو گم ہو گئے کچھ رہ گئے سیاروں میں

تیشہ بردوش نظر آتی ہے شب کو اک شکل　　روح فرہاد ہے پھرتی ہے کہساروں میں

تیرے دامن سے بندھی ہے مری امید نہ چھوڑ　　میری قسمت کا ستارا ہے ترے تاروں میں

نہ قفس سے نہ کچھ اہل قفس سے واقف　　میں ہوں صیاد ترے تازہ گرفتاروں میں

اہل عصیاں کی کمی حشر میں دیکھی نہ گئی　　ایک ہم اور ملے آ کے گنہگاروں میں

اے ریاض آپ بھی بیٹھے ہیں یہ ریش سفید

ہائے یہ نور کی شکل اور سیہ کاروں میں

نہ رہی پرسش اب حسن کی سرکاروں میں　　گر گیا نرخ اب اس جنس کا بازاروں میں

دل سے جاتا ہی نہیں ابروئے مژگاں کا خیال　　پڑ گئے تیروں میں ہم گھر گئے تلواروں میں

تیرے صدقے کہیں کھل جائیں نہ یہ بھی شب وصل　　نا شگفتہ ابھی کلیاں ہیں ترے ہاروں میں

دل کے داغوں میں بھرا کیا ہے جو تم ڈرتے ہو　　اب وہ انگارے کہاں خاک ہے انگاروں میں

ہو رہا ہے وحشت انداز سے زنداں تعمیر　　چن کے دیوانے چنے جاتے ہیں دیواروں میں

نشہ کے پینگ نہیں جاتا تھا کہیں لینے کو　　موج مے تیغ ہی چل گئی میخواروں میں
اس لیے میں نے تری جرم کیے دانستہ　　میری گنتی بھی ہو تیرے گنہگاروں میں

غیر کے گھر بھی مری جان کا رونا ہے ریاضؔ
غیر کے گھر بھی وہ ہیں میرے عزاداروں میں

وہ ہوں مٹھی میں ان کی دل ہو ہم ہوں　　یونہی پردہ سا کچھ حائل ہو ہم ہوں
ستائیں ہم اسی طرح جس طرح چاہیں　　کوئی نشے میں یوں غافل ہو ہم ہوں
تمہارا بام رشکِ آسمان ہو　　اگر تم ہو سرِ کامل ہو ہم ہوں
مزا خلوت کا آئے قتلگہ میں　　وہاں کوئی نہ ہو قاتل ہو ہم ہوں
ہر اک گوشے میں جیسے حشر برپا　　نئے فتنے ہوں وہ محفل ہو ہم ہوں
نہیں پروا نہ سبزہ ہو لب جو　　یہ مینا ہو لبِ ساحل ہو ہم ہوں
ہمارے ہاتھ میں ہو تیغ قاتل　　نہ ہو کوئی عدو بسمل ہو ہم ہوں
گرہ ہو زلف کی دل میں ہمارے　　ہمارا عقدہ مشکل ہو ہم ہوں
پرانے نجد میں اب ہوں نئے آج　　نئی لیلیٰ نیا محمل ہو ہم ہوں
یونہی ہم اپنی ہستی سے گزر جائیں　　ہماری سعی لاحاصل ہو ہم ہوں
یہ کم بخت اک جہان آرزو ہے　　نہ ہو کوئی ہمارا دل ہو ہم ہوں
نہ ہم اٹھیں نہ کوئی ہاتھ اٹھائے　　گلے پر خنجرِ قاتل ہو ہم ہوں
یہ سہو و محو ہوں ہم سیرِ گل میں　　ہر اک غنچہ ہمارا دل ہو ہم ہوں

ریاضؔ اس شوخ کو بھی تم سنا دو
وہ کیا ہے چلبلا سا دل ہو ہم ہوں

خیال شبِ غم سے گھبرا رہے ہیں   ہمیں دن کو تارے نظر آ رہے ہیں

وہ کچھ غیر سے وعدہ فرما رہے ہیں   مرے سر کی جھوٹی قسم کھا رہے ہیں

یہ ہیں شوخیاں اپنی تصویر دے کر   شبِ وعدہ وہ ہم کو بہلا رہے ہیں

نہ افتاد کچھ پیش آئے الٰہی   ذرا ہم چمن کی ہوا کھا رہے ہیں

اٹھائیں نہ فتنہ یہ محشر میں کوئی   حسیں بے چھوئے چھیڑ کر جھنجلا رہے ہیں

دمِ وعظ کیسے مزے میں ہیں واعظ   بھرے جام کوثر کے چھلکا رہے ہیں

یہ انسان بن جائیں کچھ ساتھ رہ کر   فرشتوں کو ہم راہ پر لا رہے ہیں

نہ لوں راہ میخانہ کس طرح واعظ   یہ بادل جو سر پر مرے چھا رہے ہیں

چھنیں گے وہ افشاں سرِ بام کب تک   شبِ وعدہ کیوں تارے گنوا رہے ہیں

گلے کل ملیں گے وہ مینائے مے سے   جو پیتے ہوئے آج شرما رہے ہیں

لگا دو ذرا ہاتھ اپنی گلی میں   جنازہ لئے دل کا ہم جا رہے ہیں

یہ الجھے ہیں ندوہ کی کیا شیخ صاحب   بڑھاپے میں کیوں ڈاڑھی کٹوا رہے ہیں

قیامت بھی جاتی ہے ہر قدم پر   یہ کون آ رہا ہے؟ وہی آ رہے ہیں

دعا دے رہا ہوں یہ دیوانگی میں   جنہیں پھول تنکے جو چنوا رہے ہیں

کمر سیدھی کرنے ذرا میکدے میں
عصا ٹیکتے کیا ریاضؔ آ رہے ہیں

شیخ صاحب کیا چرا کر لے چلے رومال میں   کچھ نہ کچھ حصہ ہے یاروں کا بھی اس مال میں

دن خوشی کا ایک بھی دیکھا نہیں نئے سال میں   میں جو خوش ہوں اس میں بھی کس کا شکوہ چال میں

کچھ نہ ہو چھپر بھی قفس اک گوشۂ آرام ہے   آشیاں برباد خود پھنستے ہیں آ کر جال میں

دم اُلجھتا ہی مرا کیوں کر ملے مجکو نجات — رات دن دنیا کے جھگڑے جان ہے جنجال میں

کاتب اعمال کو مشق خط ساغر نہ تھی — حسن خط آیا کہاں سے نامہ اعمال میں

کہتی ہے محرم نگاہِ شوق ہو یا دست شوق — اب نہیں حصہ کسی کا اس اچھوتے مال میں

بوسہ لینے میں یہ سمجھے ہم گلوری ہے دبی — گالیاں لاکھوں بھری تھیں بھولے گال میں

غیر کے گھر سے پھری تو اب نہیں اُٹھتا قدم — ایسے نازک فرق آتی جلد آیا چال میں

کیوں مُصر ہیں رند چل کر کیجیے کچھ زہر مار — شیخ صاحب کچھ نہ کچھ کالا ہی بیشک دال میں

مرغ جان کو لیں پھندے میں لکیریں ہاتھ کی — طائر رنگ حنا تو آ چکا ہے جال میں

ساتھ ہی سرکار[۱] کے جانا تھا ہم کو بھی ریاض
ماہی بے آب کو رہنا تھا نینی تال میں

رنگ دل کا داغ کب لاتا نہیں — اس چمن کا پھول مرجھاتا نہیں

چلتے پھرتے رہتے ہیں نقش قدم — تو کہیں آتا نہیں جاتا نہیں

یہ حسیں اچھا ہی پردے میں رہیں — دیکھکر ان کو رہا جاتا نہیں

چہچہے کرتے ہیں مرغانِ قفس — قید میں کیا دم بھی گھبراتا نہیں

در ہے میخانے کا دن ہے عید کا — اور کوئی مجکو بلواتا نہیں

حشر بھی واعظ کا اچھا حشر ہے — کب سے آتا ہے مگر آتا نہیں

پی بھی لو ہلکی سہی کچھ کم سہی — وصل میں بے مے مزا آتا نہیں

در پہ دشمن سن کے یہ مجسے کہا — تم سُنو مجسے سُنا جاتا نہیں

ہاتھ میں اُن کے ہی جام مے ریاض — اپنی ڈاڑھی تو بھی رنگواتا نہیں

۱؎ سر مہاراجہ محمود آباد اعلی اللہ مقامہ

ان آنکھوں میں ہیں رنگ محفل ہزاروں ابھی رنگ دکھلائے گا دل ہزاروں

ہزاروں ہیں رخسار ارسے تل ہزاروں فدا تیرے تل پر ہیں کیوں دل ہزاروں

اگر بزم آرائی دل یہی ہے بنیں گے حسین شمع محفل ہزاروں

نگر میں کھلیں ان سے بند قبا کی کھلے عقدے سربستہ مشکل ہزاروں

کیا تیرہ تاروں کو بھی اے شب غم یہ روئے فلک پر ہیں کیوں تل ہزاروں

وہ شے آج واعظ کو ہم نے پلا کر مٹائے خیالات باطل ہزاروں

بہت بل رہیں گے چھری پھیرنے کو سلامت یہ دل ہے تو قاتل ہزاروں

کوئی دیکھے زور جنوں فصل گل میں بنے تار دامن سلاسل ہزاروں

یہ گلچیں نے کیوں پھول گلشن میں توڑا کہ اس پر ہیں ٹوٹے عنادل ہزاروں

گلی میں ترے حشر کے دن بھی قاتل پڑے لوٹتے ہوں گے بسمل ہزاروں

کہیں قیس ہے اب نہ لیلیٰ کہیں ہے بگولے ہزاروں ہیں محمل ہزاروں

یہ ہے میکدہ کوئی چونکائے کس کو پڑے ہیں یہاں مست و غافل ہزاروں

نہ ترسا انہیں آب خنجر کو قاتل دعائیں تجھے دیں گے بسمل ہزاروں

لپٹ کر نہ پھر میرے دامن سے چھوٹے گئے خار رہ سوئے منزل ہزاروں

یہ کیا شور ہے حشر میں ہو رہے ہیں یہ کیوں جمع ہیں آج قاتل ہزاروں

رہیں تا قیامت جوانی کی راتیں یہ راتیں ہیں تو ماہ کامل ہزاروں

ابھارے سے ابھرے نہ گل تیرے آگے چہکنے کو چہکے عنادل ہزاروں

فن شعر بھی کیا ہی آسان فن ہے جہاں دیکھو اس فن کے کامل ہزاروں

ریاض ان سے کہہ دو سنائیں سنبھل کر بھری میری سینے میں ہیں دل ہزاروں

سیر کو جلوہ گاہِ طور کہاں ۔ دیر ہے پاس جائیں دور کہاں
جام کوثر ہیں دانۂ انگور ۔ کھنچ کے آئی مئے طہور کہاں
بہت ہیں تیتھر شرر ہیں پتھر میں ۔ جلوہ گر ہیں خدا کا نور کہاں
تاک میں دختِ رز ہے حجلہ نشیں ۔ باغ جنّت سے آئی حور کہاں
سمجھے بُت دل کے آبلے توڑے ۔ شیشۂ دل ہوا ہے چور کہاں
شیخ لے کر چلا ہے ریش سفید ۔ اس کے منہ پر خدا کا نور کہاں
یہ بہت ہے ملے جو شاخ قفس ۔ نخلِ طوبیٰ و نخلِ طور کہاں
گھر مرا ہے یہ بزم غیر نہیں ۔ آپ نشّے میں آئے چور کہاں
یاد ایّام و جام باقی ہے ۔ مئے کہاں مئے کا وہ سرور کہاں
رنج و آلام کی ترقی ہے ۔ طرب و عیش کا وفور کہاں
مجھ سا دنیا میں ناشکیبا کون ۔ مجھسا دنیا میں ناصبور کہاں
اے شبِ غم نہ توڑیوں تارے ۔ آسماں ہے زمیں سے دور کہاں
بے اثر ہیں یہ نالہائے جنوں ۔ اثرِ نغمۂ طیور کہاں
حشر اُٹھانے میں ساتھ دے میرا ۔ گم ہوئی ہے صدائے صور کہاں
ہوتے سرکار کے کہوں کس سے ۔ پئے فریاد جاؤں دور کہاں
میری قسمت مجھے کہاں لائی ۔ میں کہاں اور رامپور کہاں
سنگِ در سے لڑی مری قسمت ۔ جاؤں اس در سے ای حضور کہاں
آستاں وہ جو آسماں پایا ۔ مجکو لایا مرا غرور کہاں
چار چاند اور اب جبیں کو لگے ۔ تھا جبیں میں مری یہ نور کہاں

حضرت رشک اب ہیں اور ریاض
چھوٹتا ہے در حضور کہاں

ہمارے ساتھ جو اپنے پرائے جاتے ہیں — ہم ان سے سوئے لحد منہ چھپائے جاتے ہیں

وہ دیکھ دیکھ کے منہ مسکرائے جاتے ہیں — یہ وقت نزع کے شکوے مٹائے جاتے ہیں

نگہ کی طرح وہ خود شرم سے نہیں اٹھتے — مرے اٹھانے کو فتنے اٹھائے جاتے ہیں

ہمارے بوسوں کے لینے کا عذر نہیں ان کو — کہ ایک منہ میں وہ سو سو سنائے جاتے ہیں

دعائیں ہیں کہ نہ ٹھنڈی ہو یہ قیامت تک — وہ آگ دل میں ہمارے لگائے جاتے ہیں

تجلیوں کے لئے تاب دید پیدا ہو — ہماری آنکھ سے پردے اٹھائے جاتے ہیں

کسی کا ہائے یہ کہنا مرے جنازے پر — کہاں یہ جاتے ہیں کیوں منہ چھپائے جاتے ہیں

عجیب رنگ ہے اس کارگاہ عالم کا — بگاڑے جاتے ہیں نقشے بنائے جاتے ہیں

ستم کی راتیں ہیں یارب یہ وصل کی راتیں — ستانے والے بھی کیا کیا ستائے جاتے ہیں

کمر میں اپنی ہی نازک سی تیغ رہنے دیں — گلے ہمارے گلے وہ لگائے جاتے ہیں

کوئی بھی اہل جنوں کی یہاں نہیں سنتا — چمن کے نغمہ سرا اپنی گائے جاتے ہیں

پہنچ نہ جائیں کہیں بزم عیش میں ہم بھی — ہمارے واسطے پہرے بٹھائے جاتے ہیں

عدو سے ہوتی ہیں باتیں سنا سنا کے ہمیں — ہمیں ہیں باتیں یہ ناوک لگائے جاتے ہیں

بنے گی زخم گلو کیوں یہ تیغ نازک سی — گلے کا ہار کسے وہ بنائے جاتے ہیں

وہ میری قبر پہ آئیں کہ جائیں غیر کے گھر — سنوارے جاتے ہیں گیسو بنائے جاتے ہیں

خدا کے گھر سے سو میکدہ یہ کون چلا
ریاض ہو کے جو آنکھیں چرائے جاتے ہیں

داور حشر سے کیا شکوہ بیداد کریں ہاں سنیں آپ تو کچھ آپ سے فریاد کریں
بھول بیٹھے ہیں ہمیں بھولنے والے ایسے یاد آئیں نہ کبھی ہم جو ہمیں یاد کریں
میں وہ مانوس قفس ہوں جو قفس سے جاؤں انتظار آپ ہی آجانے کا صیاد کریں
ہم یہ کہتے ہوں۔ کیا خوش نہ کسی نے ہم کو بول اٹھے کوئی آؤ تمہیں ہم شاد کریں
کام چل جائیگا زنجیر ہو جس طرح کی ہو کچھ تکلف نہ مری واسطے حداد کریں
ہم سو کوہ گئے قیس کو دینے آواز یار آجاؤ ذرا ماتم فرہاد کریں

ہم سے دیوانے ریاض اور کہاں نازک طبع
کہ جو وہ پھول سے بھی ماریں تو فریاد کریں

بت اپنے آپ کو کیا جانے کیا سمجھتے ہیں مرا خدا انہیں سمجھے خدا سمجھتے ہیں
ادا شناس کی اپنے ادا سمجھتے ہیں کہ بے کہے وہ مرا مدعا سمجھتے ہیں
سمجھنے والے تمہاری ادا سمجھتے ہیں وہ اور کچھ ہی جسے سب قضا سمجھتے ہیں
فلک کا نام نہ لے کوئی سامنے اُن کے وہ اُس کے ذکر کو اپنا گلا سمجھتے ہیں
مجھے یہ آپ کے سر کی قسم نہ تھا معلوم کہ آپ بھی رہ و رسم وفا سمجھتے ہیں
یہ شوخیاں بھی حسینوں کی کیا قیامت ہیں شب وصال کو روز جزا سمجھتے ہیں
یہ دن شباب کے ہیں کوئی کیا کہے اُن کو ابھی وہ کچھ نہیں اچھا برا سمجھتے ہیں
تمہارے کھوئے ہوؤں کا عجیب مسلک ہے جو راہزن بھی ملے رہنما سمجھتے ہیں
شب وصال مرے ہمنشیں سے فرمایا یہی تو ہیں جو ہمیں بے وفا سمجھتے ہیں
خدا کرے کہیں موقع سے مجکو مل جائیں یہی حسیں جو مجھے پارسا سمجھتے ہیں
ہمیں یہ حق ہے ترا منہ بھی چومنے جائیں کہ تیرے شکوہ بیجا بجا سمجھتے ہیں

نہ منع کرنے و معشوق سے ہمیں واعظ — کہ ہم شباب میں سب کچھ روا سمجھتے ہیں

خدا کی شان یہ کونوں کے بیٹھنے والے — ہماری آہ کو اب نارسا سمجھتے ہیں

ریاض عشق میں کافر بتوں کے ہیں بے خود
مزا یہ ہے وہ اسے پارسا سمجھتے ہیں

تمہارے تیر نظر کو قرار بھی تو نہیں — نہ دل میں ہو نہ سہی دل کے پار بھی تو نہیں

نہ کوسیں آپ کیا میں نے پیار بھی تو نہیں — جو ٹوٹیں ہاتھ گلے کا وہ ہار بھی تو نہیں

جما ہیں رنگ کہاں لالہ زار بھی تو نہیں — چمن میں جا کے پئیں کیا بہار بھی تو نہیں

گئے وہ دن کہ گریباں گلے کی پھانسی تھا — کفن کے نام کوئی آج تار بھی تو نہیں

یہ کیسی گھر کے دن دوپہر سے تاریکی — یہ کیا بلا ہے شب انتظار بھی تو نہیں

جناب شیخ الجھتے ہیں کس تعلق سے — یہ دختر رز ہے کوئی رشتہ دار بھی تو نہیں

یہ انتہا ہے نزاکت کی تیری اے قاتل — کہ تیرے جسم کی مری جان بار بھی تو نہیں

ہمارے کام یہ انگڑائیاں نہیں آتیں — کہ وہ اتارنے ہم پر خمار بھی تو نہیں

ملے جو پینے کو دن میں تو عید ہو ساقی — ہم ایسے کوئی بڑے روزہ دار بھی تو نہیں

قیامت اور ہوا میں نہیں اٹھائی تھی — ہماری خاک سے اٹھتا غبار بھی تو نہیں

کریں گے کیا نہ کریں گے جو سنتے ہیں توبہ — کہ اب دکان سے ملتی ادھار بھی تو نہیں

کرایہ تفنگ لے ترا قیس نجد میں پہلے — کہ اس کی خاک سے اٹھتا غبار بھی تو نہیں

وہ کیا کریں گے مرا داغ داغ دل لے کر — گندھا ہوا کوئی پھولوں کا ہار بھی تو نہیں

قفس میں قید نہ کر ہم کو بے خطا صیاد — کہ ہم نے باغ کی لوٹی بہار بھی تو نہیں

یہ کیا ادا ہے کہ وہ منانے آتے ہیں — مرا غبار ہے کوئی مزار بھی تو نہیں

عمامہ لے کے نہ دی میفروش کم ہم کو — ارے یہ نقد ہی سودا اُدھار بھی تو نہیں

حنا نے ہاتھ یہ بندھوائے ان حسینوں کے — کہ اپنے حُسن کی لوٹی بہار بھی تو نہیں

عدو ہی ساتھ لحد پر نہ ڈالو آنکھ میں خاک — بجھی ہوئی مری شمع مزار بھی تو نہیں

یہ کون توبہ شکن تھا جو کہہ گیا واعظ — شکست توبہ سے دل شرمسار بھی تو نہیں

وہ ڈھونڈیں دل کے نہ اجزا ہوا کی موجوں میں — اُڑی کچھ آج کی خاک مزار بھی تو نہیں

نہ کوسو وصل کی شب تم مری جوانی کو — ابھی شباب کی لوٹی بہار بھی تو نہیں

تمام عمر جلاتے رہے جو دل میرا — جلاتے آج چراغ مزار بھی تو نہیں

وہ آکے سیر کریں کیا ہماری داغوں کی — ذرا سا دل ہے کوئی لالہ زار بھی تو نہیں

حساب زلف کے بوسوں کا تل برابر رات — شب وصال ہے روز شمار بھی تو نہیں

ریاضؔ اُداس ہے توبہ سے رنگ صحبت کا

بہت دنوں سے اب آئی اُدھار بھی تو نہیں

چھینٹے دیتی ہوئی رندوں کو گھٹائیں آئیں — پانی برساتی ہوئی ٹھنڈی ہوائیں آئیں

بے ستوں سے طرف نجد گیا ہے کوئی — دردناک آج کئی بار صدائیں آئیں

تم کسی بات میں افسوس نہ پوری اُترے — نہ جفائیں تمہیں آئیں نہ وفائیں آئیں

اس ادا سے کہ فرستادۂ گردوں سمجھوں — گھر مرا پوچھتی اوپر سے بلائیں آئیں

ارے او ایک زمانے کے ستانے والے — حشر میں کام ترے میری دعائیں آئیں

کیا ادھر ہو کے بہا ہے کوئی دریائے شراب — جھومتی قبلے سے کیا مست گھٹائیں آئیں

اُن کے دیوانہ گیسو یہ گلا کرتے ہیں — نہ بلائیں کبھی لینے کو بلائیں آئیں

چاہتے ہیں تجھے معشوق طرحدار ریاضؔ — تجھ میں کم بخت کہاں سے یہ ادائیں آئیں

شب وصل اپنے نگہباں ہوئے ہیں — پریشاں کیا ہے پریشاں ہوئے ہیں
مرے آگے غیروں سے پیماں ہوئے ہیں — یہ کیا آپ کے مجھ پہ احساں ہوئے ہیں
سمائے ہیں اپنے نگاہوں میں ایسے — جب آئینہ دیکھا تو حیراں ہوئے ہیں
فرشتوں میں بھی شیخ صاحب کی گنتی — یہ رندوں کی صحبت میں انساں ہوئے ہیں
شب وصل کیا جانے کیسی بری تھی — بہت ان کے گیسو پریشاں ہوئے ہیں
کہاں میں نے لوٹی معاصی کی لذت — وہ کچھ بھی نہیں موج عصیاں ہوئے ہیں
کیا یوں جدا گوشت ناخن سے اس نے — کہ دل سے جدا دل کے ارماں ہوئے ہیں
مرا دم الجھتا ہے اے دست وحشت — مجھے پھانسی تار گریباں ہوئے ہیں
کچھ آوازیں آتی تھیں سنسان شب میں — اب ان سے بھی خالی بیاباں ہوئے ہیں
بڑی گہری چھنتی تھی ناداں دل سے — بڑے یار غار ان کے پیکاں ہوئے ہیں

مچی ہے بڑی دھوم اہل حرم میں
ریاض آج شاید مسلماں ہوئے ہیں

اے ہجر یار جان نکلے یہ یقیں کہاں — اب وصل کی امید نشاط آفریں کہاں
آئینے میں بنانے میں کیا کیا وہ عکس کو — ان کو یہ ہے غرور کہ ہم سا حسیں کہاں
واں لے لئے تو روز نیا داغ چاہیے — رکھے ہوئے ہیں روز نئے مہ جبیں کہاں
پھینکا ہو اضطراب نے دامان حشر میں — ملتی ہے دیکھئے ہمیں دو گز زمیں کہاں
منہ چوم کر چکھایا ہے انکار کا مزا — منہ سے ابھی نکالی ہے اس نے نہیں کہاں
مدت ہوئی رسائی قسمت کو روئیے — وہ سنگ در کہاں یہ ہماری جبیں کہاں
ساغر پہ آنکھ پڑ رہی ہے بزم غیر میں — کھل کھیلنے کو ہے نگہ شرمگیں کہاں

موج شراب ناب ہو یا خطِ جام ہو — اُن گول بازوؤں کی پھنسی آستیں کہاں

دن رات محو شغل ہے اک خم کے آڑ میں
دنیا میں اب ریاضؔ سا گوشہ گزیں کہاں

تربت پر آئے ہیں قدم مہ جبیں کہاں — اے چرخ ابھی دکھائی ہے تجلو زمیں کہاں
یہ کہکشاں دکھاتی ہے کیوں مجکو اوج موج — چمکائیں میرے بام کو وہ مہ جبیں کہاں
جائے کہاں نکل کے کوئی اس جہان سے — نیچے جو آسمان کے نہ ہو وہ زمیں کہاں
ماتم مرا ہوا ہے کہاں کچھ کہیں تو آپ — محرم کے ساتھ مسکی ہو آج آستیں کہاں
دل سے یہ کہہ رہی ہے تری زہر کی نگاہ — اے تلخ کام تیرے لئے انگبیں کہاں
سیر چمن کو جائیے بھی دشمنوں کے ساتھ — بالیں پر آئے آپ دم واپسیں کہاں
اے دل لئے پھریں تجھے دامان نازنیں — رکھے ہیں ایسے تیرے لئے نازنیں کہاں
دل بھی جگر بھی دونوں لہو ہو کے بہہ چکے — نشتر چبھوئے یار کی چیں جبیں کہاں
پردے میں رہنے والے کو کچھ شرم چاہئے — جاتی ہے دل کے ساتھ یہ جان حزیں کہاں
اب ہم ہیں اور محویتِ عشق اے جنوں — ہمدم کہاں، ندیم کہاں، ہم نشیں کہاں
کوئی خدا کے پاس تو کوئی بتوں کے پاس — جان حزیں کہاں، دل اندوہگیں کہاں
ٹوٹی ہے آکے کوچۂ جاناں میں آج یاس — اب دیکھیں ٹوٹتا ہے دم واپسیں کہاں
کم بخت دل کے جانے کا مجکو قلق نہیں — جاتی ہے مجکو چھوڑ کے جان حزیں کہاں

دشمن بھی کہہ رہے ہیں خداداد بات ہے
شاعر[1] سا اے ریاضؔ سخن آفریں کہاں

[1] حضور مہاراجہ بہادر محمود آباد۔

ہم کسی کو جو پیار کرتے ہیں　　شکوہ پھولوں کے ہار کرتے ہیں

او خود آرائے بزم یکتائی　　اہل حشر انتظار کرتے ہیں

یہ جو ہم کھل کے مے نہیں پیتے　　خوف آمرزگار کرتے ہیں

جرعہ جرعہ کبھی جو مے پی ہے　　توبہ ہم بار بار کرتے ہیں

حشر کے دن بھی چاہنے والے　　جان تم پر نثار کرتے ہیں

زد میں رہتے ہیں جو نظارۂ حسن　　ہم انہیں کا شکار کرتے ہیں

اہل مسجد کو رزق کی ہے حرص　　دانہ دانہ شمار کرتے ہیں

کیا ملے ہم سے میکشوں کو ریاض

دے کے دو دو ادھار کرتے ہیں

شوخی سہی تو شوخی بھی ہنسیں رنگ حنا میں　　ان ہاتھوں سے ماتم ہو مری بزم عزا میں

ٹھکراؤ قیامت کو نہ تم پاؤں سے ایسا　　گھبرا کے چلی آئے مزار شہدا میں

وہ خوش کہ فریب اس کو دیا ہم کو تسلی　　دونوں کو مزے آتے ہیں پیمان وفا میں

تم پھینک ہی دو گے وہ کہیں چھین ہی لے گا　　ہاں دے بھی دو چھلے یہ دل دست گدا میں

اٹھتے کبھی گھبرا کے تو میخانے کو ہو آئے　　پی آئے تو پھر بیٹھ رہے یاد خدا میں

سوکھے ہوئے مرجھائے ہوئے پھول لحد پر　　آ جاتے ہیں دو چار کبھی اڑ کے ہوا میں

اب رونے کی وحشت مری دامن سے لپٹ کر　　دو ہاتھ وہ مصروف ہیں دن رات دعا میں

دامان کفن ڈال کے ہم جاتے ہیں منہ پر　　اڑتی ہے بہت خاک سر راہ فنا میں

آنکھوں میں شرارت ہے ابھی لڑکے نہیں کرتی　　شوخی ہے کہ بے چین ہے آغوش حیا میں

لینے کو جو ہی اٹھا اٹھے سے آئی ہے قیامت　　دھوم میری ماتم کی مچی آج مزار شہدا میں

ہم کو نہیں چین آگ لگے سوزِ دروں کو
ٹھنڈے ہیں چراغ سرِ تربت بھی ہوا میں

ہاتھوں سے یہ ٹپکے گا بھرو ہاتھ نہ اپنے
ملنے کا نہیں خون مرا رنگِ حنا میں

اے بیکسیٔ گور خدا انجمن میں اڑ دے
ہیں پھول بھرے آج تو دامان ہوا میں

وہ بیٹھے ریاض آج تو کچھ جھوم رہے ہیں
اب یہ بھی گنے جاتے ہیں مردانِ خدا میں

جام ہے دستِ یار میں یا رہی لالہ زار میں
پھول اڑے بہار میں پھول کھلے بہار میں

خاک ہیں کوئے یار میں رنگ ہیں جام بہار میں
داغ ہیں لالہ زار میں لالہ ہیں کوہسار میں

ساقیٔ شوخ ادا بتا۔ کیوں نہ وہ مجھ تک آ سکا
لعل لگے ہیں ایسے کیا ساغرِ زرنگار میں

ہم کو ہوا سکون کب تھے ہیں رواں دواں ہیں سب
جھول رہے ہیں روز و شب گردشِ روزگار میں

ہم ہیں بتوں کی گھات میں وہ ہیں ملک کی تاک میں
لطف ہے اُن کی بات میں لطف ہے ان کے پیار میں

جیب ہے چاک آتے ہیں بن کے وہ پاک آتے ہیں
چھان کے خاک آتے ہیں دیدۂ انتظار میں

چرخ کا دور مٹ گیا چرخ کا جور مٹ گیا
چرخ تو اور مٹ گیا پڑ کے مرے غبار میں

پوچھئے کچھ نہ حالِ زار کوئی نہ یوں ہو بیقرار
آتی ہے موت بار بار آپ کے انتظار میں

مفت ہے گو ملے گراں پی کے کیا ہے امتحاں
نقد میں وہ مزا کہاں لطف ہے جو ادھار میں

لائی اسے مری تلاش میں نہ کہوں گا دور باش
بن کے فرشتہ آئی کاش شیخ مری مزار میں

آئی کسے اجل ریاض حشر بپا تھا کل ریاض
کیا کہوں ہے غزل ریاض طرح پیامِ یار میں

ہے پئے شیخ و برہمن ایک سی بو پھول میں
پاتے ہیں سب دوست دشمن ایک سی بو پھول میں

ہے کہاں اے اہلِ گلشن ایک سی بو پھول میں
پھول سے تم رنگ لو دامن ایک سی بو پھول میں

مدتیں گزریں میں دست ناز سے پھینکے ہوئے
پھول ہے بالائے مدفن ایک سی بو پھول میں

شاہد گل سے ہے کتنی ملتی جلتی دختِ رز
ایک سی خو بو دونوں پر فن ایک سی بو پھول میں

بوئے گل پر تنتی ہے کیا اس قدر اے شاخ گل
کیوں جھکے مینا کی گردن ایک سی بو پھول میں

آ کے تم میرے ابھی داغ کی دیکھو بہار
ایک سا ہے رنگِ گلشن ایک سی بو پھول میں

بادۂ رنگیں میں موج بو کی حالت پائدار
شیشے میں دیوار آہن ایک سی بو پھول میں

غنچۂ دل میں ہمیشہ ایک سی بوئے وفا
کب ہی او گل یہ دامن ایک سی بو پھول میں

ایک سا دیکھا ہمیشہ دختِ رز کا رنگ روپ
وہ جوانی ہو کہ بچپن ایک سی بو پھول میں

یار کی لب کی مستی میں رنگ و بو یکساں مدام
تو دکھا دے ہم کو سوسن ایک سی بو پھول میں

شاہد گل کی طرح رنگیں لباس و عطر بیز
ایک سا ہے رنگِ دامن ایک سی بو پھول میں

بے خزاں ہے معصیت کاروں کا گلشن اے ریاضؔ
پھول ہے ہر داغ دامن ایک سی بو پھول میں

دل جلوں سے دل لگی اچھی نہیں
رونے والوں سے ہنسی اچھی نہیں

منہ بناتا ہے برا کیوں وقت وعظ
آج واعظ تو نے پی اچھی نہیں

زلفِ یار اتنا نہ رکھ دل سے لگاؤ
دوستی نادان کی اچھی نہیں

بتکدے سے میکدہ اچھا مرا
بیخودی اچھی خودی اچھی نہیں

مفلسوں کی زندگی کا ذکر کیا
مفلسی کی موت بھی اچھی نہیں

اس قدر کھنچتی ہے کیوں اے زلفِ یار
لے کے دل اتنی کجی اچھی نہیں

آئیں میری بزم ماتم میں وہ کیا
ہاتھ میں مہندی رچی اچھی نہیں

شیخ کو دے دوش بے رنگ و بو
اس کی قسمت سے کھنچی اچھی نہیں

اک حسیں ہو دل کے بہلانے کو روز　　روز کی یہ دل لگی اچھی نہیں
ذرہ ذرہ آفتاب حشر ہے　　حشر اچھا وہ لگی اچھی نہیں

اہل محشر سے نہ الجھو تم ریاضؔ
حشر میں دیوانگی اچھی نہیں

دم آخر کسی کا شکوۂ بیداد کرتے ہیں　　نہیں ہیں ہچکیاں رہ رہ کے ہم فریاد کرتے ہیں
رہا ہو کر ہم اتنی خاطر صیاد کرتے ہیں　　نشیمن رات کو دن کو قفس آباد کرتے ہیں
فغاں سن کر مری وہ نازسے ارشاد کرتے ہیں　　کہاں تک مر رہی اے موت تجھ کو یاد کرتے ہیں
بڑھاپے میں تجھے ہم اے جوانی یاد کرتے ہیں　　اب اپنی عمر آخر اس طرح برباد کرتے ہیں
عجب انداز سے کہتی ہیں دل کی حسرتیں مجھ سے　　ہمیں گھر سے نکالیں گھر وہ کیوں برباد کرتے ہیں
نہ آنکھوں میں کبھی آنسو نہ ہونٹھوں پر کبھی نالے　　نہ ہم قسمت کو روتے ہیں نہ ہم فریاد کرتے ہیں
گلے میں کیوں رگ جاں بن کے خنجر رہ گیا تیرا　　کہیں بسمل سے ایسی شوخیاں جلاد کرتے ہیں
یہ کیوں ہے دشمنوں کو دوستوں کو جستجو اس کی　　وہ مجھ پر رحم فرماتے ہیں یا بیداد کرتے ہیں
گرا نا ہی ہمیں کچھ بجلیاں صیاد کے گھر پر　　اثر خیز اک نئی طرز فغاں ایجاد کرتے ہیں
دل مضطر کی تصویریں بھری ہیں کیا مرقع میں　　کچھ استادی بھی اس میں مانی و بہزاد کرتے ہیں
ہمارے ساتھ ہی صیاد بھی یارب مصیبت میں　　کلیجا منہ کو آتا ہے جو ہم فریاد کرتے ہیں
لکھا اُس حسن سے خط میں کہ ہم تجھ سے کشیدہ ہیں　　کشش حرفوں کی ایسی ہے کہ ہم بھی صاد کرتے ہیں
اٹھوں گا یوں ہی محشر میں لیے میں اُن کے خنجر کو　　گلے میری لگاتے ہیں یہ کیا جلاد کرتے ہیں
کہاں وہ ہیں کہاں ہم ہیں یہ اچھی نفرقہ یارب　　وہ ہم کو یاد کرتے ہیں ہم اُن کو یاد کرتے ہیں
مری صورت جو دیکھی ہمنشیں سے ہنس کے فرمایا　　یہی کہسار پر اب ماتم فرہاد کرتے ہیں

کبھی تھوڑی سی پی لی اب نہیں اس کی بھی کچھ پروا
الگ گوشے میں بیٹھے ہیں خدا کو یاد کرتے ہیں

مجھے دیکھا تو بولے میرے کوچے سے نکل جائیں
یہ دل میں بیٹھ کیا لیتے ہیں یا فریاد کرتے ہیں

بزرگی ہے کہ مرتے ہیں بتانِ شوخ پر اب بھی
ریاضؔ اس عمر میں کیوں عاقبت برباد کرتے ہیں

سیوں کیا ہی نگاہِ یاس رشتہ چشمِ سوزن میں
گریباں میں گریباں ہے نہ اب دامن ہے دامن میں

کہاں قسمت کہ یہ چھپ کے کسی مدہوش کے دامن میں
دلِ پُر داغ کو پھینک آئیں جا کر کوئے دشمن میں

جنوں میں پھول اے دستِ جنوں کیا جا کے گلشن میں
یہی ہیں دھجیاں کچھ جو گریباں میں نہ دامن میں

تجلی گاہ میں اپنی الٰہی کون آیا تھا
جڑے ہیں آئنے نقشِ قدم نے دشتِ ایمن میں

عنادل کی طرح میرے سلاسل شور کرتے ہیں
چلو زنداں نشینو شاید بہار آئی ہے گلشن میں

لحد کی تیرگی نے گم کیا مجھ کو بھی ان کو بھی
بہت کھوئے گئے میرے فرشتے آ کے مدفن میں

سمیٹا تھا سوا میں بال و پر تنکے تنکے کو
پڑی ہیں دھجیاں میری قفس اور نشیمن میں

نہ پھینکیں آپ دامن سے نہ ٹھہرے گی یہ تربت پر
تڑپ کر جا پڑیں گے قبر تک یہ پھول دامن میں

مبارک چین سے سونا یہ کاہل گوشۂ تربت
فرشتوں کا گزر مشکل ہے ان کے تیرہ مدفن میں

پس از مرگ آئے پرسش کے لئے بس ہو چکی پرسش
فرشتے جائیں جو ہیں اے ریاضؔ آئیں گے مدفن میں

سر پہ زمینِ حشر اٹھائیں گے خبر نہیں
جن کا جنوں ہے بیچ میں اب وہ بگڑ نہیں

میں بھی مرا رقیب بھی دونوں ہیں قید میں
جنت الیں ہے تو اپنا گزر نہیں

مشعل جلا کے غولِ بیاباں منیر کے ساتھ
کیا خضر گم ہوئے تو کوئی راہبر نہیں

کھو کر یہ آسماں سے خدا جانے کیا ہوا
دشنامِ تلخِ یار میں بھی اب اثر نہیں

وہ چپ ہوئے تو چپ سے میرے کام بن گئے　　جھنجلا گئے تو ضد سے رہی رات بھر نہیں

دوزخ میں جا کے نہر بہائیں شراب کی
اتنا ریاضؔ آپ کا داماں تر نہیں

کیا قیامت ہے لحد پر مری وہ آتے ہیں　　اپنے سائے کو جو چلتے ہوئے ٹھکراتے ہیں
چٹکیاں موجِ تبسم کی نہ آفت ڈھائیں　　لب نزاکت سے ترے سرخ ہوئے جاتے ہیں
کس قدر گو رغریباں کے ہیں افسردہ چراغ　　جس قدر تیز کرو اور بجھے جاتے ہیں
لطف جی بھر کے اٹھا لیتے ہیں میاں کی کا　　ہم تصور میں ترے اور مزا پاتے ہیں
شرم سے کچھ سحرِ وصل وہ کہتے تو نہیں　　کروٹیں لیتے ہیں بیچین ہیں جھنجلاتے ہیں
جانتے ہیں اسے بیگانہ و شوخ و گستاخ　　آئینہ سامنے آتا ہے تو شرماتے ہیں
خاک پا کس کی ہے نقشِ کفِ پا کس کے ہیں　　ناتواں ہم سے جو گرتے ہیں تو سو جاتے ہیں
دل میں بھولی سی ادا کرتی ہے صورت کس کی　　دیکھیے آئینہ ہم آپ کو دکھلاتے ہیں
چھیڑنا چاہتے ہیں اپنے پریشانوں کو　　کھول کر زلفِ وہ کچھ اور بھی اتراتے ہیں

بنتے ہیں انجمن ناز میں بھولے کتنے
وہ بناتے ہیں ریاضؔ اور بنے جاتے ہیں

اک تار پیرہن نہ تھا میں زار پیرہن میں　　رکھیں کسے لحد میں رکھا ہی کیا کفن میں
چھٹ کر قفس سے یارب جائیں گے کس جگہ ہم　　برباد آشیاں ہے پہلے ہی ہم چمن میں
لائے گا دور بادہ کھویا ہوا زمانہ　　میرا شباب ہوگا جامِ مے کہن میں
کرتے ہیں وجد اب تو سن سن کے کعبے والے　　میں نے وہ روح پھونکی ناقوس برہمن میں
آئیں گے جب فرشتے تو منہ کھلے گا اس کا　　بوتل کوئی چھپا کر رکھ دی مرے کفن میں

کیا ہو گئیں وہ شمعیں روشن جو ہاں تھا جن سے — اٹھ کر اس انجمن سے پہنچیں کس انجمن میں

وزد کفن نہ سمجھوں آئیں اگر فرشتے — میرا کفن لگا دیں سب مردہ گورکن میں

آن سے دم تکلم نکلیں گے بات بن کر — نالے رکے ہوئے ہیں کب سے دم [illegible] دہن میں

ہے رنگ ایک ہی کا ہے روشنی اسی کی — وہ پھول تو چمن میں وہ شمع انجمن میں

اے گور میرے جلے تو آنکھ میں کھٹکتے — حسرت بھی ہے میری چھپ کر مرے کفن میں

ابرو کا خم اڑا کر چتون کے بل اڑا کر — اب تیغ بڑھ گئی ہے قاتل سے بانکپن میں

آئی ہیں وہ نگاہیں مشکل ہے اب مژہ تک — کتنے بھرے ہیں فتنے اس چشم سحر فن میں

اچھی بجھے گی اس سے ہمسائیگی بھی اپنی — گھر بیکسی بنائے آ کر مرے وطن میں

پڑھنا مشاعرے میں زیبا تھا ریاض پر یہ
بلبل چہک رہا ہے گویا کسی چمن میں

بن بن کے وہ آئینہ ذرا دیکھ رہے ہیں — آغاز جوانی کی ادا دیکھ رہے ہیں

چھوٹا ہے کہاں رنگ حنا دیکھ رہے ہیں — رنگیں ترے نقش کف پا دیکھ رہے ہیں

سوتے میں جوانی کی ادا دیکھ رہے ہیں — ٹوٹے ہوئے ہم بند قبا دیکھ رہے ہیں

اب پردہ نشینی ہے کے تعلیم ہے [illegible] — کچھ آپ زمانے کی ہوا دیکھ رہے ہیں

نوخاستہ سبزے کو ہوئی جاتی ہے لغزش — مستی تری ہم باد صبا دیکھ رہے ہیں

بن بن کے تماشا کبھی [illegible] — وہ آئینے میں اپنی ادا دیکھ رہے ہیں

بنتے نہ سنا تھا شب فرقت کو شب وصل — اللہ یہ ہم خواب میں کیا دیکھ رہے ہیں

آئے تو ہیں پینے نہیں ناصح ابھی ساقی — محفل کا تری رنگ ذرا دیکھ رہے ہیں

دے جائے ذرا رنگ مرا داغ محبت — دل میں بھی مرے نقش وفا دیکھ رہے ہیں

دیکھا نہیں ہم نے ابھی دنیا کا بدلنا بدلی ہوئی دنیا کی ہوا دیکھ رہے ہیں

اُٹھ جائیں دمِ نزع کہ دم توڑ رہا ہوں بیٹھے سرِ بالیں مجھے کیا دیکھ رہے ہیں

اب خارِ ریاضؔ آنکھ میں ہے عالمِ ہستی

ہم دوسرے عالم کی فضا دیکھ رہے ہیں

ہم غریبوں پہ جفا اچھی نہیں بیکسوں کی بد دعا اچھی نہیں

موت آئے یہ دعا اچھی نہیں ہجر میں بھی موت کیا اچھی نہیں

دل لگی میں تو بگڑتی ہے بہت بات یہ زلف رسا اچھی نہیں

ہاتھ رنگنے کا لہو سے ہو گمان شوخ اتنی بھی حنا اچھی نہیں

کیوں اُڑاتی خاک آتی ہے بہار چھیڑ اسیروں سے صبا اچھی نہیں

کام میخانے کا ہو جائے گا بند چشم ساقی کی حیا اچھی نہیں

بوسۂ لب سی نہیں چلتا ہے کام گالیوں کی یہ سزا اچھی نہیں

شیخ یہ کہتا گیا پیتا گیا ہے بہت ہی بد مزا اچھی نہیں

دل وہ سب کے لیں یہ ہے اچھی ادا جان لینے کی ادا اچھی نہیں

غم غلط کرنے کو میں کتنی پیوں رات دن غم کی گھٹا اچھی نہیں

بعد جس کے ہجر ہو وہ وصل کیا درد دل اچھا دوا اچھی نہیں

ایک کافر مجھ سے یہ کہتا گیا رات دن یادِ خدا اچھی نہیں

سجدے کو چھوڑ کعبے جا ریاضؔ

غفلت اے مردِ خدا اچھی نہیں

شررِ طور ہے جو موج ہے پیمانے میں بجلیاں کوندتی ہیں آج تو میخانے میں

ایک خوشے کے برابر نہیں میخانے میں
خم میں جو ہے وہ ہے انگور کے ہر دانے میں

شعلۂ شمع سے مل کر لگے سرخاب کے پر
اور تو بات نہیں کوئی بھی پروانے میں

چھیڑئے یوں دل وابستہ شگفتہ ہو جائے
لطف کھلنے میں ہے یا پھول کے مرجھانے میں

بزم ساقی میں جو بنتی ہے پری شیشے میں
ہے اسی کی جھلک انگور کے ہر دانے میں

رہتے ہیں جو لب لعلین بتاں پر اکثر
ایسے ٹکڑے تو کئی ہیں مرے افسانے میں

آپ کا وصل نہ ہو جان کا جنجال کہیں
بڑھ گئے زلف سے بھی آپ تو بل کھانے میں

اور بھی چاند سی شکلیں ہیں نہیں آپ نہ ہوں
نور کی شمعیں ہیں روشن مرے کاشانے میں

دے دے تو میری جوانی ترے صدقے ساقی
ہے وہی تیزی چھلکتے ہوئے پیمانے میں

اودی اودی یہ گھٹائیں ہیں تو گلشن جائیں
نہ کریں رقص یہ پریاں کسی ویرانے میں

پھر یہ زنجیر میں کہاں آئی جو ہے فصل بہار
قوت آجاتی ہے کتنی ترے دیوانے میں

لطف جو دیر و حرم دونوں سے کچھ لوٹے شیخ
دل ہے کعبے میں مرا جان ہے بتخانے میں

جیسے ہر وقت کلیجے میں ہوں شمعیں روشن
سوز بھی سوز ہے جان سوختہ پروانے میں

نہیں مٹتے ہیں یہ کبھی وہ نقش قدم
کیوں اڑا رنگ حنا غیر کے گھر جانے میں

رزق ملتا ہے در حضرت ساحر سے ریاض
جام چھلکاتے ہیں بیٹھے ہوئے میخانے میں

توبہ شکنی کے لئے زاہد وہی جنگ چمن میں
کاگ اڑتے نظر آئے کئی فرسنگ چمن میں

بے موسم گل خوب جما رنگ چمن میں
کل خوب گھٹی خوب چھنی بھنگ چمن میں

ہر گام گل لالہ و نسرن پہ ہے رنگ چمن میں
ٹھہرا نہ کوئی لعل بھی یا سنگ چمن میں

غنچے نے چٹکنے کی صدا جس نے اڑائی
سیکھے پئے فریاد نئے ڈھنگ چمن میں

ہر آنکھ الگ جوئے سرشک آج بنے گی
دیکھیں گے رواں وہ چمن و گنگ چمن میں

سرو چمن و سرو چماں کیا ترے آگے
جو سرو رواں ہو وہ کرے لنگ چمن میں

وحشت نہ گئی سیر سے بہلی نہ طبیعت
پتوں نے بجائی کبھی دف و چنگ چمن میں

ہم نے گل و بلبل سے کبھی سوسن سے بھی پوچھا
گلشن کی زباں کی نہیں فرہنگ چمن میں

ملنے کی نہیں ساز سے آوازِ عنادل
شاخیں لئے بیٹھی ہیں مرزنگ چمن میں

دامن ہی جنوں میں نہیں کس طرح جنوں پھول
جاتا ہوں تو آتا ہے مجھے ننگ چمن میں

اللہ یہ رنگِ اثرِ موسمِ گل کا
لعل اگلے جو آجائے کوئی سنگ چمن میں

آتی ہیں گھٹائیں تو بتاتے ہیں ہوا آج
چھائے ہوئے ہیں گیسوئے شبرنگ چمن میں

شرمائیں ریاض آج سیہ گیسوؤں والے
وہ ریشِ حنائی کا جمے رنگ چمن میں

یہ سیدھے جواب نے لفوں والے ہوئی ہیں
ہمارے ہی سب بل نکالے ہوئے ہیں

تبسم فزا میرے نالے ہوئے ہیں
ذرا شوخ اب شرم والے ہوئے ہیں

مرے ہاتھ پر کھیلے ہیں افعیِ زلف
یہ سانپ آستینوں کے پالے ہوئے ہیں

نہیں ہم کو لغزش کا ڈر میکدے میں
کہ دو دو فرشتے سنبھالے ہوئے ہیں

الجھتے ہیں سوتے میں زلفوں سے کیا کیا
وبال ان کو کانوں کے بالے ہوئے ہیں

چھپا کر بہت پی ہے مسجد میں واعظ
یہ ظرفِ وضو سب کھنگالے ہوئے ہیں

شبِ وصل بولے نہ اب دل میں آئیں
جو ارمان میرے نکالے ہوئے ہیں

الگ ہے خدائی سے کچھ ساخت اُن کی
یہ بت اور سانچے میں ڈھالے ہوئے ہیں

جو یاد اب تک آتے ہیں اہل چمن کو
قفس میں وہی نغمے نالے ہوئے ہیں

کسی پر دم حشر کیا آنکھ ڈالوں — حسیں سب مری دیکھے بھالے ہوئے ہیں

جنوں رنگ لایا ہے پھر فصل گل میں — نہیں لالہ سب زخم آلے ہوئے ہیں

چراغ اب شب وصل جلنے نہ دیں گے — وہ گیسو جو بل کھا کے کالے ہوئے ہیں

نزاکت سے نے تیری گرایا نظر سے — تنک کتنے بھاری دوشالے ہوئے ہیں

یہ اے شیخ گنبد نہیں مسجدوں میں — خم مے ہمارے اچھالے ہوئے ہیں

بھری بزم میں لطف خلوت نہیں ہے — وہ نشے میں ہیں ہم سنبھالے ہوئے ہیں

یہ کہتی ہے مست آنکھ ان کی شب وصل — کئی آج خالی پیالے ہوئے ہیں

بہے ہیں جو فرقت میں آنکھوں سے میری — وہ دریا تو آنکھیں نکالے ہوئے ہیں

ارے کانٹو جو اشک مژگاں ہو ٹپکے — وہی پاؤں پڑ پڑ کے چھالے ہوئے ہیں

سبو آب زمزم سے دھو کر بھری مے — اچھوتے ہیں جتنے کھنگالے ہوئے ہیں

جوانی میں کیوں سر اٹھائیں نہ گیسو — کہ اب ڈسنے والے بد کالے ہوئے ہیں

وہ محشر میں کیا عیب کھولیں گے میرے — جو رحمت سے اب پردہ ڈالے ہوئے ہیں

سنا ہے ریاض اپنی ڈاڑھی بڑھا کر

بڑھاپے میں اللہ والے ہوئے ہیں

بہر لیلے دیدۂ مجنوں سا بس محمل نہیں — جس میں آ جائے تمنا وہ ہمارا دل نہیں

دل تو ہے کیونکر کہوں پہلو میں تیرے دل نہیں — ہے وہی محفل مگر اب گرمی محفل نہیں

پیار سے کہتے ہیں کیا پہلو میں تیرے دل نہیں — وہ تڑپ پہلی سی اب کیوں اے مرے بسمل نہیں

ہو گیا کل نزع کی سختی کا مر کر امتحان — جو نہ آسان ہو کوئی ایسی کڑی منزل نہیں

وہ چرا لیں آنکھ اپنی جان لے کر شوق سے — پھیر لیں ہم بھی نظر ایسا ہمارا دل نہیں

ہو سرِ دامن تو کچھ ہو چھیڑنے کو حشر میں | خون میرا تیری گردن پر مرے قاتل نہیں
کچھ جوابِ تلخ میں لطفِ شرابِ تلخ ہے | تیرے صدقے میری ساقی میں کوئی سائل نہیں
دور سے دوڑا دیا اُڑ کر غبارِ نجد نے | قیس ہے ناقہ نہیں لیلےٰ نہیں محمل نہیں
جان لے کر ہار ادا ظالم کی ہے جان آفرین | ہو کے قاتل وہ مرا دشمن نہیں قاتل نہیں
دست بے رنگِ حنا محشر میں دامن پاک صاف | رنگ ذرا قاتل کو دے ایسا کوئی بسمل نہیں
میری بحرِ غم کا مل سکتا نہیں ہے اور چھور | موج ہے گرداب ہے طوفان ہے ساحل نہیں
کہتے ہیں اُس دن تو وقتِ ذبح ہاتھوں میں نہ تھی | خونِ ناحق ہیں ترے میری حنا شامل نہیں
اے خیالِ یار کیوں آیا پسینا نزع میں | منزلِ اول تو کچھ ایسی کڑی منزل نہیں

کانگرس کی بزم میں ہیں کام کی باتیں یا آصف
جس میں دورِ جامِ بادہ ہو یہ وہ محفل نہیں

جس میں پروانہ تھی خود یہ شمع وہ محفل نہیں | ہائے اب وہ سن نہیں وہ دن نہیں وہ دل نہیں
سب حسیں کہتے ہیں دل کو دیکھ کر وہ دل نہیں | دل لگاؤں کیا کسی سے اب یہ اس قابل نہیں
خونِ دامن شوخ ہے جو چاہے محشر میں کہے | جو مجھے لے زیرِ دامن وہ مرا قاتل نہیں
ساتھ دیوانے کے لیلیٰ تو بھی دیوانی ہوئی | تو ہی جس میں قیس کا دل ہے ترا محمل نہیں
دشتِ الفت میں کہیں ٹھہرے یہ ننگِ عشق ہے | بیقراری جادہ ہے لیکن سکوں منزل نہیں
عکسِ صورت کی طرح اے گئی کیوں اس میں آپ | دیکھیے تو آپ کا یہ آئینہ ہے دل نہیں
مضطرب سی اک سُبک رو موجِ خون گرم ہوں | قتل گاہ نازنین مجھ سا کوئی بسمل نہیں
لہلہائے لاکھ یارب کشتِ زارِ آرزو | کچھ بھی جز نشو و نما کم بخت کا حاصل نہیں
مسکراتے آئے ہیں دینے نجات اس بوجھ سے | دل مرا ہے یہ کوئی سینے کی میرے سِل نہیں

گالیاں دے کر کیا تو آج وعدہ حشر کا
چوم لوں منہ آپ کا میں تو کسی قابل نہیں

ٹوٹی کیا امید تنکے کا سہارا بھی گیا
جس کو ہم سمجھے تھے ساحل موج ہے ساحل نہیں

آپ کے کہنے سے نکلے آپ سے سمجھے ہیں کیا
ایسی ویسی کوئی میری آرزوئے دل نہیں

اب ہمارے واسطے محشر میں جو ہو اہتمام
جائیں گے جنت میں کیا دوزخ کے بھی قابل نہیں

جرعے دانۂ تسبیح ہیں بے حد شمار
کعبہ ہو مے خانہ ہو ہم کام سے غافل نہیں

حشر میں بو بادۂ کوثر کی آتی ہے ریاض
مے زدہ ہم ہوں کوئی ایسی کہیں محفل نہیں

ہو اثر جو کچھ خدا کے نام میں
اور کیا رکھا ہے اب اسلام میں

پائے خم دستِ سبو ہیں کام میں
آ رہی ہے آج میرے جام میں

جتنے خم تھے آ گئے سب کام میں
کھنچ گئی توبہ شکن کے جام میں

کیا مزا تھا زہر میرے نام میں
آ گئی تلخی لبِ دشنام میں

نجد میں کیا قیس کا ہے عرس آج
ننگے ننگے جمع ہیں حمام میں

یوں چھپی ہے چور جیسے زخم کا
کوئی حسرت ہے دلِ ناکام میں

وصل کی شب اتنی چوسی اُن کے لب
لذت اب باقی نہیں دشنام میں

صدقے صدہا انقلابِ روزگار
آنکھ پھیری کس نے دورِ جام میں

گالیاں دیں نامہ بر کو تلخ تلخ
حرفِ بوسہ زہر تھا پیغام میں

موجِ مے شاید پرِ پرواز ہے
اُڑ کے آ جاتی ہے میرے جام میں

یہ سمجھ کر کس قدر ہے عیب پوش
ہم چھپے ہیں جامۂ احرام میں

جا کے در پر جب سُنا تو یہ سُنا
شب کے جاگے ہیں ابھی آرام میں

وصل کی شب تو نہیں یارب کہیں — صبح کی کچھ کچھ جھلک ہی شام میں
پائی ہے بادِ مخالف سے نجات — دم تو لے لیں آ گئے ہیں دام میں
تم ذرا کہہ دو تو اک برقِ طور — ڈال دے بتی چراغِ شام میں
مُنہ بنا لیتے ہیں جب لیتے ہیں نام — کتنی تلخی ہے ہمارے نام میں
اب جوانی تو کہاں لیکن ابھی — ہے جھلک اس کی مئے گلفام میں
میرے گھر مجرے کو وہ آئے ریاضؔ
لے گئے دل عید کے انعام میں

یوں ہی بن جاتی ہے ظالم غلط انداز کہیں — چوکتی ہی نہیں تیری نگہِ ناز کہیں
حشر میں سب سے الگ اپنی بنا لوں جنت — آج موقع سے ملے تو بتِ طناز کہیں
اتنی اُبلے کہ درِ دیر و حرم تک پہنچے — خم ہیں منہ ڈال کے کہہ دوں جو کوئی راز کہیں
جاؤں کیا گرمیِ گفتار سے جی ڈرتا ہے — طور کو پھونک نہ دے شعلۂ آواز کہیں
وہی بلبل وہی پروانہ وہی گل وہی شمع — بو کہیں رنگ کہیں سوز کہیں ساز کہیں
ہم اُسے سجدہ کریں تم کو تو جھک کے سلام — کام بن جائے ہمارا جو خدا ساز کہیں
میرے قابو کے قفس میں نہیں اے فصلِ بہار — لے اُڑیں مجکو نہ میرے پر پرواز کہیں
طور سے قبل بھی باتیں ہوئی ہیں روزِ الست — اس سے پہلے بھی سُنی ہے تری آواز کہیں
جان کی خیر جنوں بن کے شباب آتا ہے — رنگ لائے نہ جوانی کا یہ آغاز کہیں
تیرے صدقے تری قربان وہ دنیا ہو کہ حشر — چھپنے والے ترے چھپتے نہیں انداز کہیں
جام چھلکائے کوئی موج اٹھے جان پڑے — دخترِ رز کے ہلیں تو لبِ اعجاز کہیں
نظر آتے ہیں ریاضؔ آپ سے باہر ساقی — مجھے ڈر ہے کہ یہ افشا نہ کریں راز کہیں

جمع سو دشمنے کریں وہ جمع سو پیکاں کریں
میرے دل میں رہ کے جو چاہیں وہ ارماں کریں

کیوں مجھے رخصت کریں کیوں حشر کا پیماں کریں
نزع میں کیوں آئیں پوچھیں آپ کیوں احساں کریں

اس طرح چھیڑیں مرے دل سے مری ساں کریں
گدگدی اٹھے تبسم غنچۂ پیکاں کریں

لوٹتے ہیں لطف آنکھوں میں فرشتے ساتھ کے
ان فرشتوں سے بھی اب تو چھپ چھپ کے ہم عصیاں کریں

عشق ہے وہ نام جس کا رکھ لیا ہر سب نے درد
درد ہو تو چارہ گر کچھ درد کا درماں کریں

ہیں مزے کے لیے دل بیتاب تیری شوخیاں
چل حسینوں پہ تجھے صدقے کریں قرباں کریں

جان پر دشمن کی ٹوٹیں چلکواں سے کیا غرض
جا کے اپنا کام کر لیں ناوک و پیکاں کریں

اجڑے دل میں گشت کرتا ہے حسینوں کا خیال
وہ پری خانہ ہے جس گھر کو حسیں ویراں کریں

سینے پر آ نکلی ہے خلوت میں تہ فانوس شمع
شمع عریاں ہے یونہی کیا شمع کو عریاں کریں

بند آنکھیں ہیں مری آنکھوں میں صورت آپ کی
نزع میں آپ اس طرح مشکل مری آساں کریں

اپنے پہلو میں انہیں بیٹھا سکے ہم دل کی طرح
پھر تو ہر زخم میں ڈوبے ہوئے پیکاں کریں

جان ڈالے آئینے میں چاند سی صورت کا عکس
آئینہ بن جائے دل اتنا اسے حیراں کریں

ہم مسلماں بھی ذرا شان خدائی دیکھ لیں
کعبۂ دل میں کسی کافر کو اب مہماں کریں

کچھ چنے صحرا کے کانٹے کچھ چنے گلشن کے پھول
سر میں اب سودا ہے آباد پھر زنداں کریں

اب تو ہر قطرہ نظر آتا ہے طوفاں در بغل
کم ہو کچھ تو یہ ہمارے دیدۂ گریاں کریں

یہ نہ سمجھیں تھانے والے دو قدم کی راہ ہے
قبر میں جانا ہے جن کو حشر کا ساماں کریں

کیوں انہی کو پھیرتے ہیں مجھ سے دامن کیوں کریں
رخ ذرا میری طرف بھی ناوک مژگاں کریں

لطف دو نقش ہی سا ہے چمکیں آج دو دو بجلیاں
آستیں تو چیر ڈالی ہے تیغ بھی عریاں کریں

موت کا خوابیدہ سایہ ہے ہماری زندگی
خون ارماں ہو چکا اب خاک ہم ارماں کریں

نشۂ مے ہی جوان بنتے ہیں پیری میں ریاضؔ
وقت ہے توبہ کریں اب قبر کا ساماں کریں

کون دل ہے مرے اللہ جو ناشاد نہیں — کون گھر ہے مرے اللہ جو برباد نہیں
نازنیں جان بھی لیں تو کوئی بیداد نہیں — چوڑیاں ہاتھ میں ہیں خنجرِ فولاد نہیں
اے نسیمِ سحری ساتھ لئے جا سوئے بام — نفسِ سرد ہے نالہ نہیں فریاد نہیں
سیرِ باغ آپ دکھائیں نہ آزادی کی — آپ کے باغ میں تو سرو بھی آزاد نہیں
چپ سے ہیں کچھ مری آغوش میں وہ حشر کے دن — یہ وہی ہیں جنھیں پیمانِ وفا یاد نہیں
دیکھتے رنگِ حنا جاتے ہیں مقتل کی طرف — ہاتھ میں تیغ نہیں خنجرِ فولاد نہیں
ہے تری جیب پر آج آنکھ نشیمن کے عوض — باغباں یہ تو کوئی چور ہے صیّاد نہیں
شورِ قلقل میں گم آوازِ اذاں ہے اے شیخ — یہ بہت خوب کہی میکدہ آباد نہیں
ایک اک پھول کو ایک ایک کلی کو دیکھا — ہار ہیں ان کے ہمارا دلِ ناشاد نہیں
نکلی ہیں حشر میں دنیا کی پرانی باتیں — میں تو کیا میرے فرشتوں کو بھی اب یاد نہیں
نہ گری برق مگر آپ گرے غش کھا کر — یہ تو اے حضرتِ موسیٰ کوئی افتاد نہیں
جس سے آتا تھا نشیمن کا قفس میں کچھ لطف — تیری قربان تری آنکھ وہ صیّاد نہیں
دل سے نکلی ہے یہ دل ہی میں رہے گی ظالم — جا کے دیوار سے ٹکرائے وہ فریاد نہیں
کام کرتا تھا جو لے چرخ ترے پردے میں — وہ نہیں کام میں تو لذتِ بیداد نہیں
یہ بہت ہی رہے دل پر جو حکومت قائم — آج قبضے میں اگر بصرہ و بغداد نہیں
بوئے خوں دیتے ہیں شیریں ترے مہندی لگے ہاتھ — ہاتھ میں لالے کے خونِ سرِ فرہاد نہیں
حد سے آگے نہ بڑھی دیکھئے مژگانِ دراز — چھیڑنے کے لئے کم نشترِ فصّاد نہیں

حنا ہاتھوں میں ہونٹھوں پر تبسم گدگدی دل میں / وہ آئی پھول برسانے مرے پھولوں کی محفل میں

بیان وصف مے کوثر کیے واعظ نے محفل میں / یہ بات ایسی تھی ہم کچھ پی گئے کچھ ڈر رہے دل میں

دکھا دوں میں تو خود وہ داغ روشن ہے مرے دل میں / جو رکھ دوں چاندنی میں ہالہ ہو پیدا ماہ کامل میں

اترتی ہی نہیں کچھ طور کی باتیں مرے دل میں / پہاڑ ایسے چھپے کتنے ہیں میری آنکھ کے تل میں

وہ گل سمجھیں گے مستی میں یہ پھڑکی آتش گل ہے / جو انگارہ بھی رکھ دی کوئی منقار عنادل میں

حنا ان کو لہو سے ہاتھ رنگنا کب سکھائے گی / ابھی تک چٹکیاں لینا نہیں آتا انہیں دل میں

وہیں ٹھہری ہمارے حشر کی آخر وہیں ٹھہری / بڑا میدان مارا آج ہم نے کوئے قاتل میں

گماں نشے میں ہوتا تھا ہمیں بھی شور واعظ کا / گراں تھی قلقل مینا مگر ہم لے رہے دل میں

بہار آئے تری گھر آگ برسے پھول بن بن کر / خدا تاثیر دے صیاد فریاد عنادل میں

فسانے میں نظر آتے ہیں کچھ بگڑی ہوئی خاکے / نہ اب مجنوں ہے جنگل میں نہ اب لیلےٰ ہے محمل میں

ابھی تو خون بسمل کچھ یونہی سا رنگ لایا ہے / شفق پھولی نظر آتی ہے یارب کوئے قاتل میں

بہار آئے نہ آئے ہم نہیں جانے کے زنداں سے / ہماری عمر گزرے گی یونہی طوق و سلاسل میں

چمن کے پتے پتے سے صدائے درد آتی ہے / کہاں سے پھٹ پڑی تاثیر فریاد عنادل میں

بڑی مشکل سے گوشہ عافیت کا ہاتھ آیا ہے / قفس میں رہتے رہتے لی جگہ صیاد کے دل میں

کہیں کیا بیٹھ کر کاٹی ہے کیونکر رات آنکھوں میں / یہ سن لینا اک آفت تھا کہ کچھ خطرہ ہے منزل میں

ہمارے دوش کو اپنا نشیمن وہ سمجھتے ہیں / رہی وحشت نہ ہم میں مل گئے ہم یوں عنادل میں

گئے وہ دن کہ دیتے تھے جگہ تم تیر و پیکاں کو / نگاہ ناز جا بھی اب نہیں تیری جگہ دل میں

مرے دل کے ستانے تھیں تجھے بہکی ہوئی باتیں / میاں مجنوں کو اے لیلے بٹھا لینا تھا محمل میں

کشود کار کا باعث خدا کا یاد آنا ہے / نظر آتی ہیں آسانیاں مشکل سی مشکل میں

ریاض اس کو نہ پوچھو وقت سے اس کا تعلق ہے
کبھی خلوت میں پی چھپ کر کبھی پی کھل کے محفل میں

عرش سے دل میں جو اترتے ہیں — طور پر کس سے بات کرتے ہیں

عشق میں خوب دن گزرتے ہیں — روز جیتے ہیں روز مرتے ہیں

ریش زاہد سے کب وہ ڈرتے ہیں — جو فرشتوں کے پر کترتے ہیں

واعظو ہم گنہ نہیں کرتے — ہم گنہگار ناز کرتے ہیں

کبھی لے چل مجھے بھی اے صیاد — مرے صدقے جہاں اترتے ہیں

عرش کو تھام لیں فرشتۂ عرش — ناتواں آج آہ کرتے ہیں

نہ کنارہ نہ بحر حسن کی تھاہ — ڈوبتے ہیں کبھی ابھرتے ہیں

روگ سب جان کا یہ ہجر کی رات — بیٹھ کر روز صبح کرتے ہیں

بتکدوں میں نہ چھوڑتے تم کو — اے بتو ہم خدا سے ڈرتے ہیں

چوم لیتے ہیں منہ کبھی ہم بھی — جب حسیں کہہ کے کچھ مکرتے ہیں

صبح ہو جائیگی یونہی شب وصل — بگڑے گیسو کہیں سنورتے ہیں

نام نکلا برا نہ شکل بری — مجھ سے کیوں یہ حسین ڈرتے ہیں

حشر بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے — میرے کوچے سے جب گزرتے ہیں

شب وعدہ یہی سنا سو بار — آئینہ آگے ہے سنورتے ہیں

جب وہ آتے ہیں کوچۂ دل میں — کس نزاکت سے پاؤں دھرتے ہیں

شیخ کھل کر جو مے نہیں پیتے — اپنی داڑھی کی شرم کرتے ہیں

قدرداں گو سخن کے ریاض — منہ مرا موتیوں سے بھرتے ہیں

یہ کہاں سے ہم گئے ہیں کہاں کہیں کیا تری تگ و تاز ہیں — کہ یہ آسماں ہے نہ زمیں جہاں نہ نشیب ہیں نہ فراز ہیں

تو درونِ خانہ برونِ در تو ہزار پردوں میں جلوہ گر — ارے او حقیقتِ پردہ در تری شوخیاں ہی مجاز ہیں

وہی آئی عرش سے فرش تک وہی چھائے فرش سے عرش تک — ملے ایسے ذرّے ہزار ہا ہمیں خاکِ راہِ حجاز ہیں

کہیں تیز ہے کہیں نرم ہے یہی آنچ مطربِ خوش نوا — مرے نالے ہیں ترے نغمے ہیں یہ سوز ہیں ترے ساز ہیں

ترے سجدے میں وہ مزا ملا کہ تڑپ کے سینے سے آ رہا — کوئی داغ ہے کہ ہے دل مرا یہ مری جبینِ نیاز ہیں

یہ اڑائیں گے کبھی رنگ بھی یہ دکھائیں گے کبھی رنگ بھی — یہی لائیں گے کبھی رنگ بھی جو رنگیں ہیں رنگِ مجاز ہیں

گھڑی جس کی حشر کا ایک دن شبِ گور جس کا ہر ایک پل — وہ مٹے ہیں حسرتِ مرگ میں جو خضر کی عمرِ دراز ہیں

اسے لاگ عشق کی کہتے ہیں اسے آگ عشق کی کہتے ہیں — نہ جنون ہے یہ جنوں میں ہے کوئی یہ راز ہے یہ راز ہیں

جنھیں لوگ کہتے ہیں رند ہیں وہ خدا پرست ریاضؔ ہیں
یہ سنا ہے کل کہ جناب ہی پسِ خم تھے محوِ نماز ہیں

وعدے کی شب ہے وقت ہے وہاں اٹھئے یا نہیں — بولے ہے تو بھی ہوش ہمارے بجا نہیں

جلوے ہوا لٹا کہ دیر میں سجدہ روا نہیں — جتنے ہیں بت بنے ہوئے بت ہیں خدا نہیں

کہنا کسی کا ناز سے ٹھکرا کے سر مرا — ہم سب بتوں میں ایک بھی ان کا خدا نہیں

طاعت کا پاس شوخ بتوں کو ذرا نہیں — ہم کیوں جھکائیں جو کوئی کسی کا خدا نہیں

ان کی نگاہ میں جو کھٹکتا تھا بار بار — پہلو میں آج وہ دلِ درد آشنا نہیں

شاہد پرستیاں ہوں کہ بادہ پرستیاں — پردے میں ہو جو کام کبھی وہ برا نہیں

لے کر ادائے ناز سے پھینکا شگفتہ دل — بولے تمہارے پھول میں بوئے وفا نہیں

سوتے ہیں چین سے رہے ہم چشمِ نیم باز — کاجل کا چور کوئی ہمارے سوا نہیں

آئی ہے کھینچ کے زیرِ قدم منزلِ عدم — ہم پا فتادہ راہ نہیں رہنما نہیں

رہتا ہے ان کے سایۂ گیسو سے دور دور / دل ساتھ دے کسی کا نہیں آسرا نہیں
سب تم نے شیشہ لے کے لگا لی اچھوتے جام / یوں پی کے میکدے میں کوئی پارسا نہیں
آنکھیں کھلیں نہ کان کھلے اپنے اے کلیم / کچھ جلوہ گاہ طور میں دیکھا سنا نہیں

جو مے میں ہے ریاض وہی مے کے نام میں
جائے کبھی زبان سے یہ وہ مزا نہیں

چین مرکز تہ زمیں بھی نہیں / اب ٹھکانا مرا کہیں بھی نہیں
آہ کے ہوتے اشک کے چلتے / آسماں بھی نہیں زمیں بھی نہیں
کل تو روتے تھے اپنے دامن کو / اے جنوں آج آستیں بھی نہیں
ذکر مے کیا کہ وہ تو خلد کی ہے / جام میں شیر و انگبیں بھی نہیں
صدقے نازک سی تیغ کے صدقے / اس نزاکت کے نازنیں بھی نہیں
چپ ہیں وہ سن کے آرزوئے وصال / منہ سے ہاں بھی نہیں نہیں بھی نہیں
حسرت آباد دل نہ حسرت دل / وہ مکاں بھی نہیں مکیں بھی نہیں
کتنی نازک ہیں چوڑیاں ان کی / ایسی تو چین آستیں بھی نہیں
دل میں چبھنے کو خار حسرت ہے / نگہ چشم سرمگیں بھی نہیں
کون گرمائے تجکو اے دل سرد / جرعۂ آب آتشیں بھی نہیں
بن کے رہتا لکیر پتھر کی / سنگ در پر خط جبیں بھی نہیں
آپ جب تک تھی جان تھی اس میں / جائے اب دل حزیں بھی نہیں
جن سے پھیلی تھی چاندنی گھر میں / اے فلک اب وہ مہ جبیں بھی نہیں
ایسی بھی اے ریاض توبہ کیا / کوئی آغوش میں حسیں بھی نہیں

کہا جو میں نے چھپی ہے کسی کی ہاں میں نہیں — وہ بولے جھوٹ مری وہم میں گمان میں نہیں

ذرا بھی جان ترے زار و ناتواں میں نہیں — وہ ہی جہان میں یوں جیسے اس جہاں میں نہیں

سُنے ہیں نغمۂ ناقوس دیر میں ہم نے — اثر فریب یہ رنگینیاں اذاں میں نہیں

قفس کو چھوڑ کے سوئے چمن نہ جائے برق — کہ چار تنکے ہیں کچھ اور آشیاں میں نہیں

سنیں نہ آپ کبھی خونچکاں شکایتِ دل — کہ سادہ حرف کوئی میری داستاں میں نہیں

سمائے کیوں نہ تری آنکھ میری آنکھوں میں — جو اس میں ہے مری ساقی کسی کاں میں نہیں

خدا ہی ہے جو ملیں مجکو قافلے والے — میں گم شدہ ہوں جس میری کارواں میں نہیں

فسردہ دل ہوں مجھے کیا ہی کوئی موسم ہو — بھری بہار میں کیا تھا جواب خزاں میں نہیں

ہماری چپ کا اثر لے فلک معاذاللہ — یہ بات آہ میں فریاد میں فغاں میں نہیں

زبان آئی ہے یار و ہمارے حصے میں — وہ کوئی بھی ہو یہ پاکیزگی زباں میں نہیں

وہ آئے ہیں سرِ بالیں یہ ہو نہ ٹھٹک آئے — سکت اب اتنی بھی اس جانِ ناتواں میں نہیں

مجھے ملی تو گنا ہوں سے کون روکے گا — اجل کا خوف اگر عمرِ جاوداں میں نہیں

زبانِ حال سے کہتے ہیں پھول کیا کیا کچھ — یہ حسن اور یہ وسعت مری زباں میں نہیں

بہت ہی تن کے ہم آئے تھے تیر کھانے کو — جو دیکھتے ہیں وہاں تیر ہی کماں میں نہیں

ہوئے تھے نالۂ سوزاں مرے بری بے وقت — جو تارے ہیں نے جڑے تھے وہ آسماں میں نہیں

تمہارے غم نے بنایا ہمیں کچھ اور سے اور — گھلا یہ جسم کہ اب فرق جسم و جاں میں نہیں

ریاضؔ میں بھی خوش آواز و خوش گلو ہوں مگر
یہ لطفِ قلقلِ مینا مری اذاں میں نہیں

آج اس کی وفا کو روتے ہیں — جس کی ایک ایک ادا کو روتے ہیں

ستم ناروا کو روتے ہیں — چرخ تیری جفا کو روتے ہیں

خون رُلوا رہی ہے یادِ وفا — اک سراپا وفا کو روتے ہیں

کس طرح آئی وقت سے پہلے — آنے والی قضا کو روتے ہیں

اب یہ اس تک پہنچ نہیں سکتا — نالۂ نارسا کو روتے ہیں

بہہ گیا آنکھ سے لہو ہو کر — دلِ درد آشنا کو روتے ہیں

جان لے کر گیا وہ آخر کار — مرض لادوا کو روتے ہیں

جانے والے کی یہ نشانی ہے — دیکھ کر نقش پا کو روتے ہیں

درد سا درد ہے بھرا اس میں — ٹوٹے دل کی صدا کو روتے ہیں

روتے جو آئے تھے رُلا کے گئے — ابتدا انتہا کو روتے ہیں

رنگ و آب کہاں وہ گل ہی نہیں — اس چمن کی ہوا کو روتے ہیں

ہے فضائے چمن غبار آلود — ہم مکدّر فضا کو روتے ہیں

خاک میں ملنے کو ہے سب کا حسن — گلِ رنگیں قبا کو روتے ہیں

مہندی پس کر لہو رلاتی ہے — پینے والی حنا کو روتے ہیں

نفسِ سرد یہ ہی بھی تو کیا — موجِ بادِ صبا کو روتے ہیں

باغِ عالم میں اس طرح بے دید — نرگسِ نیم وا کو روتے ہیں

چھا گئی کیسی تیرگی ان پر — مہر و مہ کی ضیا کو روتے ہیں

کام آیا نہ یہ کسی کے بھی — خضر آبِ بقا کو روتے ہیں

چپ ہیں یوں جیسے ان میں جان نہیں — لبِ معجز نما کو روتے ہیں

اب تو آسماں نہیں اٹھتا — اپنے دستِ دعا کو روتے ہیں

جان کو لے کے ساتھ جانا تھا　　اس دل مبتلا کو روتے ہیں

دے گیا داغِ غم یہ کون ریاض

ہم غمِ دیر پا کو روتے ہیں

بتانِ حشر تازہ تنگ بھر دیں داغِ عصیاں میں　　مزا دے جائے میرا داغِ عصیاں میری داماں میں

بھری ہیں حشر زا فتنے نگاہِ فتنہ ساماں میں　　جگہ دی کیا دلِ ہنگامہ جو کو اپنے داماں میں

لگا ناوک میں ایسا کون سا سرخاب کا پر تھا　　کہ میری دل کے ٹکڑوں نے جڑے لعل اُنکے پیکاں میں

مری لب تک یہ آئیں حشر کے دن جام بن بن کر　　جو داغِ مے کھلے ہیں پھول بن کر میری داماں میں

تلی بیٹھی ہے کیسی اشک آلودہ مژہ میری　　پروئے جائیں گے موتی تری زلفِ پریشاں میں

جو لے دیوانوں میں ہوتا تو کیا ہوتا خدا جانے　　نہ ہونے سے مرے اب خاک اُڑتی ہے بیاباں میں

گریباں پر مرے کیوں حشر کے دن ہاتھ ڈالا تھا　　اُلجھ کر دستِ نازک رہ گیا اب تو گریباں میں

چڑھائے خم کے خم لیکن نہ نشہ ہو نہ غافل ہو　　فرشتہ ہو وہ اے زاہد جو یہ باتیں ہوں انساں میں

ذرا میں بھی وہاں پی شبِ فرقت کو لیجاؤں　　ہمیشہ دن بنا کرتی ہیں راتیں حسن شبستاں میں

ارے ساقی نشہ تھا کچھ ہم میں جب تک شیشہ خالی تھا　　جو مے شیشے میں آئی جان آئی جسمِ بے جاں میں

ملیں تو اُن کو دکھلاؤں مسکنا اُن کے دامن کا　　یہی کافر جو رخنے ڈالتے ہیں میری ایماں میں

نہیں تو لطف آتا ہے وہ جھوٹی ہوں کہ سچی ہوں　　عجب لذت ہے اُن کافر بتوں کے عہد و پیماں میں

نظر آتی ہے اکثر روح مجھسے پر شکستہ کی　　کسی ٹوٹے قفس میں یا کسی اجڑے گلستاں میں

ہمارے دل کے داغوں کی وہاں شمعیں ہوئیں روشن　　ہماری آنکھ کے پردے پڑے ان کے شبستاں میں

رہا کرتی ہے سوتے جاگتے اس کی نظر مجھ پر　　یہ بیداری کہاں سے آگئی چشمِ نگہباں میں

ذرا سی وصل کی شب یا بڑی سی ہجر کی شب ہو　　چھپی رہتی ہیں دونوں ان حسینوں کی نہیں ہاں میں

ہماری جان چھوڑے گی اسیری ہو نہ جیتے جی — لحد کی طرح رکھا ہے جسد کو تنگ زنداں میں

اُتاری ہے کہیں تم نے پریشاں ہو نہ گھبراؤ — تمہاری آرسی رکھی ہے میری چشم حیراں میں

ریاض ایسا ہے ان کا ہم نوا ہوں مرغ گلشن میں
ہوئی ہے منعقد بزم سخن صحن گلستاں میں

مجکو دیکھا تو ہنس کے کہتے ہیں — اشک اب بے سبب بھی بہتے ہیں

اُن کے کوچے میں خوش وہ رہتے ہیں — ہر طرح کے جو رنج سہتے ہیں

جن کے دل میں ہے درد دنیا کا — وہی دنیا میں زندہ رہتے ہیں

میکدہ کیوں ہے قبلۂ حاجات — مے کے دریا یہیں سے بہتے ہیں

صدقے اپنے درازی قد کے — وہ مجھے بیوقوف کہتے ہیں

جو مٹاتے ہیں خود کو جیتے جی — وہی مر کر بھی زندہ رہتے ہیں

دیجئے کیوں ریاض کو تکلیف
شعر سنتے ہیں وہ نہ کہتے ہیں

کیا جانے کیا ہے میری گلابی میں مے نہیں — یہ دیکھنے کی چیز ہے پینے کی شے نہیں

برپا ہے جو جگر کو وہ آواز نے نہیں — وہ نور کا گلا نہیں وہ ان کی لے نہیں

جنت فروش تربت جام سفال ہے — یہ بزم جم نہیں یہ کوئی بزم کے نہیں

بعد صیام میکدہ ہے صبح عید ہے — جام شراب آج بھی کیا ہے بے پئے نہیں

بیقرار بھی سن کے شوق ہو جگر کا تو ذکر کیا — آواز ہے جہاد کی گاندھی کی جے نہیں

فردا کی فکر کرتے نہیں میکدے کے لوگ — جو کچھ ہو حشر کل کے لئے کچھ بھی طے نہیں

خلوت میں پی کے زہر اگلتے ہیں بزم میں — کیا بات اگر یہ حضرت واعظ کی قے نہیں

گو تجربہ بہت ہی مگر کیا کہوں ریاضؔ

لب پر رہے گی ان کے یونہی تا ہمیشہ نہیں

اب مزا ہے تو خشک جینے میں ۔۔۔ لطف کھانے میں ہے نہ پینے میں

میری آنکھوں میں ہے تجلّیِ طور ۔۔۔ داغ روشن ہی میرے سینے میں

دسترس ہو مجھے تو میں جانوں ۔۔۔ کیا ہے قارون کے خزینے میں

موجِ مے لے چلی مجھے سوئے عرش ۔۔۔ یہ بھی زینہ ہے کوئی زینے میں

میرے دل کو مری نظر نہ لگے ۔۔۔ بال آئے نہ آبگینے میں

خلق مجکو سمجھ رہی ہے شریف ۔۔۔ بات کیا ہے یہ مجھ کمینے میں

نانپارے میں شب کا لطف ڈنر ۔۔۔ ہم نہ کھانے میں تھے نہ پینے میں

بزمِ جم سے بڑھی تھی رات کی بزم ۔۔۔ ہر سلیقے میں ہر قرینے میں

بدر بھی ہو شریک سال گرہ ۔۔۔ ہو یہ تقریب ہر مہینے میں

ایں سعادت[1] بزورِ بازو نیست ۔۔۔ ہے یہ اللہ کے خزینے میں

جس کے سر تاج ہو سعادت کا ۔۔۔ جا کے سجدے کرے مدینے میں

ملے انگشتری سلیماں کی ۔۔۔ نام آصف[2] رہے نگینے میں

چھپیں الحق[3] میں بھی خلیل[4] و نیاز[5] ۔۔۔ ناخدا کا خدا سفینے میں

طبع ہو کر مری غزل بھی بنے ۔۔۔ اسی ہفتے اسی مہینے میں

نانپارے کے راجہ صاحب کا ۔۔۔ نام لکھتے ہیں ہو مدینے میں

ملے ۔ راجہ سعادت علی خاں والی نانپارہ دام اقبالہٗ ۔ ملے ۔ خان بہادر آصف زماں خاں صاحب نائب نانپارہ ۔ ملے ۔ اخبار ہفتہ وار لکھنؤ ۔ ملے ۔ سکریٹری آنہ فنڈ لکھنؤ ۔ ملے ۔ سید نیاز احمد نیاز بہادر ریاض منشی انسپکٹر پولیس

پا کے ایسا کلب نے دعوت دی — آئی اس طرح میرے پینے میں

وقت رخصت عطائی آصف سے — کچھ ملی آگہی خزینے میں

نہیں یہ غزل سب نے دیوان — نا خدا کا غذی سفینے میں

تھا ودیعت وہ بہرِ گورکھپور — چھپ کے نکلے گا دل مہینے میں

نام دیوان ہریا ریاضِ رضوان ہے — آئے گی کھل کے اب تو پینے میں

اس کی تاریخ آتشِ گل تر — آتشِ تر پلائے پینے میں

بے نور لحد وہ کاشش نہ ریاض

ہے چاک درد کی جو سینے میں

ا ۔ حصہ اول آتش تر (غزلیات)

وہ نازنیں ہو تم کہ ذرا بھی اثر نہ ہو — آنکھوں میں تم پھرو بھی تو ہم کو خبر نہ ہو

ممکن نہیں نگاہ سے ٹکڑے جگر نہ ہو — قربان تیرے تجکو کسی کی نظر نہ ہو

کچھ تشنگی مٹے تو مٹے سلسبیل پر — یہ میکدے وہ ہیں کہ لبِ خشک تر نہ ہو

ہم ہیں قفس میں اور قفس ہے تہِ غلاف — جل جائے آشیاں بھی تو ہم کو خبر نہ ہو

بیٹھے تمام رات پرستش کیا کریں — ایسا بھی نازنین بتِ نازک کمر نہ ہو

جو پھر رہا ہے خضر کا سایا بنا ہوا — بھٹکا ہوا یہ کوئی مرا نامہ بر نہ ہو

لے تو چلے ہو کھینچ کے سینے سے تیر کو — پیکاں کے ساتھ ساتھ کسی کا جگر نہ ہو

باہم شبِ وصال اٹھائے ہیں کیا مزے — وہ بھی یہ کہہ رہے ہیں الٰہی سحر نہ ہو

ہم ہیں بتِ حسین بھی ہیں دن بھی حشر کا — کیا جانے آج کیا ہو خدا کا جو ڈر نہ ہو

ہے بزم وعظ مجکو یہ واعظ سے خوف ہے — منبر پہ آج جا کے کہیں میرے سر نہ ہو

ہم کو تو صرف ان کے تصور سے کام ہے — ایسے بھی ہیں حسین کہ جن کے کمر نہ ہو

دن جیسے ایک حشر کا جس کی نہیں ہے شام — ایک ایسی شب ہو وصل کی جس کی سحر نہ ہو

میں جا سکوں نہ بام قفس تک بہار میں — مجھسا کوئی جہان میں بے بال و پر نہ ہو

ناوک فگن یہ تیر و پیکاں ہے کس لئے — ایسا بھی کیا کہ دل تو ہدف ہو جگر نہ ہو

نشتر لگا کے جان کے لالے پڑے کسے — ہاتھوں سے تھامے دل کو مرا چارہ گر نہ ہو

جھنجلا رہے ہیں سوتے میں کیوں دست شوق پر
چھیڑا ہے جس نے موج نسیم سحر نہ ہو

چوری چھپے کی باتوں کی سب ہیں گواہ یہیں
میرا حساب حشر میں ان دو پہر نہ ہو

یہ ایک محال امر ہے جوش اشک خوں
دل تو لہو ہو خون ہمارا جگر نہ ہو

اے محتسب ریاض تو ان میکشوں میں ہیں
سو غوطے کھائے حوض میں دامن بھی تر نہ ہو

خاک میخانہ ملی بہر تیمم مجھکو
ذرے ذرے نے دیئے لاکھ بھرے خم مجھکو

جب عقد رسی طے بن کے ملے تم مجھکو
نسل آدم میں بھلے دانۂ گندم مجھکو

لے جو گہوارے میں لہر دل کا تلاطم مجھکو
موت کی نیند سلائے ابھی قلزم مجھکو

وہ ستاتا ہے ستائے جو نہیں تم مجھکو
دھوکے دیتا ہے بری طرح توہم مجھکو

پارسائی کا یقین غیر کو ہو لوٹتے ہوں
اور جھولے سے جو آجائے تبسم مجھکو

خانقاہیں تو ہزاروں ہیں مگر جی نہ لگے
کوئی تھوڑی سی جگہ دیدیں کہیں خم مجھکو

وصل کی رات یونہی آج گزر جانے دو
میں تمہیں پیار کروں پیار کرو تم مجھکو

جس کے ہر ذرہ میں تھا وادی ایمن پنہاں
بے خودی نے اسی صحرا میں کیا گم مجھکو

تم کو دیتا ہوں دعائیں مجھے دیتے ہو کوئی
کوئی دیتا ہو دعا کوستے ہو تم مجھکو

داد خواہوں میں وہ محشر تو دیکھا تو کہے
کہتے ہیں پیار یہ دیکھا بھول گئے تم مجھکو

جب نکلتا ہوں جنوں میں تو مزا دیتا ہے
نغمۂ سنجان گلستاں کا ترنم مجھکو

مسکراتی ہیں ترے ہار کی کلیاں مرے دل
کاش آجائے یہ انداز تبسم مجھکو

سامنے میرے کوئی غیر کو زندہ نہ کرے
جیتے جی کوئی سنائے نہ کبھی قم مجھکو

کچھ بھی رکھا نہ مرے ضعف نے تمکین باقی
ساتھ اپنے لئے پھرتا ہے توہم مجھکو

آگے واعظ کے سرِ بزم بناؤں دریا — جو ملے بہرِ تکلم دہنِ خُم مجکو

میرے آگے وہ جبیں زلف میں افشاں تا صبح — تارے گننے کو ملی ہے شبِ انجم مجکو

محفلِ وعظ میں بیٹھا سرِ منبر واعظ — لا کے خم کوئی بٹھا دے نہ سرِ خم مجکو

میکدہ ہی میں دن دفن بھی ہوں حشر بھی ہو — مغبچو تھوڑی جگہ دے دو پسِ خم مجکو

عکس کی طرح کبھی بار نہ ہوں ضعف سے میں — رکھیں پتلی میں اگر دیدۂ مردم مجکو

ہوں وہ میکش جو کروں قصد ذرا کعبے کا — کاندھے پر لاد کے لے جائے مرا خم مجکو

رزق بن کر مری قسمت کا یہ اتری ہیں ریاض

دانے انگور کے ہیں دانۂ گندم مجکو

یہ بھی ملنا ہے کوئی مل کے کیا گم مجکو — ایک اس ساری خدائی میں ملے تم مجکو

نسل آدم ہیں پھلے دانہ گندم مجکو — جب مقدر سے ملے بن کے ملے خم مجکو

مسکراتے ہو جہاں دیکھتے ہو تم مجکو — گدگدائے نہ کہیں موجِ تبسم مجکو

تہ نشیں کر نہ سکا عشق کا قلزم مجکو — دیکھتا ہے ابھی موجوں کا تلاطم مجکو

کہتے ہیں حشر ہیں اللہ کرے گم مجکو — آج بھی آئے ستانے کے لئے تم مجکو

ساتھ موسیٰ کے سوئے طور گیا تھا میں بھی — یاد ہے برق کا اندازِ تبسم مجکو

سن چکے ہیں بہت افسانۂ حسرت مجھ سے — اب نہ دیں نزع میں تکلیفِ تکلم مجکو

منتقل کعبے کو میخانے ہوئے ہیں شاید — ملے رستے میں کئی ٹوٹے ہوئے خم مجکو

نظر آتے تو ہیں اس بزم کے کچھ شمع و چراغ — کم نہیں دور سے بھی یہ مہ و انجم مجکو

حشر میں کام مرے آئے ترے بوسۂ لب — کہ ملا آج ترا حسنِ تکلم مجکو

ان کی تصویر کا چہرہ ہے کچھ اترا اترا — اتنی سی بات کے ہیں لاکھ توہم مجکو

دھر کے محشر کے مٹانے کو مرے ساقی نے | مرتے مرتے بھی پلائی ہے کئی خم مجکو

نا خلف تھا نہ ہوا لغزشِ آدم کا شریک | کہ ملی نانِ جویں شیخ کو گندم مجکو

توڑنا ہے مجھے توبہ سرِ محفل ساقی | دیکھنا ہے لبِ ساغر کا تبسم مجکو

میں اٹھا قبر سے وہ خاک تہِ میخانے کی | دوش پر لے کے چلا حشر کے دن خم مجکو

میری حسرت کا مرقع ہے ہنسی بھی میری | آئے آنسو کبھی آیا جو تبسم مجکو

باتیں کرتی ہے جس انداز سے تیری تصویر | کاش آجائے یہ اندازِ تکلم مجکو

تیرے نظارے نے مجکو نہ کہیں کا رکھا | جلوۂ یار کہاں تو نے کیا گم مجکو

یہ مجھے چھیڑ لی ہے دور تری جب روتا ہوں | گدگداتی ہے تری موجِ تبسم مجکو

دہنِ گور میں جاتے ہوئے کہتے تھے ریاضؔ

اے لبِ گور تجھے موجِ تبسم مجکو

مے میں ڈوبا نامۂ اعمال کا ہر حرف ہو | رنگ وہ آئے کہ صدقے سرخیِ شنجرف ہو

پاک طینت رند پی کر مجکو پہنچا ہے ثواب | میری پونجی نیک کاموں میں الٰہی صرف ہو

حلق سے جو گھونٹ اترے حلق میرا دیکھیے | ہم ہوں تم ہو باغ ہو سوڈا ہو مے ہو برف ہو

میری فردِ جرم کا ہو نقش سطر بھی سیاہ | خط کشیدہ نامۂ اعمال کا ہر حرف ہو

کچھ عجب واقع ہوئی ہے بیتابیِ عشق | خود فراموشی میں کیوں کر یاد معشوق صرف ہو

کیوں اچھل پڑتے ہو میخانوں میں اک شب پیے | واعظو تم بھی بڑے اوچھے بڑے کم ظرف ہو

بہرِ عقبیٰ جمع کرتے ہیں یہ آخر ہیں بخیل | وہ دفینے رکھتے ہیں جن میں کچھ بھی صرف ہو

ہو محیطِ نامۂ اعمال رند اس موج سے | موجیں کرتی لہریں لیتی جدول شنجرف ہو

پی کے تم کو وعظ کہتے ہم نے دیکھا ہو ریاضؔ | ہم بلا نوشوں میں تم بھی کتنے عالی ظرف ہو

رکھا ترے دامن میں ہی کیسے گلِ تر کو　　رکھ آنکھ میں اے قبر مرے نورِ نظر کو

ہے آگ لگی آگ لگے اس کے اثر کو　　جاتا ہے کہاں نالۂ دل پھونک کے گھر کو

پہلو میں ہماری غضب اک پھانس چبھی ہے　　رہ رہ کے بڑھاتی ہے وہی درد جگر کو

ہے آٹھ پہر فکر ڈبونے کی ہمارے　　کچھ ہم سے ہی بے وجہ ضد اس دیدۂ تر کو

جس گھر میں نئی تھیں کبھی زلفوں کی بلائیں　　آباد بلاؤں نے کیا ہے اُسی گھر کو

ہم پر یہ چمن میں ہے اثر قید قفس کا　　بیٹھے ہیں الگ سب سے سمیٹے ہوئے پر کو

تنتے تھے جوانی میں جو کرتے تھے معاصی　　اب بڑھ کے وہی بوجھ جھکاتا ہے کمر کو

کافور ہو رنگ آکے سیہ خانے میں میرے　　ڈر جائے شبِ تار جو دیکھے مرے گھر کو

شب گورِ غریباں میں بسر ہوتی ہے اے موت　　ہم شام سے جاتے ہیں آتے ہیں سحر کو

اُڑ کر نہ پہنچ جائے نشیمن میں یہ صیاد　　جنبش ہے ہوا سے مری ٹوٹی ہوئے پر کو

مقبول دعائیں نہیں ہوتیں نہیں ہوتیں　　قسمت میں ترسنا ہے ترستے ہیں اثر کو

پتوں میں نشیمن میں کبھی چھپتے تھے ڈر سے　　خوش ہوتے ہیں اب دیکھ کے ہم برق و شرر کو

جب خاک سی بچتے نہیں پروردہ دامن　　کیا لے کے کریں لالہ و گل لعل و گہر کو

گریاں ہیں ریاضؔ آپ غمِ مرگ میں کس کے

درپیش یہی راہ ہے ہر فرد و بشر کو

لیے آغوش میں محرم ہی اُن کے اُٹھتے جوبن کو　　جوانی گود میں اپنی کھلاتی ہے لڑکپن کو

گھنے جنگل کھلے صحرا بہت میری نشیمن کو　　جہاں ہو باغباں دشمن لگے آگ ایسی گلشن کو

بہت ہی منزلِ مقصود کا پر پیچ رستہ ہے　　ملے اس راہ میں تو رہنما سمجھوں میں رہزن کو

نکل آئے گی اس کی بھی جگہ صیاد کے گھر میں　　ذرا صرصر اُڑا لانا ادھر میرے نشیمن کو

جو تم جانا تو لے ہوئے اُدھر ہو کر ہوئے جانا | دبے وادی تو بھی رستہ گیا ہو دشت ایمن کو
فرشتے بھی نہ آئیں حال پر میرے مجھے چھوڑا | کہاں کی تیرگی گھیرے ہوئے ہے میری مدفن کو
یہ گر جاتی ہے چلو سے چھلک جاتی ہے ساغر سے | کوئی کیوں کر بچائے داغ مے سے اپنے دامن کو
یہ سیدھی سادھی نرگس باغ کی کیا ایسی ویسی ہے | نظر بازی سکھاتی ہے کسی کی چشم پرفن کو
نگہباں ایسے اچھے اور تم کو مل نہیں سکتے | پڑا رہنے دو میری طرح در پر اپنے چلمن کو
لگا بیٹھا ہوا خدمت اذاں کی اور کعبے میں | بھلے کو ہم ہوا لائے سنے ناقوس برہمن کو

مجھے یوں توجہ کی ٹھہر ڈالوں نے معشوق کی باتیں
ریاض ابھی کہیں پہلے چلو ہو آئیں لندن کو

کہیں تو پاؤں دھرنے کا ٹھکانا جوش وحشت ہو | کہاں جاؤں مجھ پر تنگ داماں قیامت ہو
خداوند ابھی سے اس کو شہد و شیر جنت ہو | جو رند صاف باطن ہو جو رند پاک طینت ہو
شب غربت میں نکلے چاند یہ قسمت کہاں اپنی | نہیں ممکن کہ تارا بھی چراغ شام غربت ہو
قیامت کو کہیں کیا دل لے چلتے لینے بنا ہے | تم اس فتنے کو ٹھکرا دو یہی فتنہ قیامت ہو
نہ وقت نزع پھر آنکھیں چھلکتے جام سے زاہد | ترے ساغر میں شاید آب دیدہ حور جنت ہو
اب ایسا دل کہاں سے لاؤں جس کو نذر کر دوں | نہ جس میں کوئی ارماں ہو نہ جس میں کوئی حسرت ہو
نزاکت پر تصدق ہونے والوں کی ہے کیا ہستی | جب اٹھتے بیٹھتے ان پر فدا ان کی نزاکت ہو
ہمیں ارمان رہنے کا فریبوں کے ستانے کا | نہیں ہو یا نہ ہو ہم سے حسینوں کو محبت ہو
خدا جانے یہ واعظ میکدے کو کیا سمجھتے ہیں | جو چھو جائے ہوا اس کی تو دنیا اس کو جنت ہو
کوئی بات اُٹھ رہی تھی کوہکن کا کام بنتے ہیں | کرے کیا کوہکن تیشہ لئے سر پر جو قسمت ہو
مزے کی چیز دنیا ہے یہ بیہوشی جوانی کی | نہ آئے ہوش پیری میں بھی ایسی مجکو غفلت ہو

وہ شب آئے کہیں تم چپ ہو تیں شرم کی بن کر ۔۔۔ ستاتی ہوں تمہیں ہم کو ستی ہم کو نزاکت ہو
ہمیں کیا بھر ئیے یوں کوٹ کر موتی جو قدرت نے ۔۔۔ ہمارے کام کی وہ آنکھ ہی جس میں مروت ہو
نہ دن کی دھوپ رکتی ہے نہ شب کی اوس رکتی ہے ۔۔۔ مرے گھر کا وہ عالم بیکسوں کی جیسے تربت ہو

گل افشاں ہوں رہا صف اگر ساحر[1] کے محفل میں
زر افشاں کیا دُر افشاں جنبش دامان دولت ہو

جرم پھر کیوں قابلِ تعزیر ہو ۔۔۔ تم ہمارے کاتبِ تقدیر ہو
ساتھ ہی دل کے جگر بھی ہو ہدف ۔۔۔ تیری چٹکی میں دو پیکاں تیر ہو
سخت جاں میں اور وہ نازک بہت ۔۔۔ میری گردن ہو تری شمشیر ہو
رات دن دونوں ہیں میری کام کے ۔۔۔ چاند ہو اک چاند سی تصویر ہو
غیر کے آگے اگر بیٹھے ہوں آپ ۔۔۔ آپ کے آگے مری تصویر ہو
صبح کرنا ہے مجھے فرقت کی رات ۔۔۔ میرے لب پر نالۂ شبگیر ہو
وہ چلیں جب گھر سے تو آئیں ادھر ۔۔۔ ایسی اب چلتی ہوئی تدبیر ہو
چاندنی پھیلی تمہارے دم سے ہے ۔۔۔ رات میں تم چاند کی تنویر ہو
وعدۂ فردا زبانی کچھ نہیں ۔۔۔ پاس میرے آپ کی تحریر ہو
گرتے ہیں بن بن کے بجلی منہ سے پھول ۔۔۔ اور ہی کچھ تم دمِ تقریر ہو
شام سے اک چاند ہو آغوش میں ۔۔۔ اتنی تو چمکی ہوئی تقدیر ہو
دخت رز کا اس کو مل جائے شباب ۔۔۔ زالِ دنیا ہو یہ چرخِ پیر ہو
زیر بامِ یار یہ اچھا ہے شغل ۔۔۔ میں ہوں میری آہ بے تاثیر ہو

---

[1] ۔ سر مہاراجہ بہادر محمود آباد بالقابہ۔

اس کے بوسے کوئی لے کوئی چلے　　شمع ہو پروانہ ہو گلگیر ہو

کہتے ہیں خسرو کہیں ساحر ریاضؔ

تم کہیں خسرو کہیں تم میر ہو

منہ پر مرے بھی روز قیامت نقاب ہو　　میں بھی انہیں میں ہوں جنہیں تجھ سے حجاب ہو

مست شباب ہو کوئی مست شراب ہو　　تم ہو تو ہو اسے بام و شب ماہتاب ہو

بلبل قفس میں ہو مگر اس کے قفس کے پاس　　کلیوں سے اک لدی ہوئی شاخ گلاب ہو

میرے فرشتے پیش کریں حشر میں جسے　　آلودہ شراب وہ فرد حساب ہو

وہ جرم ڈھونڈ ڈھونڈ کے کرتا ہوں رات دن　　لکھیں تو کاتبان عمل پر عتاب ہو

اک شئے ہی بس ہے فاتحہ از قسم شہد و شیر　　اس فاتحہ کا بادہ کشوں کو ثواب ہو

یونہی بلا سے رات گزر جائے وصل کی　　شوخی اُدھر ہو اور ادھر اضطراب ہو

دنیائے حسن و عشق میں آتی تو ہو نمود　　میرا جواب ہو نہ تمہارا جواب ہو

میں روسیاہ خوگر دوزخ تو ہو رہوں　　وہ دل ملے کہ جان کا میری عذاب ہو

فرد حساب دیکھ کے رہ جائے منہ مرا　　میرے لئے ترا کرم بے حساب ہو

رسوائے عام ہونے کو ہے حسن بانقاب　　وہ وقت دلفریب ہو اک بے نقاب ہو

واعظ جو آگیا ہے تو کوثر کا جام آئے　　میخانے میں طلوع نیا آفتاب ہو

چلتے ہیں جب ریاضؔ تو کچھ جھومتے ہوئے

جیسے پئے ہوئے کوئی مست شراب ہو

ہائے رے دیوانگی کوسا کیا تاثیر کو　　میں فغاں اپنی ہی سمجھا نالۂ زنجیر کو

ع؎ سر مہاراجہ بہادر محمود آباد بالقاب۔

دل کو ہونے دو ہدف ممکن نہیں دل کی تڑپ ۔۔۔ یہ اڑاتی ہے ہمیشہ چٹکیوں میں تیر کو
کیوں مٹو اُن کی اُداسی کیوں نہیں آئی ہنسی ۔۔۔ میرے گھر آتے ہیں رونے غیر کی تقدیر کو
عرش سے آئی کبھی تو آکے اُلٹی پھر گئی ۔۔۔ دور سے میرا سلام اس آہ بے تاثیر کو
ہم نے کاٹی کس مزے سے آپ کی فرقت کی رات ۔۔۔ پیار کرتے رہ گئے اک چاند سی تصویر کو
ناز سے چلنا سکھایا اس کو دستِ ناز نے ۔۔۔ اپنے غمزے تم سکھا دو اب ذرا شمشیر کو
ناوک افگن دیکھ لو تو آکے مرے دل کی پھانس ۔۔۔ یہ ذرا سی پھانس تو شرما رہی ہے تیر کو
مُنہ کھلے خم کا نہ واعظ قلقلِ مینا کے بعد ۔۔۔ میکدے میں طول اتنا تو نہ دے تقریر کو
کیوں ہوا ناوک خطا نیچی نظر ہے شرم سے ۔۔۔ لاؤ ہم رکھ لیں کلیجے میں تمہارے تیر کو
آپ فرماتے تھے کل دیکھو بزرگی شیخ کی ۔۔۔ ہم نے دیکھا ہو جواں اس آسمانِ پیر کو

یادگار اس وقت ہم بھی ہیں زمانے میں ریاضؔ
مانتے ہیں سب ہمیں ہم مانتے ہیں میر کو

وعدہ تھا جس کا حشر میں وہ بات بھی تو ہو ۔۔۔ بن سنکے کس ادا سے کہا رات بھی تو ہو
ہم لیں بلائیں زلف کی وہ رات بھی تو ہو ۔۔۔ آئے مزے کی رُت کہیں برسات بھی تو ہو
گزری یونہی توبہ کے دن اب سوا ہیوں ۔۔۔ ساقی ذرا تلافیِ مافات بھی تو ہو
اظہار آرزو کوئی ایسی خطا نہ تھی ۔۔۔ کیوں تیوریاں چڑھی ہیں کوئی بات بھی تو ہو
پاپوش ان حسینوں کی آتی ہے میرے گھر ۔۔۔ اُن کی نظر میں کچھ مری اوقات بھی تو ہو
مینا کی طرح جا کے ابھی سر جھکائیں ہم ۔۔۔ پیرِ مغاں سا قبلۂ حاجات بھی تو ہو
ہم میکدے کو چھوڑ کے کعبے کے ہو رہیں ۔۔۔ کعبے میں اس طرح کی مدارات بھی تو ہو
بیعت کو سوئے شیخ بڑھیں گے ہزار ہاتھ ۔۔۔ حضرت سے کچھ ظہورِ کرامات بھی تو ہو

کہنے کو اُٹھ رہی گی ستمگری کوئی بات — محشر کے روز مجھ سے ملاقات بھی تو ہو

بنتِ عنب بچھائے گی دامن پئے نماز — زاہد مریدِ پیرِ خرابات بھی تو ہو

تم کو ریاض جانتے ہیں خوب یہ حسیں
جتنے ہو نیک اتنے ہی بدذات بھی تو ہو

ڈر ہے کہ تم نے خون کسی کا کیا نہ ہو — اتنا بھی شوخ ہاتھ کا رنگِ حنا نہ ہو

کیوں مردہ آرزوؤں میں کچھ جان سی پڑے — اب ہے دعا قبول ہماری دعا نہ ہو

جائے گی دن کو بھی نہ شبِ غم کی تیرگی — آئی ہوئی فلک سے یہ کوئی بلا نہ ہو

تھی باغباں کو لاگ نشیمن کی شاخ سے — صیاد کوئی اور نیا گل کھلا نہ ہو

رہنے کو تیرہ گھر مجھے غربت میں وہ ملا — اک عمر سے چراغ بھی جس میں جلا نہ ہو

وہ بھی یہ چاہتے ہیں ٹھہر جائے دل ذرا — ہم بھی یہ چاہتے ہیں کہ ناوک خطا نہ ہو

جانے کو بزمِ غیر میں مہندی لگائی ہے — میرا چراغِ راہ ترا نقشِ پا نہ ہو

کہنا کسی کا ہائے وہ تیغِ جفا کے ناز سے — کم بخت ہاتھ چھوڑ کوئی دیکھتا نہ ہو

ہم نے بھی ان حسینوں کو چھیڑا ہے کس قدر — ایسا بھی کوئی ہے جو ہمیں کوستا نہ ہو

چلتی ہوئی ہے تیغِ ادا ان کی کس قدر — اس کی بھی جان جاتی ہے جس کی قضا نہ ہو

تم کو جو نیند آئے تو دشمن کو موت آئے — افسانہ وہ سناؤں جو تم نے سنا نہ ہو

دامن سے طور کے نہ سہی دور سے سہی — دیکھو کلیم اور کوئی دیکھتا نہ ہو

ان سے بلا یہ ذکرِ وفا پر ملے جواب — اس کو سکھاؤ تم جو تمہیں جانتا نہ ہو

اللہ حسن دے تو حیا بھی ضرور دے — کس کام کی وہ آنکھ ہے جس میں حیا نہ ہو

کافر حسیں بلا سے خفا ہیں ہوا کریں — ہم سے خفا ریاض ہمارا خدا نہ ہو

سَو بوتلیں چڑھاؤں تو نشّہ ذرا نہ ہو — پانی ہے یہ شراب، جو کالی گھٹا نہ ہو

خلوت میں تیرے شمع نہ ہو آشنا نہ ہو — اللہ رے شرم کوئی اُنہیں دیکھتا نہ ہو

جس نے دلوں میں آگ لگائی ہو دور سے — بھڑکا ہوا وہ شعلۂ رنگِ حنا نہ ہو

آتی نہیں ہے نیند حسینوں کو بے سُنے — میں ہوں نہ ہوں، جہان میں مرا فسانہ ہو

تیرے خرامِ ناز سے اُٹھ جائے ایک بار — وہ فتنہ حشر بن کے جواب تک اُٹھا نہ ہو

بے رنگ و بو فشردہ انگور کچھ نہیں — پانی ہے وہ، شراب کا جس میں مزا نہ ہو

حشر آئے جائے، لذتِ پیماں یونہی رہے — دل چاہتا ہے وعدہ فردا وفا نہ ہو

توبہ کے توڑنے میں بھی آتا نہیں ہے لطف — جب تک شریکِ بادہ کوئی پارسا نہ ہو

بولے شبِ وصال ہٹا دو تم آئینہ — ہم کو ہماری آنکھ سے یہ دیکھتا نہ ہو

نازک سہی بات، وقت بھی نازک، ذرا سی رات — نازک ہیں وہ بھی وصل کی شب کیا ہو کیا نہ ہو

رنگتے ہیں میری خون سی مہندی لگا کے ہاتھ — کیوں پانی پانی آتشِ رنگِ حنا نہ ہو

بوتل ہماری آنکھ کی پتلی بنی رہے — بے لطف سبزہ ہے جو یہ کالی گھٹا نہ ہو

رند و مزا ہے پینے کا شبہائے صوم میں — آئے قضا، مگر کوئی روزہ قضا نہ ہو

کیوں بیقرار تا قفس آئے شرارِ برق — کوئی چمن میں آج نیا گل کھلا نہ ہو

ہم دیکھتے ہیں جام کو للچائی آنکھ سے — پینے کی ہے یہ چیز جو خوفِ خدا نہ ہو

کچھ بھی چلے نہ کام بڑھاپے میں اے ریاضؔ
اُٹھ کر یہ موجِ مے جو ہمارا عصا نہ ہو

شکرِ بیداد تو ہو شکوۂ بیداد نہ ہو — میرے لب پہ ہو تبسم کبھی فریاد نہ ہو

چھائے پھولوں سے بھی صیاد تو آباد نہ ہو — وہ قفس کیا جو تہِ دامنِ صیاد نہ ہو

حشر پہ لطف کی اک بات اٹھا رکھی تھی — ہم تمھیں یاد دلا دیں جو تمھیں یاد نہ ہو

شام ہی سے وہ شب وصل یہ کہہ کر روٹھے — جو ستاتے ہیں وہ ہوتے ہیں کبھی شاد نہ ہو

قدر مجھ رند کی تجھکو نہیں اے پیر مغاں — توبہ کرلوں تو کبھی میکدہ آباد نہ ہو

بن کے تصویر یہ دم فرض رہے سینے پر — دست نازک سے رواں خنجر جلاد نہ ہو

بام پر شوق سے جو چاہے ستائے آن کو — میری آہیں نہ ہوں نالے نہ ہوں فریاد نہ ہو

ہو وفا جس میں وہ معشوق کہاں سے لاؤں — ہے یہ مشکل کہ حسیں ہو ستم ایجاد نہ ہو

جا بھی کیوں چھیڑتی ہے وہ اب تک وہ گل ہو نہ ملے — تو قفس میں مرے سے نکہت برباد نہ ہو

کیوں ہوں ہمسند حشر کے دن کان بھرو میں کس سے — شور محشر تو ہو لیکن مری فریاد نہ ہو

کون یہ کہہ کے نشیمن سے اڑا اے صیاد — میں تو برباد ہوں بستی مری برباد نہ ہو

ہم بھی مشتاق جمال آئے ہیں اے جلوہ طور — پیش موسیٰ کو جو آئی ہے وہ افتاد نہ ہو

جو تجھے دیکھ لے ہو جائے وہ بندہ تیرا — اے بت ایسا بھی کوئی حسن خداداد نہ ہو

لب جاں بخش ترا اب نزع میں کھینچ عادہ حشر — جاتے جاتے بس اتنا کچھ ارشاد نہ ہو

سیر کو ساتھ نہیں تیشے سے تجلی کیوں ہے — ساتھ شیریں کے کہیں حسرت فرہاد نہ ہو

لطف دے جائے جو معشوقوں کی گواہی سر حشر — ان بتوں کو بری بات کوئی یاد نہ ہو

حق ہے مشتاق حرم سے نہیں توبہ ہم کو — کعبہ آباد رہے میکدہ آباد نہ ہو

تم سلامت رہو دشمن کے ستانے والے — میری قسمت میں نہیں لذت بیداد نہ ہو

کھل گئی تھی وہ بہت بام بتاں سے اونچی — لے اثر عرش سے بیٹھی مری فریاد نہ ہو

سخت کافر ہیں یہ معشوق کلیسا والے — کعبہ دل بھی کہیں بصرہ و بغداد نہ ہو

پھونک چکا صور مگر وہ نہیں اٹھتا ابھی — حشر بھی کوئی ترا کشتۂ بیداد نہ ہو

نہ زباں پر نہ پر و بال پر اپنے قابو — میں وہ بلبل ہوں جو گلشن میں بھی آزاد نہ ہو

اے فلک دیدے کوئی چاند کا ٹکڑا مجکو — شرط یہ ہے کہ حسیں ہو ستم ایجاد نہ ہو

وہ خمِ زلف ہو یا گوشۂ دامن ان کا — جاکے پہلو سے کہیں کا دل ناشاد نہ ہو

اِن حسینوں کے ہوں جھرمٹ بھی تو کیا لطف ریاضؔ

چھیڑ کی چیز جو میرا دل ناشاد نہ ہو

نظر کے سامنے ممکن ہے لالہ زار نہ ہو — اُڑائیں پھول نہیں ہے اگر بہار نہ ہو

شب وصال یہ شوخی بھی ناگوار نہ ہو — دعائیں ہیں کہ کوئی آج بیقرار نہ ہو

کڑی کمان کا تیر اور دل کے پار نہ ہو — نگاہِ یار نہ ہو وہ نگاہِ یار نہ ہو

شب وصال بھی ان پر کوئی نثار نہ ہو — بہت کہی کہ ذرا آج بیقرار نہ ہو

نکل کے اپنے نشیمن سے کوئی کیا دیکھے — چمن ہے خانۂ صیاد اگر بہار نہ ہو

وہ جائیں شوق سے ٹھکرا کے قبر غیر کے گھر — یہ دیکھ لیں سرِ دامن مرا غبار نہ ہو

کھٹک سی ہوتی ہے آنکھیں ملیں نہ آہوِ دشت — چبھا ہوا مرے تلووں میں کوئی خار نہ ہو

مزے کی چیز ہے کم بخت کی اذیت بھی — کٹے نہ رات اگر لطفِ انتظار نہ ہو

نگہ کے ساتھ ہی آیا کسی کا ناوک بھی — وہ دل کے پار نہ ہو یہ جگر کے پار نہ ہو

کرم سے تیرے یہ اتنے تو ہوں شمار کے دن — مرے گناہوں کا مالک مرے شمار نہ ہو

تری گلی میں لحد میں بھی جاکے دیکھ لیا — نہیں کہیں کا جسے دل پر اختیار نہ ہو

وہ ٹوٹے ہار کی صورت وہ ٹوٹے دل کی طرح — جو دستِ شوق کسی کے گلے کا ہار نہ ہو

دکھائے جوش تو دریا بہائے اے ساقی — یہ خم تو ہے جو نہیں ابر کوہسار نہ ہو

ادھر بھی تیر فگن کوئی نیم کش ناوک — رہے خلش کی طرح دل میں دل کے پار نہ ہو

پیے نماز بھی ہم بیٹھ کر وضو نہ کریں
کنارِ جوئبطِ مے کا اگر شکار نہ ہو

خدا کے بندی کچھ ایسے نڈر ہیں اے ساقی
ہزار بار پئیں توبہ ایک بار نہ ہو

یہ آدھی رات کو ان کا پیام آیا ہے
ہم آج آ نہیں سکتے اب انتظار نہ ہو

یہ سوکھی گھاس ہری ہو گئی تو کیا حاصل
ہماری قبر پہ اے ابر اشکبار نہ ہو

گل آئیں میری لحد پر تو رنگ اڑ جائے
چراغ آئے تو روشن سرِ مزار نہ ہو

کچھ انحصار نہیں مے فروش پر ساقی
چلے نہ کام جو سودا کبھی اُدھار نہ ہو

نزاکت ان کی ہے معلوم دل کو بھی شبِ وصل
خدا کرے کہ یہ کم بخت بیقرار نہ ہو

ہزار تلخ سہی مے ملے تو موقع ہے
یہ چیز وہ ہے جو زاہد کو ناگوار نہ ہو

اٹھا ہوں خوف زدہ میں لحد سے قبل از وقت
کہ سب سے پہلے مری حشر میں پکار نہ ہو

ہیں ایسے قول کے سچے سپید ریش ریاضؔ
قسم بھی کھائیں یہ حضرت تو اعتبار نہ ہو

جواں کر دی الٰہی صحبتِ پیرِ مغاں مجھکو
پرانی میکدے والی بھی جانے نوجواں مجھکو

دکھاتا ہے نئے رنگ اپنے کیا کیا آسماں مجھکو
نظر آتا ہے یہ ظالم بڑھاپے میں جواں مجھکو

کہیں بیٹھوں کھٹکتی ہے نگاہِ باغباں مجھکو
چمن سے دور لے جانا پڑا اب آشیاں مجھکو

وہ آئیں تو نزاکت کو نہ اپنے ساتھ آنے دیں
یہی ہے وصل کی شب جو گزرتی ہے گراں مجھکو

شراب اڑتی ہے تو بھی گھٹا چھائی رہی یونہی
نہ دیکھے آسماں تجھکو نہ دیکھے آسماں مجھکو

چمن میں جس جگہ پہنچا لیا پھولوں کی جھرمٹ نے
بظاہر شاخ پر جا کر نیا اک آشیاں مجھکو

ذرا سی وصل کی شب ہو گئی ان کو سالِ سر جھکر
عوض لوں گا حسینوں سے بنائی آسماں مجھکو

بڑی موقع کی تھی ہر چند وہ جنت کے باہر تھی
حرم سے ہٹ کے رستے میں ملی مے کی دکاں مجھکو

کیا ہے یاد مجکو یہ سمجھ کر جان پڑ جاتی
جو مرتے مرتے آ جاتیں کہیں دو ہچکیاں مجکو

گزرتی سال دن کی طرح معشوقوں کی صحبت میں
جناب خضر دے دیتے جو عمر جاوداں مجکو

رہے گی ہونٹھ پر فریاد جب تک دل ہے پہلو میں
نہ تالو سے لگانے دے گا یہ ظالم زباں مجکو

نزاکت سے یہ بچکے ہیں جو رکھوں لا کے تنکا بھی
یہ شاخ گل جھلائے اب نہ بہر آشیاں مجکو

چھپائی منہ میں لغزش پاؤں میں ہے ہاتھ میں خنجر
وہی تو ہیں جو چھوڑے جا رہے ہیں نیم جاں مجکو

لبوں پر آئیں وہ باتیں جو دونوں دل میں رکھی ہیں
نہیں وہ راز داں میری بنائیں راز داں مجکو

یہ ہے نوک مژہ کوئی کہیں رکھ لوں لگا کے دل میں
دیے جاتے ہیں کیوں ٹوٹی ہوئی اپنی سناں مجکو

کڑی چتون کے ناوک مجکو اچھے ہیں نگاہوں سے
چڑھا کر تیوریاں دیکھے نہ وہ ابرو کماں مجکو

ترے کوچے میں جب جاتا ہوں تو خوابگراں ہے جی
کہ آنکھوں میں جگہ دیتا ہے تیرا پاسباں مجکو

تمہاری طرح میں بھی چٹکیاں لیتا رہوں دل میں
جو آئے ہو سکھاتے جاؤ اپنی شوخیاں مجکو

مری افسوں طرازی کی ریاض اتنی جو شہرت ہے
سبب یہ ہے کہ ساحر[1] سا ملا ہے قدرداں مجکو

مکان یار کو ڈھونڈے اے لامکاں مجکو
نظر آئے زمیں مجکو نہ سوجھے آسماں مجکو

ستاتا ہے جو انگاروں پہ اب لے آسماں مجکو
قفس کی شاخ لے لے دیدے شاخ کہکشاں مجکو

سلائیں گی اجل کی نیند اب یہ سولیاں مجکو
نگاہوں پہ چڑھا رکھا ہے تو نے باغباں مجکو

کبھی صحرا میں کچھ چپ چپ زبان خار سکھی تھی
نہیں آتی نواسنجان گلشن کی زباں مجکو

کلیجا تھام لینے میں کلیجا تھام لیتا ہوں
سناتی ہے کبھی ان کو کبھی میری فغاں مجکو

وہی ہیں اس طرف روشن ہیں روزن ان کے جلوے سے
ذرا دھوکا نہ دے تاروں بھرا یہ آسماں مجکو

---

[1] سر مہاراجہ بہادر محمود آباد بالقابہ

جگہ آنکھوں میں دینے کو کھلے سو غنچۂ نرگس　　قفس سے آتے آتے مل گئے سو آشیاں مجکو

رہ غربت میں چھالے بھی تھکن بھی دھوپ بھی لو بھی　　وہیں کا ہو رہا میں مل گیا سایہ جہاں مجکو

مرا پانی بھریں یہ بجلیاں کالی گھٹا والی　　جو دیں کانوں کی اپنی زلفوں والے بجلیاں مجکو

بڑی جھگمٹ وہاں رہتی ہیں انساں بھی فرشتے بھی　　حرم میں جا کے اب رکھنا پڑی مے کی دکاں مجکو

کبھی تو آئیں گے قابو میں مہوش مہ جبیں ظالم　　ستا لے آسماں مجکو ستا لے آسماں مجکو

نہ وہ گل ہیں نہ کلیاں ہیں نہ غنچوں کا چٹکنا ہے　　اڑا لے چٹکیوں میں اب نہ شاخ آشیاں مجکو

ملے موقع تو سو میں بوسے تو لے لوں آج گن گن کر　　یہ ایک اک منہ بھر دیں گے اب تو سو سو گالیاں مجکو

شب فرقت کی افسانی کا ٹکڑا کوئی دہرائیں　　سنائیں وصل کی شب آپ میری داستاں مجکو

کہاں ملتی ہے رات ایسی جو دم بھر چین لینے دیں　　مری چپنیاں تم کو تمہاری شوخیاں مجکو

یہ کیوں اعمال سب کے حشر میں دہرائے جاتے ہیں　　نہ یاد آئے کہیں بھولی ہوئی کچھ داستاں مجکو

ریاض اشعار سن کر فرشتے وجد کرتے ہیں
ملی کوثر سے دھوئی ایسی پاکیزہ زباں مجکو

اے جنوں ہاتھ وہ اترا ہوا ہار آئے تو　　لطف آ جائے گا مٹھی میں بہار آئے تو

سر دامن ترے کوچے کا غبار آئے تو　　پھول برسائے نہ برسائے بہار آئے تو

حشر کو ساتھ لگا لانے کا شکوہ کیا ہے　　شکر ہے وہ سر بالین مزار آئے تو

میں بلا لوں گا تجھے شیخ ترے سر کی قسم　　میرے گھر آج کسی طرح ادھر آئے تو

اپنی پلکوں سے کلیجے میں اٹھا کر رکھوں　　اے جنوں آنکھ کے نیچے کوئی خار آئے تو

تو لب پر نہ سہی ہاتھ میں بوتل ہی سہی　　محفل وعظ میں کچھ بادہ گسار آئے تو

لیں گے آنکھوں ہی قدم دوڑ کے سب اہل حرم　　در ساقی سے کوئی سجدہ گزار آئے تو

صحبتِ شب تو کہاں اس کا اثر ہی رہ جائے　　نیند ہی کا سہی آنکھوں میں خمار آئے تو

گنتی بوسوں کی نہ اعداد معافی معلوم　　لب سے آتا ہی کہیں روزِ شمار آئے تو

ہو سکوں مضطربِ شوق کو کچھ تو شبِ وصل　　شوخیوں سے تجھے پہلو میں قرار آئے تو

رنگ دی جائے گی یہ ریشِ سفید آپ سے آپ　　حضرتِ شیخ ذرا ابرِ بہار آئے تو

اچھے کاندھی کی فرشتوں سے رہی دور کے لوگ　　وقت پر آج اٹھانے تجھے یار آئے تو

ہم بھی آ جائیں گے بوتل لئے گلشن میں ریاض
مے گلرنگ لئے ابرِ بہار آئے تو

شمع کے ساتھ عجب لطف ہی پروانے کو　　آگ سے کھیلتے دیکھا ہی دیوانے کو

لئے بیٹھے رہیں آپ آئینے کو شانے کو　　ہم بھی آ جائیں ذرا زلف کے سلجھانے کو

شبِ وعدہ ارے او شام سے سونے والے　　کھل کے کلیاں مرے بستر کی ہیں مرجھانے کو

اے مرے چشمِ تصور ترے صدقے سو بار　　تو پری خانہ بنا دیتی ہے ویرانے کو

دل بھی نازک یہ کڑی چوٹ بھی پتھر سے سوا　　پھول سے کوئی نہ مارے کسی دیوانے کو

اب ٹھہرتا ہی نہیں سینے پہ آنچل اُن کا　　وہ جوانی ہیں بھری اور ستم ڈھانے کو

ارے دیوانے سمجھنے کا نہیں ایک ہی بیں　　تجھ سے سو آئیں جو ناصح مرے سمجھانے کو

خانقاہوں سے ہی پوشیدہ تعلق جن کا　　راستے ایسے گئے ہیں کئی مے خانے کو

اے صبا پھولوں کی ہو شاخ کہ موج مئے ناب　　کچھ ہی ہے مگر یار ہی بل کھانے کو

سنئے محشر میں نہ دنیا کی کہانی مجھسے　　کیجئے یاد نہ بھولے ہوئے افسانے کو

پھل میں پا جاؤں عبادت کا بنا دی یارب　　دانہ انگور کا تسبیح کے ہر دانے کو

بعد توبہ بھی یہ چھینٹا نہیں جاتا ہم سے　　ہم لئے بیٹھے ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانے کو

حشر میں فردِ عمل کھینچ کے ماروں منھ پر — ساتھ آئے ہیں فرشتے مجھے شرمانے کو

حسن کے رعب نے محفل میں بٹھائے پہرے — شمع تک آئے اجازت نہیں پروانے کو

لاؤں افشردۂ انگور کہاں سے اے شیخ — ایک دانہ بھی نہیں گھر میں قسم کھانے کو

جیسے ساقی تری ہنستی ہوئی تصویرِ شباب — ہم نے دیکھا ہے چھلکتے ہوئے پیمانے کو

آکے بے موسمِ گل توڑیں گے توبہ شاید

غل ہے رندوں میں ریاضؔ آتے ہیں میخانے کو

جھومتی قبلے سے آئی تھی ستم ڈھانے کو — لو گھٹا جھک کے اڑا لے گئی میخانے کو

کتنے پیدا ہوئے ساقی خطِ ساغر سے ہلال — چار چاند اور لگے بزم میں پیمانے کو

جب کیا قصدِ وطن وادیٔ غربت سے کبھی — نجد سے آئے بگولے مجھے سمجھانے کو

یہ نزاکت میں سوا ہے مرے نازک دل سے — جامِ جم سے نہ لڑائیں مرے پیمانے کو

آکے زنجیریں ذرا ڈال دیں زلفوں والے — فصلِ گل گھر سے لئے جاتی ہے دیوانے کو

دی عجب مجھکو مری رزق رساں نے قسمت — خم سمجھتا ہوں میں انگور کے ہر دانے کو

ہاں وہ گلگیر ہی شمع کا شعلہ نہ سہی — چٹکیوں میں نہ اڑائے کوئی پروانے کو

نگہِ مست سی کچھ موج کو نسبت ہی نہ تھی — نرگسی آنکھ سے دیکھا کئے پیمانے کو

چشمِ ساقی نے ہمیں آپ میں رہنے نہ دیا — ہم کدھر آج چلے چھوڑ کے میخانے کو

تو سہی حشر کا دن رات بنے نیند آئے — وہ سنیں تو سرِ محفل مرے افسانے کو

نہ سہی برقِ سرِ طور یہ کیا کم ہے کلیم — بجلیاں کرتی ہیں روشن مرے ویرانے کو

ٹوٹے توبہ کی طرح ہم پسِ توبہ بھی ریاضؔ

آپ میں رہ نہ سکے دیکھ کے پیمانے کو

یاسمن زار نہ ہو لطف چمن زار نہ ہو
پھول اڑتی ہی جہاں کوئی وہاں خار نہ ہو

حشر کی دھوم سر راہ گزر یار نہ ہو
دو قدم آگے اگر فتنۂ رفتار نہ ہو

دامن برق حجاب اب دم دیدار نہ ہو
جس سے بجلی گرے وہ گرمی گفتار نہ ہو

اے حسینو رہے انگشت نما دزد حنا
دل میں جو چور رہے اس کا کبھی اظہار نہ ہو

نہ اٹھے پردہ جو آپس میں نگاہیں نہ ملیں
دل کی دل ہی میں رہے آنکھ اگر چار نہ ہو

اُن کی جنبش ہی کہیں تیغ سے بڑھ کر قاتل
چوڑیاں دست حنائی میں ہوں تلوار نہ ہو

بار عصیاں کے سوا دو دو فرشتے سر دوش
لطف بہ بندۂ عاجز کو ذرا بار نہ ہو

کب سے کشتی ہے بھنور میں مری اے بیم بلا
ڈوب ہی جائے یہ کم بخت اگر پار نہ ہو

مانگتا ہوں یہ دعا حشر کا دن رات بنے
اے بتو میری طرح کوئی سیہ کار نہ ہو

دل کی بات آئے زباں پر نہ کسی کے آگے
آنکھ جو چاہے کہے لب سے کچھ اظہار نہ ہو

سر خم دیکھ کے ساغر یہ کہا مستوں نے
خط ساغر کوئی برق سر کہسار نہ ہو

ایسے باوضع بہت ہیں ہمیں دو ایک نہیں
توبہ کے بعد بھی پینے میں جنھیں عار نہ ہو

رہن مے جبہ و دستار امامت بھی ہوئے
اس طرح بھی کوئی بے جبہ و دستار نہ ہو

ساتھ رہنا ہے تو مل جل کے رہیں دوش بدوش
یہ تو کچھ بھی نہیں تسبیح ہو زنّار نہ ہو

اے جنوں ابکی بہار آئے تو اس لطف سے آئے
فرش گل پاؤں کے نیچے ہو کوئی خار نہ ہو

پینے آیا ہی سوے میکدہ جو آب حیات
خضر صورت یہ پرانا کوئی میخوار نہ ہو

سب کے لب پر ہی مجھے دیکھ کے توبہ توبہ
کوئی اتنا بھی زمانے میں گنہگار نہ ہو

میں نے تم سے جو بتو آنکھ چرائی ہو کبھی
حشر کے روز خدا کا مجھے دیدار نہ ہو

خلق کو دھوکے میں ڈالا ہی مقدس بن کر
اے ریاض آپ سا بھی کوئی ریاکار نہ ہو

کفن سرکا کے حسنِ نوجوانی دیکھتے جاؤ ذرا افتادِ مرگِ ناگہانی دیکھتے جاؤ

لپک شعلے کی ہے یا گلفشانی دیکھتے جاؤ کلیم ان کی ادائے لن ترانی دیکھتے جاؤ

نئے خم میں مئے جم کی نشانی دیکھتے جاؤ ہمارے میکدے کی بھی پرانی دیکھتے جاؤ

ابھی تھوڑی سی اس کو اپنی بوتل کی پلائی ہے ذرا رندو شبابِ شیخِ فانی دیکھتے جاؤ

کسے تم ڈھونڈتے ہو دل کہاں ہے میرے پہلو میں اب اس کا داغ ہے اس کی نشانی دیکھتے جاؤ

بھری آنکھوں میں آنسو موت کے ہیں سانس چلتی ہے بندھی پانی میں ہے موجوں کی روانی دیکھتے جاؤ

خضر یہ آبِ حیواں ہے کبھی کچھ پہلے کی ہے شاید ذرا کہنہ خمِ مے کی پرانی دیکھتے جاؤ

الگ سب سے پڑا رہتا ہوں میں اک قبرِ کہنہ میں گزرتی کس طرح ہے زندگانی دیکھتے جاؤ

ہماری زمزمی میں آبِ زمزم بھی ہے وہ شے بھی ہوئے ہیں جمع کیوں کر آگ پانی دیکھتے جاؤ

سحر ہوتی ہے ٹھہرو رات آخر وقت آخر ہے نہ جاؤ ختم ہوتی ہے کہانی دیکھتے جاؤ

الٹ دی ایک دنیا سر مہاراجہ[۱] کی رحلت نے کہے کون انقلابِ دارِ فانی دیکھتے جاؤ

پیام آیا تھا عشرت میں کہ پہنچیں وقت سے پہلے یہ کہنا کون پیتوں کی جوانی دیکھتے جاؤ

پکارے کہتی تھی عبرت ریاض آقا کی بالیں پر
ذرا افتادِ مرگِ ناگہانی دیکھتے جاؤ

انگاروں پر لٹائیں دل داغدار کو اتنا نہ سر چڑھائیں وہ پھولوں کے ہار کو

ہم رند کیوں نہ جانیں غنیمت ادھار کو اس مفلسی میں پیتے ہیں پلوا کے چار کو

جھنجھلا کے بولے آگ لگے ایسے پیار کو مل دل کے رکھ دیا مری پھولوں کے ہار کو

لائے ہیں اپنے ساتھ نسیمِ بہار کو گل کرنے آئے ہیں مری شمعِ مزار کو

۱۔ سر مہاراجہ بہادر محمود آبادی اعلیٰ اللہ مقامہ

واہو رہی ہیں پہلے ہی خود ہی درِ قفس — لے بڑھ کے کوئی قافلۂ نوبہار کو

وہ آئیں پہنچے خاکِ لحد آسمان پر — ٹھکرا کے چار چاند لگائیں غبار کو

میں لاکھ ضد کروں وہ اتروا دیں حلق سے — پلوا دے کوئی تھوڑی سی مجھ روزہ دار کو

وہ میکدے میں پنبۂ مینا بنی رہے — اللہ دن دکھائے یہ صبحِ بہار کو

سو آسمان گم ہوں یہ تو آسمان کیا — وہ دیکھ لیں اڑا کے ہمارے غبار کو

جس شغل میں گزرتی ہے شبِ مے پرست کی — نسبت نہیں ہے زاہدِ شب زندہ دار کو

قبلے سے آ رہی ہے گھٹا جھومتی ہوئی — شاید یہ لینے آتی ہے مجھ بادہ خوار کو

گھٹی میں میری شیرۂ انگور ہی پڑا — منظور تھا یہی مرے پروردگار کو

ملتا رہے تو بڑھ کے نہیں اس سے اور شے — ہم جانتے ہیں نقد سے اچھا اُدھار کو

پی کر نبیض پڑھتے ہیں ہم فجر کی نماز — چھوڑیں گے ہم نہ اس عرقِ خوشگوار کو

اے میفروش ایک کے دس جائیں جیب سے — جانے نہ دیں گے ہاتھ سے ہم اعتبار کو

ہے خوف بازپرس سے ہر روز صبحِ حشر — رکھوں میں کس حساب میں روزِ شمار کو

اے خضر خُم نے پاؤں نکالے ہیں پیٹ سے — روندے گا اب یہ جا کے کسی سبزہ زار کو

دیوان مرا ہو طبع تو دنیا پکار اُٹھے
گلچینیٔ ریاض مبارک بہار کو

آ گئے آیا چاند سی صورت لئے ہر آئینہ — چوٹ پڑتی چوٹ ٹوٹا آئینہ پر آئینہ

خوب ہی پہچانتا ہے ان کے تیور آئینہ — کچھ بھی گزری دل نہیں بنتا تڑپ کر آئینہ

ان کو تزئیں کی نہیں پروا غرورِ حسن سے — دیکھنا دو بھر ہوا ہے آنکھ اُٹھا کر آئینہ

شوخیاں دیکھے کوئی چھپنے چھپانے کے لئے — رکھ دیا نقشِ قدم نے ہر قدم پر آئینہ

آپ کو اس نے بنایا بن چلے کچھ آپ بھی — بندگی کرنے کو ہے اے بندہ پرور آئینہ

دیکھتا ہی آئینہ میں کوئی جوبن کی بہار — دیکھنا ہو جائے گا جامے سے باہر آئینہ

جام زیرِ جام ہے یا عکسِ ساغر یکشو — زیرِ آئینہ ہے ساغر زیرِ ساغر آئینہ

گھر میں جہاں چاند سی اک شکل ہی جب دیکھئے — ٹوٹتا ہی کیا مرے اندر ہی اندر آئینہ

ساتھ میرے عکس تیرا دوڑ کر منہ چوم لے — اس ادا سے دیکھ تو اے ماہ پیکر آئینہ

پیاری پیاری شکل تیری جلوہ گر دونوں میں ہے — آئینے سے بڑھ کے دل ہر دل سے بڑھ کر آئینہ

ننھی منی آرسی سے تم نے دی اچھی مثال — دل میں وہ وسعت ہے قد کی برابر آئینہ

زلف برہم میں ہمارا دل ہے شانے کے عوض — کانٹا ہے کوچۂ گیسو میں چکر آئینہ

یاد آئی بزم میں تقدیر جگی دن پھرے — جام اُٹھا کر جم چلا لے کر سکندر آئینہ

اُبھرے اُبھرے تخت جوبن عکس انگن میں ریاضؔ

کیوں وہ بیٹھے ہو رکرنے لے کے پتھر آئینہ

ہو نہیں سکتا ہماری دل سے بہتر آئینہ — گھٹ کر اُن کی آرسی بنتا ہی بڑھ کر آئینہ

جس طرف گزری اُدھر آنکھیں بچھیں پر راہ میں — ہے جہاں نقشِ قدم ہے آبینے پر آئینہ

چوٹ سی لگتی ہے دل پر شکل اپنی دیکھ کر — ہاتھ میں آتے ہی ہو جاتا ہے پتھر آئینہ

تاب کیا اس کی مقابل ہو رخِ پُر نور کے — سامنے آئے تو بد گوہر بد اختر آئینہ

اِن بتوں کی دید کا لپکا بہت اچھا نہیں — ٹھوکریں کھائے گا در در ہو کے دُگر آئینہ

یاد آجاتی ہے کوئی بات ان کو وصل کی — دیکھنا آفت ہوا ہے مسکرا کر آئینہ

چوٹ ہے در پردہ دل پر یہ کسی کم بخت کے — آج کل پیش نظر رہتا ہے اکثر آئینہ

وہ سمائے آپ ہیں اس طرح اپنی آنکھ میں — دیکھنا مشکل انہیں ہے آنکھ بھر کر آئینہ

دیکھتے ہیں آرسی وہ بل جبیں پر ڈال کر — دیکھتے ہیں باندھ کر وہ تیغ و خنجر آئینہ

رکھ دیا ہے راہ میں کس نے دمِ رفتارِ ناز — کیا عجب ہے دل کے بدلے کھائے ٹھوکر آئینہ

حسنِ صورت سے سوا حسنِ ادا وقتِ بیاں — بہرِ واعظ چاہیے ہی پیشِ منبر آئینہ

اپنی صورت کے وہ بن بیٹھے ہیں عاشق آپ ہی — اب تو آگے سے نہیں ہٹتا ہی دم بھر آئینہ

کیوں بلائیں لے کے منہ چوما دمِ تزئیں ریاض
اُٹھ گئے وہ پھینک کر شانہ پٹک کر آئینہ

کام کی آہ وہی ہے جو ہو تاثیر کے ساتھ — شرط ہے خوبیِ تقدیر بھی تدبیر کے ساتھ

کاوش اُس کو بھی ہی ظالم ترے نخچیر کے ساتھ — تیر کی طرح پہنچتی ہے قضا تیر کے ساتھ

دیکھے بل اُن کے جبیں پر تو کہا مژگاں نے — چلتے ناوک بھی رہیں خنجر و شمشیر کے ساتھ

چرخ کی راہ ترے بام سے ہی او ظالم — کیا مرا دل بھی گیا نالۂ شبگیر کے ساتھ

لاکھ ہشیار سہی سن کا تقاضا یہ ہے — فلکِ پیر رہے اس بتِ بے پیر کے ساتھ

نگراں کوئی نہیں غیر کا کھٹکا ہے نہ ڈر ہے — میری تصویر ہے آپ کی تصویر کے ساتھ

نزالِ دنیا نہ چلی راہ کبھی اس کے خلاف — سچ یہ ہے خوب نباہی فلکِ پیر کے ساتھ

رکھ دیں پروانے نے جو منہ شمع کے منہ پر تو کہا — بات بوسوں کی گئی وہ لبِ گلگیر کے ساتھ

بامِ ظالم سے کوئی عرش سے ٹکرائے کوئی — نالے قیدی کے رہیں نالۂ زنجیر کے ساتھ

وصل کی رات ہی ضد وصل میں ہر بات میں ہے — بن کے تدبیر بگڑتی رہی تقدیر کے ساتھ

سوئے ہیں تاروں بھری رات میں کھولے ہوئے زلف — چمک افشاں کی بھی ہے تاروں کی تنویر کے ساتھ

دور منزل ہے سرِ شام آگے نہ پیچھے کوئی — ہائے سایہ بھی نہیں راہ میں رہگیر کے ساتھ

یونہی اے کاش بڑھے بزمِ سخن کی رونق — خوش نوا نغمہ سرا ہوں جو مضامیر کے ساتھ

اب کہاں شستہ زبانی میر کی افسوس ریاض
میر کا رنگِ تغزل بھی گیا میر کے ساتھ

میں نے لیا جو حشر میں دامن بڑھا کے ہاتھ — بولے وہ آبرو ہے مری اب خدا کے ہاتھ

سانچے ہیں نور کے جو ڈھلی ہیں وہ بوتلیں — کعبے کو بھیجتا ہوں کسی پارسا کے ہاتھ

یہ چور وہ نہیں جو سزا پائے چور کی — کاٹے نہ جائیں گے کبھی دزدِ حنا کے ہاتھ

اللہ ری شوخیاں کہ جب آتا ہے ان کو جھم — ہم کو پیام بھیجتے ہیں وہ قضا کے ہاتھ

کانٹے بھی آج راہ کے چنتا پڑے اسے — یہ وہ مقام تھا کہ تھکے ہما کے ہاتھ

بڑھنے لگے تھے دستِ ادب بن کے دستِ شوق — ظالم نے آج تھام لئے مسکرا کے ہاتھ

رہتا ہے دور دور بہت ہم سے آسماں — بچپن میں تارے توڑے تھے ہم نے بڑھا کے ہاتھ

کھنچ جائے شکل آنکھ میں کھچ جائے دل میں نقش — قربان تیری کوس مجھے یوں اٹھا کے ہاتھ

اترائے پھر رہے ہیں وہ محشر میں ناز سے — آغوش میں نہ کھینچ لے کوئی بڑھا کے ہاتھ

آفت ہیں کم سنی کی ادائیں شبِ وصال | کیسے وہ خوش ہیں ہاتھ سے میرے چھڑا کے ہاتھ

قسمت میں وقتِ مرگ بھی گردش تھی اے ریاضؔ
گرداب نے لیا جو تھکے ہم لگا کے ہاتھ

اے عندلیب ٹوٹ نہ جاتے صبا کے ہاتھ | دو پھول ڈال دیتی قفس میں اُٹھا کے ہاتھ
قربان لاکھ بار مئے نوکشید کے | ساقی نے ہاتھ کھینچ لیا پھر بڑھا کے ہاتھ
دل لے کے وہ خدا کی خدائی تو دیکھ لے | یہ آئینہ ہے اور ہیں اُس خود نما کے ہاتھ
ہنستے ہیں زخم موجِ تبسم ہے تیغِ ناز | قربان تیری تو نہ لگا مسکرا کے ہاتھ
دل میں گرہ بتوں کی طرف سے بری پڑی | پایا نہ فیض برہمنوں کو دکھا کے ہاتھ
یونہی خدا کرے وہ مجھے کوستے رہیں | تصویر بن گئے ہیں دعا کو اٹھا کے ہاتھ
ہاروں کے پھول چھوتے ہی کمھلا کے رہ گئے | کھوئے گئے بدن میں ترے ہم لگا کے ہاتھ
آیا تھا روزِ حشر مرے ہونٹھ پر گلا | گردن میں اس نے ڈال دئے مسکرا کے ہاتھ
درباں نہ تھا وہ غیر تھا آئی جسے ہنسی | اُن کی گلی میں کھوئے گئے ہم ملا کے ہاتھ
یوں چھلکے بزمِ وعظ میں جامِ مئے طہور | حسرت سے رہ گئی کئی میکش بڑھا کے ہاتھ

کہتے تھے کیوں ریاضؔ دغاباز دل سے آج
چل تجکو بیچ آئیں کسی بے وفا کے ہاتھ

سلامت میکدہ یارب سلامت پیرِ میخانہ | حرم میں ہوں مری آنکھوں میں ہے تصویرِ میخانہ
تجھے جانا بھی ہے جنت میں اے واعظ جواں ہو کر | جو آیا ہے تو دیکھے جا ذرا تاثیرِ میخانہ
خمِ مے پر برس پڑنا ترا ابرِ سیہ بن کر | رہے گی یاد اے واعظ تری تقریرِ میخانہ
حرم میں دیر میں بے شمع ساقی روشنی رہتی | چمک جاتے جو پڑ جاتی ذرا تنویرِ میخانہ

رہِ دیر و حرم جو کوئی بھولا وہ یہاں پہنچا — نہ بھولا راستہ کوئی کبھی رہگیرِ میخانہ

یہ موجِ مے ابھی تو جسم میں پیوست ہو جائے — دکھا دوں محتسب کو تو دمِ نشترِ میخانہ

فرشتے اس کی چشمِ فیض سے انسان بنتے ہیں — پلاتا دور ہی سے ہے کچھ ایسی پیرِ میخانہ

یہ وسعت ہو کہ دورِ آسماں اک دورِ ساغر ہے — بڑھی ہے عرش تک بھی رفعتِ تعمیرِ میخانہ

نہیں ساغر سرِ خم طور پر ہیں برق کے جلوے — بہت چمکی ہوئی ہے آج کل تقدیرِ میخانہ

کہیں ہم کیا ہمارا میکدہ وابستہ ہو کس سے — ملی ہے عرش کی زنجیر سے زنجیرِ میخانہ

ریاضؔ اس میکدہ میں بھی شرف کچھ ہے سیادت کو
نہیں ہم پیرِ میخانہ مگر ہیں میرِ میخانہ

بنی آتے ہی اس کے موجِ بادہ تیرِ میخانہ — کہو شیخِ حرم کو میکشو نخچیرِ میخانہ

چڑھائی کر کے توبہ حملہ ور بچ نہیں سکتی — اٹھی وہ موجِ بادہ وہ کھنچی شمشیرِ میخانہ

بڑے اس کے مدارج ہیں یہ میخانہ ہے الفت کا — کوئی پہنچے ہوؤں سے پوچھ لے توقیرِ میخانہ

کلیسا سے حرم سے دیر سے یکساں تعلق ہے — بہت ہی با اثر ہے پیرِ خوش تدبیرِ میخانہ

وہ آبِ زمزم جس کو بادۂ تسنیم کہتے ہیں — وہ مے ہے جس کو ہم کہتے ہیں شہدِ شیرِ میخانہ

نظر آئے حرم میں جام و ساغر سب اسی خط کے — خطِ ساغر سے کھینچی ہر جگہ تحریرِ میخانہ

لگا لاتے ہیں پیشانی میں سجدے کے بہانے — یہی خالِ درِ میخانہ ہے اکسیرِ میخانہ

جہنم جنتِ واعظ کو سب میکش سمجھتے ہیں — کہوں جنت کو میخانہ یہ ہے تکفیرِ میخانہ

خزاں میں بھی بہارِ جام و ساغر جا نہیں سکتی — کہ دورِ جام ہے اک حلقۂ زنجیرِ میخانہ

پیے جو چاہے کوئی ہو وہ زاہد ہو کہ میکش ہو — رواں آنکھوں سے ہے جوئے شہد و شیرِ میخانہ

ریاضؔ آئی جو شامت تو یہیں میں نے زباں کھولی — رہے گی یاد مجھکو لغزشِ تقریرِ میخانہ

ٹکڑے مری زباں کے چلے ہیں فغاں کے ساتھ — کتنی فغاں کو لاگ ہے اس آسماں کے ساتھ

آندھی میں بال و پر سے دبائے تھے ہم اسے — جب آشیاں اڑا تو اڑے آشیاں کے ساتھ

تا بام پیش آئے جو افتاد یا نصیب — ہم ناتواں بھی جائیں گے اپنی فغاں کے ساتھ

رکھ دوں حرم میں دَیر سے لا کر اگر اسے — ناقوس بھی خدا کو پکارے اذاں کے ساتھ

تاثیر بھی مٹی ہے مری داستان پر — رہتی ہے ہر جگہ وہ مری داستاں کے ساتھ

ٹھکرائے آتے جاتے اسے کوئی لاکھ بار — سر کو مرے ہے ربط ترے آستاں کے ساتھ

آئے نہ آئے رحم ترس آئے یا نہ آئے — فریاد بے جرس ہوں لٹے کارواں کے ساتھ

میں تیرے صدقے آرزوِ مرگِ ناگہاں — عمرِ ابد ملی ہے غمِ جاوداں کے ساتھ

کیسا ہی ابر و باد ہو، آ بیٹھنا ہمیں — اے میفروش انس ہے تیری دکاں کے ساتھ

آئی تھی فصلِ گل ابھی صیاد کو لئے — لے عندلیب موت اب آئی خزاں کے ساتھ

حصے میں آگئی ہے جناب ریاض کے
پاکیزگی زباں کی ادائے بیاں کے ساتھ

گھونگھٹ میں غنچے کے نہ رہی یہ حیا کے ساتھ — چل نکلی ابتو نکہتِ گل بھی ہوا کے ساتھ

کیسی برس رہی ہے خوشی آسماں سے — اٹکھیلیاں ہوا کی ہیں کیا کیا گھٹا کے ساتھ

بادل کی ہے گرج کہ صراحی کے قہقہے — بوتل میں موجِ مے ہے کہ بجلی گھٹا کے ساتھ

ہیں اور ہی ہوائیں بھری تنکے باغ کے — دعوے برابری کا ہے بالِ ہما کے ساتھ

بے منہ کے غنچے کیسے چٹکتے ہیں دیکھنا — لائے ہیں رنگ بلبلِ نغمہ سرا کے ساتھ

شبنم کو یہ پڑی ہے نہ سبزہ ہے اداس — پائے نمو خندۂ دنداں نما کے ساتھ

آفت ہیں اے ریاض عنادل کی شوخیاں — چہلیں گلوں کے ساتھ ہیں چھیڑیں ہوا کے ساتھ

اس حسن کا شیدا ہوں اس حسن کا دیوانہ — ہر گل ہے جہاں بلبل، ہر شمع ہے پروانہ

پتھر ہیں دونوں پر کعبہ ہو کہ بت خانہ — دونوں سے کہیں اچھا، دیوانے کا پروانہ

کہتا ہے انا لیلیٰ، کیسا ہے یہ دیوانہ — سمجھنے کا نہیں وہ دن، اب قیس ہے یارانہ

کعبہ ہو کلیسا ہو، دل ہو کہ صنم خانہ — جلوہ ہو جہاں تیرا، آباد وہ کاشانہ

چھوٹا سا مرا دل ہے ٹوٹا سا مرا دل ہے — صورت میں تو پیمانہ، وسعت میں ہے میخانہ

دل سے ہی لگی یہ لو، اک ذرہ برابر ضو — پڑ جائے زرا پر تو، اے جلوۂ جانانہ

بیگانہ یگانہ ہے، دل آئینہ خانہ ہے — کعبے کا یہ کعبہ ہے، بت خانے کا بتخانہ

ہے جوش جنوں پر وہ، لے عشق خرد آگہ — فرزانہ ہے دیوانہ، دیوانہ ہے فرزانہ

فرہاد بھی مجنوں بھی، لیتے ہیں قدم میرے — ایسا بھی نہ ہو کوئی، اس عشق میں دیوانہ

یاد آئی بہت ہم کو، ٹوٹی ہوئی تو بہ بھی — دیکھا جو کہیں ہم نے ٹوٹا ہوا پیمانہ

شیشے کی پری تجھ میں کیا حسن کا عالم ہے — ساقی نہ ہو پھر بھی تو یہ گھر ہے پریخانہ

دے کوئی سخی داتا، میخانہ بڑا گھر ہے — آتا ہے صدا دیتا، شب کو کوئی مستانہ

بہکے ہوئے لوگوں میں سب سے ہیں ریاض اچھے
رفتار ہے مستانہ، گفتار ہے رندانہ

مجکو لینا ہے ترے رنگ حنا کا بوسہ — دست رنگیں کا ملے یا کف پا کا بوسہ

رنگ اڑ جائے جو منقار عنادل چھو لے — ہے گراں گل کو لب موج صبا کا بوسہ

چومتا ہاتھ میں ساقی کے ادب مانع تھا — لے لیا جام مے ہوش ربا کا بوسہ

بجلی ہر لہر سی پیدا ہو ترے کوچے میں — لے مرا ہر نفس گرم ہوا کا بوسہ

ہیں وہ ساغر نہیں آتی کبھی لب تک جو ریاض — کس کو ملتا ہے ترے رنگ حنا کا بوسہ

درد ہو تو دوا کرے کوئی | موت ہی ہو تو کیا کرے کوئی

نہ ستائے کوئی اُنہیں شبِ وصل | اُن کی باتیں سُنا کرے کوئی

بند ہوتا ہے اب درِ توبہ | درِ مے خانہ وا کرے کوئی

قبر میں آکے نیند آئی ہے | نہ اُٹھائے خدا کرے کوئی

تھیں یہ دنیا کی باتیں دنیا تک | حشر میں کیا گلا کرے کوئی

نہ اٹھی جب جھکی جبینِ نیاز | کس طرح التجا کرے کوئی

بوسہ لیں غیر دیں سزا ہم کو | ہم ہیں مجرم خطا کرے کوئی

بگڑے گیسو تو بولے جھنجلا کر | نہ بلائیں لیا کرے کوئی

نزع میں کیا ستم کا موقع ہے | وقت ہے اب دعا کرے کوئی

حشر کے دن کی رات ہو کہ نہ ہو | اپنا وعدہ وفا کرے کوئی

نہ ستائے کوئی کسی کو ریاضؔ
نہ ستم کا گلا کرے کوئی

بوسے لے کر دُعا کرے کوئی | اس ادا سے گلا کرے کوئی

خم نہیں چاہیے کہ جی بھر جائے | جرعہ جرعہ دیا کرے کوئی

ہنس کے پوچھا کہ کیا مصیبت ہے | سُن کے بولے کہ کیا کرے کوئی

صورت ایسی کہ دیکھتا ہی رہے | باتیں ایسی سُنا کرے کوئی

سختی نزع جب تجھے جانوں — اپنے منہ سے دعا کرے کوئی

یہ بھی ہیں خوبیاں مقدر کی — جان ہم دیں مزا کرے کوئی

نگہِ یاس کچھ نہیں نہ سہی — دیکھ لے ہاں خدا کرے کوئی

ہم کو اس میں شریک ہو جانا — روئے کوئی گلا کرے کوئی

لوگ کیوں توبہ توبہ کرتے ہیں — سب ہیں شامل خطا کرے کوئی

مان لینے کی خو نہیں نہ سہی — جو کہوں سن لیا کرے کوئی

وقت وہ ہے کہ غیر کہتا ہے — ان کے حق میں دعا کرے کوئی

تم ریاضؔ ایسے وہ کہاں کے آئے

کیوں تمہارا کہا کرے کوئی

جی اُٹھے حشر میں پھر جی سے گزرنے والے — ہائے پیدا ہوئے لو آج بھی مرنے والے

چوس کر کس نے چھڑائی ہے مسی ہونٹھوں کی — سامنے منہ تو کریں بات نہ کرنے والے

شب ماتم کی اداسی ہے سہانی کتنی — چھاؤں میں تاروں کی نکلے ہیں سنورنے والے

ہم تو سمجھے تھے کہ دشمن پر اُٹھایا خنجر — تم نے جانا کہ ہمیں ایک ہیں مرنے والے

پی کے آئی ہے کہیں ہاتھ نہ بہکے واعظ — ڈاڑھی کتریں نہ کہیں جیب کترنے والے

سن ہی کیا ہے ابھی تجھ پہ جوانی ہے ترنگ — سو رہیں پاس ترے خواب سے ڈرنے والے

ہاتھ گستاخ ہیں اُٹھ جائیں نہ بیدار ان پر — بچ کے نکلیں مری مرقد سے گزرنے والے

نزع میں حشر کے وعدے نے یہ تسکین بخشی — سو رہے چین سے منہ ڈھانک کے مرنے والے

اپنے دامن کو سنبھالے ہوئے پھولوں پہ سے — وہ چلے آتے ہیں الجھے کے گزرنے والے

صبر کی میرے مجھے داد ذرا سے دینا — او مرے حشر کے دن فیصلہ کرنے والے

آتی ہے حورِ جناں خلوتِ واعظ کے لئے — قبر میں اتریں گے منبر سے اترنے والے

تیرے عاشق جو گئے حشر میں یہ شور اٹھا — جائیں دوزخ میں دم مر کے بھرنے والے

زیر پا دل ہی بچھے ہوں کہ ہیں نخوہ گر اس کے — فرشِ گل پر بھی نہیں پاؤں وہ دھرنے والے

اشکِ غم ایسے نہیں جمع ہیں امنڈ کر رہ جائیں — ہیں یہ طوفان مرے سر سے گزرنے والے

کیا مزا دیتی ہے بجلی کی چمک مجھکو ریاضؔ
مجھ سے لپٹے ہیں مرے نام سے ڈرنے والے

ہم سے کہتے ہیں کہ ہیں اور بھی مرنے والے — پاؤں پھیلائیں گے تربت میں اترنے والے

آج محفل سے انہیں شرم نے اٹھنے نہ دیا — اپنے جوبن کی طرح تھے جو ابھرنے والے

وصل کی رات مرے منھ میں ذرا رہنے دیں — وہ زباں جس سے مکرتی ہیں مکرنے والے

چشمِ پرنم سے وہ تھی چھیڑ کسی کے غم کی — اب وہ طوفان کہاں سر سے گزرنے والے

کتنی حسرت سے ہوئے ہیں وہی گرداب نشیں — پہلے کھیوے ہیں جو تھے پار اترنے والے

درد بھی ان کی طرح آج چمک کر اٹھا — آفریں او مرے پہلو میں ابھرنے والے

میری صحرا کی کڑی دھوپ بھی دیکھیں آکر — شجرِ طور کے سایہ میں ٹھہرنے والے

کیا کریں کو ہیں کسی حشر میں کس پر جھنجلائیں — جس طرف آنکھ اٹھی جمع ہیں مرنے والے

دور پہنچے ہیں وہ جنت کی ہوائیں بھر کر — آج واعظ نہیں منبر سے اترنے والے

ان بتوں کو بھی ستاتی نہیں موقع پاکر — اچھے اللہ سے جو لوگ ہیں ڈرنے والے

اڑ کے صیاد تک آنا وہ قفس سے میرا — اس کا کہنا کہ ترے پر ہیں کترنے والے

حیلہ جو آفتِ شب وعدہ وہ ادائیں تیری — اف وہ بگڑے ہوئے گیسو نہ سنورنے والے

یہ ابھرنے کا نہیں دیکھ کر ابھرے جوبن — دل بڑھائیں تو مرا داغ ابھرنے والے

منتظر جاں بہ ہی آنکھوں میں آ کر کچھ دیر — آپ آتے ہی رہے مر گئے مرنے والے

آتش دل کو جو ہر وقت ہوا دیتے تھے — اب کہاں وہ نفس سرد کے بھرنے والے

اُمڈی ہے اودی گھٹا لال پری بھی آئے — تخت پریوں کے ہیں سبزی میں اترنے والے

رکھیں خم آتش سیال کے مسجد میں ریاض

ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے ٹھٹھرنے والے

حنا کے رنگ کا بار اس قدر ہے — کسی کے ہاتھ بس جانے کا ڈر ہے

نہ منزل ہے نہ جادہ ہے نہ ڈر ہے — خدا کا گھر ہے میخانے کا ڈر ہے

کب آئے گا کسی کی وصل کا دن — قیامت اس سے شاید پیشتر ہے

بنے ہیں شرم کے پتلے شب وصل — حیا آنکھوں میں ہے نیچی نظر ہے

الٰہی دیکھنے کو روز مل جائیں — وہ آنکھیں جن میں کچھ خواب سحر ہے

یہاں بھی ہے وہی اترا کے چلنا — قیامت ہے کہ ان کی رہ گزر ہے

ہدف اس کو بنائیں شوق سے وہ — یہ دل اک طائر بے بال و پر ہے

نفس کی آمد و شد سینے میں کیا — وہ آئیں جائیں اُن کی رہ گزر ہے

مری طفلی و پیری ایک سی ہیں — یہ خواب شام وہ خواب سحر ہے

در توبہ نہیں جو بند بھی ہو — کھلا ہر وقت مے خانے کا در ہے

یہ کہتی ہے ادا قوس قزح کی — فلک نے ظلم پر باندھی کمر ہے

سپیدی کہہ رہی ہے موئے سر کی — شب آخر ہے اٹھو وقت سحر ہے

نزاکت جان لے گی ناتواں کی — کمر کا بل نہیں تیغ کمر ہے

بُرے اعمال ہیں آنکھوں کے آگے — ریاض انجام پر اپنی نظر ہے

موت کے آنسو کچھ اپنے دیدۂ پُرنم میں تھے
نزع میں جب آئے تم ہم اور ہی عالم میں تھے

گورے گورے ہاتھ مہندی سے کئے ہیں لال لال
اور کہتے ہیں کسی کم بخت کے ماتم میں تھے

گیسوؤں میں دل کا پھنسنا جان کو آفت ہوا
ابروؤں کے بل بھی اُن کے گیسوئے پُرخم میں تھے

غیر سینے سے لگا لیتا تھا ہو کے بیقرار
اے میں صدقے کس ادا سے تم مرے ماتم میں تھے

بعد توبہ منہ دکھائیں کیا اب اس قابل نہیں
معتکف ہیں مسجدوں میں وہ جو کل تک خم میں تھے

اُن کے بھولے پن کا اُس دم کوئی عالم دیکھتا
جب وہ گھبرائے ہوئے ہنگامۂ ماتم میں تھے

آگئی ہے دھوپ منہ پر اور وہ اُٹھتے نہیں
ضد سے میری رات جو لیٹے ہوئے شبنم میں تھے

وقتِ رخصت جھلملے تھے سب چراغِ آرزو
صبحِ پیری کیا کہیں کس صحبتِ برہم میں تھے

شوق کی بیتابیاں کاہے کو دیکھی تھیں کبھی
وصل کی شب کیا کہوں وہ کس نئے عالم میں تھے

چوڑیاں ٹوٹی ہوئی مسکی قبا صورت نڈھال
غیر کے گھر کیا مجھی کم بخت کے ماتم میں تھے

انفعالِ مے کشی کعبے میں اتنا تھا ریاضؔ
شرم سے ہم ڈوبنے کو چشمۂ زمزم میں تھے

پیمانے میں وہ زہر نہیں گھول رہے تھے
میرے لئے میخانے کا در کھول رہے تھے

میں دیر میں چپ دور سے منہ دیکھ رہا تھا
کس طرح بڑے بول یہ بت بول رہے تھے

کرتے تھے وہ بیٹھے ہوئے ناخن سے جدا گوشت
کہنے کو مرے دل کی گرہ کھول رہے تھے

صیاد نے کب ناوکِ بیداد لگایا
ہم اُڑنے کو جب شاخ سے پر تول رہے تھے

اے آنکھ دُرِ اشک وہی نزع میں کام آئے
بن کر ترے دامن میں جو انمول رہے تھے

ہم بیٹھے تھے کس طرح تہِ شاخ فسردہ
گل ہنستے تھے مرغانِ چمن بول رہے تھے

شوخی سے قیامت کو وہ پاسنگ بنا کر
ہم کتنے ہیں ہاتھوں میں ہمیں تول رہے تھے

تھے صبح کو وہ ساغرِ جم دستِ گدا میں — آلودہ مے شب کو جو کشکول رہے تھے

کچھ چُپ سے ہیں اب حشر میں آنے سے کسی کے

بڑھ بڑھ کے ریاضؔ آج بہت بول رہے تھے

وہ گُل ہیں نہ ان کی وہ ہنسی ہے — دیکھو جدھر اوس سی پڑی ہے

کیوں سوگ کی رسم جیتے جی ہے — مرنے کی ہمارے کیا کہی ہے

آڑی ہیکل کو چوم لے گی — وچیز جو کچھ اُلٹی اُلٹی ہے

دعوت تھی رقیب کی مرے گھر — جوتی میں دال کیا بٹی ہے

آیا دبے پاؤں قبر پہ کون — کوئی نہیں میری بیکسی ہے

ایک وضع پر اب خدا نباہے — توبہ کرکے شراب پی ہے

واعظ ہے خراب خواہش خُلد — بالکل یہ شخص جنتی ہے

کچھ پھوٹ پڑی ہے گنہگروں میں — چھاگل کچھ اُن کی کہہ رہی ہے

مجبور فرشتہ ہے بدی کا — پہلے ہی سے کچھ کہی بدی ہے

پیوستہ نہیں مرا لبِ شوق — تیرے لب پر تری ہنسی ہے

اب کون کلیم بن کے آیا — پھر طور پہ آگ سی لگی ہے

جب آنکھ میں آنکھ کون ڈالے — کوئی نہیں تیری آرسی ہے

کیسا پینا کہاں کی توبہ — اب میں ہوں خدا ہے بیخودی ہے

خوش ہو گئے ریاضؔ سے بھی ملنا

کیا باغ و بہار آدمی ہے

قفس سے چھوٹ کر ہم نے اُڑائی کچھ جو بے پر کی — وہ بولا تیلیاں کہ چبنے لگیں صیاد کو گھر کی

نگاہِ شوق لڑتی ہے نگاہِ نازِ جاناں سے   الٰہی خیر دونوں کی ہو چوٹیں ہیں برابر کی

ہمیں فتنہ سمجھ کر اپنی محفل سے اٹھاتے ہیں   جو ہم اٹھے تو لائیں گے خبر ہم روزِ محشر کی

خدا وہ دن تو لائے دیکھ لیں گے ہو نڈر کتنے   ہنسی ہے کھیل ہے ہر بات ابھی تو روزِ محشر کی

کہیں گے تو ڈرو گے نیند اڑ جائے گی آنکھوں سے   نہ پوچھو کچھ شبِ ہجراں کی ہم نے صبح کیونکر کی

یہی اک بچ رہی تھی خیر وقتِ ذبح کام آئی   مری تقدیر نے چھوڑی نہ گردش ان کے خنجر کی

چھپا کر دل کو تم نے رکھ لیا نازک ہے محرم میں   بہت نازک ہے شیشہ جس نے کھائی چوٹ ٹھوکر کی

جو تم ہو تو مرا بارِ معاصی رہ نہیں سکتا   فرشتو فکر ہے مجھکو خم و مینا و ساغر کی

بھری میخانے میں پیرِ مغاں کا آج یہ کہنا

ریاضؔ آؤ ذرا تم کو چکھا دیں اپنے ساغر کی

میخانے پہ نگاہ جو پیرِ مغاں کی ہے   چلا رہے ہیں خم بڑی اونچی دکاں کی ہے

اب کی بہار آئے تو اس میں بھی پھول آئیں   شاخِ قفس تو شاخ مری آشیاں کی ہے

ہم بیکسوں کی لاش کو ملتی نہیں جگہ   حسرت پکارتی ہے کہ مٹی کہاں کی ہے

کس کر گرہ لگاؤ نہ بندِ نقاب کی   الجھی ہوئی نگاہ کسی نیم جاں کی ہے

بچپن سے ہی تو کون بچے گا شباب تک   صدقے تری ابھی سے امنگ امتحاں کی ہے

ہم کو ریاضؔ جانتے ہیں مانتے ہیں سب

ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

توبہ لب پہ وعظ سے بے اختیار آنے کو تھی   وہ تو کہئے بچ گئے فصلِ بہار آنے کو تھی

کوئی تربت پر کھڑا یہ نہ پر مزار آنے کو تھی   مجھ میں یارب آج میری جان پھر آنے کو تھی

صبر آتا نیند آتی کوئی دنیا میں نہ تھا   موت ہی کمبخت وقتِ انتظار آنے کو تھی

آشیاں میں چھاؤنی چھانا تھا کیا مدِ نظر
کچھ شرارے لے کے برق کو بہار آنے کو تھی

موجِ مے سے پہلے آج ابرِ بہار اُٹھنے کو تھا
ہم سے پہلے باغ میں بادِ بہار آنے کو تھی

ایک واعظ ہے کہ جس کی دعوتوں کی دھوم ہے
ایک ہم ہیں جس کے گھر کل مَے ادھار آنے کو تھی

آ گئی تھی تو مرے سینے سے لگا دیتی تجھے
کیا جوانی تیرے جوبن کے اُبھار آنے کو تھی

دام میں پھنس کر اسیری کا نہیں اتنا خیال
حسرت اتنی ہے کہ اب فصلِ بہار آنے کو تھی

حشر میں شرما کے اُس نے ہاتھ منہ پر رکھ دیا
بات دل کی ہونٹھ پر بے اختیار آنے کو تھی

آپ کیوں تیوری چڑھائے آئے میری قبر پر
پھول دامن میں لئے بادِ بہار آنے کو تھی

یہ بھی شوخی ہے کوئی شرما گیا وہ شوخ کب
جب مروّت آنکھ میں بے اختیار آنے کو تھی

موت کی تلخی مٹی تو حشر نے مہلت نہ دی
میٹھی میٹھی نیند اب زیرِ مزار آنے کو تھی

صدقے اے صیاد کیا تو نے بچایا بال بال
کچھ لگانے آگ گلشن میں بہار آنے کو تھی

اے ریاضِ دل شگفتہ کیا ہوا باغِ شباب
جس میں اب پہلے پہل فصلِ بہار آنے کو تھی

احباب کے ہاتھوں سے لحد میں اُتر آئے
ہم چین سے پھیلائے ہوئے پاؤں گھر آئے

بجلی سے چمکتے اِدھر آئے اُدھر آئے
محشر میں بھی دیکھا تو تم ہی تم نظر آئے

وہ بام سے آئے نہ فلک سے اُتر آئے
دم بھی دمِ فریاد اگر ہونٹھ پر آئے

اتنی تو پتے کی ہے کہ بہکے ہوئے ہم تھے
مجرم ہیں جو واعظ کی کہیں سے خبر آئے

آئے جو شبِ وصل تو مانگوں یہ دعائیں
ہو شام مرے گھر انہیں ایسی سحر آئے

میخانے میں دستار و سبو ساتھ نہ اُچھلیں
واعظ ترے سر کی نہ کہیں میرے سر آئے

بل اس کی دکھائیں گے تجھے اے خمِ گیسو
کھل کر کبھی گیسو جو ذرا تا کمر آئے

دن گنتے ہیں آئے تو کہیں ان کی جوانی | شاید کسی کم بخت کی امید بر آئے

یہ عرش سے آجائے تو وہ بام سے اتریں | اے آہ کوئی آئے نہ آئے اثر آئے

اس بنت عنب سے بھی لگا تھی نہ ریاض آنکھ
دیکھے جو تہی جام ابھی آنکھ بھر آئے

دیکھے جو مری آنکھ کوئی آنکھ بھر آئے | اس طرح مری آنکھ میں لخت جگر آئے

تارے لئے شمعیں مرے گھر میں اتر آئے | جب میرے سیہ خانے میں تارے نظر آئے

ماتم میں مرے آئے تھے کھولے ہوئے گیسو | کچھ سوچ کے پھر غیر کے گھر سے سنور آئے

دل میں لئے بیٹھے تھے گلا تنگی دل کا | آتے ہی ترے سب ترے پیکاں ابھر آئے

آیا نہ کوئی مرغ قفس اڑ کے چمن میں | آئے بھی تو اڑتے ہوئے کچھ ٹوٹے پر آئے

ساتھ اپنے لئے آئیں گے میخانے کی رونق | لطف آئے گا اے اہل حرم ہم اگر آئے

بجلی نے جلایا نہ ہو گلشن میں نشیمن | کیوں سوئے قفس آج لپکتے شرر آئے

ایسی گئی دنیا سے ملی پھر نہ جوانی
جنت میں ریاض آج جھکائے کمر آئے

ہو کر بیتاب جب نظر کی | رخ سے ترے خود نقاب سرکی

کچھ فکر ہو زخمہائے در کی | باہر نکلے نہ بات گھر کی

اے گور رہوں کشتۂ شب وصل | چادر چڑھی دامن سحر کی

دیکھا کوئی جام اور بہکے | لغزش ہے پاؤں میں نظر کی

مل جائے تو وصل کو بہت ہے | چھوٹی سی رات دوپہر کی

دن رات کی کوفت وصل میں ہے | چھاتی لوہے کی ہے گجر کی

کب تک مقابل آئینہ تھا — تم نے اپنی طرف نظر کی

جوبن کی بہار کے دن آئے — نازک ہیں خبر ہو کمر کی

توبہ کرنے سے شرم آئی — اعمال پہ جب اپنے نظر کی

ترچھی نظریں ہیں نیچی نیچی — تیغیں نازک سی ہیں کمر کی

جاگے ہوئے ہیں تمام شب کے — آنکھوں میں ہے نیند رات بھر کی

وہ بام بلند وہ نکہت گل — ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سحر کی

چیخے چلائے روئے پیٹے — سنتا ہے کون اب گجر کی

توبہ کرتا ہوں ہیں دم نزع — لٹتی ہے کمائی عمر بھر کی

وہ چاند سی شکل وہ لب بام — وہ زلف جو لے خبر کمر کی

جوبن یونہی گدگدا رہا تھا — اس پر انگڑائیاں سحر کی

شرمائے ریاض میکشی سے
لمبی ڈاڑھی ہے ہاتھ بھر کی

دل کسی طرح چین آجائے — غیر کی آئی مجکو آجائے

دوڑ کر گود میں اٹھا لاؤں — گھر میں چھم سے جو کوئی آجائے

مئے کوثر جناب شیخ پئیں — ایسی شئے اور ناروا جائے

جب بلایا تو ناز سے بولے — آپ کے گھر مری بلا جائے

آج یارب ہے اُن کی وصل کی رات — شام سے جن کو نیند آجائے

جان لو کچھ گزر گئی اس پر — منہ چھپائے جو کوستا جائے

پھر نشانِ لحد رہے نہ رہے — آ کے دشمن بھی خاک اڑا جائے

وہ گلے مل رہے ہیں خلوت میں — مجکو ڈر ہے حیا نہ آجائے

گالیاں کھائے تو مزے کے ساتھ — گورے گال ان کے چومتا جائے

کیوں کر آغوش میں اُن سے کھینچوں — لاکھ بل جو ہو اسے کھا جائے

دیدہ و دل ہیں کام کے دونوں — وقت پر جو مزا دکھا جائے

لاش اُٹھے گی جبھی کہ ناز کے ساتھ — پھیر کر منہ وہ مسکرا جائے

ہے رسا یا حسن اک جوانِ مست خرام

نہ پیئے اور جھومتا جائے

نشیمن ہی جو بجلیاں بن کے نکلے — وہ تنکے ہمارے نشیمن کے نکلے

گلی سے ہماری وہ یوں بن کے نکلے — ضرور آج ارمان دشمن کے نکلے

لئے پھرتے ہیں بوجھ سینے پر اپنے — بڑے قدرداں بھری جوبن کے نکلے

جو گلچیں نے دامن میں اپنے چنے تھے — وہ گل میرے شاخِ نشیمن کے نکلے

مہ و مہر تیرہ ہیں جس کی نظر میں — وہ عاشق ترے روئے روشن کے نکلے

وہ فتنے جو اک حشر اٹھائے ہیں پر — اٹھائی ہوئی چشمِ پرفن کے نکلے

رفو کا لیا کام دامن میں جن سے — وہ تارِ نگہ چشمِ سوزن کے نکلے

میں صدقے تری روئے روشن کے صدقے — نقاب ایسی ہو نور چھن چھن کے نکلے

مسی مل کے منہ آرہی ہیں وہ اس پر — زباں سے نہ کچھ آج سوسن کے نکلے

ملے جا کے ہم قیس سے کوہکن سے — یہ سب یار اپنے لڑکپن کے نکلے

جو تھے محترز اپنے خودداریوں سے — وہ خواہاں مئے مرد افگن کے نکلے

کبھی چاک ہو کر رفو یہ ہوا تھا — گریباں میں کچھ تار دامن کے نکلے

بتوں کو ہیں کچھ اور سمجھے ہوئی تھا — یہ انگارے سب وحشت امین کے نکلے

جبھی آنکھ تھی سب کی ان پر دم حشر — لئے جام مے داغ دامن کے نکلے

ریاض اب بھی ہیں کوہ اپنی جگہ پر
سبک ہو کے بھی یہ کئی من کے نکلے

لے اُڑے گیسو پریشانی مری — آئینہ لے بھاگے حیرانی مری

کہہ اُٹھا جوبن کہ بس بس ہو چکی — نیچی نظروں سے نگہبانی مری

بام پر کہہ آئے جا کر آہِ گرم — بڑھ کے بجلی سی ہے جولانی مری

گیسوؤں سے ان کے اچھی غم کی رات — میں فدا اس پر وہ دیوانی مری

پیارے پیارے منہ سے پھر کہہ دے ذرا — ہو مبارک تجکو مہمانی مری

ساتھ میرے دل بھی مٹی ہو چکا — تیری صدقے خاک کیوں چھانی مری

اتنی مدت میں بچھڑ کر دل ملا — دیر تک صورت نہ پہچانی مری

تھک گئے وہ رُک گیا خنجر ریاض
اب بڑی مشکل ہے آسانی مری

غریب ہم غریبوں کی بھی خوشی ہو جائے — نظر حضور ادھر بھی کبھی کبھی ہو جائے

غرور بھی جو کروں میں تو عاجزی ہو جائے — خودی میں لطف وہ آئے کہ بیخودی ہو جائے

غمِ فراق کی سختی وصال سے بدلے — جو موت آئے مجھے میری زندگی ہو جائے

مری شراب کی کیا قدر تجکو لے واعظ — جسے میں پی کے دعا دوں وہ جنتی ہو جائے

میں اس نگاہ کے صدقے یہ ہو اثر جس میں — کہ دل میں درد بھی اُٹھے تو گدگدی ہو جائے

ستم بھی ہو تو ستم میں وہ لطف پنہاں ہو — کہ نالہ آکے مرے ہونٹھ پر ہنسی ہو جائے

نہ پوچھو بادہ گساران بزم وارث کی — یہ دیکھ لیں تو سے واعظ تو وہ ولی ہو جائے

مٹا رہا ہوں شب و روز اس لئے خود کو — فنا کے راز سے مجکو بھی آگہی ہو جائے

تری نگاہِ کرم سے عجب نہیں وارث

ریاضؔ سا سگِ دنیا بھی آدمی ہو جائے

چھلکائیں بھر کے لاؤ گلابی شراب کی — تصویر کھینچیں آج تمہارے شباب کی

ریشِ سفید کو ہی ضرورت خضاب کی — اے شیخ ڈال دوں کوئی کلی شراب کی

خاکِ لحد غبار بنی دشتِ حشر کا — اچھی رہی سہی مری مٹی خراب کی

لاشہ مرا ہے یا مئے رنگیں کی موج ہے — تربت مری ہی یا کوئی بوتل شراب کی

رحمت سے تیری ابر کرم حرف بن گئے — داماں عصنو ہو گئیں فردیں حساب کی

چھانٹا وہ دل جس کی ازل میں نمود تھی — پسلی پھڑک اٹھی نظر انتخاب کی

قطرے سے کم ہی اور یہ چھایا ہے بحر پہ — جو موج ہے نگاہ ہی چشم حباب کی

نیزے سے کچھ بلند ہے آج آفتابِ حشر — اللہ ری تیرگی مرے فردِ حساب کی

محشر میں ان کو وعدہ فردا جو یاد آئے — تصویر بن گئے ہیں وہ شرم و حجاب کی

نازک کلائیوں میں حنا بستہ مٹھیاں — شاخوں میں جیسے منہ بندھی کلیاں گلاب کی

اللہ رے پاس میری گناہوں کا روزِ حشر — پلّے پران کے جھکتی ہی میزان حساب کی

ہم سے سیاہ کاروں کو اے حشر خوف کیا — امت میں ہیں جناب رسالت مآب کی

لکھ لکھ کے پہلے ہاتھ تھکے اب سزا یہ ہے — سب کے فرشتے دھوتی ہیں فردیں حساب کی

موجِ شرر نے خیرہ کیا ہے نگاہ کو — چھوٹی ہے داغِ دل سے کرن آفتاب کی

بنتِ عنب کو چھیڑتے ہیں حضرت ریاضؔ — کتنی ہے بامذاق طبیعت جناب کی

آتی تھی پہلے دل سے کبھی بو کباب کی
روشن ہے اب تو سینے میں بھٹی شراب کی

اتنا عتاب سرخ ہے رنگت نقاب کی
تارِ نقاب ہیں کہ نگاہیں عتاب کی

دیکھے کوئی جھلک نہ رخ لاجواب کی
ستر ہزار پردوں میں ٹھہری حجاب کی

کیوں حشر میں ہو فکر عذاب و ثواب کی
صحبت ہے یہ بھی ایک شراب و کباب کی

کہتے ہیں وعدہ رات کو ہوگا وفا ضرور
اللہ جلد شام ہو روزِ حساب کی

بجلی وہ چیز ہی نہیں جس سی حسین ڈریں
کچھ درد کی چمک ہے جھلک اضطراب کی

وہ شام و صبح صدقے جن پر بہارِ گل
چن چن کے ساتھ لائی ہیں راتیں شباب کی

جنت کی خواب دیکھ کے آتی ہیں ہم کو یاد
رندانہ صحبتیں وہ کباب و شراب کی

آئینہ دیکھتے ہیں مجھے دیکھ دیکھ کر
یہ داد مل رہی ہے مرے انتخاب کی

لے اپنے سر وبال نہ اوروں کا حشر میں
بارِ گنہ اٹھائے نہ میزاں حساب کی

اے طور سوز برق سمجھتے ہیں ہم تجھے
تجھ میں تو شوخیاں ہیں کسی کے حجاب کی

دعوے ہے ہمسری کا سرِ کج کلاہ سے
لے دستِ موج اتار لے ٹوپی حباب کی

بجلی گرائیں طور پر آواز ہی سے وہ
ٹھہری کبھی تو ہم سے سوال و جواب کی

پھر بھی تو کچھ ثبات کو اس کی خبر نہیں
الٹی رواں ہے بحر میں کشتی حباب کی

مے سے کہیں سوا ہے پسِ توبہ بیکشو
آجائے دور ہی سی کہیں بو شراب کی

سو حشر نذر گوشۂ داماں ہیں ہر نفس
اے شوقِ دید حد ہی نہیں اضطراب کی

تلخی کا نزع کی کچھ احساس ہو سکے
اتنی تو میرے منھ میں ہو تلخی شراب کی

تم کیا ہو ہم نے قلقلِ مینا سی واعظو
باتیں بہت سنی ہیں عذاب و ثواب کی

دورِ مئے کہن کا اثر ہے یہ اے ریاضؔ
ہے آج بھی جوان طبیعت جناب کی

یہ سربمہر بوتلیں ہیں جو شراب کی — راتیں ہیں ان میں بند ہماری شباب کی

پوچھو نہ ہم سے عالم غفلت کے خواب کی — دنیا کچھ اور ہی تھی ہمارے شباب کی

یہ نشّہ آنکھ دیکھ کے اس مست خواب کی — جیسے ابھی چڑھائی ہو بوتل شراب کی

سرخی شفق کی شکل مہ و آفتاب کی — چھلکی ہوئی شراب ہی جام و شراب کی

کیوں ٹوٹتی ہیں بجلیوں پر آج بجلیاں — شاید گرہ کھلی ترے بند نقاب کی

ایسی دو آتشہ مے گلگوں کہاں نصیب — عادت بری پڑی تری جھوٹی شراب کی

مینا و جام دیکھ کے خوش ہوگا محتسب — سمجھے گا وہ کھلی ہوئی کلیاں گلاب کی

تھی سربمہر پھوٹ گئی اپنے زور میں — توبہ سے پہلے ٹوٹی ہی بوتل شراب کی

شرما گئیں جو بوسہ لب باغ میں لیا — سمٹی ہیں کیا کھلی ہوئی کلیاں گلاب کی

ہم نے تمام عمر میں کتنی شراب پی — شاید بتا سکے ہمیں میزان حساب کی

چہرے کا رنگ دیکھ لو تم رکھ کے آئینہ — بوسے سے دوڑ جائے گی سرخی شہاب کی

محفل میں پی جو پھول تو اس احتیاط سے — مینائے مے نے بو نہ کبھی دی شراب کی

اے کثرت گناہ تری ڈر سے دب گئی — دیکھا مجھے کہ جھک گئی میزان حساب کی

ذرّہ ہوا میں بھر کے بنا آدمی کی شکل — قطرہ ہوا میں بھر کے ہی صورت حباب کی

چکّر ہوا نے اتنے دیئے ہیں کہ گردباد — تصویر بن گیا ہے مرے پیچ و تاب کی

سایے سے اس کی زلف کے بنت عنب کو کیا — بن کر پری اڑے گی یہ بوتل شراب کی

یہ کہہ کے گل دکھائے انہیں پارۂ جگر — بکھری ہوئی یہ پنکھڑیاں ہیں گلاب کی

ہر شام ساتھ لاتی ہے اک چودھویں کا چاند — کیا جانیں کیا کریں گی یہ راتیں شباب کی

کم بخت نے شراب کا ذکر اس قدر کیا — واعظ کے منہ سے آنے لگی بو شراب کی

دو گھونٹ پر شراب کے ہے حصر زندگی — راتیں شباب کی ہیں نہ باتیں شباب کی

کام آئے گی ریاض کے مشق طواف خم
کعبے کے گرد ہوں گے جو سوجھی ثواب کی

لے کے دل پوچھتے ہو پیار سے حال اچھا ہے — لاؤ منہ چوم لیں واقع میں سوال اچھا ہے
خواب سے بڑھ کے تصور میں وصال اچھا ہے — چھیڑ قابو کی ہے ہر طرح خیال اچھا ہے
آسماں پر اسے کیا جانے چڑھایا کس نے — ناخن پا سے ترے خاک ہلال اچھا ہے
انہیں معصوم فرشتوں کے لئے حوریں ہیں — زاہدوں کے لئے جنت کا خیال اچھا ہے
جا کے پی بھٹیوں میں پی کے چلے پھینک دیا — ہم غریبوں کے لئے جام سفال اچھا ہے
آج سنتے ہیں کہ ہے جنس وفا کا نیلام — چھوٹ جائے جو مرے دام تو مال اچھا ہے
جلتی پیتے ہیں نکل جاتی ہے آنسو بن کر — ایسے مے نوشوں کا ہر طرح مآل اچھا ہے
بارہا زلف کو دیکھا ہے بلائیں لیتے — آپ کے چاند سے رخسار کا خال اچھا ہے
بو یہ کہتی ہے بہت تیز ہی اڑ جائے گی — رنگ کہتا ہے ٹھہر جائے تو مال اچھا ہے
آ گیا اس میں کہاں سے خم آب رواں کا — بانکپن میں مہ کامل سے ہلال اچھا ہے
کس کو دیکھا کہ رہا کچھ نہ نقاہت کا خیال — کہہ اٹھے دیکھ کے بیساختہ حال اچھا ہے
وصل ہو پہلے پہل جس میں وہ دن ہی اچھا — جس میں آغاز جوانی ہو وہ سال اچھا ہے
مجھے معلوم نہیں جلوہ گہہ طور کا حال — میری آنکھوں میں ہر اک برق جمال اچھا ہے
دھوپ میں سایہ طوبیٰ سے نہیں لطف میں کم — راہرو کے لئے ہر سبز نہال اچھا ہے
پا کے موقع سے کوئی چھوڑ دے اس کو کیوں کر — دو گھڑی کے لئے ظالم کا ملال اچھا ہے
صبح آخر نگہہ یاس یہ کہتی نکلی — جائیے جائیے بیمار کا حال اچھا ہے

ٹوٹے توبہ کی طرح روز تو کچھ بار نہیں　　جامِ جمشید سے یہ جامِ سفال اچھا ہے

ایک افسانۂ حسرت تھا دمِ نزع ریاضؔ
ان سے کہنا وہ مرا شکر ہے حال اچھا ہے

چاند سی شکل کا دن رات خیال اچھا ہے　　طائرِ حسن پھنسنے جس میں وہ جال اچھا ہے

یوں تو ہر دم تری صورت کا خیال اچھا ہے　　نظر آئے تو ہیں خواب وصال اچھا ہے

بزم میں پوچھتے ہو آپ کا حال اچھا ہے　　پوچھ لینا کبھی خلوت میں سوال اچھا ہے

میں نے لے ابرِ کرم پی ہی ترے سایے میں　　جانتا ہوں کہ گناہوں کا مآل اچھا ہے

کم نہیں ان سے کسی بات میں ان کی تصویر　　پھر بھی کہتے ہیں ترا حسن و جمال اچھا ہے

تل ترا وصل کی شب، زلف تری ہجر کی رات　　خال سے زلف تری زلف سے خال اچھا ہے

نہ تو اچھا ترے دامن سے شفق کا دامن　　نہ گریباں سے گریبانِ ہلال اچھا ہے

وہ جہاں جائے ہوا کھائے پھری سیر کرے　　گھر میں صیاد کے ہر بے پر و بال اچھا ہے

کیا عجب ہے وہی بن جائے کبھی خواب کی شکل　　رات دن وصل حسیناں کا خیال اچھا ہے

دستِ گلچیں بھی وہاں ہے کفِ صیاد کے ساتھ　　شجرِ گل سے ہیں خشک نہال اچھا ہے

ہونٹھ پر تھا جو تبسم سا پسِ مرگ ریاضؔ
کہہ گئے مر کے بھی کم بخت کا حال اچھا ہے

میری پہلو میں ہمیشہ رہی صورت اچھی　　میں بھی اچھا مری قسمت بھی نہایت اچھی

آپ کی شکل بھلی آپ کی صورت اچھی　　آپ کے طور بُرے آپ سے نفرت اچھی

حشر کے دن ہیں سوجھی یہ شرارت اچھی　　لے چلے خلد میں ہم دیکھ کے صورت اچھی

تجھ سے کہتا تھا کوئی یا تری تصویر سے آج　　آنکھیں اچھی تری آنکھوں کی مروت اچھی

ہم نے سو بار شب وصل ملا کر دیکھا
اے فلک چاند سی وہ چاند سی صورت اچھی

نہ بنے کام تو کس کام کی نازک شکلیں
نازک اچھے نہ حسینوں کی نزاکت اچھی

اس سے کوئی نہیں اچھا جو تجھے پیار کرے
میں بھی اچھا ترے صدقے مری قسمت اچھی

تیری مدفن سے جو اٹھے وہ بری اے واعظ
ان کے ٹھوکر سے جو اٹھے وہ قیامت اچھی

جور تیرے بہت اچھے ستم گروں سے
اور ان سے تری آنکھوں کی ندامت اچھی

منہ میں جب بات رکی چوم لیا پیار سے منہ
دمِ تقریر کسی شوخ کی لکنت اچھی

دیکھتے ہی کسی کافر کو بگڑ جاتی ہے
میں جو چاہوں بھی تو رہتی نہیں نیت اچھی

حسن صورت کی طرح حسن سخن ہے کم یاب
ایک ہوتی ہے ہزاروں میں طبیعت اچھی

تجھے جلتا ہے جو وہ اور جلاتے ہیں اسے
میرے حق میں مرے دشمن کی عداوت اچھی

آتے جاتے نظر آتی ہے جھلک چلمن سے
پردے پردے میں نکل آئی یہ صورت اچھی

خوگر غم کے لیے کچھ نہیں عیش کا خواب
ایسی راحت سے ہمیشہ کی مصیبت اچھی

دے کے وہ بوسۂ لب شوق سے لیں دل میرا
عذر کیا ہے جو ملے مال کی قیمت اچھی

سن کے اشعار مرے سب یہی کہتے ہیں ریاض
اس کی قسمت ہے بری اور طبیعت اچھی

ضرور پاؤں میں اپنے حنا وہ مل کے چلے
نہ پہنچے آج بھی گھر تک مرے وہ کل کے چلے

یہ دوستی ہے کہ ہے ساتھ آگ پانی کا
جو نکلی آہ تو ساتھ اشک بھی نکل کے چلے

لحد سے لائی قیامت ہے پاؤں پڑ پڑ کر
ٹھہر ٹھہر کے چلے ہم مچل مچل کے چلے

ہزاروں ٹھوکریں ہر اک قدم پر اس میں ہیں
یہ راہ عشق ہے کیوں کر کوئی سنبھل کے چلے

یہ مجکو وصل کی شب ہائے موت کیوں آئی
حنا لگا کے جو آئے تھے ہاتھ مل کے چلے

تمہاری راہ میں چلنے کی ہے خوشی ایسی　　کہ ساتھ نقش قدم بھی اُچھل اُچھل کے چلے

مزا تو آئے جو لیں رند بڑھ کے ہاتھوں ہاتھ　　مزا تو آئے کہیں سو جو مے اُبل کے چلے

ادا سے ناز سے چلنا قیامت اُن کا تھا　　جو مل کے دل کو کلیجے مسل مسل کے چلے

چلے وہ شمع جلانے مزار پر کس کے　　کہ ساتھ ساتھ عدو آگ ہو کے جل کے چلے

تمہارے گیسوئے پر پیچ نے لیا ہم کو　　کہ منہ میں سانپ کے یا منہ میں ہم اجل کے چلے

اُٹھا جنازہ تو بولی یہ خانہ بربادی　　نیا مکان ہے کپڑے نئے بدل کے چلے

ہزاروں داغ ہیں دل میں جگر میں لاکھوں زخم
ریاضؔ محفلِ خوباں سے پھول پھل کے چلے

نہ راس آئی ہم کو جوانی ہماری　　کٹی کیا بڑی زندگانی ہماری

عدو کی شبِ وصل سو بار صدقے　　شبِ غم ہے کتنی سہانی ہماری

دغا دی رہی یاں دم نزع تم کو　　یہی وقت رخصت نشانی ہماری

کئے میں نے شکوے تو وہ ہنس کے بولے　　عدو پر بھی ہے مہربانی ہماری

اُنہیں نے تو دیوانہ ہم کو بنایا　　وہی اب کریں پاسبانی ہماری

یہ ساقی نے ساغر میں کیا پھینک دی　　کہ توبہ ہوئی پانی پانی ہماری

ستاتے ہیں ہم بھی حسینوں کو کیا کیا　　ستاتی ہے ہم کو جوانی ہماری

لگی تھی جو مے منہ سے پھر تو بکیوں کی　　ہوئی تلخ کیا زندگانی ہماری

کیا جھوٹ وعدہ کریں ہم جو تجھ سے　　تری کام آئے جوانی ہماری

بہت بے اثر تم اُسے جانتے تھے　　زبانوں پر اب ہے کہانی ہماری

قفس دستِ صیاد میں ہم قفس میں　　یہ کام آئی ہے خوش بیانی ہماری

ریاضؔ آپ ہم قدرداں اپنے نکلے
کسی نے نہ کی قدردانی ہماری

چلے آتے ہیں خوش خوش کس کے گھر سے — وہ ہنستے کھیلتے بادِ سحر سے
وہیں آ بیٹھتا اُٹھ کر ادھر سے — ملا ہے گھر مرا دشمن کے گھر سے
مزے کی چیز ہے یہ مجمع حشر — حسیں کیا کیا گزرتے ہیں نظر سے
لچک کر تیغ دُھری ہو نہ جائے — اسے نسبت ہے کچھ ان کی کمر سے
ذرا چل کر تمہیں اس کو چھڑاؤ — کسی کی آہیں اُلجھی ہیں اثر سے
ہمارے پاس دل سی چیز رہتی — بچائے رکھتے ہیں ان کی نظر سے
کہاں دل پا گئے کیا پوچھتے ہو — اٹھا لائے تمہاری رہگذر سے
ہوا پر ہے مزاج ابرِ کرم کا — پیو رندو وہ برسے یا نہ برسے
وہ پھر تو دیکھنے کی چیز ہوگی — قیامت جب اُٹھے اس رہ گزر سے
ہمارے پاس جب دیکھو نیا دل — اٹھا لاتے ہیں ان کی رہ گزر سے
کہاں رکھی تھی محشر میں کہ پیتے — نچوڑی ہم نے کچھ دامان تر سے
ہمیں تو بیٹھتے جی کوثر کی پلوا — خدایا چھوڑ دی ہے تیرے ڈر سے

ریاضؔ اس دل کے چلتے یہ ہوا حال
گرے ہم سب حسینوں کی نظر سے

نہ سمجھنا چراغ محفل کے — ارے ناداں یہ داغ ہیں دل کے
بیٹھنے والے ہیں وہ محفل کے — پڑے اٹھ جائیں دیدہ و دل کے
پاؤں وحشت میں بڑھ کے جاتے ہیں — جھٹکے کھاتے نہیں سلاسل کے

یہ بھی اک چیز تھا زمانے میں — ہم خریدار خود بنے دل کے

رُخِ پرنور میں جگہ تھی کہاں — رکھنے والے کو دیکھئے تِل کے

ہم سے وہ روٹھتا مچلتا ہے — کوسنے والے کون تم دل کے

آئی بے وقت موت کچھ ایسی — رہ گئے دل میں حوصلے دل کے

لختِ دل پتیاں حنا کی ہیں — تم جو پیسو تو ٹکڑے ہیں دل کے

اب حسینوں کا مشغلہ ہیں ریاضؔ
آپ چڑھتے ہیں نام سے دل کے

یوں کوئی بھی نکالے نہ ارماں پیار کے — مل دل کے پھول رکھ دیئے سب ان کے ہار کے

شاخِ قفس تک آئی وہ کیا بلبل کے باغ سے — منہدی لگے ہیں پاؤں عروسِ بہار کے

سمجھے وہ دانت تھا مری نازک سی ہونٹھ پر — ایک ایک کرکے توڑی ہیں دانے انار کے

کافر بتانِ ناز نہ بگڑیں تو ہم کہیں — یہ ہیں کرشمے قدرتِ پروردگار کے

اے زلفِ یار پوچھ نہ لکھا نصیب کا — قسمت نے کتنے کام بگاڑے سنوار کے

کیا چیز میکشو ہے زمانہ بہار کا — کہتے ہیں مے فروش گئے دن ادھار کے

سیرِ دل و جگر ہو کہ دونوں ہیں داغ داغ — تختے کھلے ہوئے ہیں کئی لالہ زار کے

وعدہ کرے بھی تو کوئی اپنی زبان سے — ہم کاٹ دیں ہزار برس انتظار کے

تو شوخیاں دکھا نہ ہمیں اے حنائے یار — دیکھے ہیں ہم نے رنگ دلِ بیقرار کے

کیوں کر رہے نہ بادہ فروشوں میں اپنی ساکھ — ہم بھی تو آدمی ہیں بڑے اعتبار کے

حالی بہت ہی خوب کھنچی صورت ریاضؔ
پہنا دیا ہے قیس کا جامہ اُتار کے

کیوں بال کھلے ہیں تجھے کچھ غم تو نہیں ہے ۔۔۔ گھر غیر کا ہے غیر کا ماتم تو نہیں ہے

ہے نقش قدم عرصۂ محشر دمِ رفتار ۔۔۔ فتنہ تری رفتار کا کچھ کم تو نہیں ہے

ہر اشک عنادل ہے گھر دامن گل میں ۔۔۔ اُڑ جائے سحر ہوتے یہ شبنم تو نہیں ہے

نازک ہی بہت جان مری اس میں پڑی ہے ۔۔۔ خنجر میں ترے دیکھ مرا دم تو نہیں ہے

یہ حشر بھی اک جلوہ گہہ ناز ہے اس کی ۔۔۔ پردے میں وہی فتنۂ عالم تو نہیں ہے

نازک کمر یار ہی کچھ بال سے بڑھ کر ۔۔۔ کوئی شکن گیسوِ پُر خم تو نہیں ہے

ہم کو چہ نشیں عرصۂ محشر کو بھی دیکھ آئے ۔۔۔ نقش قدمِ یار کا عالم تو نہیں ہے

پیتے تھے ریاضؔ آج کھڑے خم کے برابر
ہم نے انہیں دیکھا ہے کمر خم تو نہیں ہے

ہمارے دل میں ہی جو داغ ایسا کم نکلتا ہے ۔۔۔ یہ بن بن کر چراغ محفلِ ماتم نکلتا ہے

تری ٹھوکر کے فتنے کو نہ اتنا ہم سمجھتے تھے ۔۔۔ یہ ظالم تو قیامت سے قد آدم نکلتا ہے

بنائے کعبہ پڑتی ہی جہاں ہم خشت خم رکھ دیں ۔۔۔ جہاں ساغر پٹک دیں چشمۂ زمزم نکلتا ہے

مرے آنے سے کیوں دھوئیں مچی ہیں بزمِ ساقی میں ۔۔۔ یہ کیا ہی بعد مدت کیوں یہ جامِ جم نکلتا ہے

تمہیں کیونکر بتاؤں کیا مرے دل پر گزرتی ہے ۔۔۔ تمہیں کیونکر دکھاؤں تم میں کیا عالم نکلتا ہے

پہنچتی ہے یہ سیدھی میرے گھر بن کر شب فرقت ۔۔۔ تری زلف رسا کا جب کبھی کچھ خم نکلتا ہے

یہاں رونا پڑا دو دو کا ہی آئیں نہ ایسے میں ۔۔۔ سسکتی ہے تمنا آرزو کا دم نکلتا ہے

شب غم کہہ کے تم کالی بلا کا نام لیتے ہو ۔۔۔ کہ اس کا نام لینے سے ہمارا دم نکلتا ہے

سحر ہوتے وہ اپنا چاک دامن سی کے بیٹھے ہیں ۔۔۔ رفو کرنے کو تارِ دامنِ مریم نکلتا ہے

ریاضؔ ایسا گیا گزرا نہیں ہی شان جانے دے ۔۔۔ گدائی کے لئے وہ لے کے جامِ جم نکلتا ہے

غم مجھے دیتے ہو دشمن کی خوشی کے واسطے — کیوں بڑے بنتے ہو ناحق تم کسی کے واسطے

جی نہ مانا حضرتِ ناصح کو آتے دیکھ کر — کچھ یونہی تھوڑی سی پی لی دل لگی کے واسطے

ہجر سے بڑھ کر مصیبت کوئی آنے کی نہیں — موت کو رکھ چھوڑیئے کس زندگی کے واسطے

دونوں عالم تنگ ہیں کچھ اور وسعت چاہیے — پاؤں پھیلانے کو میری بیکسی کے واسطے

لطف ہے مِل جل کے دونوں سے رہو اک وضع خاص — کچھ بناوٹ بھی ہو تیری سادگی کے واسطے

لوٹتے ہیں کاتبِ اعمال یوں آنکھوں میں لطف — حاصلِ عصیاں ہے گویا آپ ہی کے واسطے

پاسِ آدابِ بزرگی ہے یہ ابں وضع جنوں — جب ملے ناصح جھکے ہم بندگی کے واسطے

حشر میں او کاتبِ اعمال کچھ تو ہو شریک — ساتھ رکھا تھا تمہیں نیکی بدی کے واسطے

سال پلٹے لے گئے خم پھیری کو نکلے ہیں ریاضؔ
میکدے کچھ وقف ہیں ان شاہ جی کے واسطے

وقت نازک موت کا ہے ہر کسی کے واسطے — مال و زر رکھ چھوڑیئے کس زندگی کے واسطے

نام ہے آسودگی جس کا وہ ہے حرف غلط — جیتے جی مرتے رہے آسودگی کے واسطے

ہو گئے جامے سے باہر حضرت ناصح کچھ آج — کچھ یونہی پی لی تھی ہم نے دل لگی کے واسطے

یہ نہ ہو بعد فنا تربت پر آ بیٹھے اُداس — تم جگہ بتلا دو میری بیکسی کے واسطے

میں یہ سمجھا غیر کے ہوتے مجھے غم سے غرض — تم نے یہ جانا کہ سب کچھ ہے اسی کے واسطے

ہے جنون والوں میں پھر پیرہن قطع و برید — مل گئی دستارِ ناصح دل لگی کے واسطے

وصل کی شب رات بھر سوتے رہے پہلو میں وہ — پردہ اچھا رہ گیا شرمندگی کے واسطے

سبزہ صد مینا بکف صد خم بدوش ابرِ بہار — ہیں بڑے سامان میری میکشی کے واسطے

اب تو جی اُکتا گیا دنیا کے دھندوں سے ریاضؔ — اتنے جھگڑے چار دن کی زندگی کے واسطے

یہ گوارا کہ مرادِ سمتِ تمنّا باندھے — اپنے محرم کو نہ کس کر کوئی اتنا باندھے

بڑھ کے آئے نگہِ شوق بلائیں لے لے — کوئی بیٹھا ہو کس انداز سے جوڑا باندھے

شہرتِ بے اثری کوئی مٹائے کیوں کر — ہو نہ درد آہ میں تو کوئی ہوا کیا باندھے

دھجّیاں کیا مرے دامن کی مرے کام آئیں — بیٹھ کر دشت میں سب آبلہ پا باندھے

ہے بری بات کہو کھول کے بوتل رکھ دے — شیخ پگڑی میں نہ بازار کا سودا باندھے

اک ذرا کھالے ہوا اسجد کی ٹھنڈی ٹھنڈی — کہہ دو لیلےٰ بھی محمل میں نہ پردا باندھے

بکھری زلفیں یونہی لہرائیں رخِ روشن پر — کبھی جوڑا نہ مرا گیسوؤں والا باندھے

جب میں دیکھوں مری آنکھوں میں مری آنکھیں پھر جائے — چکّر اتنا تو بیاباں میں بگولا باندھے

ہم نے دیکھا طرفِ میکدہ جاتے تھے ریاضؔ

اک عصا تھامے عبا پہنے عمامہ باندھے

دشمن کی طرف ہو کے نکلنے نہیں دیتے — ہم کو وہ بری راہ میں چلنے نہیں دیتے

آنکھیں ہیں تلووں سے وہ ملنے نہیں دیتے — ہم چٹکیوں سے دل کو مسلنے نہیں دیتے

کہتے ہیں مے ناب حسینوں کا ہے جوبن — ہم بزم میں اپنی اُسے ڈھلنے نہیں دیتے

وہ کیا لحدِ غیر کو پامال کریں گے — چلتے ہوئے فقری بھی تو چلنے نہیں دیتے

جلتا ہوں بچاتے ہیں اُسے سوزِ دروں سے — دشمن کو مری آگ میں جلنے نہیں دیتے

نازک ہے مرے نخلِ تمنّا کی ہر اک شاخ — اس خوف سے وہ پھولنے پھلنے نہیں دیتے

کب بوسے لئے اُن کے جو بل کھائے ہیں گیسو — تم گالوں کو کیوں زہر اُگلنے نہیں دیتے

آئی ہے یہ کہتی ہوئی کس کی شبِ فرقت — ہم رنگ زمانے کو بدلنے نہیں دیتے

ڈر ہے نہ دوپٹہ کہیں سینے سے سرک جائے — پنکھا بھی ہیں پاس سے جھلنے نہیں دیتے

کیوں ہم کو جلاتے ہو دمِ وصل یہ کیا ہے | کیوں پھونکتے ہو شمع کو جلنے نہیں دیتے

ہے جان مری کشمکشِ نزع میں دن رات | ارمان تو کیا دم بھی نکلنے نہیں دیتے

کھلنے نہیں دیتے کبھی کم ظرفیِ واعظ | ہم رند پلا کر بھی اُبلنے نہیں دیتے

جاتا ہوں تو آتی ہے یہی طور سے آواز | ہم دیکھنے والوں کو سنبھلنے نہیں دیتے

کیا کام ریاضؔ آنے کو سو بار بہار آئے

ہم کو یہ حسین پھولنے پھلنے نہیں دیتے

صیاد کو جو مجھ پہ یا رب ترس نہ آئے | باغوں میں موسمِ گل لاکھوں برس نہ آئے

ہاں میری طرح تھک کر آواز بیٹھ جائے | چھوٹوں جو کارواں سے بانگِ جرس نہ آئے

تو آشیاں بناتی بلبل قفس کو چھا کر | اُجڑی چمن سے اڑ کر کچھ خار و خس نہ آئے

آج آگ ہم لگا کر نکلے ہیں گھر سے اپنے | منہ جا کے روزِ ہجراں اپنا جھلس نہ آئے

گلشن میں ہم صفیرو تم زمزمے نہ کرنا | تا شاخِ گل ہمارا جب تک قفس نہ آئے

اللہ میرے یہ بت کس چیز کے بنے ہیں | پتھر پسیج جائے ان کو ترس نہ آئے

تیری سوا یہ ممکن واعظ نہیں کسی سے | دنیا میں رہ کے دل میں کوئی ہوس نہ آئے

اک مشتِ استخواں تھے میری بساط کیا تھی | اُلجھے جو دام میں ہم پھر تا قفس نہ آئے

رندوں کی تربتوں پر سبزہ نہ لہلہایا | بادل ترے کرم کے جب تک برس نہ آئے

کچھ تھا لحاظ گلچیں جس کا وہ ہو قفس میں | کیوں جا کے آشیاں کو بجلی جھلس نہ آئے

اس کی گلی کی قاصد کچھ اور ہی ہوا ہے | تو ایک دن کو جا کے سو سو برس نہ آئے

پائیں تو اسے حسینو تم کو رلا کے چھوڑیں

ہیں یہ ریاضؔ ایسے ان کو ترس نہ آئے

رنگ کیا کیا شام کو لائیں گے آنے کے لئے　　صبح سے بیٹھے ہیں جو مہندی لگانے کیلئے

یہ سمجھ کر کم نہیں آفت اُٹھانے کے لئے　　دل مجھے دیتے گئے میرے ستانے کیلئے

ایسے بھولے نیند سمجھے ہیں وہ میری موت کو　　آئے ہیں کس ناز سے مجکو اُٹھانے کیلئے

ہم غریبوں کا اندھیری میں نکل جائے گا کام　　آئیں تو وہ شمعِ تربت کو بجھانے کیلئے

صدقے اس فریاد کے کہتے ہیں دیکھو عندلیب　　نالے کرتی ہے ہمارا دل دُکھانے کیلئے

سجدے سے اُٹھ اُٹھ کے آجاتے ہیں اکثر گردباد　　میرے ویرانے میں اکثر خاک اُڑانے کیلئے

حشر کے دن وعدہ کس کا کون کرتا ہے وفا　　تھیں یہ باتیں مجکو دیوانہ بنانے کیلئے

یہ خبر یارب نہ تھی قیدِ قفس سے چھوٹ کر　　تنکے ہم چنتے پھریں گے آشیانے کیلئے

خوش ہیں سیرِ گلستاں سے کہ ہم نے دیکھ لیں　　ایسی آنکھیں جو نہیں آنسو بہانے کیلئے

ساتھ ان کے ہی ہزاروں عندلیبوں کا ہجوم　　آئے ہیں دو پھول تربت پر چڑھانے کیلئے

ہاتھ پھر بڑھنے لگے ہیں جیب و داماں کی طرف　　فصلِ گل آئی ہے دیوانہ بنانے کیلئے

نزع کیسی موت کس کی اب مرے دشمن ہیں　　پاس آبیٹھے ہیں وہ باتیں بنانے کیلئے

چھیڑ دیکھو سوئے گلشن مجکو آتے دیکھ کر　　کہہ گیا غنچوں سے کوئی مسکرانے کیلئے

کاتبِ اعمال سے کیوں اہلِ عصیاں خوش نہوں　　ساتھ دو مزدور بھی ہیں بوجھ اُٹھانے کیلئے

کوثر و تسنیم و حور و خلد کے ہوتے ہوئے　　جائیں گے ہم آگ دوزخ میں لگانے کیلئے

آستانِ یار سے کوئی اُٹھائے کیوں ہمیں　　ہم بھی آبیٹھے ہیں قسمت آزمانے کیلئے

بزمِ جم میں بیٹھنے والو ادھر بھی اک نگاہ　　ایک ساغر چاہیئے پینے پلانے کیلئے

اس نزاکت پر ہمارے قتل کا دعویٰ چہ خوش　　کیوں کمر کستے ہیں وہ بیڑا اُٹھانے کیلئے

چھیڑ کیسی بات کہتے روٹھ جاتی ہیں ریاضؔ　　اک حسیں ہر وقت ہو اُن کے منانے کیلئے

میری ان کی گرہِ دل کبھی ایسی تو نہ تھی
کھل کے ہوتی تر محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

چشمِ حسرت نے دمِ ذبح اثر کیا ڈالا
تیری رنگت مرے قاتل کبھی ایسی تو نہ تھی

اری لیلیٰ نہ کہیں قیس کا تیرے ہو غبار
گرد اڑتی پسِ محمل کبھی ایسی تو نہ تھی

پھول پر شمع کے ٹوٹے ہیں عنادل کیا کیا
رنگ پر آپ کی محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

نقش دیوار بنا جاکے ترے کوچے میں
پیش آئی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی

کیوں نہ کھنچ آئیں سوئے صحنِ چمن دیوانے
کہ یہ فریادِ عنادل کبھی ایسی تو نہ تھی

برسوں زندان سے ہیں لطف رہا ہی پہلے
سختی طوق و سلاسل کبھی ایسی تو نہ تھی

نہیں ملتی ہی مجھے پاؤں اٹھاتے دھرتے
کشش جلوۂ منزل کبھی ایسی تو نہ تھی

مل گیا کیا کہیں معشوق تجھے اور کوئی
ان بن ان سے تری اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی

میری پہلو میں کوئی چاند سا ٹکڑا ہے ضرور
چاندنی اے مہِ کامل کبھی ایسی تو نہ تھی

دور رہ کر بھی ریاضؔ آگ لگی رہتی ہے
یار کی گرمیِ محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

صبحِ محشر بھی گوارا نہیں فرقت میری
مجھ سے رہ رہ کے لپٹ جاتی ہی تربت میری

رنج دیتا ہی مزا وہ ہے طبیعت میری
چلین لکھتی ہی مرے واسطے قسمت میری

آکے ٹھکرا گئے کس ناز سے تربت میری
نہ کھلی آنکھ مری ہائے رہی غفلت میری

کوئی آتا ہے کہیں ایسے سیہ خانے میں
میری گھر کا ہے اجالا شبِ فرقت میری

صدقے اے تمکنتِ ناز دکھا دے مجھکو
ہائے وہ آنکھ نہ ہو جس میں مروت میری

کیا نڈر ہو کے شبِ وصل وہ آبیٹھے ہیں
جانتے ہیں کہ بچا لے گی نزاکت میری

جتنے دل خاک ہوئے روزِ ازل سے اب تک
آج ان سب کا نشان بنتی ہے تربت میری

مے و معشوق نہیں آپ میں رہنے دیتے — بعد توبہ بھی بدل جاتی ہے نیت میری

اس طرح حشر میں آیا ہوں لحد سے اُٹھ کر — کہ فرشتے نہیں پہچانتے صورت میری

حشر میں پیش نظر ہوں گے بتانِ کافر — مجھے ڈر ہے نہ بگڑ جائے طبیعت میری

دھوکے دیتی ہے بُری طرح یہ لوگوں کو ریاضؔ
ملتی جلتی ہے بہت خضر سے صورت میری

آکے وہ ناز سے ٹھکرائیں کبھی تربت میری — میں ہوں مشتاق قیامت کا قیامت میری

اک ذرا عمر سے اترے کہ نظر سے اُترے — چار دن کی ہے حسینوں سے محبت میری

جیسے ہوں میری ستائی ہوئی یہ شوخ حسیں — داورِ حشر سے ہوتی ہے شکایت میری

حوضِ کوثر ہو جو خالی تو بھرے جی میرا — خُمِ مے سے کبھی بھرتی نہیں نیت میری

ہے کھلا میکدہ و خانقہ شیخ کا فرق — اس کی جنت سے کہیں اچھی ہے جنت میری

مُٹھی بھر خاک ہوں میں اور یہ چٹکی بھر خاک — کچھ حقیقت مرے دل کی نہ حقیقت میری

ملی کوثر کی تو جنت کے مزے آئیں گے — آج ہے خانقہِ شیخ میں دعوت میری

سبزہ آغاز جواں آج بھی ہوں پیری میں — بدلی کیا اک قدحِ بنگ نے صورت میری

جل دیا کرتی ہے دن رات حسینوں کو ریاضؔ
بڑی نٹ کھٹ بڑی چنچل ہے طبیعت میری

چھوڑتی ہی نہیں مجکو شبِ فرقت میری — لے میں قربان لُٹے اتنی محبت میری

کیوں کر اوپر اُٹھیں آنکھیں مری اے حسرتِ دید — سر اُٹھانے نہیں دیتی ہے ندامت میری

پھوٹ کر رونے سے اشکوں کا مزا ہے پانی — بے بہار آئے کھلی جاتی ہے تربت میری

وصل کی شب وہ ڈراتے ہیں یہ کہہ کہہ کے مجھے — تم ستاؤ تمہیں کوسے گی نزاکت میری

جلوۂ یار نے بے ہوش کیا ہے مجکو　　کچھ الگ نشۂ مے سے رہی غفلت میری

آنکھ تاروں نے چرائی یہ نئی بات ہے آج　　دیکھئے کٹتی ہی کیونکر شب غربت میری

رہن مے ہونے سے بچ جائے تو عزت رہ جائے　　مول لے لے کوئی دستار فضیلت میری

رہیں تا حشر یونہی مہندی لگے پاؤں کے نقش　　چار پھولوں کی نہ محتاج ہو تربت میری

تارے مجکو نظر آئیں نہ کہیں حشر کے دن　　ڈر ہے بڑھ جائے نہ حد سے شب فرقت میری

چھیڑ کر مجمع زہاد کو ڈرتا ہوں ریاض
کہنہ مسجد کی عوض ہو نہ مرمت میری

دن پھرے اچھے یہ مجھ ناکام کے　　صبح ہوتے آئے بھولے شام کے

ایک آفت تھا تمہارا کوسنا　　مر گئے تو سب ہمارے نام کے

دور ساقی میں نہیں ہے دل کی خیر　　مے تو کیا لالے پڑے ہیں جام کے

رنج کی کٹتی نہیں ہے ایک رات　　دن گزر جاتے ہیں سو آرام کے

دل ہلا دے گی یہ میری آہ بھی　　بیٹھ جاؤ گے کلیجا تھام کے

جام کو تڑوا عطو رہنے بھی دو　　ہم ہیں پیاسے بادۂ گلفام کے

طور والوں کی نظر پہ چڑھ گئے　　دیکھنے والے تمہارے بام کے

ہم کو مل جائیں تو آجائے مزا　　اچھے معشوق اور سستے دام کے

قاصدوں کا ایک تانتا تھا لگا　　ہائے وہ دن نامہ و پیغام کے

ہم بنائیں آشیاں او سیچا ہزار　　ہم کو الجھائیں گے حلقے دام کے

جتنے ہیں معشوق مل جائیں ہمیں　　ہیں یہ سب کافر ہماری کام کے

عمر بھر لوٹے جوانی کے مزے　　اے میں صدقے بادۂ گلفام کے

ہائے حصّہ میں ہمارے کم پڑے　　یہ حسیں سب تھے ہماری کام کے

طاقتِ فریاد اب ہم میں کہاں　　بات کرتے ہیں کلیجا تھام کے

لے کے اُٹھتے صبح کو دردِ کمر　　شام سے بیٹھے تھے جو سر تھام کے

عید میں کیوں آئیں مجرے کو ریاضؔ
مستحق جب یوں بھی ہوں انعام کے

کاتبِ اعمال نکلے کام کے　　مل گئے دو دو شریک الزام کے

پردہ ڈالا مجھ سراپا جرم پر　　صدقے اپنے جامۂ احرام کے

آگیا پیری میں بھی رنگِ شباب　　گھونٹ اُتارے جب مئے گلفام کے

دیکھیں قاصد آکے ہم سے کیا کہا　　منتظر اے موت ہیں پیغام کے

کاتبِ اعمال ہیں خوب آدمی　　یہ فرشتے ہیں فرشتے نام کے

آبتا دیں ہم تجھے منہ چوم کر　　کس طرح لوٹے مزے دشنام کے

توبہ کیا ٹوٹی کہ پھوٹے آبلے　　خم کے مینا کے سبو کے جام کے

کس قدر تاریک ہے روزِ فراق　　دھوکے ہوتے ہیں سحر پر شام کے

خم بخم کیسی ہے وہ زلفِ دراز　　چھوٹتے ہیں کب اسیر اس دام کے

کچھ ملا غفلت میں لطفِ زندگی　　خواب دیکھے عیش کے آرام کے

اس کے چلتے جان دی ہم نے ریاضؔ
کام آئے ہم دلِ ناکام کے

چشم و دل ہیں مقامِ خلوت کے　　آو پردے پڑے ہیں غفلت کے

عرصۂ حشر میں کہاں اِنساں　　کچھ بگولے ہیں خاک تربت کے

بن گئے جھک کے پنبۂ مینا — جتنے ٹکڑے تھے ابرِ رحمت کے

اب تو وعدہ بھی وہ نہیں کرتے — دن قریب آ گئے قیامت کے

شاعری ہے ریاضؔ کے دم تک
پھر کہاں لوگ اس طبیعت کے

اُٹھے فتنے نگاہِ خشمگیں سے — گلے ملتے ہوئے چینِ جبیں سے

وہ سر بھاگے ہیں دستِ نازنیں سے — دھمک ہونے لگی چینِ جبیں سے

لہو کی بو کچھ آئی جس زمیں سے — اُٹھائی خاک دامن میں وہیں سے

شرارت وصل کی یاد آ گئی کیا — وہ کچھ شرما گئے چینِ جبیں سے

نگاہِ غیر کو ظالم مبارک — ہم آغوشی تری چینِ جبیں سے

بنی ابروئے خوبانِ جفا کار — جو اُتری چینِ ظالم کی جبیں سے

تمنائیں بہت ہیں وقت کم ہے — کسے دیکھوں نگاہِ واپسیں سے

ذرا بچنا مرے نالے سے ظالم — وہ تاثیریں چلیں عرشِ بریں سے

کئے مشکل سے دل کے جمع اجزا — چُنے ہیں کچھ کہیں سے کچھ کہیں سے

تم آؤ دفن ہوں گے جس جگہ ہم — تمنا بول اُٹھے گی وہیں سے

نہ چھوٹی حشر میں بھی عادت اُن کی — نہ باز آئے یہاں بھی وہ نہیں سے

گراں تھی سادگی زینت کا ذکر کیا — بڑی مشکل سے سنبھلی نازنیں سے

خداوندا لہو کچھ تو نکل آئے — کریں گے ذبح دستِ نازنیں سے

لئے بے گنتی بوسے اس ادا پر — شبِ وصل اس نے توبہ کی نہیں سے

دیا اس طرح میں نے دل چھپا کر — وہ یہ سمجھے چُرا لایا کہیں سے

مدد کر وصل میں کچھ اے نزاکت — دوپٹہ تک نہ سنبھلے نازنیں سے

نہ لو اس دل کو یہ بدخو بہت ہے — اُلجھ پڑتا ہے یہ ظالم ہمیں سے

جو وحشت کم ہوئی رونے کی سوجھی — چھٹا دامن تو اُلجھے آستیں سے

خدا آباد رکھے میکدے کو — بہت سستے چھُٹے دنیا و دیں سے

بڑی حسرت سے دم نکلے گا ظالم — نہ او جھل ہو نگاہِ واپسیں سے

پڑا پہلو میں ہوں چپ چاپ کیسا — بہت خوش ہوں دلِ اندوہگیں سے

مزا شب کا ابھی بھولے نہیں ہیں — ٹپکتا ہے نگاہِ شرمگیں سے

سرِ تربت نہ سنبھلے گر پڑے پھول — میں شرمندہ ہوں دستِ نازنیں سے

نہ سمجھے اور پھر اس پر جو رُوٹھے — کہا تھا کچھ نگاہِ واپسیں سے

وہ شب کا خواب ہم کو یاد آئے — تمہاری بات کہہ دیں گے تمہیں سے

ریاض اگلوں میں شیخ وقت گزرا
بہت کچھ مستند ہے اہلِ دیں سے

ہم بھی تو اُو موت کے مارے ہوئے — تیرے لئے گورِ کنارے ہوئے

آنکھ سے اب عرش کے تارے ہوئے — ایسے تم اللہ کے پیارے ہوئے

آج تو یہ بھی انہیں کچھ بار ہے — جانتے ہیں زیور وہ اُتارے ہوئے

سالِ عروسی میں لکھا تھا وصال — ہائے ری ارمانوں کے مارے ہوئے

تجھکو خزاں کھا گئی اے گلعذار — ہار بھی سوکھے نہ اُتارے ہوئے

ہائے تری سرمہ بھری چشمِ ناز — ہائے ترے بال سنوارے ہوئے

جان مری لے گی خموشی تری — میں کہے دیتا ہوں پکارے ہوئے

کھلنے کو بھتے غسل کے تختے پر آج
چوٹی گندھی بال سنوارے ہوئے

دیکھ لیا چہرہ ہٹا کر کفن
بات ہوئی کچھ نہ اشارے ہوئے

کون سنائے انہیں سمجھائے کون
مانیں گے کیوں موت کے مارے ہوئے

قطرے جبیں پر کتے پسینے کے کچھ
وہ بھی تو اب عرش کے تارے ہوئے

تیری ہی لب تیرے مسیحا نہیں
بول دے او موت کے مارے ہوئے

تو بھی اُنہیں میں نظر آجا مجھے
جلوہ نما چاند ستارے ہوئے

جھوٹ ہی کہہ دے یہ خدارا کوئی
جلوہ نما چاند ستارے ہوئے

قبر میں رکھ کر تمہیں ہم گھر میں ہیں
ہائے غضب ہم نہ تمہارے ہوئے

شرط وفا کا ہمیں رونا پڑا
شرط میں تم جان بھی ہارے ہوئے

تم نہ ہمارے ہوئے مجبور تھے
ہائے یہ ہم کیوں نہ تمہارے ہوئے

جان کو جانا ہے تو جلدی سی جائے
دیر ہوئی اُن کو سدھارے ہوئے

شاد ہوں میں شوقِ اجل ہے ابھی
بیٹھے ہوئے دل کو اُبھارے ہوئے

رنج سے اب جان ہے باقی کہاں
ہم بھی تو اب گور کنارے ہوئے

دشمنِ آرام ہے یہ زندگی
چین سے ہیں موت کے مارے ہوئے

سوزِ دروں کا یہ اثر ہے ریاضؔ
اشک کے قطرے بھی شرارے ہوئے

اذاں کا کام چل جائے جو ناقوس برہمن سے
بڑا یہ بوجھ اُتری اے موذّن تیری گردن سے

رفو سے کیا تعلق واسطہ کیا اس کو سوزن سے
سمجھ کر خار دامن جو نکالے تار دامن سے

نہ پائی گل تو لائی تاقفس تنکے نشیمن سے
کبھی موجِ صبا آئی نہ خالی ہاتھ گلشن سے

جوانی بھی ہوا کرتی ہے دیوانی مثل سچ ہے
وہ برساتے ہوئے چلنی میں پتھر اٹھتے جوبن سے

گلا بیٹھا تو آوازے کسے کس نے موذّن پر
یہ کیوں پھولا ہوا رہتا ہے ناقوسِ برہمن سے

بھری بوتل کی زد میں آگئی توبہ مری کیسی
اُڑائے یہ کاگ اُس کا یا کہیں گولی چلی دن سے

پڑی کیوں کر چمن میں نیل بوسوں کی نہیں کھلتا
وہ منھ غنچوں کا کیل آئے وہ کچھ کہہ آئے سوسن سے

مسل دو دل کو چٹکی سے اگر چھیڑے کوئی تم کو
یہ جب بھری ذرا اس کو دبا دو اُٹھتے جوبن سے

سبک پر ہم سہی کیا صیاد کے پھندے میں آئیں گے
یہ گل سے موجِ بو نکلی کہ ہم نکلے نشیمن سے

اُٹھاؤں آنکھ کیا اوپر نگاہوں سے مجھے ڈر ہے
نہ کھیل کھیلیں کہیں جا کر کسی کافر کی چلمن سے

جگایا ہے بہت جادو جگا کر ان حسینوں کو
بہت کچھ ہم نے سیکھا ہے انہیں کے چشمِ پرفن سے

چمن میں مستیاں کرتے عنادل کو جو دیکھا ہے
کھڑے ہیں سایۂ گل میں چھپائے منہ وہ دامن سے

نہ مجھ پر جھک پڑے کیوں وہ مرے منہ میں زباں اپنی
بڑی منہ پھٹ ہے سنواؤ گے کچھ تم مجکو سوسن سے

بُرا ہو خانقہ کا چار دن میں کیا ہوئی صورت
یہ عالم ہے کہ گویا اُٹھ کے ہم آئے ہیں مدفن سے

مری فریاد سے کچھ ملتے جلتے اس کے نالے تھے
کلیجا منہ کو کل آ گیا بلبل کی شیون سے

یہ کیسی رہ گزر ہے رہ گزر میں کس کی تربت ہے
وہ جب نکلا ادھر سے گر پڑی کچھ پھول دامن سے

شبِ غم کا یہ عالم ہے چراغ اس طرح جلتا ہے
اُٹھا لائے ہیں گویا ہم کسی بیکس کے مدفن سے

گلے ملنے کے ان کافر حسینوں سے یہی دن ہیں
جوانی جب گلے ملتی ہو آ آ کر لڑکپن سے

ریاضؔ اُٹھ بھی اٹھا بوتل نہ بیٹھ اب پارسا بن کر
ترے چلتے بہار آئی ہوئی جاتی ہے گلشن سے

ڈھونڈ کر دل ترے کوچے سے پریشان گئے
چھاننا خاک کا تقدیر میں تھا چھان گئے

ہم تمھیں جان گئے جان گئے جان گئے
تم نہ جانو نہیں ہم تو تمھیں پہچان گئے

اب وہ سب عہد گئے وصل کے پیماں گئے — یہ ہوا حشر میں ہم جھوٹوں کو پہچان گئے

تھے سب اسباب طرب عمر دو روزہ کے لئے — قبر میں ساتھ نہ کچھ عیش کے سامان گئے

کھینچئے لاکھ مگر دل سے نکلنا معلوم — آپ کے ہاتھ سے اب تیروں کے پیکان گئے

وعدۂ وصل کے سچے نہ چھپے لاکھوں میں — دور سے دیکھ کے ہم حشر میں پہچان گئے

نہ رہا دل نہ وہ ہنگامہ مچانے والے — دل کے ہمراہ مرے دل کے سب ارمان گئے

وصل کی شب نہ چلی ایک بھی شوخی اُن کی — کچھ نہ بن آئی تو چپکے سے کہا مان گئے

شور ناقوس کلیسا میں اذاں کعبے میں — ہر جگہ حال یہی ہے تو مرے کان گئے

ہم وہ مجرم ہیں کہ ہیں شانِ کرم پر نازاں — اور ہونگے جو گناہوں سے پشیمان گئے

ان حسینوں نے کہا کیا کہ خفا ہو بیٹھے
بات کیا تھی کہ ریاضؔ آپ بُرا مان گئے

اس جنوں کے چلتے کیوں کر چین سے گھر بیٹھتے — گھر میں بھی دیوار و در سے پھوڑنے سر بیٹھتے

چشمِ تر کی اشکباری آپ نے دیکھی نہیں — یہ اگر طوفاں اُٹھاتی سیکڑوں گھر بیٹھتے

کیا کہیں جوشِ جنوں میں تم نے چھیڑا ہی نہیں — کچھ نہ کچھ کہہ بیٹھتے ہم کچھ نہ کچھ کر بیٹھتے

بارشِ ابرِ کرم نے اور لت پت کر دیا — حشر میں ہم کیا سکھانے دامنِ تر بیٹھتے

روکتا میں کس طرح تھا وعدۂ دشمن قریب — دیر تک محفل میں میری آپ کیوں کر بیٹھتے

میکدے میں جائے منبر خم ہی تھا اے میکشو — میرے گھر واعظ جو آتے میرے سر پر بیٹھتے

کاش وقتِ نزع مجھکو چھوڑ کر جاتے نہ آپ — اور تھا دم بھر کا جھگڑا اور دم بھر بیٹھتے

بزمِ محشر میں نہ رکھتی اس کی رحمت امتیاز — لطف ہوتا رند و زاہد سب برابر بیٹھتے

وادیٔ غربت میں تھک تھک کر بہت بیٹھے ریاضؔ — کاش اب آرام سے ہم کوئی دن گھر بیٹھتے

اب نیند بھی ہم کو نہیں آتی نہیں آتی ۔۔۔ رکھتے تھے جسے آنکھ میں وہ بھی نہیں آتی

کیوں وصل میں بوسے ترے گن گن کے نہ لیتے ۔۔۔ ہم کیا کریں اس کو ہمیں گنتی نہیں آتی

دیتا ہے تو دے راہ خدا جام میں ساقی ۔۔۔ صدقے ترے چلو سے ہمیں پی نہیں آتی

وہ موج ہوا بن کے چلی آہ کسی کی ۔۔۔ جاتے ہو کہاں بام سے آندھی نہیں آتی

روتے ہیں ہمیں دیکھ کے دشمن بھی ہمارے ۔۔۔ آتی ہے تباہی مگر ایسی نہیں آتی

کیا شرم سے بھی کام نکلتا ہے بتوں کا ۔۔۔ دل لیتے ہیں کیونکر جنھیں شوخی نہیں آتی

آتی ہے خم ابر سے تو آئی ہے پانی ۔۔۔ اب دیکھی دکانوں سی بھی اچھی نہیں آتی

آتی نہیں آ آ کے ڈرا جاتی ہے ہم کو ۔۔۔ آئی ہوئی ایسی نہیں آتی نہیں آتی

قربان ترے چہرے کے اس غصے کے صدقے ۔۔۔ سرخی کی جھلک آتی ہے سرخی نہیں آتی

کس درجہ مری روح کا باقی ہے تعلق ۔۔۔ جب جاتی ہے میخانے سے باقی نہیں آتی

دیکھا ہے جنہیں آرزوِ مرگ میں مرتے
افسوس ریاضؔ ان کو اجل بھی نہیں آتی

مجھ تک آتے انھیں اک موت سی آتی ہے ۔۔۔ تو وہاں دوڑ کے کیا جاتی ہے کیا آتی ہے

جو وفا ہیں نہ جفا ہیں وہ ادا آتی ہے ۔۔۔ نہ وفا آتی ہے تم کو نہ جفا آتی ہے

جلدی کیا ہے اسے کر لو مرے ماتم میں شریک ۔۔۔ اک ذرا اور ٹھہر جاؤ حنا آتی ہے

سایہ ان گیسووں والوں کا پڑا کیا ای چرخ ۔۔۔ میرے گھر میں نہیں آتی جو بلا آتی ہے

وصل کی رات ہی کہتا ہے یہ آنکھوں کا حجاب ۔۔۔ دیکھیں دونوں میں کسے شمع بجھا آتی ہے

ٹوٹتا آج بُرا ہے مری توبہ کا قبول ۔۔۔ جھومتی قبلے سے کیا مست گھٹا آتی ہے

ہے بڑی شوخ نہ سمجھے کوئی تھوڑا تجکو ۔۔۔ اے حنا خوب تجھے آگ لگا آتی ہے

ان بتوں میں ہیں کچھ ایسے بھی خدا کے بندے
جن کو بگڑی ہوئی تقدیر بنا آتی ہے

نہ تھکا بے اثری پر تو یہ بولی تاثیر
کچھ تجھے شرم بھی اے دستِ دعا آتی ہے

وہ مرے گھر کا ہی عالم شبِ تنہائی میں
نہ پری آتی ہے کوئی نہ بلا آتی ہے

موجیں زنجیر لئے پھرتی ہیں پیچھے پیچھے
ہم کہیں ہوں ترے کوچے کی ہوا آتی ہے

آتی ہے دخترِ رز موجوں کی چھاگل پہنے
بن کے معشوق کے ہوش رُبا آتی ہے

چاہیئے ہی کسی معشوق کا دامن اس کو
غنچۂ دل سے مرے بوئے وفا آتی ہے

میں بھی وہ ہوں کہ پری اس کو بنا کر چھوڑوں
کوئی کہہ دے ترے گھر میری بلا آتی ہے

دو دو باتیں ہوئی ہیں اُن کی ادا سے شاید
مسکراتی ہوئی کچھ آج قضا آتی ہے

آج شیریں نے اُٹھائے نہ ہوں فرہاد کے پھول
دامنِ کوہ سے ماتم کی صدا آتی ہے

چھوڑ کر گھر کہیں غربت میں نہ جانا ہو ریاض
مجھے لے جانے کو جنت کی ہوا آتی ہے

تری حسرت نہ جیتے جی کبھی اس دل سے نکلے گی
یہ میری جان کو رو کر بڑی مشکل سے نکلے گی

چھری کیا جان بن کر سینۂ بسمل سے نکلے گی
اتر کر دل میں یہ ظالم بڑی مشکل سے نکلے گی

وہاں فتنوں کے جھرمٹ میں شمائل روز ہوتی ہے
قیامت ہو کے رسوا کوچۂ قاتل سے نکلے گی

گدائے مے سے تلخی اپنے در پر اس قدر زاہد
دعا دشنام بن کر لبِ سائل سے نکلے گی

ذرا نزدیک سے تم دیکھ لو آ کر دمِ آخر
رہے گی یا یہ حسرت دیدۂ بسمل سے نکلے گی

کہے دیتی ہے یہ آلودگی اس پاک دامن کی
کہ میرے ساتھ دخترِ رز بھری محفل سے نکلے گی

یہ میری آہ کوئی اوپر اُڑ پر جانے والی ہے
خدا جانے وہ کیا ہو گی جو میرے دل سے نکلے گی

کہاں تک تھے مرے احباب مجھ پر بیٹھ کر روئیں
کبھی تو راہ کوئی گور کی منزل سے نکلے گی

تلاطم میں نظر آتا ہوں میں رہ رہ کے پانی پر　　مجھے کیا زندہ لے کر موج اب ساحل سے نکلے گی

یہ کیوں بڑھنے لگی یارب کسی کی زلفِ پرخم سے　　ہماری وصل کی شب ہی گھٹ کر تل سے نکلے گی

کبھی تو آئے گا آغوش میں ہجراں نصیبوں کے　　کھٹک اس درد کی ظالم کبھی تو دل سے نکلے گی

تری اس چاند سے چہرے کا تل سوحسن رکھتا ہے　　تری تصویر کچھ بڑھ کر مہ کامل سے نکلے گی

سنا ہے نجد میں آج اک تماشا ہے قیامت کا　　لحد سے قیس لیلےٰ بے پردہ محمل سے نکلے گی

عجب انداز سے کہتا تھا بسمل یہ تہہ خنجر　　ہماری جان ہوگی تو بڑی مشکل سے نکلے گی

ریاضؔ اچھا ہے دنیا سے کرے یہ قیس بھی پردہ
کہ لیلیٰ بے نقاب اب پردہ محمل سے نکلے گی

ملا ہو خون جس سے کچھ وہی تو کام آتا ہے　　کلیجا منہ کو آتا ہے جو دل کا نام آتا ہے

مے رنگیں کا ساغر چھپ نہیں سکتا چھپانے سے　　بڑا دھبا یہ تجھ پر جامۂ احرام آتا ہے

گل و بلبل کے دشمن کس قدر صیاد و گلچیں ہیں　　یہ پھیلائی ہوئی دامن وہ کھولے دام آتا ہے

بھری خم ہم کیا کرتے تھے خالی اب وہی ہم ہیں　　بھری محفل میں خالی ہو کے ہم تک جام آتا ہے

فلک تک لے گئی آہِ رسا دل کو یہ کہہ کر　　اب ان کا بام آتا ہے اب ان کا بام آتا ہے

بنی ہے جان پر کب سے خدا جانے کب آئے گی　　پیامِ یار بن کر موت کا پیغام آتا ہے

ہمارا عیب کھلتا ہے نہ کھلنی ہے چھپی بوتل　　ہمارے کام کیا کیا جامۂ احرام آتا ہے

بہت چمکی ہوئی اک جلوہ گہہ ہے جلوہ گاہوں میں　　برابر طور کے ہم کو نظر اک بام آتا ہے

ریاضؔ ان کو کہیں چھیڑا ہے تم نے ہم نہ مانیں گے
وہ تم کو کوستے ہیں جب تمہارا نام آتا ہے

مرے دل کے ارمان مر کر نہ نکلے　　جو دل میں چبھے پھر وہ نشتر نہ نکلے

کلیم آئے تو کھل کے جلوہ دکھایا ہم آئے تو پردے سے باہر نہ نکلے
ہماری نظر حشر میں شیخ پر تھی وہ سر پہ لئے حوض کوثر نہ نکلے
چمن میں ہم آئے جو چھٹ کر قفس سے مہینوں نشیمن کے باہر نہ نکلے
نہ بولے کوئی کوہکن کے لحد پر کہیں لے کے دیوانہ پتھر نہ نکلے
جو اس دل میں ہنگامہ آرا رہا ہے وہی بزم آرائے محشر نہ نکلے
نشیمن میں گزرے کئی موسمِ گل قفس میں جو ٹوٹے تھے وہ پر نہ نکلے
یہ بت ہاتھ آئیں تو ہیں نرم و نازک ٹٹولا جو ان کو تو پتھر نہ نکلے

بٹھایا ریاضؔ اس طرح ضعفِ دل نے
بہار آئی ہم گھر سے باہر نہ نکلے

مزا تھا نئی زندگانی جو ملتی جو اس سے تھے مئے ارغوانی جو ملتی
ہمیں تیر کا وہ نشانہ بناتے کلیجے میں رکھتے نشانی جو ملتی
میسر کہاں اب مئے ناب ہم کو بہت تھی وہی ہم کو پانی جو ملتی
نگاہوں میں ہم ذرّے ذرّے کو رکھتے درِ یار کی پاسبانی جو ملتی
یہ ٹھنڈی ہوائیں یہ کالی گھٹائیں مزا تھا مئے ارغوانی جو ملتی
بہار اپنے داغوں کی اس کو دکھاتے اسیروں کو بادِ خزانی جو ملتی
اثر غیر کے موت کا تازہ رہتا ہمیں خدمتِ نوحہ خوانی جو ملتی
بڑے لطف سے دن گزر جاتے یہ بھی بڑھاپے میں ہم کو جوانی جو ملتی
ان اشکوں کو رو کا بڑا ضبطِ غم نے یہ طوفاں اٹھاتے روانی جو ملتی
پلاتے ہم اے شیخ کوثر کی تجھ کو مئے ناب ہم کو پرانی جو ملتی

ریاضؔ اب کہاں وہ جوانی کا عالم
گلے سے لگاتے جوانی جو ملتی

بجلی نظر سے گر گئی اِس دل کے سامنے
تڑپے گا کیا کوئی ترے بسمل کے سامنے

گل دل کے پھول رکھ دیں جس دل کے سامنے
اُس دل کو رکھ دیں لاؤ عنادل کے سامنے

چلتی نہیں کچھ آرزوئے دل کے سامنے
مشکل کوئی نہیں مری مشکل کے سامنے

مل جائے تو بہت ہے مری جان بہرِ وصل
وہ رات جو گھٹی ہو ترے تل کے سامنے

لیلیٰ پکاری جامے سے باہر ہوا جو قیس
یہ بے حجابیاں مرے محمل کے سامنے

آگے قدم بڑھائیں تو منزل کو ہو گریز
ہم پاؤں توڑ کے بیٹھے ہیں منزل کے سامنے

ہنگامہ خیز حشر کی اللہ رے دھوم دھام
دیکھا تو کچھ نہ تھا ترے محفل کے سامنے

کیا خاک اب بنے گی چمن میں صبا کی بات
غنچے کے منہ کی اور عنادل کے سامنے

اس سیدھی سادھی تیغ کو دیکھے کوئی ذرا
بل لاکھ لاکھ کرتی ہے قاتل کے سامنے

منزل رسیدہ قافلے والو مدد کرو
پس ماندہ لوٹے جاتے ہیں منزل کے سامنے

کیا منہ چڑھے گا آپ کے وہ شکل تو بنائے
آجائیے ذرا مہِ کامل کے سامنے

دیکھا جو اپنے عکس کو حیران رہ گئے
آئینہ بن گئے وہ مقابل کے سامنے

لیل و نہار سے نہ سپید و سیہ سے کام
یکساں ہے رنگ دیدۂ غافل کے سامنے

دیوانگانِ عشق کا اللہ رے ادب
کیا کیا جھکے ہیں طوق و سلاسل کے سامنے

واعظ دکھا رہا ہے کسے تو بھی سبز باغ
ذکرِ جناں ریاضؔ سے غافل کے سامنے

ناپائدار زندگی مستعار ہے
آئے نہ آئے سانس کا کیا اعتبار ہے

کس کا غبار ہے یہ ہمارا غبار ہے
جس کا ہر ایک ذرۂ دل بیقرار ہے

گیسو سنوارے کون یہ آیا مزار پر
کوئی نہیں ہماری شبِ انتظار ہے

ساقی ہمیں جھکا دی کہ رخصت ہو فصلِ گل
برسا دے آج پھول کہ جاتی بہار ہے

قربان اپنے کثرتِ عصیاں کے بار بار
محشر میں سب سے پہلے ہماری پکار ہے

اُلجھا ہوا ہے دستِ جنوں مجھ سے کس لئے
میری کفن کو کوئی گریباں بنا رہے

منہ چوم لے بتوں کا یہ بھولے ہیں کس قدر
ہر کام پر ہماری خدا کی سنوار ہے

نازک ہے بے پردی محمل لیلیٰ کے کچھ نہیں
یہ قیس کا غبار بڑا پردہ دار ہے

خالی نہیں ہے لطف سے مدفن کی رات بھی
وہ چار پھول ہیں میری شمع مزار ہے

پی لی تھی کچھ کہ چین سے گذری شبِ لحد
دن ڈھل چکا ہے حشر کا اب تک خمار ہے

دو چار دل میں داغ اگر ہیں ہوا کریں
کیوں سیر کو وہ آئیں کوئی لالہ زار ہے

کہتے ہیں جان پڑ گئی آفت میں وقتِ وصل
مل مل کے رکھ دیا مجھے اچھا یہ پیار ہے

میں آ گیا ہوں آئیں گی طوفان آندھیاں
آنا مرا قفس سے نشیمن کو بار ہے

ناداں ہو ریاضؔ کو تم جانتے نہیں
وہ پختہ کارِ عشق بڑا پختہ کار ہے

وہاں میکشی مے پرستی رہی
یہاں عمر بھر فاقہ مستی رہی

کھلے کب لبِ بے ظرفِ مے رات کو
مری روح ساقی ترستی رہی

حسیں دل کو تاراج کرتے رہے
ہمیشہ اُجڑتی یہ بستی رہی

بکی مے بہت فصلِ گل میں گراں
جو سچ پوچھو پھر بھی یہ سستی رہی

کہاں قفس طاؤسِ مینا رہا
کہاں لے گھٹا تو برستی رہی

پلادی تھی ساقی نے کیسی مجھے
کہ محشر میں بھی مجکو مستی رہی

تری زلف پر لوگ مرتے رہے
یہ ناگن یونہی سب کو ڈستی رہی

نہ کچھ دے سکے مے فروشوں کو بھی
بہت ان دنوں تنگ دستی رہی

قیامت میں بھی ان کے طرز خرام
قیامت پر آوازے کستی رہی

لحد پر اُگا بھی جو سبزہ کبھی
گھٹا بن کے حسرت برستی رہی

یہ پست و بلند جہاں ساتھ ہیں
رہی یہ بھی جب تک یہ ہستی رہی

گئے قبر میں دوش احباب پر
لحد تک بلندی و پستی رہی

وہ بولے تری آہ سوزاں لیا حق
ہمیشہ ترا منہ جھلستی رہی

غیر سے بدگمان ہو جاتے
میری سنتے تو کان ہو جاتے

مہربان آسمان ہو جاتے
آپ اگر مہربان ہو جاتے

میرے گھر میہمان ہو جاتے
دل میں تم آکے جان ہو جاتے

جاتے ہم زار اُس گلی میں اگر
ذرے بھی آسمان ہو جاتے

پیر فانی کو وقت بادہ کشی
ہم نے دیکھا جوان ہو جاتے

نام میرا جو بزم میں آتا
میرے لاکھوں بیان ہو جاتے

دل تو کہتا ہے لطف وصل یہ تھا
جان تن میری جان ہو جاتے

کہتے تیری ہی برگ گل، بلبل
یہ بھی تیری زبان ہو جاتے

بوسے کیا لے کوئی تصور میں
کہ ہیں رخ پرنشان ہو جاتے

ظلم ڈھانے جو آتے تربت پر
فرش رہ آسمان ہو جاتے

بادلوں میں جو مے بھری ہوتی جھک کے اُونچی دکان ہوجاتے

شیخ جی میکدہ وہ جنت ہے تم بھی جاکر جوان ہوجاتے

پاسباں تو رقیب بن جاتا ہم ترے پاسبان ہوجاتے

ملتے کم عمر مہ جبیں جو ریاضؔ
ہم ابھی تو جوان ہو جاتے

فتنے کا گزر اس بھری محفل میں نہیں ہے چل اے نگہ ناز جگہ دل میں نہیں ہے

دو گال کا بوسہ تو ابھی ڈھونڈ نکالوں کیا میری شبِ وصل چھپی تل میں نہیں ہے

پہنچیں کہ نہ پہنچیں یہ ہے تقدیر ہماری قسمت کی کجی جادۂ منزل میں نہیں ہے

کیا جاکے بنا قیس غبارِ رہِ لیلےٰ جنبش بھی تو اب پردۂ محمل میں نہیں ہے

تھی جان ترے ہاتھ میں تو دیکھ تو قاتل مٹھی میں وہ ہوگی تنِ بسمل میں نہیں ہے

لپٹے ہوئے ہیں پاؤں سے اب جادۂ صحرا مدت سے مرا پاؤں سلاسل میں نہیں ہے

صیاد ترے خوف سے یہ زرد ہوئے ہیں اب خون کی اک چھینٹ عنادل میں نہیں ہے

میں کس کے جیا ہوں کہیں پھر جان نہ جائے محشر میں تو خنجر کفِ قاتل میں نہیں ہے

کیوں تجھسے چھپاؤں ترا ارمان شبِ وصل قربان ترے چور مرے دل میں نہیں ہے

یہ نزع کی مشکل کوئی مشکل ہے مری جاں سچ ہے مری مشکل کسی مشکل میں نہیں ہے

وہ حسن جو انداز نزاکت کو لیے ہو کچھ ہے مہِ نو میں مہِ کامل میں نہیں ہے

کیوں تو نے ریاضؔ اس بتِ ناداں کو سنایا
اللہ کا بھی خوف ترے دل میں نہیں ہے

شبِ غم کی سحر نہیں ہوتی ہو بھی تو میرے گھر نہیں ہوتی

حلق سے گھونٹ بھر جہاں اُتری — توبہ پھر عمر بھر نہیں ہوتی

ہوگی فریاد وہ عنادل کی — آہ تو بے اثر نہیں ہوتی

رہ کے تیرے قفس میں اے صیاد — ہوسِ بال و پر نہیں ہوتی

وصل میں یہ بلا بھی ہوتی ہے — رات پچھلے پہر نہیں ہوتی

سر کو ٹکرا کے ہم نے دیکھ لیا — غم کی دیوار در نہیں ہوتی

صبح فرقت ہو شام کیا ممکن — میرے گھر دوپہر نہیں ہوتی

آہ کا پیچ و تاب دیکھو تو — ایسی موجِ شرر نہیں ہوتی

ہم نے دیکھا ہے ان حسینوں کو — ہوتے ہیں بل، کمر نہیں ہوتی

بنتی ہے کہکشاں بوقت خرام — رہگزر رہگزر نہیں ہوتی

گل و بلبل صبا کو یکساں ہیں — وہ اِدھر یا اُدھر نہیں ہوتی

موت جو بے بلائے آتی ہے — وہ بھی ہم سے خبر نہیں ہوتی

دن چڑھے تک حسین سوتے ہیں — ان کے گھر بھی سحر نہیں ہوتی

جائیں گے آستانِ ساحرؔ[1] پر
اے ریاضؔ اب بسر نہیں ہوتی

یہ کوئی بات ہے سنتا نہ باغباں میری — کہاں اثر میں وہ ڈوبی ہوئی فغاں میری

چلی ہے آج سنانے انھیں فغاں میری — ارے ضرور یہ کٹوائے گی زباں میری

ہلی زبان کہ بجلی ہے پھر فغاں میری — خدا کرے نہ قفس میں کھلے زباں میری

وہ زلف کھول کے شرمائیں غیر کے گھر آج — کچھ اس ادا سے شبِ غم ہو میہماں میری

---

[1] سر مہاراجہ بہادر محمود آباد اعلی اللہ مقامہ

مجھے یہ ڈر ہے نہ پھولے پھلے بہار میں یہ — جھکی ہوئی ہے بہت شاخ آشیاں میری

غضب کا درد قیامت کا ہی اثر اس میں — خدا کسی کو نہ سنوائے داستاں میری

یہ دیر میں نہیں بجتے ہیں خود بخود ناقوس — حرم میں گونج رہی ہے بتواذاں میری

تم اپنے بام سے فریاد کی اجازت دو — یہاں سے تو نہیں سنتا ہی آسماں میری

کسی کے آنے کا اب انتظار کون کرے — پکارتی ہے مجھے مرگ ناگہاں میری

کہے کہے نہ کہے کوئی مجھکو کیا اس سے — سنیں سنیں نہ سنیں آپ داستاں میری

وہ بولے حشر میں کھل کھیلنے کو کہتے ہیں — سنا رہی ہیں مجھے آج شوخیاں میری

نہ دست ناز میں لو تیغ اس نزاکت سے — تمہارے بس کی نہیں جان ناتواں میری

زباں میں بھی اثر ہے مرے بیاں میں بھی — سنیں نہ آپ مرے منہ سے داستاں میری

جو بوسہ وصل میں مانگوں تو دیں سزا مجھکو — جو لب ہلاؤں تو وہ کاٹ لیں زباں میری

میں ناتواں بھی گیا آج بام تک اُن کے — یہ زار تھا کہ مجھے لے اُڑی فغاں میری

شراب پی کے بس توبہ جو مانگوں بھولے سے — تو مے فروش کہے نذر ہے دکاں میری

کچھ اب کی باغ میں اس دھوم سے بہار آئے — نہ باغباں کی سنوں میں نہ باغباں میری

جو یہ کہا ہو مری آئی تجھکو آ جائے — مجھے نصیب نہ ہو نیند پاسباں میری

پیام موت کا ہے یاد انہیں مری کیسی — کچھ آج اور ہی کہتی ہیں ہچکیاں میری

وہ بولے ابرو و مژگاں کو کیا ہوا شب وصل — دھری رہی یونہی ناوک مرے کماں میری

اُٹھاؤں عفو کی لذت بھی لطف عصیاں بھی — مرے کریم یہ تقدیر ہے کہاں میری

ستانے والے کو کچھ قدر ہو ستانے کی — انہیں ستائے جو مانے یہ آسماں میری

وہ میں ہوں آج زمانے کو ناز ہے جس پہ — ریاض دھوم ہے جس کی وہی زباں میری

کوچۂ یار میں جائیں گے یہ ہم سے پہلے
اُٹھتے ہیں نقشِ قدم آج قدم سے پہلے

چونکے ہیں حشر میں ہم اہلِ حرم سے پہلے
شیخ فردوس میں کیا جائے گا ہم سے پہلے

کام لیتے وہ کرم سے تو ستم ہو جاتا
خیر گزری کہ پڑا کام ستم سے پہلے

بزم آرائیوں کے کس نے سلیقے سکھلائے
ہم سے گزرے ہیں بہت خسرو و جم سے پہلے

جس کسی بزم میں دورِ مے و مینا دیکھا
ہم پہ مست جھکے ابرِ کرم سے پہلے

پھیر لی آنکھ یہ سنتے ہی بتِ کافر نے
ہم تھے مانوس غزالانِ حرم سے پہلے

منہ دکھائے ہمیں دنیا کی مسرت اب کیا
کیوں ملے کھول کے دل ہم ترے غم سے پہلے

محفلِ مے میں زاہد کے فرشتے بھی شریک
بے تکلف تو نہ تھے بزم میں ہم سے پہلے

ہوتی ہے حشر میں بھی لذتِ غفلت محسوس
ہم عجب خواب میں تھے خوابِ عدم سے پہلے

بوجھ ہم دل کا اٹھائیں گے یہ کہتی تھی نگاہ
تیری انداز تھے کچھ اور ستم سے پہلے

میکدے سے جو گیا میں تو سوئے دیر گیا
اب کی جاؤں تو ملوں اہلِ حرم سے پہلے

ہم نے آنکھوں میں لیا اور جگہ دی دل میں
کوئی ہمسانہ ملا غم کو بھی ہم سے پہلے

میری توبہ نے خرابات بنایا اس کو
میکدہ باغِ جناں تھا مرے دم سے پہلے

صدقے شوخی کے ڈھیرتا ہوں دمِ وعدۂ وصل
لب پر آ جائے تبسم نہ قسم سے پہلے

آج سر پر لئے میخانہ لہ یاسؔ آتے ہیں
کوئی کہہ آئے ذرا اہلِ حرم سے پہلے

ہو عیاں جب سوزِ دل آواز سے
کام لیں کیا پردہ ہائے ساز سے

زخم ٹپکے پھر نگاہِ ناز سے
ایک بوسہ پھر اسی انداز سے

کیا بنے ہیں کیا بنایا ہے انھیں
ہے خدا واقف بتوں کے راز سے

کام آیا گوشۂ میدان حشر | لے گئے بازی ہم اُس غماز سے
ہم چھُٹے لیکن قفس سے کب چھُٹے | بال و پر جب رہ گئے پرواز سے
توڑ کر دل سنئے آواز شکست | یہ نہیں ملتی کسی آواز سے
باتیں بڑھ بڑھ کر بنائی ہیں بہت | سحر کار آنکھیں لب اعجاز سے
کہہ گئی پنبہ دہن مینا کو آج | حضرت واعظ دبی آواز سے
دل یہ جانے میں بھی کوئی چیز ہوں | لیں ادا سے ناز سے انداز سے
پاس تھا نا قوس بھی موقع نہ تھا | دی اذاں میٹھی ہوئی آواز سے
طور سے پہلے بھی دیکھا ہے تجھے | کان ہیں کچھ آشنا آواز سے
میں طلسم ہستی موہوم ہوں | بے خبر انجام سے آغاز سے

میکشوں میں رند حق بیں ہیں ریاضؔ
آپ واقف ہیں خدا کے راز سے

قیامت ہے کس کی اٹھائی ہوئی | یہ آفت ہے سب ان کی لائی ہوئی
اکیلی لحد میں ہے آئی ہوئی | قیامت بھی ہے کھسلی کھائی ہوئی
اُڑائیں گے وہ خاک میرے لیئے | بڑی وقت اُن سے صفائی ہوئی
جو منہدی لگانا نہیں جانتے | یہ ہے آگ انہیں کی لگائی ہوئی
تری بزم میں ہم بُرے کیوں بنے | وہ کیا ایسی ہم سے بُرائی ہوئی
یہ کاہے کو آئی مری قبر میں | قیامت ہے اُن کی ستائی ہوئی
نہ کام آسے نالے نہ دل کی تڑپ | کسی کی نہ ان تک رسائی ہوئی
ہوا کیا پڑا آئینہ بیچ میں | یہ تھا کون کس سے لڑائی ہوئی

ہنسی میں اُڑاتے وہ کیا میری بات — کہو دب گئی اب تک آئی ہوئی

نہ کہنا عدو سے کوئی دل کی بات — جہاں منھ سے نکلی پرائی ہوئی

عدو کو وم ذبح وہ لائے ساتھ — اُسے آگئی میری آئی ہوئی

دکھاؤ نگہہ کی جو تم شوخیاں — پھرے برق بھی تلملائی ہوئی

نہیں آتشِ طور دل کی لگی — بجھے گی نہ اُن کی لگائی ہوئی

خدا اپنے بندوں کی سہتا اگر — تو سُنتے بتوں کی خدائی ہوئی

مری قبر پہ آکے میکش پئیں — گھٹا حسرتوں کی ہے چھائی ہوئی

یہی تو مری جان کا ہے عدو — سب آفت ہے اس دل کی لائی ہوئی

اُڑا اور ریاضؔ اُٹھ کے بوتل کے کاگ

گھٹا کب سے ہے آج چھائی ہوئی

گلوں کے پردے میں شکلیں ہیں مہ جبینوں کی — یہ ڈالیاں ہیں کہ ہیں ڈولیاں حسینوں کی

یہ آستینیں نہیں ہیں چھپی ہوئی ظالم — بلائیں لی ہیں نگاہوں سے آستینوں کی

کسی کے جلوے سرِ عرش چھپ نہیں سکتے — کہ دور رس ہیں نگاہیں بلند بینوں کی

پس فنا بھی نہ خالی رہیں یہ قصرِ رفیع — نہ ہوں مکین تو قبریں رہیں مکینوں کی

کس انتہا کی نزاکت ہے میرے شعروں میں — نظر لگے نہ کہیں ان کو نکتہ چینوں کی

جو نیند آئے تو یوں آئے موت آئے تو یوں — ہماری سامنے شکلیں ہوں مہ جبینوں کی

ہم اپنے ملکِ سخن کو وسیع کرتے ہیں — ہمیں تلاش ہے ہر دم نئی زمینوں کی

انھیں غرض مری باتیں کھڑی کھڑی سن لیں — سنیں گے بیٹھ کے وہ اپنے ہم نشینوں کی

کہاں وہ چاندنی راتیں وہ چاند کی ٹکڑے — نہ اب وہ ہم ہیں نہ شکلیں ہیں مہ جبینوں کی

اُترتے ہیں نئے مضموں جو آسماں سی ریاض
تلاش رہتی ہے ہم کو نئی زمینوں کی

ہجر کی شب کس قدر تیرہ مرے اللہ ہے — راہِ دل بھولی ہوئی یادِ بت گمراہ ہے
اے جنوں کم برگ گل سی مجکو سنگ راہ ہے — زور بازو ہو اگر تو کوہ مثل کاہ ہے
توبہ توبہ بادہ نوش و رند و میخانہ کہاں — معتکف مسجد میں کوئی پیر حسن آگاہ ہے
غم نہیں تیری درازی کا مجھے ای روز ہجر — ہوں چراغ صبح میری عمر تو کوتاہ ہے
چومیں گے ہم سنگ اسود چھوڑ کر روئے بتاں — عقل پہ پتھر پڑیں اب عزم بیت اللہ ہے
کعبے جانے میکدے تک بس پہنچنا چاہئے — پھر وہاں سی تو خدا کے گھر کی سیدھی راہ ہے
خون تیری ساتھ تیری آرزوئیں بھی ہوئیں — اے دل مرحوم تیرا حادثہ جانکاہ ہے
مست اپنے حال میں ہر ایک آتا ہے نظر — میکدے میں جاکے دیکھو جو گدا ہی شاہ ہے
ہو کا عالم بولتی ہے پتی پتی دشت کی — رات تیرہ ایک میں ہوں یا میرا اللہ ہے
کوئی دیکھے اُس کی جنبش سر کی گردش وقت وعظ — طرۂ دستار واعظ بھی دُم روباہ ہے
طور پہ ہم دیکھ آئے خاک اُڑاتی ہے وہاں — کوئی برق حسن کی اب اور جولانگاہ ہے
جیتے جی کم بخت کے دھندوں سی چھٹکارا نہیں — کوئی ہو دنیا کا جھگڑا جان کے ہمراہ ہے
سُن رہا ہی کس طرح واعظ مرے رندانہ شعر — مجکو دل میں کوستا ہی اور لب پہ واہ ہے
یہ بڑھائی گا خلش میری لئے کیا اے جنوں — کوئی نازک سی رگ گل ہی کہ خار راہ ہے
جانے والی عرش کی پہنچی نہ ان کے بام تک — آخر ایسی کیا گئی گزری ہماری راہ ہے
اس کو یہ سمجھا دیا اس کی نزاکت نے کہیں — آرزوئے وصل جس کو ہو ترا بدخواہ ہے
مثل ایماں دل میں رکھا ہی بت کافر تجھے — تو نہیں آگاہ ہے میرا خدا آگاہ ہے

آسماں سے وہ اگر آتی ہے تو یہ بام سے
عشق کیا ہی عشق بھی اک آفتِ ناگاہ ہے

شعلہ اس کا ڈال دے گا آسماں تک اک لکیر
بجلیاں لیں گی بلائیں یہ ہماری آہ ہے

ہم سیہ کاروں کا بھی اے شیخ بن جا رہنما
پہلے ہی سے جوئے مے بتلا دو کتنی تھاہ ہے

خیر گذری دل پھرا یہ کہہ کے کوئی زلف سے
کالے کوسوں منزلِ مقصود تیرہ راہ ہے

کی جو سرتابی تو پیوندِ زمیں ہو جائے گا
اے فلک یہ بارگاہِ ساحرِ[1] ذی جاہ ہے

نور افشاں ذرۂ خاکِ قدم ہیں رات دن
نقشِ پا ہر ایک دن کو مہر شب کو ماہ ہے

میں بہت نزدیک ہوں گو ہوں درِ دولت سے دور
کوئی کہہ دے کون مجھ سا بندۂ درگاہ ہے

سوئے دامن ہاتھ ادب سے میں بڑھا سکتا نہیں
دامنِ دولت تو ہے قسمت مری کوتاہ ہے

مہرباں سرکار ہیں ہر چند ناکارہ ہوں میں
کام میرا کچھ نہیں ہے مفت کی تنخواہ ہے

وسعتِ دامانِ دولت مجھ سے کہتی ہے ریاض
میں تو سب کچھ ہوں مگر قسمت تری کوتاہ ہے

پردہ کس امر کا ہے اب اس بد نصیب سے
کہیے تو بات رات کی کہہ دوں رقیب سے

دیکھے جو دل کے داغ تو بولے رقیب سے
ملتے ہیں ایسے چاند کے ٹکڑے نصیب سے

چہلیں ہیں مجھ غریب سے چھیڑیں رقیب سے
پڑتا ہے کام دیکھیے کس خوش نصیب سے

اس مرتبہ جنوں میں یہی مشغلہ رہا
دے دے کے پھول داغ لئے عندلیب سے

تم ہو کلیم دیکھنے والوں میں دور کے
لوٹے ہیں ہم نے یار کے جلوے قریب سے

اچھے ہیں اک جہان سے اس کے مریضِ عشق
ان کو دوا سے کام نہ مطلب طبیب سے

کم بخت کی زبان سے نکلی ہے کوئی بات
کلیاں ہیں منہ پھلائے ہوئے عندلیب سے

---

[1] سر مہاراجہ بہادر محمود آباد اعلیٰ اللہ مقامہ۔

واعظا تری بہشت کا ہم جانتے ہیں حال | دلچسپیاں بڑھا نہ بیانِ عجیب ہے
جو بد مزاج دے نہ تسلی مریض کو | اچھا ہے اشتدادِ مرض اس طبیب ہے
کانٹوں کے بدلے پھول چُنے کس نے اے جنوں | سُن آئے ہیں چمن میں وہ کچھ عندلیب ہے
کافر ترے سوا جو کسی کی ہو آرزو | ہم دور ہوں خدا سے خدا کے حبیب ہے
اس ضعف میں یہ چال ہے ملتی نہیں اُسے | چلتی ہے چال نبض ہماری طبیب ہے
اللہ رے خلوص کہ منزل ابھی ہے دور | غربت کی شام آ کے ملی مجھ غریب ہے
دبتی ہے یہ ضرور جو خود بیٹھتی ہے وہ | جھکتی ہے شاخِ گل بھی ذرا عندلیب ہے
پوشیدہ دل میں ہے کسی پردہ نشیں کا عشق | دردِ نہاں کا حال کہوں کیا طبیب ہے
تجھ میں پڑی ہی جان ہماری پڑی بھی رہ | اے آرزو نہ جا دلِ حسرت نصیب ہے
لائی کچھ ان کے واسطے کچھ اپنے واسطے | گلبن سے پھول داغ لئے عندلیب ہے
سر بھی سبوئے سر بھی بچا آج بال بال | زاہد نے بڑھ کے کام لیا تھا جریب ہے
دن دوپہر نہ آج ہوا اندھیر تو سہی | گزریں ذرا وہ حشر میں میرے قریب ہے
بل گیسوؤں سے بڑھ کے جبیں پر پڑے ہوئے | کوئی یہ جانے آئے ہیں لڑ کر رقیب ہے

دنیا کی کوئی بات نہیں جانتے ریاضؔ
اِک شخص ہیں ریاضؔ بہت ہی غریب ہے

اللہ دل وہ دے خلش افزا کہیں جسے | اتنا تو ہو کہ خارِ تمنا کہیں جسے
اب زلفوں والے گیسوؤں والا کہیں جسے | آئینے میں وہی ہے کہ تجسا کہیں جسے
واقف ہیں وہ جو روزِ قیامت کے طول سے | وعدہ کیا ہے وعدۂ فردا کہیں جسے
لے لیں گے سستے داموں کوئی دے جو دل سی چیز | یہ جنس وہ ہی مفت کا سودا کہیں جسے

حاصل اگر ہوئی بھی تو حاصل نہیں ہے کچھ | بے اعتبار چیز ہے دُنیا کہیں جسے
کہیئے تو پھینک آئیں اسے کوئے غیر میں | یہ دل وہ ہے کہ راہ کا کانٹا کہیں جسے
متوالے پن کا ہائے یہ عالم شباب میں | اے مست نازنشۂ صہبا کہیں جسے
وہ درد کی چمک ہی کہیں جس کو برقِ طور | دل کا ہے داغ دیدۂ موسیٰ کہیں جسے
رندانِ مے پرست کا طاعت کدہ ہے ور | کعبہ جسے کہیں نہ کلیسا کہیں جسے
اٹھی تو ہو بیان میں واعظ شگفتگی | ہم رند سن کے قلقلِ مینا کہیں جسے

میرے سوا زمانے میں کوئی نہیں ریاضؔ
اہلِ کمال شاعرِ یکتا کہیں جسے

بھٹکا ہوا خیال ہے عقبیٰ کہیں جسے | بھولا ہوا سا خواب ہے دنیا کہیں جسے
وہ موجِ آبِ اشک ہی دریا کہیں جسے | گوشہ ہے دل کا دامنِ صحرا کہیں جسے
ظالم کی آرزو نے جگہ لی ہی اس طرح | دل میں چبھا ہوا کوئی کانٹا کہیں جسے
دیکھے شبِ فراق میں کوئی تو ہم دکھائیں | دل کا وہ داغ چاند کا ٹکڑا کہیں جسے
ساقی وہ موج اٹھے ترے پُر نور جام سے | سب طور والے برقِ تجلّیٰ کہیں جسے
رہتا نہیں ہی ہوش جب آتی ہے فصلِ گل | یہ بھی ہے کوئی شوق کہ سودا کہیں جسے
ان آرسی کے دیکھنے والوں کو کیا پرکھ | اچھا ہی وہ حسین ہم اچھا کہیں جسے
کیا آئے ہم جو آئے بھی تربت سے حشر میں | یوں اُڑ کے خاک آئی بگولا کہیں جسے
اے شیخ تیرے سر کے سوا دوسرا نہیں | ایسا سبو کہ رند اچھوتا کہیں جسے
اُٹھ جائے وہ بھی آنکھ سی آنکھوں کے دیکھتے | اے پردے والو آنکھ کا پردا کہیں جسے
دل ہے وہ مجھ غریب کا یا عندلیب کا | کانٹوں میں پھول پھولوں میں کانٹا کہیں جسے

وہ ورد میں چمک کہ بنے بڑھ کے برقِ طور — دل میں وہ داغ چشم تماشا کہیں جسے

جی چاہتا ہی آنکھوں میں اپنے لئے پھروں — ٹکڑا وہ دل کا دامن صحرا کہیں جسے

ہر اشکِ غم کو جانئے اک دل بجائی خود — دل کی ہے موج دامن دریا کہیں جسے

گلزار میں وہ پھول ہی جس کا ہی نام مے — زاہد وہ سبز باغ ہے مینا کہیں جسے

اہلِ حرم میں جا کے بنا آج شیخ وقت
کافر ریاضؔ پیر کلیسا کہیں جسے

میں اُٹھا رکھوں نہ کچھ ان کے لئے — یہ حسیں مل جائیں دو دن کے لئے

وعدۂ فردا کے سچّے مل گئے — اب اُٹھا رکھوں میں کس دن کے لئے

کل کے وعدے پہ نہ دے وہ میفروش — جس نے توڑی ہم سے گن گن کے لئے

قورمامرغِ سحر کا وصل میں — بھیج دیتا ہوں موذّن کے لئے

یہ نہ کہنے کو ہو بے گنتی دیئے — میں نے بوسے ان کے گن گن کے لئے

منہ جھُلسنے کو خزاں کا عندلیب — آشیاں میں بیٹھے ہیں تنکے لئے

میکشو واعظ مرے سر ہو گیا — کوئی تدبیر اس پڑھے جن کے لئے

یہ ریاضؔ ان کے بہت چھٹے منہ لگے
اُٹھ رہا کیا آج کچھ دن کے لئے

کیوں جوانی آئی دو دن کے لئے — دن گنے جاتے تھے اس دن کیلئے

حرص ہے مجکو نہیں اے میفروش — ایک خم کافی ہے دو دن کیلئے

یہ بھلے سب سے ہمارے واسطے — ہم بُرے کن کے لئے اُن کیلئے

چھیڑ میری دیکھنا وقت اذاں — کان چمکے سے موذن کیلئے

تو بتادے تیرے ہونٹھوں کے نثار — بوسے کیوں کر تیرے گن گن کیلئے

ہے فرشتوں کی برابر عمر حور — کیا تمنا ایسی کمسن کیلئے

دیدۂ و دل پھوٹ کر روتے ہیں کیوں — جھینکتے تھے ہم اسی دن کیلئے

ہم نے اپنے آشیاں کے واسطے — جو چبھے دل میں وہی تنکے لئے

تم جوانی کے مزے لوٹو ریاض
عیب بھی زیبا ہے اس سن کیلئے

دل میں چبھ جائے وہ کانٹا چاہیئے — دل میں بس جائے وصحرا چاہیئے

اس کی رحمت کا سہارا چاہیئے — یہ سہارا ہو تو پھر کیا چاہیئے

تیرے صدقے کیا کہا کیا چاہیئے — اک حسیں پہلو میں سجتا چاہیئے

آدمی قسمت کا اچھا چاہیئے — قسمت اچھی ہو تو پھر کیا چاہیئے

لے کے دل محرم میں رکھا پھر کہا — ایسے نامحرم سے پردا چاہیئے

ہے لباس پارسائی پردہ پوش — زیر دامن جام صہبا چاہیئے

حسن پر حسن تبسم جان حسن — جب ہنسیں منہ چوم لینا چاہیئے

بھولی بھولی ہے بہت تصویر یار — کیجیئے پیار اس کو جتنا چاہیئے

چھیڑنا کافر بتوں کا ہے ثواب — جب ملیں ان کو ستانا چاہیئے

جوش وحشت کا ٹھکانا اب نہیں — ساتھ میرے ایک صحرا چاہیئے

تھی جوانی عیش دنیا کے لئے — ہے بڑھاپا فکر عقبیٰ چاہیئے

گیسوؤں والو گرہ سے کچھ تو دو — لے کے دل بوسہ تو دینا چاہیئے

دن تو ہے دنیا کے دھندے کے لیئے — شام ہوتے جام و مینا چاہیئے

جو نہ چھوٹے ہاتھ سے دامن وہ ہو — جو نہ ٹوٹے وہ سہارا چاہیئے

گُدگُداتا ہو جنہیں جن کا شباب — ایسے معشوقوں کو چھیڑا چاہیئے

باغباں مجھ آشیاں برباد کو — پاؤں دھرنے کا ٹھکانا چاہیئے

دل دیا میں نے تو جھنجلا کر کہا — دل نہیں تیرا کلیجہ چاہیئے

بام پر کوئی ہے کوئی عرش پر — سامنا کس کو ہو دیکھا چاہیئے

نزع میں سب مشکلیں آسان ہیں — حلق سے دو گھونٹ اُترنا چاہیئے

تیس روزوں کا ہے حاصل صبحِ عید — آج تو پینا پلانا چاہیئے

جھوٹے سچے جب کریں اقرارِ وصل — منہ بتوں کا چوم لینا چاہیئے

چل گیا سکّہ ہوئی محرم سے کام — اے نگاہِ شوق اب کیا چاہیئے

وہ بھی نازک اور نازک وقت بھی — کیا ہو صبحِ وصل دیکھا چاہیئے

دل کے بدلے میرے پہلو میں ریاضؔ
اک حسیں اچھے سے اچھا چاہیئے

جو اپنے گھر سے آیا ہی تو یہ رنگِ حیا کیوں ہے — تری صدقے یہ شرمائی ہوئی نیچی ادا کیوں ہے

وفا سے ضد تجھے اے دشمنِ اہلِ وفا کیوں ہے — مزا ملتا ہے کیا اس میں یہ اندازِ جفا کیوں ہے

حنا اس نے لگائی تھی کہ تم نے پاؤں میں اپنے — مری کوچے میں آتش زیرِ پا ہر نقشِ پا کیوں ہے

وہ آتا ہی تو اس کو پاس آنے نہیں دیتی — اثر سے آج کچھ روٹھی ہوئی میری دعا کیوں ہے

جو اپنے دردِ دل کی وجہ کچھ پوچھی تو وہ بولے — مری جانے بلا کیا ہے مری جانے بلا کیوں ہے

میں کہتا ہوں کسی کا کیا گلا شکوہ ہے قسمت کا — وہ کہتے ہیں ہمیں ہوتے مقدر کا گلا کیوں ہے

کہیں ماتم میں وہ بھی یا کسی نے ہاتھ چومے تھے
یہ تیری رنگ میں اتنی اداسی اے حنا کیوں ہے

مرے دل کی تڑپ نے کیا قیامت ڈھائی محشر میں
الٰہی مضطرب ان کی نگاہِ فتنہ زا کیوں ہے

بتانِ شوخ کے ہاتھوں سے اس کا کام چلتا ہے
سلامت دست و پا ان کے حنا بے دست و پا کیوں ہے

جلا دامن کبھی تیرا کہ منہ جھلسا کبھی اس نے
تجھے شمعِ لحد سے لاگ اے بادِ صبا کیوں ہے

گلے شکوے ہوا کرتے ہیں رسم و راہ ہونے پر
تعلق ہی نہیں ان سے تو پھر ان کا گلا کیوں ہے

دلِ ناداں تجھے آتا نہیں باتیں بنانا بھی
بھلائی کرکے میری تو حسینوں سے برا کیوں ہے

ہٹا کر منہ سے آنچل جن کے بوسے روز لیتے تھے
کفن منہ سے ہٹا کر پوچھتے ہیں تو خفا کیوں ہے

وہ کہتے ہیں لبِ گلرنگ تو نے کس کے چومے ہیں
ریاضؔ اشعارِ رنگیں میں ترے اتنا مزا کیوں ہے

کس کی نگاہ لڑ گئی کس کی نگاہ سے
طوفان بجلیوں کا اٹھا جلوہ گاہ سے

ہم مل گئے جو خاک میں نیچی نگاہ سے
فتنے بھی الٹے پاؤں پھرے ان کی راہ سے

آگاہ تھے نہ دل سے نہ وہ دل کی آہ سے
اک شے پڑی ہوئی تھی اٹھا لائے راہ سے

یہ میکدے کی بھیڑ یہ انبوہ یہ ہجوم
ہم تو نکل کے کھو سے گئے خانقاہ سے

قسمت کے پیچ مٹ نہیں سکتے کسی طرح
یہ بل نکل کے آئے ہیں زلفِ سیاہ سے

ساتھ ان کے لاکھوں فتنۂ خوابیدہ ہو لئے
اک حشر اٹھا جب اٹھ کے چلے خوابگاہ سے

آئی تھی کس غرور سے تیری گلی میں وہ
کیا کیا قیامت آج دبی گردِ راہ سے

ہٹتے ہو تم نہ آگے سے ہٹتا ہے آئینہ
کس پر بنی ہے آج یہ کس کی نگاہ سے

یوں دل دکھا رہے ہیں ملا کر وہ خاک میں
ٹھکرا رہے ہیں قبر کو پائے نگاہ سے

توبہ شکن یہ کون ہوا خم سے ہم کنار
کیا کیا ملی ہے لوٹ کے توبہ گناہ سے

یہ ایک لطف لاکھ ستم کا جواب ہے | محشر میں ہنس کے کہہ گئے کچھ داد خواہ سے

اخترؔ[1] کو اپنی آنکھ کا تارا بنائیں گے | امید ہے یہ داغ فلک بارگاہ سے

یہ ہاتھ بڑھ کے ڈالتی ہے سوتے جاگتے | مژگاں بڑھی ہوئی ہے تمہاری نگاہ سے

وبنا پڑا ریاضؔ ہمیں اس زمین میں
گھٹ کر رہے جلیلِ سخن دستگاہ سے

ہاتھوں کا آج کام لیا ہے نگاہ سے | آنکھوں میں رکھ کے لائے انھیں جلوہ گاہ سے

پھرتے ہیں کیسے حشر میں وہ ہنستے کھیلتے | کچھ داد گر سے کام نہ کچھ داد خواہ سے

دل سے گئی نہ لذت عصیاں تمام عمر | کیا کچھ کیا مگر نہ بھرا جی گناہ سے

رکھا ہے ہم نے آنکھوں میں دل کو تمام عمر | دیکھے کوئی حسین نہ ترچھی نگاہ سے

کیوں جائیں کیوں سنیں ترے درباں کی گالیاں | در گزرے ایسے وضع سے ایسے نباہ سے

دامن اٹھائے صبح قیامت ہے ساتھ ساتھ | آئے ہیں جلوہ گاہ میں وہ خواب گاہ سے

تم کو کبھی نہ چین سے سونا ہوا نصیب | دشمن کے گھر بھی نیند اڑی میری آہ سے

بے موت کی یہ موت ہے اللہ کی پناہ | بچنا پڑا شباب میں ہم کو گناہ سے

ان کی گلی میں چل نہ سکی کچھ بھی حشر کی | فتنے ہمیشہ دبکے رہے گرد راہ سے

باتیں وہ تھیں شباب کی اب میکدہ کہاں | مسجد میں آرہے جو اُٹھے خانقاہ سے

شاید ریاضؔ ہیں جو عصا ٹیکتے ہوئے
آئے ہیں میکدے میں ابھی خانقاہ سے

ہاتھ ٹوٹیں جو انہیں ہاتھ لگائے کوئی | وہ ستائیں مگر ان کو نہ ستائے کوئی

۱۔ نواب اختر یار جنگ بہادر۔

واعظ انگور میں ہے بنت عنب رو بہ نقاب　　آنکھیں پھوٹیں جو اُدھر تاک لگائے کوئی

کس نے لب چوسے ہیں ہونٹھوں کی کیا کہتی ہے　　بات بگڑی ہوئی ہم سے نہ بنائے کوئی

بیکسی کہتی ہے یہ دیکھ کے تربت کا چراغ　　آپ بجھ جائے گا اس کو نہ بجھائے کوئی

غیر کے ساتھ یہ ہے آپکے درباں کا سلوک　　میں نہیں وہ کہ مجھے آنکھ دکھائے کوئی

گھونٹ شربت کے ہیں واعظ یہ مئے تلخ کے گھونٹ　　نشہ ہوتا ہی نہیں لاکھ پلائے کوئی

نازنیں کوئی سمائے نہ مری آنکھوں میں　　میری آنکھوں میں نہ اس طرح سمائے کوئی

خم مے لے کے الگ بیٹھ رہا ہوں سب سے　　ایک گوشے میں جہاں آئے نہ جائے کوئی

بن گئے برق تبسم سے شرر شمع تو کیا　　ہم سے روتے ہوؤں کو آکے ہنسائے کوئی

کس کو دیکھا ہے جھلکتے ہوئے انگوروں میں　　سایۂ تاک میں ہے تاک لگائے کوئی

جیتے جی داغ دئے تھوڑی کسی نے مجکو　　کیوں مری قبر پر اب پھول چڑھائے کوئی

چین سے کوئی شب وصل یونہی سونے دے　　نہ جگائے انھیں کوئی نہ ستائے کوئی

تم کہاں لے کے چلے ہو دل پر داغ ریاض
اس کو گلدستۂ محفل نہ بنائے کوئی

حسینوں کا عالم نیا ہو رہا ہے　　کہ جس بت کو دیکھو خدا ہو رہا ہے

نہ پوچھو دم حشر کیا ہو رہا ہے　　بتوں سے ہی ہیں چہلیں مزا ہو رہا ہے

لیا بڑھ کے محشر میں ان تو بولے　　انھیں کیا ہوا ہے یہ کیا ہو رہا ہے

کروں ترک الفت بھلا ہی اسی میں　　زمانہ بہت ہی برا ہو رہا ہے

یہ حسن جوانی یہ عالم تمہارا　　ہر اک دل ہی دل میں فدا ہو رہا ہے

اثر ان کی محشر خرامی کا ہے یہ　　جدھر دیکھو فتنہ بپا ہو رہا ہے

پس توبہ میرا وہ ساغر اُٹھانا — وہ ناصح کا کہنا یہ کیا ہو رہا ہے

نہیں ظلم میں تجھسے گردوں کو نسبت — بہت نام اونچا ترا ہو رہا ہے

یہ گھر کر رہی ہے کوئی چاندنی شکل — کہ داغِ کہن پھر نیا ہو رہا ہے

نہ سونے دیا چین سے کس نے بیرنے — میں صدقے یہ میرا گلا ہو رہا ہے

جواں ہو کے تم کیا نئے بن گئی ہو — ارے ایک زمانہ نیا ہو رہا ہے

وہ سوتے ہیں چوری چھپے ہاتھ رکھنا — وہ کہنا کسی کا یہ کیا ہو رہا ہے

اثر کام آئے ترے عہد میں کیا — وہ خود عاشقوں کی دعا ہو رہا ہے

یہ زاہد بتوں کے ستائے ہوئے ہیں — کہ جب دیکھو ذکرِ خدا ہو رہا ہے

سنا ہے میں نے حسینوں کو کیا کیا — جہاں جاؤ میرا گلا ہو رہا ہے

ریاض آ گئی موج کیا فصلِ گل میں

یہ چوری چھپے آج کیا ہو رہا ہے

رنج اس شوخ سے دل میں کوئی کیا رہنے دے — ضد ہے محشر میں رہ و رسمِ وفا رہنے دے

ساتھ شوخی کے کچھ آنکھوں میں حیا رہنے دے — یہ بھی اک چیز ہے او فتنہ ادا رہنے دے

عرش پر پاؤں تو پھیلائے بہت ہیں تو نے — اے اثر چین سے جب تجکو دعا رہنے دے

کچھ بھی آیا نہ تجھے خاک اُڑانے کے سوا — منھ نہ کھلوا مرا اے بادِ صبا رہنے دے

سیر دکھلائے گا یہ فتنۂ رفتار کے ساتھ — دامنِ ناز سے دل کو بھی لگا رہنے دے

خمِ مے لے کے نہ اُڑ جائیگا اے پیرِ مغاں — ابرِ رحمت جو جھکا ہے تو جھکا رہنے دے

حشر کے روز جفا پر یہی کام آئے گی — اپنی آنکھوں میں مروت بھی ذرا رہنے دے

مجکو ارمان منائی کوئی میرے دل کو — اُن کو یہ ہٹ کہ خفا ہے تو خفا رہنے دے

درِ میخانہ نہیں ہے یہ درِ کعبہ ہے — ہر جگہ چھیڑ تو اے لغزشِ پا رہنے دے

فتنوں پر ناز قیامت کو بہت ہے اے شوخ — اپنے قدموں سے ہیں تو بھی لگا رہنے دے

سچ تو یہ ہے کہ مئے ہوش ربا ہے وہ چیز — آئے یاروں میں تو واعظ بھی ہوا رہنے دے

پھول جب رونقِ دامن ہے تو کیا کام اس کا — میری مرجھائی ہوئے دل کو جدا رہنے دے

سامنے داورِ محشر کے زباں کھلتی ہے — پھر نہ کہنا گلۂ جور و جفا رہنے دے

میری افتاد بہت رحم کے قابل ہے ریاضؔ
اپنے در پر کوئی مجکو بھی پڑا رہنے دے

پہلے کچھ آشیاں سے اٹھتا ہے — پھر دھواں آسماں سے اٹھتا ہے

آب و دانہ جہاں سے اٹھتا ہے — آشیاں بوستاں سے اٹھتا ہے

جو ترے آستاں سے اٹھتا ہے — جیتے جی وہ جہاں سے اٹھتا ہے

سرِ تربت اٹھائیں لاکھ وہ حشر — کوئی خوابِ گراں سے اٹھتا ہے

گل کھلا اب نہ لے زمینِ چمن — پاؤں میرا یہاں سے اٹھتا ہے

پینے والا ہے مئے صبوحی کا — کہیں پہلے اذاں سے اٹھتا ہے

تم نہ کیوں کر ابل پڑے واعظ — جوش دل میں بیاں سے اٹھتا ہے

نہ اٹھا حشر بھی یہیں کا ہوا — کون کوئے بتاں سے اٹھتا ہے

لے کے جائے گا کچھ یہاں سے شیخ — نہیں مے کی دکاں سے اٹھتا ہے

کوئی مرغِ قفس ہے گرم نوا — شعلہ اک آشیاں سے اٹھتا ہے

اٹھتی ہے اب جہاں سے مے کی طرز
کہ ریاضؔ اب یہاں سے اٹھتا ہے

دل ڈھونڈتی ہے نگہ کسی کی ۔۔۔ آئینے کی ہے نہ آرسی کی
مالک مرے ہیں نے سبکشی کی ۔۔۔ لیکن یہ خطا کبھی کبھی کی
کیا شکل ہے وصل ہیں کسی کی ۔۔۔ تصویر ہیں اپنی بے بسی کی
کھُل جائے صبا کی پاک بازی ۔۔۔ بو پھوٹے جو باغ میں کلی کی
کم بخت کبھی نہ خوش ہوا تو ۔۔۔ اے غم تری ہر طرح خوشی کی
منہ ہم نے ہنسی ہنسی میں چوما ۔۔۔ جو ہو گئی بات، تھی ہنسی کی
تانا ساتنا ہے میکدے میں ۔۔۔ پگڑی اُچھلی ہے شیخ جی کی
ہم کو جو دیا تو اور کا دل ۔۔۔ دل لے کے یہ اچھی دل لگی کی
یوں بھی تو چلا نہ کام اپنا ۔۔۔ دشمن سے بھی ہم نے دوستی کی
پائے گئے جس میں دل کے اجزا ۔۔۔ ہوگی وہ خاک اسی گلی کی
ایسی ہے کہ پی سکے گا واعظ ۔۔۔ ہے تازہ کشید آج ہی کی
مے خلد میں ہوگی صورت حور ۔۔۔ میخانے میں مشکل ہے پری کی
گھر ہے نہ کہیں نشاں لحد کا ۔۔۔ مٹی ہے خراب بے کسی کی
سچ یہ ہے کہ زندگی ہو یا موت ۔۔۔ ہر چیز بُری ہے مفلسی کی
اچھی ہے گرک سے تلخ مے سے ۔۔۔ ملتی رہے روز روکھی پھیکی

کچھ کچھ ہے ریاضؔ میرؔ کا رنگ
کچھ شان ہے ہم میں مصحفیؔ کی

یادِ گیسو میں کچھ اُلجھن جو سوا اور ہوئی ۔۔۔ کیا شریکِ شبِ غم کوئی بلا اور ہوئی
تو نے چھوٹی جو مئے ناب مجھو دی ساقی ۔۔۔ وہ یونہی تیز تھی اب ہوش رُبا اور ہوئی

اے اسیرانِ قفس اُڑ گئی گلزار میں خاک　　چار ہی روز میں گلشن کی ہوا اور ہوئی

ہاتھ ٹوٹیں مرے کیوں ہاتھ لگایا میں نے　　سخت اب تو گرہِ بندِ قبا اور ہوئی

پھر گئی چاند سی صورت جو مری آنکھوں میں　　گھر کے گہری شبِ ہجراں میں گھٹا اور ہوئی

دام سے چھوٹتے ہی بادِ مخالف نے لیا　　جس قدر تیز اُڑے تیز ہوا اور ہوئی

بوسہ لینے سے وہ بگڑے تو بلائیں لے لیں　　ایک تو ہو ہی چکی تھی یہ خطا اور ہوئی

بھولے بیٹھے تھے مجھے یاد مری کیوں آئی　　شاید ایجاد کوئی طرزِ جفا اور ہوئی

آہ بلبل چمنستاں میں یونہی تھی بدنام　　صحبتِ گل میں شریک آ کے صبا اور ہوئی

دلِ پُر داغ نے کچھ درہم و دینار دیئے　　گرم مٹھی تری اے زلفِ رسا اور ہوئی

لٹ گئے فتنۂ محشر سے ترے نقشِ قدم　　اک قیامت تری کوچے میں بپا اور ہوئی

ایک جھونکے نے اُلٹ دی طرب انگیز بساط
اے ریاضؔ آج سے دنیا کی ہوا اور ہوئی

چڑھی تھی ہم کو بھی نشہ میں چور ہم آئے　　گئے کلیم تو اے برقِ طور ہم آئے

عدو تھا آپ تھے وہ بزم ہو کہ خلوت ہو　　ضرور ہے یہ ہمارا قصور ہم آئے

یہ دار و گیر یہ لے دے یہ کشمکش یہ عذاب　　لحد سے حشر میں اُٹھ کر ضرور ہم آئے

تری گلی میں کسی کو ہماری چھان نہ ملی　　کہ اپنے سائے سے بھی دور دور ہم آئے

ہم آئے حشر میں اس طرح سیر کرنے کو　　کہ اپنے ساتھ لئے ایک حور ہم آئے

یہ در تو ہے درِ فرماں روائے ملکِ سخن　　یہاں جھکائے سرِ پُر غرور ہم آئے

وہ دن بھی آئے کہ ہم شاد شاد آ گئے ہیں　　نثار ہونے کو اب اے حضور ہم آئے

پہنچ کے شملے ملے ہم حضور بٹلر سے　　وہیں سے نشہ میں اس طرح چور ہم آئے

ریاض روح امیر و اسیر خوش ہوگی
جو لکھنؤ سے کبھی رامپور ہم آئے

ہمارے دل میں کوئی آرزو نہیں باقی
ہمارے پھول میں اب رنگ و بو نہیں باقی

بہت کہی دلِ ناداں عدو نہیں باقی
مرا عدو مرے پہلو میں تو نہیں باقی

تمہارے تیر کی اب آرزو نہیں باقی
ہوا ہے پیپ کلیجا لہو نہیں باقی

یہ میکدہ ہے کہ مسجد یہ آب ہے کہ شراب
کوئی بھی ظرف برائے وضو نہیں باقی

دھرا ہے کیا مرے گھر میں کہ محتسب لے گا
پُر از شراب وہ جام و سبو نہیں باقی

وہ رہ کے غیر کی صحبت میں ہو گئے کچھ اور
وہ بات پچھلی سی اگلی سی خو نہیں باقی

تھکا پڑا ہوں تو واماندگی یہ کہتی ہے
انہیں کسی کی بھی اب جستجو نہیں باقی

جو مے کی بوند نہ نکلی تو پڑ گیا پانی
بحالِ خویش سبو اب سبو نہیں باقی

ہماری آپ کی بات اُٹھ رہی ہے محشر پر
ہماری آپ کی کچھ گفتگو نہیں باقی

جو نکلے خار تو دامن سے سوئیاں اُلجھیں
جگہ ذرا سی کہیں بہرِ رفو نہیں باقی

بڑھی ہے بات قیامت میں جھوٹے وعدے پر
وہ منفعل ہے تو کچھ گفتگو نہیں باقی

یہ محتسب ہی عبث گھر کو سونگھتا پھرتا
کہ بوند بھر بھی مئے مشکبو نہیں باقی

ہوا ہے آئینے کے ساتھ عکس کو سکتا
کسی میں جان ترے روبرو نہیں باقی

بہیں شراب کے دریا تو ہم کو لطف نہیں
کہ سبزہ کچھ بھی لبِ آبجو نہیں باقی

بڑھی ہے پاک نہادی یہ بادہ نوشوں کی
کہ اب نماز میں قیدِ وضو نہیں باقی

ہماری آنکھ میں تاریک بزمِ عالم ہے
جو زیبِ بزم تھے وہ شمع رو نہیں باقی

ریاض موت کو کیوں موت آئی جاتی ہے
ہمیں تو موت کی بھی آرزو نہیں باقی

کھنچ گئی تیغ جہاں پھر یہ بلا ہوتی ہے ۔۔۔ موج مے اٹھتے ہی شمشیر جفا ہوتی ہے
حسن کو کچھ بھی نہیں حسن ادا سے نسبت ۔۔۔ ان حسینوں سے سوا ان کی ادا ہوتی ہے
نام ہی نام ہے پینے کا ہمارے لے شیخ ۔۔۔ اڑتے ہی کاگ یہ بوتل سے ہوا ہوتی ہے
شغل مے اور معاصی سے ہے اچھا زاہد ۔۔۔ غم دنیا سے فراغت تو ذرا ہوتی ہے
کچھ بھی ہو وہ نہیں ہوتیں کبھی رسوا کن حسن ۔۔۔ شرم ہوتی ہے جن آنکھوں میں حیا ہوتی ہے
پی ہوئی مے نہ مری ہونٹھ پہ آجائے کہیں ۔۔۔ محتسب ڈر سے تری روح فنا ہوتی ہے
زاہدو ہاتھ اٹھاؤ کہ گھٹائیں آئیں ۔۔۔ ڈوبی تاثیر میں رندوں کی دعا ہوتی ہے
خوب آتا ہے اسے آگ لگانا دل میں ۔۔۔ بڑی پرکالۂ آتش یہ حنا ہوتی ہے
نارسا ہوتی ہے وہ آہ جو پہنچے تا عرش ۔۔۔ بام تک ان کے جو پہنچے وہ رسا ہوتی ہے
کسی بدخو کی ہے تصویر بھی کتنی بدخو ۔۔۔ بے چھوئے چھیڑے یہ بے وجہ خفا ہوتی ہے

شاد[1] صاحب کو دعا دیں شعرا کیوں نہ ریاض
آپ کی بزم میں قدر شعرا ہوتی ہے

نہ کھلتی سوگ کی حالت کبھی گیسوی برہم سے ۔۔۔ یہ بوجھو ٹی مری پھولوں سی میری بزم ماتم سے
نہیں دن آپ میں رہنے کے بن ہی جن نکلنے کا ۔۔۔ جوانی کی امنگیں جھانکتی ہیں چاک محرم سے
خداوندا نہ میرا گھر حسینوں سے رہے خالی ۔۔۔ ادھر جائے کوئی چھم سے ادھر آئے کوئی چھم سے
مصیبت میں شریک حال کس کا کون ہوتا ہے ۔۔۔ نکلتے ہی گر آنکھ آنسو چشم پرنم سے
سلامت آستین و دامن اگر رہتے تو کیا ہوتا ۔۔۔ ٹپکتا ہی نہیں آنسو کوئی اب چشم پرنم سے
ذرا سی جان اس پر ہر شکن تھی جان کی گاہک ۔۔۔ یہ دل ہی تھا جو نکلا گیسوؤں کے پیچ و خم سے

[1] صدر اعظم دکن دام اقبالہ

خدا کی دین ہے اس سے ہمیشہ چھنتی رہتی ہے　　ہماری صافی مے اچھی دامانِ کیٔے و جم سے

لحد کو خشک سبزی کی نظر ہے ابرِ رحمت پر　　مجھے کیا پیاس اس کی قطرہائے اشکِ شبنم سے

عنادلِ گل بمنقار آ کر اس کے گرد رہتے ہیں

ریاضؔ آباد ہے کیسا قفس میرا مرے دم سے

وہ رات مزے کی ہی جو ہو بات مزے کی　　کھلکتے ہیں گزری نہ کوئی رات مزے کی

آیا ہے چڑھا کر یہ کہیں سے سرِ منبر　　ہے آج تو واعظ کی خرافات مزے کی

میں معتقدِ شیخ ہوں جاتا ہوں حرم میں　　پلوائے جو حضرت کی کرامات مزے کی

ہر بوندِ مئے کوثر و تسنیم سے لئے تھی　　میں خوش ہوں کہ اب کی ہوئی برسات مزے کی

رت رات کی جنت میں بھی ملنے کی نہیں ہے　　سو بات کی یہ بات ہی تھی رات مزے کی

یہ کہہ کے مزی کی ہی مجھے زہر دیا کیوں　　وہ شئے بھی ایسی نہ ہو ہیہات مزے کی

اے پیرِ مغاں نیم نگہ مجکو بہت ہے　　ڈھلتی ہے تری بزم میں ہر رات مزے کی

کہتا تھا کوئی شیخِ حرم سے با ادب آج　　پلوائیں مجھے قبلۂ حاجات مزے کی

ہر شعر مئے ناب سے بڑھ کر ہے مزے میں

ملتی ہے ریاضؔ آپ کو دن رات مزے کی

برسات کی رت لطف کی ہو رات مزے کی　　پلوا دے مجھے پیرِ خرابات مزے کی

ساقی مرے آباد رہے نور کی محفل　　ڈھلتی ہے تری بزم میں ہر رات مزے کی

یہ ہے پسِ توبہ بھی اثر بنتِ عنب کا　　ہم لاکھ میں کہدیں کہ ہے بدذات مزے کی

ساغر میں مئے ناب ہو آغوش میں تم ہو　　باتیں ہوں مزے کی تو ہو برسات مزے کی

دل سے مرے بڑھ کر کوئی سوغات نہیں ہے　　دل میں ہے کہ بھیجوں انھیں سوغات مزے کی

جاتی ہوئی میری ہیں پرانی تری گھاتیں ۔۔۔ صیاد کرا ایجاد کوئی گھات مزے کی

کیوں رال ٹپک پڑتی تہِ ای حضرتِ ناصح ۔۔۔ ہے بنتِ عنب قبلۂ حاجات مزے کی

ہے جام میں مے آبِ مطہر کے برابر ۔۔۔ یہ ہے مے و زمزم میں مساوات مزے کی

دیوانوں کی باتوں میں بہت لطف ہے ناصح ۔۔۔ ایسی ہی سنا تو بھی خرافات مزے کی

پھر اک شب تربت مری حسرت تو نکل جائے ۔۔۔ ابتک نہیں گزری ہے کوئی رات مزے کی

لی ہاتھ سے لب سے بھی ریاضؔ اس کی خبر خوب

ناصح سے رہی آج ملاقات مزے کی

ملتا ہے اس میں بوسۂ لب کا مزا مجھے ۔۔۔ قربان تیرے اب نہ کبھی کو سنا مجھے

اس کی گلی کی وی نہ کسی نے ہوا مجھے ۔۔۔ جو آئے وہ بتا کے گئے راستا مجھے

کرنا پڑے ہیں سجدے مجھے کوئے غیر میں ۔۔۔ لے بیٹھے اپنے ساتھ ترے نقشِ پا مجھے

جس پر ازل میں تھی صفِ عشاق کی نگاہ ۔۔۔ قسمت سے وہ ملا دلِ درد آشنا مجھے

برسا دے نور تو مری ریشِ سفید پر ۔۔۔ منہ دیکھتا ہے کیا مرے ساقی پلا مجھے

کاہے کو یوں پڑا تھا کسی سخت جاں سے کام ۔۔۔ ان کی نظر سے دیکھ رہی ہے قضا مجھے

اہلِ حرم سے کہہ دو کہ بگڑی نہیں ہے بات ۔۔۔ سب جانتے ہیں ابھی پارسا مجھے

تصویرِ یار کھینچی ہے خلوت میں لے ریاضؔ

کیا ہو گلے سے تم جو لگا لو ذرا مجھے

انھیں کے کام الٰہی مرا لہو آئے ۔۔۔ رنگیں جو ہاتھ لہو میں حنا کی بو آئے

مریض ہوش میں آئے نہ آئے تو آئے ۔۔۔ جو تو نہ آئے تری گیسوؤں کی بو آئے

عتابِ یار کا اس کے سوا جواب نہ تھا ۔۔۔ ہم آئے تو لئے آئینہ روبرو آئے

دبی زبان سے میرا ابھی ذکر کر دینا — کلیم طور پر اُن سے جو گفتگو آئے
نہ جھوٹ بول کہ ہم شام سے کل آئیں گے — نہ کھا قسم ارے جھوٹے کبھی جو تو آئے
نماز ہوگی ادا دخترِ رز کے دامن پر — ہماری بزم میں جو آئے با وضو آئے
طلب کئے کبھی ہم نے اگر پسِ توبہ — بہت بھری ہوئے ہم سے خم و سبو آئے
اُترنے والے ابھی تک نہ بام سے اُترے — تڑپنے والے تڑپ کر فلک کو چھو آئے
گراں دماغ وہ ہیں بوئے گُل کی تیزی سے — نسیم کہہ دے ذرا ہلکی ہو کے بو آئے
نثار وصل کی راتیں اس ایک ساعت پر — ہم انتظار میں تیرے ہوں اور تو آئے
یہ جانتے ہیں کہ نکلا ہوا ہے نام اس کا — حسین حشر میں کیوں میرے روبرو آئے
کھلے جو کوئی تو کھل کر کسی سے باتیں ہوں — اُٹھے حجاب تو کچھ لطفِ گفتگو آئے
دلائے یاد جو وعدہ تو بولے جھنجلا کر — یہ اور حشر میں لینے کو آبرو آئے
کبھی کی پی ہوئی کام آئے آج حشر کے دن — خدا کے سامنے مے نوش سرخرو آئے

ریاضؔ تھی جو مقدر میں بازگشتِ شباب
جوان ہونے کو پیری میں لکھنؤ آئے

لگانے باغ کہاں داغِ آرزو آئے — جہاں نہ پھول نہ پھولوں میں رنگ و بو آئے
چمن سے شیخ بھی اُٹھ کر کنارِ جو آئے — ہم آئے پینے کو مے وہ پئے وضو آئے
فغاں کا نام نہ لو اب یہ حال ہے میرا — خیال آئے تو منہ سے ابھی لہو آئے
سنائیں ہم بھی اُسے کچھ جو کہہ چکے واعظ — وہ بیٹھ جائے تو مینا اُٹھے سبو آئے
تماشے ایسے تری آنکھ نے کہاں دیکھے — تری نگاہ میں کیا چشمِ آرزو آئے
کھلیں نہ قبر میں جنت کی کھڑکیاں رندو — دماغ میں جو بسی ہے اُسی کی بو آئے

وہ بزمِ ناز ہی اچھی کسی کی خلوت سے — سُنے یہ کون مری جان کے عدو آئے

مری نگاہ میں بھی کوئی بجلیاں بھر دے — کوئی چمک کے ذرا میرے روبرو آئے

بنے مرا وہ گریباں تری نزاکت سے — خدا کرے تہہِ خنجر مرا گلو آئے

ذرا دکھائیں ہمیں بھی تو کھینچ کر تصویر — کلیم خوش ہیں کہ وہ میرے روبرو آئے

ادب سے پی نہیں سکتا ہوں بے اجازتِ شیخ — ذرا یہ سر جو ہلا دے ابھی سُبو آئے

لگائی ہم نے لبِ جُو قطار مینا کی — لگانے سرو نئے ہم کنارِ جُو آئے

نہ ہو یہ کہنے کو ہم نے کہے گئے واعظ — حرم کو جاتے ہوئے مُنہ بتوں کا چھو آئے

ریاضؔ آئے تو لوگوں نے میکدے میں کہا
کہاں یہ آج بزرگِ فرشتہ خو آئے

بڑھاپے میں بھی تو ظالم جوان ہے — ارے یہ آسماں پھر آسماں ہے

نشیمن میں سکوں ہم کو کہاں ہے — شرار برق شاخ آشیاں ہے

زمیں پر بیضۂ مور آسماں ہے — بلند اتنا ہمارا آشیاں ہے

وہ ٹپکے یا نہ ٹپکے خون اس سے — پسند اپنا مجھے رنگِ فغاں ہے

یہ کیوں سب میکدے میں گردِ خم ہیں — یہ خُم ہے یا کوئی اونچی دکاں ہے

بتانِ دہر ٹھکرائیں نہ ٹھکرائیں — یہ سر ہے اس کا سنگِ آستاں ہے

مری مے خوار یاں ہیں گو مگو میں — مرا پینا بھی اک رازِ نہاں ہے

وہ دزدِ مئے جو کل شیخِ حرم تھا — وہ اب میخانے میں پیرِ مغاں ہے

بتائیں حالِ دل اپنا تمہیں کیا — خدا جانے ہمارا دل کہاں ہے

وصالِ غیر عبرت خیز ہو گا — شبِ وصل اب نصیبِ دشمناں ہے

عدو بیٹھا ہے لے کر قصۂ قیس — نہ سُننا تم ہماری داستاں ہے

یہ کہتی ہے ہماری تنگ دستی — تمہارا اک زمانہ قدرداں ہے

ریاضؔ احساس ہی مجھ کو نہیں کچھ

یہ فصلِ گُل ہے یا فصلِ خزاں ہے

تیز ہے پینے میں ہو جائیگی آسانی مجھے — زمزمی سے دیدۂ زاہد تو دو را پانی مجھے

دیکھنا نازک بھی ہیں کمسن بھی ہیں بھولی بھی ہیں — شام سے سمجھا رہی ہے ان کی نادانی مجھے

بات بگڑی وصل میں بگڑی جو توا ی زلفِ یار — کچھ پریشانی تجھے ہے کچھ پریشانی مجھے

ہاتھ اُٹھا کر رہ گئے آنکھیں جھکا کر رہ گئے — تیغِ عریاں کی پسند آئی جو عریانی مجھے

بن گیا ہوں آئینہ لے جلوہائے برقِ طور — مل گئی ہے ان کی آئینے کی حیرانی مجھے

آپ اُٹھے دربان بتائیں عذر مجھکو کچھ نہیں — سونپئے گھر غیر کو اپنی نگہبانی مجھے

خوب روتا ہوں بگولوں سے لپٹ کر دشت میں — یاد آتی ہے جو اپنے گھر کی ویرانی مجھے

فصلِ گل میں رنگ لایا ہے شبابِ دخترِ رز — چھیڑتی ہے آکے رانوں کو یہ مستانی مجھے

بول اُٹھا جو بن کسی سے بھی نہیں دبنے کا میں — سونپئے سرکار اب اپنی نگہبانی مجھے

راز سربستہ رہا کب چاکِ دامانی کا حال — اے صبا دکھلا نہ اپنی پاکدامانی مجھے

وائے قسمت پڑ گئی کیسی گرہ تقدیر میں — عقدۂ مشکل نظر آتی ہے آسانی مجھے

اب کہاں تقدیر میں ہیں گھونٹ شہد و شیر کے — یاد آتی ہے کسی شئے کی فراوانی مجھے

چشمِ رحم اے ساقیِ کوثر کہ اب ملتا نہیں — تشنگانِ کربلا کے نام پر پانی مجھے

شاہِ دوراں حضرتِ حامد علی خاں[1] کے سوا — کون ہے جس کی توجہ سے ہو آسانی مجھے

[1] نواب صاحب بہادر والی ریاست رام پور

روز افزوں ہو ترقی دولت و اقبال کی　　اور مل جائے درِ دولت کی دربانی مجھے

چاہتا ہے قیس سی اچھی رہے شکل ریاضؔ

بن چکا میں کیوں بناتا ہے ارے مانی مجھے

قیامت کی خلش کیوں ہر گھڑی ہے　　وہ تم سے قد میں کم سن میں بڑی ہے

نظر کب طور پر نیچی پڑی ہے　　یہ نیچی ہو کے بجلی سے لڑی ہے

کہا سوسن کو جو کچھ منہ میں آیا　　بڑی منہ پھٹ یہ مسّی کی دھڑی ہے

رہے گلچیں خیالِ بلبلِ زار　　کہ اس کی جان پھولوں میں پڑی ہے

سراپا صورتِ موجِ تبسم　　مری شمعِ لحد ہنس مکھ بڑی ہے

وفائے عہد کا اچھا ہے موقع　　کہ سب کو حشر میں اپنی پڑی ہے

نگاہِ شوق یہ سوجھی تجھے کیا　　ارے کس سے لڑی ان سے لڑی ہے

برابر میری تربت کے ہے اک ڈھیر　　قیامت ان کی ٹھکرائی پڑی ہے

گلو کچھ بھی نہیں منقارِ بلبل　　تمہاری کوئی سوکھی پنکھڑی ہے

وہ بدلیں دل سے کیوں کر آرسی کو　　میں سنتا ہوں وہ منہ دیکھی پڑی ہے

مری توبہ سے کیسا اُڑ گیا رنگ　　شرابِ ناب کیا پھیکی پڑی ہے

قیامت اس کے آگے ایک فتنہ　　تمہاری آنکھ تو تم سے بڑی ہے

عدو کے گھر سے نکلے ہیں پریشاں　　خدا جانے مصیبت کیا پڑی ہے

میں رکھ لوں ریزۂ مینا کو دل میں　　ارے کس پھول کی یہ پنکھڑی ہے

وہ ٹوٹی توبہ بوتل سے اڑا کاگ　　غضب گولی نشانے پر پڑی ہے

جنوں میں بھی ادا ہے بانکپن کی　　کہ چینِ آستیں ہر ہتھکڑی ہے

یہ اپنے دل میں لے رہتی ہے ہر بات — تری تصویر بھی گھُنّی بڑی ہے

قیامت پر نہ رکھو وعدۂ وصل — قیامت تو مرے آگے کھڑی ہے

لئے ہے سینہ تنا لنگر سے اس کے — یہ چوٹی اس لئے پیچھے پڑی ہے

غضب دن ہیں غضب سن ہے غضب حسن — غضب تم پر جوانی پھٹ پڑی ہے

رہا کیوں کر سلامت شیشۂ مے — کہ دل ٹکڑے ہوا اتنی کڑی ہے

جہاں دل تھا وہیں ہے تربتِ دل — شکن سی ان کے دامن میں پڑی ہے

تمنا کو تم ابھی منع کر دو — ہماری جان کے پیچھے پڑی ہے

طلبگاروں کو کیوں آنے لگی موت

ریاضؔ ایسوں کی اُس کو کیا پڑی ہے

پرا باندھے صفِ مژگاں کھڑی ہے — نگاہِ شوق کیا ماری پڑی ہے

مزے لوٹو کلیم اب جھڑ پڑی ہے — بڑی اونچی جگہ قسمت لڑی ہے

گلوں کی خوش نما بدھّی پڑی ہے — نزاکت کیا ہے پھولوں کی چھڑی ہے

نگاہِ شوق بھی نٹ کھٹ بڑی ہے — کسی سے طور پر جا کر لڑی ہے

کڑی ہے چوٹ یہ بیشک کڑی ہے — عدو ہے اور پھولوں کی چھڑی ہے

عدو کے واسطے دنیا کا ہے عیش — مصیبت میرے حصّے میں پڑی ہے

ہوا سے تیز آتے ہیں ترے تیر — کماں کی طرح چٹکی بھی کڑی ہے

مزے میں رنگ میں تیزی میں ساقی — مئے تسنیم کیا پھیکی پڑی ہے

کرامت ہے سرِ ناصح کی یہ بھی — کہ اوچھے ہاتھ کی اچھی پڑی ہے

یہ کس نے پھول ڈالے ہیں لحد پر — جُدا ہر پنکھڑی سے پنکھڑی ہے

لبِ جاناں نے دی تسکینِ دمِ نزع — ہماری جان میں جان اب پڑی ہے

کہاں بجلی میں یہ بیتابیاں تھیں — دلِ مضطر کی پرچھائیں پڑی ہے

نہ دشمن کے چبھا خار اس گلی میں — ہمارے واسطے سولی کھڑی ہے

جو لو کروٹ تو میں سمجھوں شبِ ہجر — یہ چوٹی کس لئے پیچھے پڑی ہے

ترے قد نے اُسے سیدھا بنایا — قیامت ہے کہ سکتے میں کھڑی ہے

قضا کا بھی پڑا ہے مجکو رونا — برابر میرے وہ بسمل پڑی ہے

یہ کیا اندھیر ہے صبحِ شبِ وصل — نہ سُرمہ ہے نہ مسّی کی دھڑی ہے

پٹک کر جامِ مے ہم کب رہے پاک — کہ اُڑ کر چھینٹ دامن پر پڑی ہے

ڈراتے ہیں کہ اس سے ڈرتے رہنا — بڑی کلجبھی مسّی کی دھڑی ہے

ہوا بھاری میں ایسا نخلِ گُل پر — مرے سایے سے ڈالی پھٹ پڑی ہے

کفن کا گوشۂ دامن تو اُلٹو — یہ حسرت مُنہ لپیٹے کیوں پڑی ہے

نہ موسیٰ ہیں نہ ہے برقِ سرِ طور — نئے تم ہو نئی ہم پر پڑی ہے

لگا دینا کوئی مٹی ٹھکانے
ریاضؔ اک آرزو مردہ پڑی ہے

مری آہِ رسا چنچل بڑی ہے — یہ بجلی بن کے کانوں میں پڑی ہے

خوشامد خوری منہ دیکھی پڑی ہے — تمہاری آرسی دیکھی پڑی ہے

نہیں ابرو میں بل کیا تیر یا ہیں — وہ نازک ہیں کماں اُن کی کڑی ہے

چمن میں کم سنوں کے چھیڑنے پر — کلی بھی کھلکھلا کر ہنس پڑی ہے

یہ کس کم بخت کے مہندی کی ہو رات — کہ دن ہی سے سنورنے کی پڑی ہے

دل حسرت زدہ میں کیا جگہ دوں ۔۔۔ تمنا ہاتھ باندھے کیوں کھڑی ہے

پڑی ہے سبزۂ تربت میں کچھ جاں ۔۔۔ کوئی بوند ابرِ رحمت کی پڑی ہے

ہوا میری شبِ ماتم کا کچھ ذکر ۔۔۔ اُداس ایسی جو مسّی کی دھڑی ہے

قضا تو ان سے پہلے چل چکی تھی ۔۔۔ کہیں سنتے ہیں وہ ماری پڑی ہے

عدو بھی ہیں بھری محفل میں کہیے کون ۔۔۔ نظر کس سے پھری کس سے لڑی ہے

بلائیں لی ہیں تاروں نے شبِ وصل ۔۔۔ ترے بالوں سے جب افشاں جھڑی ہے

پڑا موباف ہے چوٹی کے پیچھے ۔۔۔ ترے پیچھے تری چوٹی پڑی ہے

عدو کا نام کیوں کر بزم میں لوں ۔۔۔ تمہاری آنکھ شرمیلی بڑی ہے

نیا رونا پڑا کیسا ہمیں آج ۔۔۔ ہمیں بچپن سے یہ عادت پڑی ہے

یہ دل میرا ہے یارب یا تہِ قبر ۔۔۔ لحد کے پھول کی اک پنکھڑی ہے

کوئی رہتا ہے بیشک چشم و دل میں ۔۔۔ کہیں پردہ کہیں چلمن پڑی ہے

شرر گرنے لگے جھڑنے لگے پھول ۔۔۔ دمِ فریادِ بلبل پھلجھڑی ہے

قریبِ در مجھے کیوں کر جگہ دیں ۔۔۔ وہیں تو لاشِ دشمن کی گڑی ہے

ڈرا واعظ نہ میزانِ عمل سے ۔۔۔ ڈری کیوں کوئی کیا سولی کھڑی ہے

وہ بولے جب ہوا ذکرِ شبِ وصل ۔۔۔ یہ جتنی چھوٹی ہے اتنی بڑی ہے

کوئی حسرت کو دیکھے نزع کے وقت ۔۔۔ درِ دل سے لگی چپکی کھڑی ہے

یہی ہے کیا شبِ وعدہ عدو کی ۔۔۔ یہ چوٹی کس لیے پیچھے پڑی ہے

سبھو لو شیشۂ عصمت ہوا چور ۔۔۔ جو دختِ رز مری پالے پڑی ہے

عدم تک دیکھیے پہنچیں نہ پہنچیں ۔۔۔ کہ ہم درماندہ ہر منزل کڑی ہے

تباحض اُنکی ہے ایسی موت سے کیا
کہ مرنے کی تمہیں جلدی پڑی ہے

حنا یہ کہتی ہے لو بے زبان پا کے مجھے — جب آئے آپ گئے چوریاں لگا کے مجھے
نہ دیکھتے تھے کبھی جو نظر اٹھا کے مجھے — وہ دیکھتے ہیں دمِ حشر مسکرا کے مجھے
حنا یہ کہتی ہے ان سے سنا سنا کے مجھے — نہیں شہیدوں میں ملنا لہو لگا کے مجھے
نگہ سے بڑھ گئے ہیں گستاخ دستِ شوق مرے — نہ کوسنے گا ذرا ہاتھ اُٹھا اُٹھا کے مجھے
مرا رقیب مجھی سا دکھا دیا مجکو — نکالی چھیڑ کی شکل آئینہ دکھا کے مجھے
دُہائیاں ہیں شبِ وصل اپنی شوخی سے — کہ لوٹے لیتے ہیں جوبن حسین پا کے مجھے
ذرا سے درد نے دُھائی میں آفتیں کیا کیا — پٹک دیا ہے زمین پر اُٹھا اُٹھا کے مجھے
کہا جو ان سے چراغِ لحد جلاتے جاؤ — ہوا سے تیز گئے وہ ہوا بتا کے مجھے
کنارِ غیر میں راتیں تڑپ تڑپ کے کٹیں — سہے نہ چین سے وہ قبر میں سلا کے مجھے
صبا نہ داغ لگا تو یہ اپنے دامن کو — کہے گی شمعِ لحد کیا ملا بجھا کے مجھے
میں اپنے خون کا بیڑا اٹھاؤں خود کیونکر — وہ پان دیتے ہیں شوخی سے مسکرا کے مجھے
عروس گور کے پہلو میں چین پاؤں گا — وہی سلائے گی آغوش میں دبا کے مجھے
کہا تھا کس نے کہ لاکھوں کے دل کرو پامال — جو کہہ رہے ہو کہ لالے پڑے حنا کے مجھے
نکال دو نگا شبِ وصل بل نزاکت کے — ڈرا لیا ہے بہت تیوریاں چڑھا کے مجھے
منا لیا ترے روٹھے ہوئے کو ظالم نے — ہنسا دیا ترے ناوک نے گدگدا کے مجھے
یہ ہاتھ باندھ کے کہتا ہے دل کے زخم کا چور — حضور یاد ہیں سب ہتکنڈے حنا کے مجھے
وہ آ کے شرم سے کہتے ہیں میری تربت پر — نہ دیکھے سبزۂ خوابیدہ سر اٹھا کے مجھے

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے — ہجومِ حشر میں لے آئے ہیں بُلا کے مجھے

مٹے ہوؤں کے مٹانے کو یہ بھی آندھی ہیں — رہیں گے نقشِ قدم خاک میں ملا کے مجھے

کہوں گا حشر کے چھوٹے سے دن میں کیا کیا بات — بہت ہی حوصلے ہیں عرضِ مدعا کے مجھے

قیامت اور قیامت میں آئی قہر ہوا — بتوں نے چھیڑ دیا سامنے خدا کے مجھے

ادا شناسوں کو مرتے بھی بن نہیں پڑتی — پیام آتے ہیں کب سے مری قضا کے مجھے

ستانے والو قیامت بھی آئی جاتی ہے — جفا کے لطف تمھیں آئیں گے وفا کے مجھے

تمام عمر کے شکوے مٹائے جاتے ہیں — وہ دیکھتے ہیں دمِ نزع مُسکرا کے مجھے

کہاں وہ نور کی صورت وہ نور کی آواز

ریاضؔ کون سنائے غزل یہ گا کے مجھے

زلفِ سیاہ کھولے وہ دشمن کے گھر گئے — اندھیر ہے کہ آج تو دن دوپہر گئے

گھر میرے آئے آتے ہی دشمن کے گھر گئے — آنا یہ خوب ہی ادھر آئے اُدھر گئے

بس اس طرح بلائیں ہماری نگاہ نے — پہلے سے ان کے اور بھی گیسو سنور گئے

رونے گئے تھے غیر کے گھر میری جان کو — وہ رات آتے جاتے کہیں آج ڈر گئے

غم جانِ گُسل تھا موت کے دن گو ابھی نہ تھے — ہم غم نصیب وقت سے کچھ پیشتر گئے

زندان کا طوق بن کے رہا پھر گلے کا ہار — لے لے جنوں بہار کے دن بھی گزر گئے

سُنتا یہ کون راہ میں کیوں اس طرف کہاں — ہم میکدے گئے تو بجائے نظر گئے

تم ایک رہ گئے ہو ہماری نگاہ میں — سب نازنیں ہماری نظر سے اُتر گئے

موئے سیہ سپید ہوئے دیر اب نہیں — وقت آگیا ہے شام گئے یا سحر گئے

محشر میں ہم کو لائے ترے وعدہائے وصل — سچا تجھے سمجھ کے تری بات پر گئے

توڑا قفس تڑپ کے تو صیاد کیا ہوا ۔۔۔ تیرے قفس کے ساتھ مری بال و پر گئے
پیدا ہوئے تھے ساتھ لئے دیدہائے تر ۔۔۔ طوفان کتنے سر سے ہمارے گذر گئے
یہ اہتمام قتل کے جن کے کمر نہ تھی ۔۔۔ اللہ آج باندھ کے وہ بھی کمر گئے
ایسے ذرا سے آپ ہیں ایسا ذرا سا دل ۔۔۔ میرا کسی نے نام لیا آپ ڈر گئے
سایہ بھی شاخِ گل کا نہ ہم کو ہوا نصیب ۔۔۔ ایسے کئی بہار کے موسم گزر گئے
بربادیوں کے بعد یہ کیسی ہوا چلی ۔۔۔ تنکے قفس میں آ کے نشیمن میں پر گئے
بالائے بام نغمہ سرا تھا کوئی حسیں ۔۔۔ نالے ہمارے آج بہت بے اثر گئے
ہم کو تھا انتظارِ اجل موت سے سوا ۔۔۔ آنے میں اُن کے دیر تھی بے موت مر گئے

تا میکدہ ریاضؔ کا جانا محال تھا
کس طرح یہ بزرگ خمیدہ کمر گئے

بخش دیتے ہیں اگر مجھ سے خطا ہوتی ہے ۔۔۔ منفعل کرنے کو بھی یہ سزا ہوتی ہے
رنگت اُڑ کر رخ عشاق سے کیا ہوتی ہے ۔۔۔ جا کے معشوق کے ہاتھوں میں حنا ہوتی ہے
مہ جبینوں سے نہیں بامِ فلک بھی خالی ۔۔۔ چاند سی شکل تو اک جلوہ نما ہوتی ہے
وہ سوئے گورِ غریباں جو کبھی آتے ہیں ۔۔۔ پھول دامن میں لئے ساتھ صبا ہوتی ہے
نہیں ہوتی ہیں کبھی ان کی نگاہیں رسوا ۔۔۔ شرم ہوتی ہے جن آنکھوں میں حیا ہوتی ہے
حسن دیکھے نہ حسینوں کی جوانی دیکھی ۔۔۔ کیسی بے رحم الٰہی یہ قضا ہوتی ہے
تازہ ہو جاتے ہیں سب داغ ہمارے دل کے ۔۔۔ فصلِ گل میں ہمیں تکلیف سوا ہوتی ہے
دیکھ لیتا ہوں سوئے چرخ عجب حسرت سے ۔۔۔ کبھی مقبول کسی کی جو دعا ہوتی ہے
اپنی تربت کی اداسی کا خیال آتا ہے ۔۔۔ سبزہ و گل کی بھی جب قدر سوا ہوتی ہے

مرنے والے اسی قابل تھے کہ ڈھونڈے میں بات کیا ہے جو پشیمان قضا ہوتی ہے

لگ گئی چوٹ ریاضؔ ایسی کچھ اپنے دل پر

کہ بس آٹھ پہر یاد خدا ہوتی ہے

چمن میں ہیں میرے بیاں کیسے کیسے جمائے ہیں رنگِ فغاں کیسے کیسے

بتوں سے کئے ہیں جورِ نہاں کیسے کیسے پھر اس پر عدو آسماں کیسے کیسے

پھرے سوکھے تنکوں کے دن فصلِ گل میں پھلے پھولے ہیں آشیاں کیسے کیسے

ابھی چپ ہوں محشر میں افشا کروں گا حسینوں کے رازِ نہاں کیسے کیسے

بڑی کوئی نٹ کھٹ ہی یارب قضا بھی چُنے بانکے ترچھے جواں کیسے کیسے

اُبھارے گا کیا کیا زمینِ لحد کو ستم ڈھائے گا آسماں کیسے کیسے

ہمیں چاٹ کوثر کی دی واعظوں نے ملے ہم کو پیرِ مغاں کیسے کیسے

بُری چیز ہے یہ جوانی کی الفت گئے جان سے نوجواں کیسے کیسے

سرِ بزم ہوتے ہیں کس کس مزے سے مرے آگے میرے بیاں کیسے کیسے

بسیرا رہا شاخِ گل پر ہمیشہ رہے فکر میں باغباں کیسے کیسے

گنہ اور اس پر فرشتے بھی دو دو مرے سر ہیں بارِ گراں کیسے کیسے

سنبھالے نشیمن کے تنکوں نے پیہم تڑپے جھونکے بادِ خزاں کیسے کیسے

دمِ نزع تک جان اس سے نہ چھوٹی لئے عمر بھر امتحاں کیسے کیسے

سرِ راہ غار اور جانا عدم کا بُری راہ پھر کارواں کیسے کیسے

کیا دیدہ و دل نے رسوائے عالم ہمیں بھی ملے رازداں کیسے کیسے

جو ہم محفلِ یار میں چھپ کے پہنچے تو کھوئے گئے پاسباں کیسے کیسے

ریاض اس کی قسمت کو ہم کیوں نہ روئیں
یہ دل اور داغ نہاں کیسے کیسے

نظر کی چوٹ کب دل کی نزاکت سہنے والی ہے — نہ ٹھیس اس کو لگے ساقی بڑی نازک پیالی ہے
بنائیں آشیاں کیوں کر لدی پھولوں سے ڈالی ہے — جگہ مشکل سے ہم نے پاؤں دھرنے کی نکالی ہے
چھپے بیٹھے ہیں کیوں جلوہ دکھا دیں مجکو ایسے ہیں — نہ موسیٰ ہیں نہ برق طور ہے میدان خالی ہے
دکان مے ہے شکر اس کا پلا کر دس کو پیتے ہیں — فراغت سے گزرتی ہے عجب آسودہ حالی ہے
لئے بیٹھے رہو اپنے لئے تم آرسی اپنی — خوشامد خوری منہ دیکھی ہماری دیکھی بھالی ہے
خدا حافظ ہے میخانے میں اس دستار کا واعظ — یہ سنکر ہم نے جبہ تہ دونوں ہاتھوں سے سنبھالی ہے
وہ دل جو نور کا پتلا ہے دیدوں صدقے کرنے کو — یہ کالی کالی زلف ان کی بڑی نازوں کی پالی ہے
شفق کہتی ہے چرخ پیر کیا ہوگا جوانی میں — بڑھاپے میں بھی سج دھج اس کی دنیا سے نرالی ہے
نگہ کی لغزشیں کیا آنکھ ساقی کی سنبھالے گی — نہ سنبھلے موج مے جس سے یہ وہ نازک پیالی ہے

ریاض اک چیز تھے انساں اگر ہوتے قرینے کے
مزے کے شخص ہیں لیکن طبیعت لاابالی ہے

عکس پہ یوں آنکھ ڈالی جائے گی — سامنے کی چوٹ ٹالی جائے گی
یہ قیامت بھی نکالی جائے گی — اس گلی سے کھا کے گالی جائے گی
کعبے میں بوتل کھلے موقع کہاں — زمزمی سے آج ڈھالی جائے گی
گل تو کیا ہیں تا قفس لے باد تند — پتہ پتہ ڈالی ڈالی جائے گی
بزم ساقی میں اگر لغزش ہوئی — ہاتھ سے مے کی پیالی جائے گی
گدگدانے کو کف پا دل کے ساتھ — آرزوئے پائمالی جائے گی

داورِ توبہ ہے تو جلدی ہے کیا | بات بگڑی کچھ بنائی جائے گی

مژدہ کوئی آرزو اس دل میں ہے | کہہ گئے وہ جان ڈالی جائے گی

میکدے ہم گھر سے جائیں گے ریاضؔ
ایک بوتل ساتھ خالی جائے گی

دل کی حسرت کیا نکالی جائے گی | جان اب آفت میں ڈالی جائے گی

بات تو بوسے کی ٹالی جائے گی | گالیاں دے کر دعا لی جائے گی

بار ہوں میں بیٹھ جانے سے مرے | تار میں پھولوں کی ڈالی جائے گی

ہم سے روٹھی ہے اجل رہنے بھی دو | جب وہ جائے گی منائی جائے گی

میرے گھر سے لے شبِ غم تو کہاں | لے کے صورت کالی کالی جائے گی

لوٹ لیں باغِ جوانی کی بہار | چیز یہ ہے جانے والی جائے گی

حسرتیں جس میں ہیں ہزاروں میں بھری | اس نگہ کی چوٹ خالی جائے گی

کس کے سر جاتی ہے دیکھیں حشر میں | شیخ کی پگڑی اچھالی جائے گی

دخترِ رز کو بزم میں ساقی نکال | گھر میں رکھ کر کیا یہ پالی جائے گی

آرسی، آئینہ، دل، کوئی بھی ہو | دیکھ کر تیوری چڑھائی جائے گی

ہنس کے بولے دل میں آنے کے لئے | راہ اب کوئی نکالی جائے گی

مہرباں سرکار[1] کب ہوں گے ریاضؔ
کب ہماری خستہ حالی جائے گی

یاد پیری میں اِدھر آئی اُدھر بھول گئے | اے جوانی تری ہم شام و سحر بھول گئے

۱۔ سر مہاراجہ بہادر محمود آباد بالقابہٗ۔

پارۂ نازک کا یہ احسان بھی رہتا سر پر
ذبح کے بعد وہ ٹھکرانے کو سر بھول گئے

ذرا وہ ہوں کہ ہوا اوجِ ہوا کا دھوکا
دیکھ کر مجھکو حسیں اپنی کمر بھول گئے

اس تکلف سے لئے بڑھ کے بگولوں نے قدم
جا کے دیوانے ترے دشت میں گھر بھول گئے

رات کو آتی ہے آواز کسی قبر سے روز
وہ ہی دن ہیں مرے نالوں کا اثر بھول گئے

آرہا ہیں جو قفس میں تو قفس یاد رہا
آشیانے کو مرے برق و شرر بھول گئے

طول اے بادہ کشو حشر نے کتنا کھینچا
خم کے خم لا دو کے لانا تھے مگر بھول گئے

رہ گئی یاد وہیں نیم نگاہی تیری
دل میں وہ پھانس چبھی دردِ جگر بھول گئے

لے چلے غیر کے گھر حاصلِ گلگشتِ چمن
پھینکنا میری لحد پر گلِ تر بھول گئے

مختصر وقت کچھ اس لطف سے گزرا شبِ وصل
ہجر کی رات کے ہم چار پہر بھول گئے

میرے ہمسائے میں عشرت کدۂ غیر کہاں
آپ گھر بھول گئے راہگزر بھول گئے

روؤں کیا بیٹھ کے میں اپنے مصائب کو ریاضؔ
اب تو رونا بھی مرے دیدۂ تر بھول گئے

ضعفِ پیری جو بڑھا موت کے پیغام چلے
آگیا وقتِ سفر صبح چلے شام چلے

رات دن بزم میں دورِ مئے گلفام چلے
زور تجھسے جو مرا گردشِ ایام چلے

میرے نالے تھے مقامات اثر سے واقف
کچھ سوئے چرخ گئے کچھ طرفِ بام چلے

کوئی دیکھے تو خوشی غیر کے گھر جانے کی
شام سے پہلے وہ بن کر شفقِ شام چلے

یہی کثرت ہے اسیروں کی تو میرا ذمہ
اے صیاد جو دن بھر بھی ترا دام چلے

کاٹے کٹتی نہیں مجھ مست سے برسات کی رات
میکدے والی ملے آج تو کچھ کام چلے

میرے اللہ نے بخشی ہے مجھے اولادِ سعید
میرے اشعار وہ ہیں جن سے مرا نام چلے

دام اس انداز سے پھیلائے چمن میں صیاد
میں سر شاخ چلوں سایہ تہ دام چلے

چشم ساغر نے بھی حسرت سے نگاہیں ڈالیں
جب بچائے ہوئے ہم جامۂ احرام چلے

ہم فقیروں کا نہ خالی رہے چلو ساقی
ہم غریبوں کا بھی اللہ کرے کام چلے

کعبے جاتے ہوئے کرتا تھا خم مے کا طواف
ہم سوئے میکدہ باندھے ہوئے احرام چلے

لے چلا کھینچ کے ہر ایک کو اس بزم کا شوق
دو چلے چار چلے خاص چلے عام چلے

کام آنے کی نہیں دولت و ثروت کچھ بھی
کام وہ کر کہ جو دنیا میں ترا نام چلے

ان کو ڈر تھا تہ و بالا نہ زمانہ ہو جائے
بڑی مشکل سے لحد پر بھی دو گام چلے

عرصۂ حشر کو سمجھے ہیں مرا گھر شاید
کہ مجھے کوستے دیتے ہوئے دشنام چلے

شیشے میخانوں سے بتخانوں سے پتھر آئے
طرف کعبہ جو ہم پیرو اسلام چلے

جاؤ بھی بیٹھے ہو کیا بزم میں تائب بن کر
اے ریاضؔ آؤ بھی دور مئے گلفام چلے

یہ ابر آنے کو آئے آسماں سے
خم آتے ہیں بڑی اونچی دکاں سے

خلش دن رات کی کتنی باغباں سے
قفس میں آ رہے ہم آشیاں سے

ستم ہوگا جو نکلا کچھ زباں سے
نہ پوچھے کوئی آتے ہو کہاں سے

گئے ہیں بام پر کہتے ہوئے وہ
کہ کچھ کہنا ہے مجھکو آسماں سے

مصیبت یاد ہے واماندگی کی
بہت پیچھے تھے گرد کارواں سے

بھلی معلوم ہوتی ہیں سب مجھے بھی
مری باتیں حسینوں کی زباں سے

اٹھے جاتے ہیں میرے دل کے ٹکڑے
مجھی پر بن گئی میری فغاں سے

مزا ہوگا جو سن لے داور حشر
کچھ ان کے منہ سے کچھ میری زباں سے

مؤذن کان پر رکھتا ہی کیوں ہاتھ ۔۔۔ ارے کیا فائدہ ایسی اذاں سے

ریاض اتنے نہیں ہیں اپنے دشمن

کہ خوش ہو جائیں مرگ ناگہاں سے

عمر بھر ساتھ فرشتوں کے نباہی کیسی ۔۔۔ دیکھنا یہ ہی کہ دیتے ہیں گواہی کیسی

وضع کے ساتھ رہی مست نگاہی کیسی ۔۔۔ دیکھ ساقی پس توبہ بھی نباہی کیسی

وصل کی رات نہیں چین ہی سونے کے لئے ۔۔۔ آرہی ہے یہ تجھے آج جماہی کیسی

توبہ کے پاس نے روکا لب کوثر مجکو ۔۔۔ آج پینے کو طبیعت مری چاہی کیسی

ان حسینوں میں کوئی بھی ہو کسی کا قاتل ۔۔۔ دیکھنا حشر میں دیتا ہوں گواہی کیسی

بن گئی بات دم حشر سیہ رویوں کی ۔۔۔ اڑ گئی خوف سے چہرے کی سیاہی کیسی

ہے زمانے میں محبت کی نظر کی تعریف ۔۔۔ صدقے ان آنکھوں کے یہ نیم نگاہی کیسی

ایک تو حضرت واعظ کی زباں کتنی نرم ۔۔۔ اور تقریر بھی پھر نامتناہی کیسی

جانتا تھا شب فرقت کو شب وعدہ ہے ۔۔۔ منہ میں دشمن کے لگی آج سیاہی کیسی

بن گئے وصل میں وہ شرم کے پتلے کیسے ۔۔۔ چھیڑ کہتے ہیں کسے شوخ نگاہی کیسی

قصد پر اپنے خجل ہوں کہ دم حشر ریاض

دیکھ کر ان کو طبیعت مری چاہی کیسی

ہمارے شب کے ستانے کا کچھ اثر بھی ہے ۔۔۔ خمار ہی نہیں آنکھوں میں درد سر بھی ہے

نگاہ شوق نے سمجھنے میں کیا اٹھا رکھا ۔۔۔ یہ کام کر گئی اپنا انہیں خبر بھی ہے

یہ ہاتھ کیوں مرے لوٹیں کوئی قصور بھی ہو ۔۔۔ کسک کے درد کا شکوہ کہیں کمر بھی ہے

نہ اشک ہوں تو لیے رات دن لہو رونا ۔۔۔ ہمارے خون کی پیاسی یہ چشم تر بھی ہے

گری ہو برق کسی آشیاں پر آج ضرور — جبھی تو گرد قفس حلقۂ شرر بھی ہے

وہ شب بھی آئے جو سنواے ان حسینوں سے — الٰہی آج کی شب کی کہیں سحر بھی ہے

بہت ڈرا نہ گناہوں سے مجکو اے واعظ — مزاج میں مرے مالک کے درگزر بھی ہے

سمجھ نہ شور عنادل مری فغاں ظالم — ارے یہ آہ ہے اس آہ میں اثر بھی ہے

ریاض ہوش میں آؤ نہ جاؤ زندان سے
ہوائے گرم بھی ہے اور دوپہر بھی ہے

جوبن ان کا اٹھان پر کچھ ہے — اب مزاج آسمان پر کچھ ہے

کیا ٹھکانا ہے بات کا ان کی — دل میں کچھ ہے زبان پر کچھ ہے

وعدہ ہے غیر سے یہ حیلہ ہے — کام مجکو مکان پر کچھ ہے

حور کا ذکر کیوں کیا دم مرگ — شبہہ میرے بیان پر کچھ ہے

گم شدہ دل نہ ہو کہیں میرا — ان کی محرم کی پان پر کچھ ہے

ہو کے رسوا کسے کیا رسوا — ذکر سب کی زبان پر کچھ ہے

کیوں نہ ہو شوق جلوۂ لب بام — اب جوانی اٹھان پر کچھ ہے

کہو مہمان غم سے اب رخصت — قرض کیا میزبان پر کچھ ہے

بنگ سے ہی دے جو مے نہیں واعظ — تیری اونچی دکان پر کچھ ہے

میں نے گھورا تو ہمدموں سے کہا — دیکھو اس نوجوان پر کچھ ہے

رکھ دیا ہاتھ ان سے یہ کہہ کر — ٹھہرو اے جان ان پر کچھ ہے

کوئی چھپ کر گیا ہے غیر کے گھر — شک قدم کے نشان پر کچھ ہے

بالے پہنے الٹکے کانوں میں — اور گھبرائے کان پر کچھ ہے

وہ نقش پائے حنائی تو چھپ نہیں سکتے — تمام راہ میں اک آگ سی لگی ہوگی

خزاں میں آئے گا منقار عندلیب سے لطف — کھلی تو گل، نہ کھلی تو بھی کلی ہوگی

عدو سے شاخ نشیمن ہو بے کھٹک ہم کو — وہ باغباں ہو کہ بجلی، جلی کٹی ہوگی

وہ پوچھتے ہیں عجب بھولے پن سے وصل کی رات — کہ اور راتوں سے یہ رات کچھ بڑی ہوگی

نسیم اب آئی ہے شمع مزار گل کرنے — وہ اس کے آنے سے پہلے ہی بجھ گئی ہوگی

کلی چمن میں کھلی تو مجھے خیال آیا — کسی کے بند قبا کی گرہ کھلی ہوگی

نگاہ ان کی در آئی ہے تیر قاتل سی — وہ جانتے ہیں کوئی پھانس سی چبھی ہوگی

یہ کہہ رہا ہے بناؤ سے ابھار جوبن کا — جو دیکھ لے گا مجھے دل میں گدگدی ہوگی

اتر گئی سر بازار شیخ کی پگڑی — گرہ میں دام نہ ہوں گے ادھار لی ہوگی

قیامت ان کی گلی میں ہوئی ہے دو دن پامال — اٹھی بھی ہوگی تو کچھ گرد سی اٹھی ہوگی

تمہاری تیغ تو نازک ہے فکر کیا اس کا — وہ سخت جان ہوں قاتل کبھی تو کوسی ہوگی

حساب حشر میں دینا تھا قطرے قطرے کا — دکھا دکھا کے فرشتوں کو میں نے پی ہوگی

یہ دن یہ سن یہ جوانی یہ حسن کا عالم — جو دیکھ لے گا تمہیں دل میں گدگدی ہوگی

ہجوم دیکھ کے سمجھے یہ روز حشر ہم — کھلی دوکان کسی میفروش کی ہوگی

یہ وہ ہی دن ہے کہیں تذکرے یاس و حسرت کے — نشان مزار کا ہوگا نہ بیکسی ہوگی

شریک ہے تجھ میں کیا ہوگا آپ تو مرہم بھی
لیا آخر نے پیسہ تو یہ کبھی چھپی ہوگی

وہ وعدہ کبھی سچا کوئی کرتا ہی نہیں ہے — اندیشۂ فردا کو گزرتا ہی نہیں ہے

وہ دل کی شکن دور سے لیتی ہے بلائیں — بل یار کے ابرو کا اترتا ہی نہیں ہے

دل سے تو مرے سینے کے پھر داغ ہی اچھے — کم بخت ابھارے سے ابھرتا ہی نہیں ہے

سب بھول گئے اس کو ترے عہدِ ستم میں — اب شکوۂ گردوں کوئی کرتا ہی نہیں ہے

جو جانتے ہیں بڑھ کے نشیمن سے قفس کو — پر اسیروں کے صیاد کترتا ہی نہیں ہے

کیا چیز ہے لے بادہ کشو موسمِ گل بھی — اس دور میں توبہ کوئی کرتا ہی نہیں ہے

اپنے ستم و جور اسے لاکھ سکھاؤ — دربان سے تمہارے کوئی ڈرتا ہی نہیں ہے

یوں پسنے کو دل لاکھ پسیں برگِ حنا پر — وہ ہاتھ کبھی خون میں بھرتا ہی نہیں ہے

کیا آ گئی اس میں دلِ بیتاب کی الجھن — گیسو ہے کسی کا کہ سنورتا ہی نہیں ہے

سمجھا ہے اثر کوئی بلا آہ کو میری — ڈرتا ہے وہ گردوں سے اترتا ہی نہیں ہے

جب تک کوئی آئے نہ لبِ بام نکھر کر — رنگِ شفقِ شام نکھرتا ہی نہیں ہے

دیوانہ ریاضؔ اوروں سے کیا بات کرے گا
معشوقوں سے تو بات وہ کرتا ہی نہیں ہے

بھولی بھولی شکل دیکھی اس کی گھبرائی ہوئی — بھر گئی شانہ شبِ وعدہ آج کیوں آئی ہوئی

جوش پر ہے سبزہ زاروں پر گھٹا چھائی ہوئی — بات ایسی ہے کہ توبہ بھی ہے للچائی ہوئی

ہائے وہ دن ہم سے زاہد یوں اگر پوچھے کوئی — پینے کو کس تکلف سے ہے بچوائی ہوئی

وہ چلے تو اٹھ کے فتنے ان کے آگے ہو لئے — میں چلا تو ساتھ میرے میری رسوائی ہوئی

سیر کو نکلیں وہ ایسی رہ گزر سے بے حجاب — اور کبھی ہو ہماری لاش کفنائی ہوئی

ابر آیا رنگ دیکھا اٹھی ہوا پیتا جھوم کا — جام چھلکا توبہ ٹوٹی بادہ پیمائی ہوئی

سیر ہو گی مسجدِ جامع کے در پر دیکھ تو دو — میکشو چپکے سے میری لاش کفنائی ہوئی

ہائے کیا جھٹ پٹ قفس میں بال و پر پیدا کئے — جب سنا میں نے کہ جاتی ہے بہار آئی ہوئی

کیا پڑے ہو گوشۂ مسجد میں اُٹھو تو زاہدو
پھوٹی آنکھوں سے ذرا دیکھو گھٹا چھائی ہوئی

صبح ہوتے بات جو ہونا تھی وہ تو ہو چکی
اب لئے بیٹھے رہو تم آنکھ شرمائی ہوئی

بات کہتے آشیاں چھپے سے اچھا بن گیا
تنکے چن کر چھانٹ لی اک شاخ مُرجھائی ہوئی

میں خرامِ ناز کے صدقے ذرا دیکھے ہوئے
رحم تربت پر کہ ہو کس کی ٹھکرائی ہوئی

اُبھرے جوبن پر نہیں مسکی ہوئی محرم ریاض
مُسکراتی ہے جوانی جوش پر آئی ہوئی

کیا ہوئی میری جوانی جوش پر آئی ہوئی
ہائے وہ نازک گلابی میری چھلکائی ہوئی

جلوہ گہ میں آج یہ کس کی تماشائی ہوئی
طور سے ہم لے کے آئے آنکھ پتھرائی ہوئی

حشر میں فتنوں سے اچھی بزم آرائی ہوئی
آ کے دنیا خود تماشا خود تماشائی ہوئی

یہ بھی شامت تھی مرے اعمال کی لائی ہوئی
سب سے پہلے حشر کے دن میری رسوائی ہوئی

میں چلا دوزخ کو لیکن اس کی رحمت دیکھ لے
آنکھ میری سوئے کوثر آج للچائی ہوئی

اس کی ٹھوکر کے نشاں سب بن گئے داغِ سجود
یہ جبیں ہے کس بتِ کافر کی ٹھکرائی ہوئی

حشر میں قاتل نے دیکھی ہے لہو کی کوئی چھینٹ
سوئے دامن کیوں جھکی ہے آنکھ شرمائی ہوئی

تازگی سی آگئی اُن کا تبسم دیکھ کر
کھِل اُٹھیں کلیاں مرے مدفن کی مرجھائی ہوئی

رہ گئی یادِ جوانی وہ جوانی اب کہاں
داغِ دامن ہے مئے سرجوش چھلکائی ہوئی

دیکھتے وہ بھی تو آجاتے ضرور آنکھوں میں اشک
دل سے رخصت اس طرح دل کی شکیبائی ہوئی

اے قیامت آ بھی تیرا ہو رہا ہے انتظار
اِن کے در پر لاش اک رکھی ہے کفنائی ہوئی

نیم عریاں کچھ نمایش حسن کی تھی وصل میں
چھیڑنے کو رات حیلہ ان کی انگڑائی ہوئی

خاک پھانکی مسجدوں میں جا رہے جب ہم کبھی
میکدوں میں آ رہے تو بادہ پیمائی ہوئی

تیرے عہد شکنی نے وعدہ کر کے کھا بھی لی جھوٹی قسم
کیوں تامل ہے تجھے جھوٹی قسم کے واسطے

ہائے رے تیری نزاکت پاؤں اٹھ سکتا نہیں
بار ہے رنگ حنا تیرے قدم کے واسطے

یہ ہوائے تاجداری یہ ہوائے خودسری
اے حباب اتنے بکھیڑے ایک دم کے واسطے

ان حسینوں کو بنایا ہے خدا نے اے ریاضؔ
جھوٹے وعدوں کے لئے جھوٹی قسم کے واسطے

ہو گی وہ دل میں جو ٹھانی جائے گی
کیا ہماری بات مانی جائے گی

ڈھل چکی ہے اب جوانی جائے گی
یہ شرابِ ارغوانی جائے گی

بعد توبہ آتشِ سیال خم
میرے گھر سے ہو کے پانی جائے گی

خضر یونہی گم رہیں گے عمر بھر
یونہی عمر جاودانی جائے گی

تیغ ہی کیا ہاتھ میں قاتل کے تھی
اے حنا تو بھی تو سانی جائے گی

آئے تارے ہجر کی شب کچھ نظر
اب بلائے آسمانی جائے گی

عرش پر ہی خوش جوانوں کا مزاج
کیوں گران کی لن ترانی جائے گی

خدمتِ میخانہ کر لے ورنہ شیخ
رائیگاں یہ زندگانی جائے گی

موت سے بدتر بڑھاپا آئے گا
جان سے اچھی جوانی جائے گی

شوخیاں کہتی ہیں کھل کھیلیں گے وہ
اب حیا کی پاسبانی جائے گی

آگ بن کر جام میں آئے گی مے
زمزمی میں ہو کے پانی جائے گی

بوسۂ گیسو سے ہیں چین بر جبیں
رات بھر کیا سرگرانی جائے گی

بولے سن کر دل کے پامالی کا حال
کس گلی کی خاک چھانی جائے گی

جان سے بڑھ کر اسے رکھتے عزیز
کیا سمجھتے تھے جوانی جائے گی

ساتھ لائے ہیں قفس سے ناتوان — جاتے جاتے ناتوانی جائے گی

نالے کرنا سیکھ لے اے عندلیب — اب یہ طرزِ نغمہ خوانی جائے گی

شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی — میکدے سے اب پرانی جائے گی

جا چکے ہیں آپ کل دشمن کے گھر — آج مرگِ ناگہانی جائے گی

پینے آئیں تو فرشتہ خور ریاضؔ
حور کے دامن میں چھانی جائے گی

خرامِ ناز سے پامال تربت ہونے والی ہے — اک آفت آنے والی ہے قیامت ہونے والی ہے

کہاں ساقی کہاں ساغر کہاں مطرب کہاں نغمے — سحر ہونے کو ہے برہم یہ صحبت ہونے والی ہے

عدو کے گھر مرا ماتم کیا کیوں دستِ نازک سے — عدو سے شکوہ سنج ان کی نزاکت ہونے والی ہے

بیاں تسنیم کا ہوتا ہے مے کے جام چھلکیں گے — ارے واعظ یہ بزمِ وعظ جنت ہونے والی ہے

ذرا تو بوسۂ رخ پر بگڑنا سیکھ لے اس کا — تری تصویر کی اب اور صورت ہونے والی ہے

مئے کہنہ بنے گی نور اب تو ابد کے سینے میں — نئی بوتل ہے اس کی اور رنگت ہونے والی ہے

بتوں کی صورتیں ہم کو نظر آتی ہیں کعبے میں — کسی کافر سے پھر دل کو محبت ہونے والی ہے

ذرا کہہ دو بڑھا دے تیرگی ابرِ سیہ جا کر — کسی مے کش کے گھر واعظ کی دعوت ہونے والی ہے

لئے خالی کوئی بوتل ریاضؔ آئے ہیں زمزم پر
سنا حضرت سے ظاہر کچھ کرامت ہونے والی ہے

راستہ بند ہے گزرے نہ ادھر سے کوئی — فتنہ اٹھنے کو ہے اس راہ گزر سے کوئی

بہہ چلے حشر کے میدان میں دریائے شراب — بوند ٹپکی تھی مرے دامنِ تر سے کوئی

شبِ خلوت کے مزے لاکھ چھپائیں ہم — بزم میں دیکھ لے دزدیدہ نظر سے کوئی

ہم نے دیکھے ہیں بہت زلف کے خم تیغ کے بل — نہیں بڑھنے کا نزاکت میں کمر سے کوئی

بجلیاں کان کی ان کو نہ چمکنے دیں گی — نہیں ڈرنے کا ہی نالوں کے اثر سے کوئی

لگی رکھنے کا نہیں ہیں کبھی خم ہو کہ سبو — مجھ پہ اس طرح سر بزم نہ برسے کوئی

گدگدایا کبھی پیکاں نے تو بولے ہنس کر — روئیں گے یہ نہ ہنسے زخم جگر سے کوئی

خم مے ہو کہ معاصی ہوں دبا جاتا ہوں — بوجھ اُتروا لے ذرا حشر میں سر سے کوئی

حشر کے روز بھی میں اٹھ نہ سکوں گر کے ریاضؔ

نہ گرائے مجھے اس طرح نظر سے کوئی

آرہا ہے مرے گھر غیر کے گھر سے کوئی — پوچھ لے بڑھ کے ذرا بادِ سحر سے کوئی

ہم نے منہ چوم لیا رخ سے ہٹا کر آنچل — منہ چھپائے ہوئے نکلا تھا ادھر سے کوئی

دل میں کیا کچھ لئے بیٹھے ہیں ہزاروں محشر — کھول سکتا نہیں منہ آپ کے ڈر سے کوئی

لب ساغر بھی تو ہیں خشک انہیں کیا چوسوں — قطرۂ مے کو مری طرح نہ ترسے کوئی

ہے بھی کچھ یا نہیں میں ہاتھ لگا کر دیکھوں — ہاتھ اُٹھائے تو ذرا اپنی کمر سے کوئی

گم ہوئی سب کی طرح کیا یہ قیامت بھی ہے — جا کے آتا نہیں اس راہ گزر سے کوئی

دیکھ لے دیکھ لے او آنکھ چرانے والے — دیکھتا ہے تجھے حسرت کی نظر سے کوئی

کہتی ہے قوتِ پرواز یہ فصلِ گل میں — باندھ دے میرے قفس کو مرے پر سے کوئی

دل سے نکلے نہ کبھی یہ مرے لب تک آ کے — ابھی واقف نہیں نالوں کے اثر سے کوئی

اب قفس کی شب تاریک نہیں کٹتی ہے — کہہ دے جا کر یہ ذرا برق و شرر سے کوئی

اور ہوگا یہ فلک در پئے آزار ریاضؔ

تجھکو دیکھے نہ ترحم کی نظر سے کوئی

کسی سے وصل میں سنتے ہی جان سوکھ گئی | چلو ہٹو بھی ہماری زبان سوکھ گئی
اک آہِ گرم نے جھلسائے خوشۂ انجم | تمام کھیتی تری آسمان سوکھ گئی
قیامت اور وہ ہنگامہ پھر قیامت کا | لحد سے اٹھتے ہی محشر کوں تو جان سوکھ گئی
رہا نہ بعد مرے ہائے کوئی آبلہ پا | پکارتے ہیں کہ کانٹے زبان سوکھ گئی
شبِ فراق کا آدھا نہیں ہاتھ قوت و توش | یہ میرے گھر جو ہوئی میہمان سوکھ گئی
ملا بھی ہم کو تو بے وقت اس طرح کھانا | کہ چاول اینٹھ گئے اور نان سوکھ گئی
بہت ہی پھولی ہوئی تھی یہ اپنی رنگت پر | جو دیکھا رنگ مرا زعفران سوکھ گئی
ہوائے گرم خزاں میں وہ رنگ روپ کہاں | تھی عندلیب یونہی دھان پان سوکھ گئی

ریاض یاد ہے ان کا وصال میں کہنا
خدا کے واسطے چھوڑو زبان سوکھ گئی

مطلب کی بات شکل سے پہچان جائیے | میں کیوں کہوں زبان سے خود جان جائیے
آئے وہ نزع میں بھی نہ حسرت نکالنے | اب زیرِ خاک لے کے سب ارمان جائیے
اس بھولی بھولی شکل کے ہو جائیے نثار | ان بھولی بھولی باتوں کے قربان جائیے
باہیں گلے میں ڈالئے بھی اب ہنسی خوشی | یہ ہے شبِ وصال کہا مان جائیے
کیا تھا جو مسکراتے ہوئے کہہ گئے ابھی | خاک آ کے میرے در کی اب چھان جائیے
مہمان نواز ان سا کوئی دوسرا نہیں | جی میں ہے ان کے گھر کبھی مہمان جائیے
ہے قصد آج حضرتِ دل ان کی بزم کا | اللہ آپ کا ہے نگہبان جائیے
جا بیٹھئے تنک کے ذرا مجھ سے پھر الگ | بے کچھ کہے سنے بھی برا مان جائیے
بدیمن میرے حق میں ہو صبحِ شبِ وصال | کھولے ہوئے نہ بال پریشان جائیے

کتاب ہے ریاض تمہاری زبان کی
رنگینیٔ کلام کے قربان جائیے

اُگتے تھے جن میں نخل امیدِ وصال کے — کیا ہو گئے وہ باغ طلسمِ خیال کے

بیٹھا ہے کوئی گیسوؤں کے بل نکال کے — عکس آئینے میں آ رہے ذرا دیکھ بھال کے

دل سے نکال ڈالے سب ارمان وصال کے — اب پھینک آئیں سینے سے کیا دل نکال کے

ہر بام طور - وادیٔ ایمن - ہر ایک دشت — جلوے کہاں نہیں تری برقِ جمال کے

ساقی ہمارے سامنے تو رکھ دے بھر کے جام — لا دخترِ رز کو نور کے سانچے میں ڈھال کے

زلفوں میں آپ بیٹھ کے موتی پرو دیئے — آنسو نہ پونچھے کسی آشفتہ حال کے

محفل میں آج شیخ کہن سال ناچ جائے — دو گھونٹ اسے پلا دو مئے کہنہ سال کے

بے درد تجھکو بات کا جب بھی یقیں نہ ہو — ہم رکھ دیں سامنے جو کلیجا نکال کے

اے موسمِ بہار جو کچھ ہوش آ گیا — چن لیں گے پھول پاؤں سے کانٹا نکال کے

دل کے لیئے حسینوں کی ہم کو کمی نہیں — اچھا ہو مال لاکھ خریدار مال کے

موسیٰ سے کہدو جلوہ گہہ طور یہ نہیں — اس کی گلی میں آئیں ذرا دیکھ بھال کے

اُٹھو اُٹھو میز سے مے و ساغر ریاض جلد
آتے ہیں اک بزرگ پرانے خیال کے

آئے ہیں کس ادا سے دوپٹہ سنبھال کے — سنجیدگی سے دوش پر آنچل وہ ڈال کے

سو جان سے نثار میں روزِ وصال کے — وہ کہہ رہے ہیں دن یہ برابر ہے سال کے

جوبن لٹا رقیبوں میں جب کچھ نہ آئی شرم — بیٹھے ہیں آج سر بہ گریباں میں ڈال کے

آنچل ڈھلا رہا ہے رہے مستِ شباب کا — اوڑھا گیا کبھی نہ دوپٹہ سنبھال کے

او زلفوں والے حشر ہی کچھ دل لگی نہیں
عقدے کھلیں گے آج یہاں بال بال کے

مہندی لگانے بیٹھے ہیں کچھ اس ادا سے وہ
مٹھی میں ان کے دے دے کوئی دل نکال کے

ان پیاری پیاری آنکھوں سے اک پیار کی نگاہ
میں صدقے ذبح کر مری حسرت نکال کے

وہ کہہ رہے ہیں اشک کو میرے لہو کی بوند
آنکھوں نے رکھ دیا ہے کلیجا نکال کے

رونا غم فراق کا قسمت میں رہ گیا
راتیں وصال کی ہیں نہ اب دن وصال کے

ان کی طرف سے آکے جو اس طرح تھم گئی
ذرے ہیں آسماں سے گرد ملال کے

ہو میکدے کی راہ میں گردش محال ہے
رکھا ہے ہم نے پاؤں بہت ہی سنبھال کے

کیا زہر کی بجھی ہوئی نکلی ہے موج اشک
پچھتائے آستین میں ہم سانپ پال کے

بیٹھے جما ہوئے ہیں ہاتھ دھرے ہاتھ پر ریاض
واعظ کے سر پہ آج سبو ہم اچھال کے

اتنا نہیں تیری جو کڑی آنکھ سنبھالے
آئینے میں بال آئے نہ او گیسوؤں والے

مسکی ہوئی محرم ہے کوئی آنکھ نہ ڈالے
آنچل سے چھپا لے ارے آنچل کو چھپا لے

محرم بھی سلامت تری آنچل بھی سلامت
ہم وہ ہیں یہ جوبن کا مزا لوٹنے والے

کوچے میں ترے دل ہو کہ وہ حسرت دل ہو
نازک سی کوئی شے ہے ذرا پاؤں سنبھالے

اس طرح کہ گھنگرو کوئی چھاگل کا نہ بولے
جب چھم سے چلیں گو دبے پاپچے اٹھا لے

کس ناز سے کہتے ہیں ستم قول نہ وعدہ
تم کون ہو حشر کے دن چھیڑنے والے

عادت وہ بری ہے ہی جو کھانے کو ملا بھی
بس منہ کے لگے حلق سے اترے نہ نوالے

روکیں تجھے گردش نہ شب وصل بتا دے
ڈھلکے دبیں آنچل ہی چھپٹتے نہ پاؤں کے چھالے

کہتا ہے پکا سے یہ ترا جوش جوانی
سینے سے لگا لے کوئی سینے سے نکالے

کون انجمن ناز میں بیٹھا ہے سنبھل کر — آ بیٹھے ہیں ہم بھی دلِ مضطر کو سنبھالے

کہتے ہیں جو ہو چاند کا ٹکڑا دل پر داغ — تو بھی نہ بلائیں مرے گیسو کی بلا لے

رحمت سے نہیں دور یہ لے گرمیٔ محشر — بڑھ کر جو گنہگاروں کو جنت کی ہوا لے

کیوں کوسنے ہو آگ لگے رنگ حنا کو — میں چوموں جواب ہاتھ پڑیں ہونٹھوں میں چھالے

اے شیخ ترے سر کی قسم لطف نہ آیا — دستار اچھالی نہ سبو ہم نے اچھالے

اس مست کو اندیشۂ فردا نہیں واعظ — جو جا کے جہنم میں بھی جنت کا مزا لے

وہ بھی تو کھڑے دیکھتے تھے بام سے اپنے — اس ضعف میں بھی عرش سے اونچے گئے نالے

تم ایک ہی چلو کے ہوئے حضرت واعظ — پی جاتے ہیں بھر بھر کے بلا نوش پیالے

نالوں سے پھٹے جاتے ہیں کیوں کانوں کے پردے — ہماری نہ تو پٹتے ہیں نہ بجلی ہے نہ بالے

برسات کی رت اور یہ گھنگھور گھٹائیں

اب ہم ہیں ریاض اور حسیں گیسوؤں والے

کوٹھے کے رہنے والوں کی تجھ پر نگاہ ہے — اے آسمان تیری چڑھی بارگاہ ہے

لغزش کچھ اپنے پاؤں کی کچھ میکدے کا بعد — اہلِ حرم سے دور کی اب رسم و راہ ہے

دن رات اس گھٹا سے برستی ہیں بجلیاں — کافر بڑی بلا تری چشمِ سیاہ ہے

منبر نہیں ہے تختِ شہی ہے یہ وقتِ وعظ — واعظ نہیں ہے جھوٹوں کا یہ بادشاہ ہے

ہے قحط میں گرانیٔ مے اور بھی ستم — ساقی نگاہِ لطف کہ دنیا تباہ ہے

جو مجھ کو گدگدائے وہ جوبن کا ہے بہار — جو تجھکو گدگدائے وہ میری نگاہ ہے

کئے دن ہوئے شباب کو رخصت کئے ہوئے — اے ذوقِ معصیت ابھی توبہ گناہ ہے

کہتے ہو برگِ گل سی سبک تھی لبِ رقیب — نازک ہے گورے گال کی رنگت سیاہ ہے

ساحر[1] کا در ہے اور ہے سر مجھ فقیر کا

سجادہ ہے ریاضؔ نہ اب سجدہ گاہ ہے

واعظ یہ بعد توبہ جو مے پر نگاہ ہے — کچھ بھی نہیں یہ وضع کا اپنی نباہ ہے

بڑھ کر نگاہِ غیر کو یہ روکتی نہیں — ان کی بلائیں لینے کو زلفِ سیاہ ہے

ظرفِ وضو ہے جام ہے اک خم ہے اک سبو — اک بوریا ہے میں ہوں مری خانقاہ ہے

واعظ کے حلق میں بھی نوالا کبھی پھنسے — کہنا یہ بھول جائے کہ پینا گناہ ہے

او شرم والے شرم سے نکلوں تڑپ کے کیا — دل میں گڑی ہوئی تری ترچھی نگاہ ہے

کہتے ہیں کس ادا سے وہ ٹھکرا کے قبر کو — کیا فتنہ آفریں یہ تری خواب گاہ ہے

اے زلفِ یار آنکھ سے دیکھا ہے دل کا حال — میری نظر میں آج زمانہ سیاہ ہے

لطف آپ کو نہ آئے گا سنئے اسے نہ آپ — فریادِ عندلیب نہیں میری آہ ہے

ان مہ وشوں کو داغ لگا یا ریاضؔ نے

جس سے حسیں ڈریں وہ یہی روسیاہ ہے

اور میخانہ نشیں چور بنائے نہ گئے — ہم دھرے جاتے ہیں ناحق کہیں آئے نہ گئے

شوخیاں تیری اٹھائیں گی مجھے بزم سے کیا — ان سے تو شرم کے پردے بھی اٹھائے نہ گئے

قید نغمے کی ہوئی قیدِ قفس پر طرہ — ہم سے صیاد کو نالے بھی سنائے نہ گئے

پردہ ڈالا تری رحمت نے مری عصیاں پہ — ان فرشتوں سے مرے عیب چھپائے نہ گئے

کون سا لطف نہ فردوس میں پایا لیکن — پھر بھی دنیا کے مزے دل سے بھلائے نہ گئے

جب چلے سوئے لحد مڑ کے نہ دیکھا گھر کو — ایسے روٹھے کہ کسی سے بھی منائے نہ گئے

---

[1] سر مہاراجہ بہادر محمود آباد۔

یہ سمجھ کر کہ گنہگار ہیں کس مالک کے — نہ گئے حشر میں ہم آنکھ جھکائے نہ گئے

غیر کے جلنے سے کچھ آنچ نہ آئی تم پر — کیوں الگ بیٹھے ہوئے آگ لگائے نہ گئے

نہ رہا حشر میں نظارے سے محروم کوئی — قبر سے ایک ہمیں آج اٹھائے نہ گئے

کس نے دیکھا ہمیں کوچے میں حسینوں کے ریاضؔ
مفت بدنام ہوئے ہم کہیں آئے نہ گئے

جو اٹھ رہی ہے روزِ قیامت کے واسطے — وہ صبح بھی نہیں شبِ فرقت کے واسطے

سینہ مرا ہے داغِ محبت کے واسطے — پہلو میں دل ہے درد کی لذت کے واسطے

کہنا کسی کا ہائے بگڑ کر شبِ وصال — ہم تو بنے ہیں ناز و نزاکت کے واسطے

اب مجرمانِ عشق سے باقی ہوں ایک میں — اے موت رہنے دے مجھے عبرت کے واسطے

بن جائے کوئے یار میں اتنی آرزو یہی — اک حشر اٹھ گیا مری تربت کے واسطے

پھیلا کے پاؤں سوتے ہیں کیا اہلِ میکدہ — یہ تو عجب مقام ہے راحت کے واسطے

تم کہہ دو آسمان سے جھک کر جگہ بتائے — دو گز زمین چاہیئے تربت کے واسطے

فتنے سے ان کی چال سے کچھ بڑھ چلی تھی بحث — کیا اٹھ رہا تھا آج قیامت کے واسطے

اے دل کسی کے زلف کا تو جب سے ہو رہا — آنکھیں ترس گئیں تری صورت کے واسطے

اے باغباں وہ باغ میں صیاد آ گیا — اب ہم چمن سے جاتے ہیں مدت کے واسطے

ہر دم دعائیں دیتے ہیں سرکار کو ریاضؔ
ہاتھ اٹھتے ہیں ترقیٔ دولت کے واسطے

صلائے عام ہے وسعت بڑھی زباں کے لئے — صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

لہ سرمہاراجہ محمود آباد

یہ کس کے نام نے دی زبان میں چٹکی
کہ بیقرار ہوئیں شوخیاں بیاں کے لئے

ابھی تو بات بھی کوئی نہ آئی تھی لب تک
اثر نے دوڑ کے بوسے مری زباں کے لئے

ہوئی کسی کا ہے کو تاثیر اس طرح بے چین
کسی کی نیم شبی نالہ و فغاں کے لئے

زبانِ خشک کو وعدے ہے گل فشانی کا
زباں کے کانٹے بنیں پھول از زباں کے لئے

نئے شگوفے کھلانے بہار آئی ہے
نیا ہے رنگِ اثر آج ہر فغاں کے لئے

ترقیاں ہیں یہی تو صدائے خندۂ گل
بنے گی نغمۂ نو مرغِ نغمہ خواں کے لئے

شکستِ آبلۂ پا کی بے سکت آواز
فغاں بنے گی جرس ہی کارواں کے لئے

یہ باغ وہ ہے کہ سینچا ہے خونِ دل سے اسے
بہار بھی ہوئی ایسے بوستاں کے لئے

یہی ہوا جو رہے گی زمین گلشن کی
نئے شگوفے کھلیں گے آسماں کے لئے

ستارے جتنے ہیں اب وہ رنگ بدلیں گے
بنیں گے پھول وہ دامانِ کہکشاں کے لئے

اڑیں گے اور بھی اب اونچے نغمہ خوانِ بلبل
بلند جائیں گے نوائے آشیاں کے لئے

یہ فیض عام جہاں میں صلائے عام کا ہے
دعا اثر کے لئے ہو اثر فغاں کے لئے

عجیب ولولے بیاں ہے عجیب طرزِ بیاں
کہاں یہ حسنِ بیاں غیر کی زباں کے لئے

شعاعِ مہر نمایاں خطوطِ مسطر سے
ضیا فزا ہے ہر اک سطر کہکشاں کے لئے

ہر ایک دل کا سویدا ہے نقطۂ روشن
یہ نور آنکھ کی پتلی کا ہے جہاں کے لئے

اٹھائے دستِ نظر دو سب آنکھ میں رکھ لیں
عجیب چیز ہے یہ اپنے قدرداں کے لئے

حروف کی نگہِ نکتہ رس بلائیں لے
نظر فریب ہو ہر نکتہ نکتہ داں کے لئے

ریختہ کی جان پڑی اس میں ہر سخنور کی
ہر ایک دائرہ ہے دامِ مرغِ جاں کے لئے

ہر ایک صفحہ ہے تختہ زمینِ دہلی کا
بنی زمیں سبب فخر آسماں کے لئے

یہ وہ زمیں ہے کہ جس پر ہے تاج کا سایہ
وہ سایہ تاج ہو جو فرق فرقداں کے لئے

کہو فلک سے کہ جھک جھک کے لے زمیں کے قدم
کہ ہیں زمیں کے قدم آج آسماں کے لئے

اسی زمین مبارک پر آج ہے دربار
یہی ہے مرجع عام آج اک جہاں کے لئے

ہوئے ہیں تخت نشیں آج پنجم جارج
یہ وہ خوشی ہے کہ ہے عید اک جہاں کے لئے

بڑھی ہے دِلّی عروس البلاد لندن سے
کہ تخت گاہ ہے یہ شہِ جہاں کے لئے

وہ شاہ جو ہے شہنشہ سے بڑھ کے رتبہ میں
وہ شہریار جو قیصر بنا یہاں کے لئے

یہ آسماں سے کہو بن کے فرش بچھ جائے
جگہ نکالی ہے ہم نے بچھے آسماں کے لئے

جگہ نہیں کہیں تِل دھرنے کی قیامت ہے
وہ تِل جو حسن فزا ہے رخ بتاں کے لئے

جگہ نہ کمپ میں باقی نہ شہر میں باقی
کسی سے بھی نہیں کہتا کوئی مکاں کے لئے

قدم جو شاہ کے آئے یہ ہے اثر اس کا
کہ ہر مکاں میں جگہ نکلی کارواں کے لئے

ہر اک مکان میں ہے سامان وسیع ہوٹل کا
کہ ہر طرح کا ہے آرام میہماں کے لئے

دلوں میں آنکھوں میں لیتے ہیں میہمانوں کو
بڑے مزے کی سرائیں ہیں کارواں کے لئے

صلائے عام کے صفحے ہیں ان سے بھی بڑھ کر
جگہ نکالی ہے بزم شہِ جہاں کے لئے

اسی کے واسطے نکلا ہے اب یہ نمبر خاص
بڑھائے صفحے کئی وسعت بیاں کے لئے

خدا کرے یونہی پھولے پھلے یہ باغ سخن
خزاں نہ اس کے لئے ہو نہ یہ خزاں کے لئے

ریاض کوئی غزل اور اس زمین میں کہو
مگر جو خاص ہو یاران نکتہ داں کے لئے

تری گلی سے اٹھے فتنہ اک جہاں کیلئے
نہ اک جہاں کے لئے بلکہ آسماں کے لئے

کہے نہ اب کوئی چبھتی ہوئی فغاں کے لئے
کہ آہیں کانٹے ہیں سوکھی ہوئی زباں کے لئے

چھری نہ تیز کریں آپ امتحاں کے لئے | بہت ہے نیم نگہ مجھ سے نیم جاں کے لئے

شبِ فراق کے جاگے ہوؤں کو مل جائے | وہ نیند زہر جو ہو ان کے پاسباں کے لئے

بلائیں پیار سے لیں عمرِ جاوداں نے مری | کچھ اس ادا سے مرے مرگِ ناگہاں کے لئے

لبوں تک آئے نہ جائے یہ عرش تک نہ سہی | تڑپ رہا ہے مرے ساتھ اثر فغاں کے لئے

کسی کی چینِ جبیں پر مجھے ہنسی آئی | ذرا سی تیغ چلی میرے امتحاں کے لئے

ہمارے دل میں کہاں چاری پیاری ہنسی مشکل | وہ آرسی کے لئے یہ غمِ نہاں کے لئے

مری گلی میں وہ آکر مری گلی کا ہوا | قدم زمیں نے بڑھایا ان کے پاسباں کے لئے

اِدھر اُدھر لئے پھرتی ہے بادِ تند کی موج | نئی یہ شاخ ملی مجھکو آشیاں کے لئے

نہ رہروانِ عدم چھوٹ کر ملے ہم کو | اُڑائی خاک بہت ہم نے کارواں کے لئے

تم اچھے آئے دلانے فلک کو داغِ جگر | ہماری پاس میں انگارے آسماں کے لئے

وہ دیکھ کر مرے سونے نصیب کو بولے | یہ میٹھی نیند کہاں میرے پاسباں کے لئے

یہ ذرے خاک کے تو خاک میں ملائیں گے | مرا غبار بہت ہے اس آسماں کے لئے

قفس میں ہم تھے گھری بادلوں میں بجلی تھی | تڑپ تڑپ کے رہے دونوں آشیاں کے لئے

ملے بھی خضر تو یہ تم سے نیک بندے کو | گناہگار نہ تھے عمرِ جاوداں کے لئے

قفس کے گرد شرر بجلیوں کی ہے صیاد | یہ تنکے چن کے جمع کئے ہیں آشیاں کے لئے

ریاضؔ کاٹتے ہیں دن ہم اپنی عمر کے یوں
دعائیں مانگتے ہیں مرگِ ناگہاں کے لئے

کوئی جانے یہی ہیں ایک جلوا دیکھنے والے | یہ موسیٰ اچھے آئے جا کے تنہا دیکھنے والے

تری نازک سی سوئی کیا سما ذرا ان کی آنکھوں تک | ہماری آبلے ہیں خارِ صحرا دیکھنے والے

نئی ناقوس میں پھونکی ہے جس نے روح وہ ہیں ہاں | ابھی موجود ہیں اہلِ کلیسا دیکھنے والے
کھلیں گی بے ثباتی دیکھکر آنکھیں حبابوں کی | یہی ہیں سر اٹھا کر جوشِ دریا دیکھنے والے
پہنچتے ہیں جو راتوں کو وہاں چھپ چھپ کے ہم ہیں | نہ طوفاں دیکھنے والے نہ دریا دیکھنے والے
نہیں اٹھنے کے تیری راہ سے گو حشر بھی اٹھے | جمے بیٹھے ہیں یوں نقشِ کفِ پا دیکھنے والے
اڑا دے پردہ محمل ہوا مجنوں کے کہنے سے | یہ اچھے آرہے کھل کر رُوے لیلیٰ دیکھنے والے
خدا جانے غش آیا جلوہ گاہِ طور میں کس کو | وہ کس سے پوچھتے ہیں مجکو دیکھا دیکھنے والے
ہم اپنی وضعِ رندانہ کریں کیوں ترک محشر میں | یہی ہوں گے وہاں بھی اہلِ دنیا دیکھنے والے
حنائی ہاتھ کا صدقہ بجھا دے اب لگی دل کی | لگا کر آگ اس گھر میں تماشا دیکھنے والے
ترے مشتاقِ نظارہ الگ بیٹھے ہیں محشر سے | وہاں کیا کرنے آئیں تجکو تنہا دیکھنے والے
گرے غش کھا کے موسیٰ تو صدا یہ طور سے آئی | کھلی آنکھیں تمہی کچھ تو نے دیکھا دیکھنے والے
سنو افسانۂ جم جام رکھ کر سامنے اُن کے | ابھی دو چار ہیں جم کا زمانا دیکھنے والے
یہی مینا دکھائے گا مزا طاؤسِ گلشن کا | گھٹا کے منتظر ہیں رقصِ مینا دیکھنے والے
نشیمن میں نہیں ہیں تو شرارِ برق کیوں جائیں | یہ جا کر کون میرا آشیانا دیکھنے والے
وفا ہو یا نہ ہو وعدہ یہی دن ہے قیامت کا | کہیں کیا اپنے منہ سے منہ تمہارا دیکھنے والے

یہ جتنے پینے والے ہیں یہ آصف ان سب کے مرشد ہیں
ہمیشہ جام مے میں نورِ حق کا دیکھنے والے

اور کچھ ہے دل کا آنا دل میں آنا اور ہے | دل میں گھر کرنے کو آنکھوں میں سمانا اور ہے
جب کہا کوئی شبِ وعدہ بہانا اور ہے | ہنس کے بولے غیر کے گھر مجکو جانا اور ہے
ساتھ تیرے ہم بھی رخصت ہوں گے اے فصلِ بہار | باغ میں دو چار دن اب آشیانا اور ہے

رات بڑھ جائے گی دیکھو داستان غیر سے
نیند اُڑ جائے گی اس سے یہ فسانا اور ہے

خنجر قاتل اٹھائے خوب ہم نے تیرے ناز
وقت آخر اب اجل کا ناز اُٹھانا اور ہے

جا بھی اے قاصد ہوا ہے خوب تیرا امتحاں
کام کرنا اور ہے باتیں بنانا اور ہے

حضرت ناصح جوانی میں مجھے رکھئے معاف
پیر و مرشد توبہ کرنے کا زمانا اور ہے

حشر کے دن بھی اس قاتل بھی ہے خنجر کھنچا ہے
خون ناحق آج تجکو رنگ لانا اور ہے

ذکر تیرے حسن کا کچھ ذکر میرے عشق کا
دشمنوں کے کان بھرنے کو یہ فسانا اور ہے

جائیں گے تیری گلی سے اٹھ کے ہم سو کہاں
کیا کہیں دنیا میں ایسوں کا ٹھکانا اور ہے

پارسایانہ وہ اگلی وضع نبھ سکتی نہیں
اور تھا اگلا زمانہ اب زمانا اور ہے

دن گئے وہ دن گئیں راتیں گئیں باتیں گئیں
وہ زمانہ اور تھا اب یہ زمانا اور ہے

بزم میں اہل عزا کچھ اور کریں انتظار
چوٹی وہ گندھوا لے مہندی لگانا اور ہے

تم خفا ہو کر کہاں جاتے ہو مجھ سے یا حفیظ
کوئی سجدے کے لئے کیا آستانا اور ہے

میرے لب پہ کبھی تو بن کے دعا بھی آئی
تجھ سے اے آہ مری بات بنا بھی آئی

ان سے کچھ یہ شفق شام لگا بھی آئی
کہ شب وعدہ جو آئی تو حنا بھی آئی

اتنے دن کٹ گئے ہوئی تجکو قفس میں گزرے
جھانکنے کو بھی گلشن سے ہوا بھی آئی

تو ہمیشہ رہی قاتل کے کمر میں اے تیغ
تیرے حصہ میں تجھے قاتل کی ادا بھی آئی

درد فرقت کی نہ وقت کا نہ پوچھو کچھ حال
آج گھبرا کے کئی بار قضا بھی آئی

بھولتا ہی نہیں کہنا یہ کسی کا فرقہ
تجھے بھولے سے کبھی یاد خدا بھی آئی

آنکھ رہی نیچی ہی دن سے انہیں نیچی نہ اب
چپ یاں قبر میں لینے کو حیا بھی آئی

حشر کے دن بھی رہی بات وہی آنکھ وہی
جھوٹے وعدوں سے تجھے شرم ذرا بھی آئی

شمع کے واسطے تھی جنبشِ دامن کافی
ان کے دامن سے لگی بادِ صبا بھی آئی

آگیا شکر زباں پر جو کیا خُم خالی
پیٹ اپنا جو بھرا یادِ خدا بھی آئی

آئے میخانے میں جب مسجدِ جامع سے ریاضؔ
ساتھ ہی آپ کے قبلے سے گھٹا بھی آئی

اپنے سر میرے گنہ کا بار رہنے دیجئے
شیخ جی اچھی ہے یہ دستار رہنے دیجئے

دیجئے کیوں دل کے بدلے ہار رہنے دیجئے
جو نہ مجھ سے اُٹھ سکے وہ بار رہنے دیجئے

آ کے قابو میں نہ کہئے پیار رہنے دیجئے
پیارے پیارے منہ سے اب انکار رہنے دیجئے

کی ہے پیدا کیا نزاکت نے لچک وقتِ خرام
اب کمر میں یہ نئی تلوار رہنے دیجئے

بات کیا ہی بات کہتے وصل میں گزری گی رات
رات بھر کی بات ہے تکرار رہنے دیجئے

ہر طرف سے اے جنوں آئے گا صحرا کا مزا
دل میں ہے گھر بے در و دیوار رہنے دیجئے

وہ نگاہیں اب کہاں ہیں جن سے شرماتے تھے آپ
مرنے والوں سے تو آنکھیں چار رہنے دیجئے

حشر کے دن قبر سے میں آنکھ سے نکلے گی وہ
میرے دل میں حسرتِ دیدار رہنے دیجئے

خواب میں بھی ہونے پائے گا نہ دشمن کا گزر
آپ سو رہئے مجھے بیدار رہنے دیجئے

اس سے اچھا ہے کہ میری جان لے بیمار آنکھ
آنکھ کا صدقہ مجھے بیمار رہنے دیجئے

شیخ صاحب یہ نہ دے گا پنبۂ مینا کا کام
آپ اپنا طرّۂ دستار رہنے دیجئے

بن کے چلنا تن کے چلنا سادگی کے ہے خلاف
کبک کی طاؤس کی رفتار رہنے دیجئے

ایسی کیا جامہ دری ایسا جنوں بھی کیا ریاضؔ
کوئی تو اپنے کفن کو تار رہنے دیجئے

ناتواں پڑا رہنے دیجیے کیوں بار رہنے دیجیے　　دور مجھ سے سایۂ دیوار رہنے دیجیے

نزع میں الفت کا اب اظہار رہنے دیجیے　　چھوڑیے بھی جان میری پیار رہنے دیجیے

جب کہا اس کو گلے کا ہار رہنے دیجیے　　وہ جھٹک کر ہاتھ بولے پیار رہنے دیجیے

شعر سن کر گالیاں ہر بار رہنے دیجیے　　آپ سننے کو مرے اشعار رہنے دیجیے

سر بکف ہیں آپ کے کوچے میں لاکھوں سرفروش　　گرم کچھ دن موت کا بازار رہنے دیجیے

لے کے دل پہلو مرا خالی کیے جاتے ہیں آپ　　میرے دل کے داغ تو دو چار رہنے دیجیے

رہ کے پردے میں مجھے بیتاب کرنا کیا ضرور　　آپ اپنی شوخیِ گفتار رہنے دیجیے

کیوں تعرض مجھ سے ہی اے حضرتِ واعظ مجھے　　رشتۂ سبحہ و زنار رہنے دیجیے

جو اٹھائے قبر سے مجھ کو وہ چلیے چال آپ　　جو اٹھائے حشر وہ رفتار رہنے دیجیے

بعد مدت کے ملی ہے رات اک ساعت کی　　گالیوں کی آج تو بوچھار رہنے دیجیے

برگ گل رکھ لیں گے کچھ مسکی ہوئی محرم کی شرم　　اپنے سینے پر گلے کا ہار رہنے دیجیے

آ رہوں تو آپ ہے سر پر مرے دیوار بھی　　آپ ایسا سایۂ دیوار رہنے دیجیے

شوق ہے تو آئینہ رکھ لیجیے رخسار پر　　عکس کے رخسار پر رخسار رہنے دیجیے

کیوں رہے نازک کمر میں کیا یہ میرا ہاتھ ہے　　چلتی پھرتی ہاتھ میں تلوار رہنے دیجیے

میری تربت غیر کا گھر غیر کا کوچہ نہیں　　یہ ادا یہ ناز یہ رفتار رہنے دیجیے

شیخ صاحب سوئے میخانہ ریاضؔ آتے ہیں آج
فرش راہ میکدہ دستار رہنے دیجیے

آغاز جوانی کی ادا اور ہی کچھ ہے　　اٹھتی ہوئی کونپل کا مزا اور ہی کچھ ہے

دل اور ہی کچھ داغ مرا اور ہی کچھ ہے　　چھونا نہ اسے تم یہ بلا اور ہی کچھ ہے

او بندۂ بت دیکھ خدا اور ہی کچھ ہے — بت پردہ ہیں پردے میں چھپا اور ہی کچھ ہے

شرمیلی نگاہوں کی ادا اور ہی کچھ ہے — قربان حیا کے یہ حیا اور ہی کچھ ہے

اڑتے ہوئے میخانے چلے آتے ہیں رند — اٹھتی ہوئی ساون کی گھٹا اور ہی کچھ ہے

کر دیتی ہے گھر صاف لگائی ہوئی تیری — آگ اور ہی کچھ ہے یہ حنا اور ہی کچھ ہے

محفل میں بھی دیکھا ہے حسینوں کو پلاتے — خلوت میں پلانے کا مزا اور ہی کچھ ہے

کیا ہاتھ اٹھے ہاتھ اٹھا بیٹھے دعا سے — اٹھ جائے تو ہاں دست دعا اور ہی کچھ ہے

جانے نہیں دیتے مجھے دوزخ میں فرشتے — کیا میری گناہوں کی سزا اور ہی کچھ ہے

تو عرش نشینوں سے ذرا حال اثر پوچھ — او بام نشیں آہ رسا اور ہی کچھ ہے

ہم رندا سے کہتے ہیں کوثر کی اچھوتی — اے شیخ مے ہوش ربا اور ہی کچھ ہے

رندوں نے چھڑک دی ہے جو تو پوچھ رہا ہے — زاہد تری ڈاڑھی میں لگا اور ہی کچھ ہے

سجدے کے لئے سر یہ جھکا دیتی ہے میرا — اے شیخ مری لغزش پا اور ہی کچھ ہے

اللہ نے سنو اے اب اس درد کی آواز — ٹوٹا ہے کوئی دل یہ صدا اور ہی کچھ ہے

سرسبز ریاض آپ کبھی ہو نہیں سکتے
افسوس زمانے کی ہوا اور ہی کچھ ہے

اے چرخ حسینوں کی جفا اور ہی کچھ ہے — چھیڑوں میں حسینوں کے مزا اور ہی کچھ ہے

وہ سونے میں سونے کی ادا اور ہی کچھ ہے — اے بند قبا قصد مرا اور ہی کچھ ہے

گو جھومتے ہیں دیکھ کے ہم دختر رز کو — لیکن تری مستانہ ادا اور ہی کچھ ہے

نشتر سے چلے کام تو سو بار چبھو لوں — اے درد جگر تیری دوا اور ہی کچھ ہے

کہتا ہوں سنا کر تجھے میں او بت کافر — اللہ سے اب میری دعا اور ہی کچھ ہے

یہ کچھ اور ہی وہ لطف ہی کچھ اور ہی لذت — صحبت میں حسینوں کے مزا اور ہی کچھ ہے

مستوں سے الجھنا کبھی کنج چمن میں — ان کی روش اے بادِ صبا اور ہی کچھ ہے

پتھر سے کچلوائے گی یہ ہاتھ ہمارے — بہکے ہوئے ہاتھوں کی خطا اور ہی کچھ ہے

قاصد یہ زباں اس کی بیاں اس کا نہیں ہے — دھوکا ہے تجھے اس نے کہا اور ہی کچھ ہے

لے بیٹھے ہیں وہ غیر کی باتیں مرے منہ پر — ان سے یہ کہے کون سنا اور ہی کچھ ہے

جب تک نہ پیئے کوئی اسے پانی ہے پانی — پی لے تو مئے ہوش رُبا اور ہی کچھ ہے

اے شیخ یہ جب آتی ہے چھا جاتی ہے سب پر — برسات کی گھنگھور گھٹا اور ہی کچھ ہے

آغوش میں کھینچا سرِ محشر تو وہ بولے — یہ روزِ قیامت نہیں کیا اور ہی کچھ ہے

قربان ترے نام کے اے احمدِ مرسل — تو نامِ خدا اصل علیٰ اور ہی کچھ ہے

اچھا ہے ریاضؔ آپ کے سرکار کا مصرع
جو وقت پر اٹھے وہ گھٹا اور ہی کچھ ہے

دل سے چھیڑیں ہیں نگاہِ ناز کی — ہو نہ افشا بات یہ ہے راز کی

کاش مل جاتی جوانی کے عوض — ایک ساعت عشق کے آغاز کی

طور کیسا اُن کے دل پر ہے اثر — اُف ری گرمی شعلۂ آواز کی

وائے قسمت جب قفس کا در کھلا — اُڑ گئی طاقت پرِ پرواز کی

جس قیامت کی ہے اتنی دھوم دھام — موج ہے ان کے خرامِ ناز کی

ڈال کر منہ میں دیکھا ظرف تم — بات جو کہنا تھی کہہ دی راز کی

ناوکِ صیاد کیا کہنا ترا — دل میں حسرت رہ گئی پرواز کی

سر مہاراجہ بہادر اعلیٰ اللہ مقامہٗ۔

فتنۂ قد مینائے کچھ ہے نہ ریاض
کچھ ادا میری بتِ طنّاز کی

نیند میں پوچھتے ہیں وہ تری حسرت کیا ہے
کھل نہ جائے کہیں ان پر مری نیت کیا ہے

ہم نے دیکھا ہی اسے اس کی حقیقت کیا ہے
آپ کے پاؤں کی ہے خاک قیامت کیا ہے

نہ اٹھی گرد بھی ٹھوکر سے یہ آفت کیا ہے
آخر ایسی گئی گزری مری تربت کیا ہے

صبح تک کام ہے تو ہے غنیمت شبِ وصل
شام ہی سے انھیں چھیڑوں یہ شامت کیا ہے

رگِ گل کو نہ کمر بن کے لچکتے دیکھا
اے صبا ان ترے پھولوں میں نزاکت کیا ہے

آگئے دو آنسو گرا لے کوئی امید نہیں
اب مری قبر سے لپٹی ہوئی حسرت کیا ہے

داغِ دامن نہ بناؤ اسے تم پھینک بھی دو
دلِ پر داغ کی ایسی بھی محبت کیا ہے

بزمِ ساقی ہو مرا گھر ہو کہ میخانہ ہو
جب اڑانے کو ملے پھول تو جنّت کیا ہے

اے حنا رنگ حسینوں میں جما ہے تیرا
تیرے آگے دلِ پرخوں کی حقیقت کیا ہے

کس قدر شوخ حسینوں کو ستانے والی
نا نہ ہم کو ہے ہماری بھی طبیعت کیا ہے

آسماں ٹوٹ پڑے تو نہ اثر ہو مجھ پر
انجم افشاں مرے سر پہ شبِ غربت کیا ہے

بات کہنے کی نہیں ہے کہیں خلوت کے سوا
کیا بتاؤں سرِ محفل مجھے حیرت کیا ہے

ہم وہاں ہیں کہ جہاں دونوں برابر ہیں یہاں
یہ شبِ وصل ہے کیا یہ شبِ فرقت کیا ہے

ہوں گے آباد یہ ویران نشیمن کب تک
اے اسیرانِ قفس قید کی مدت کیا ہے

چھیڑتی ہے تجھے کیا نجد کی دامن کی ہوا
آج اے ناقۂ لیلیٰ تجھے وحشت کیا ہے

کیا بتاؤں تجھے بے درد وہ کیوں کہتے ہیں
کیا کہوں تجھ سے حسینوں کو شکایت کیا ہے

یاد آئیں گے یہ جنّت میں تجھے اے واعظ
لطف کیا میرے معاصی میں ہے لذّت کیا ہے

ہم تو جب جانیں کہ کچھ کام ہمارے آئے — دسترس جب نہ ہو تو حسن کی دولت کیا ہے

اے ریاضؔ آؤ بھی جاتے ہو کہاں زنداں سے
نہ کھلے گل نہ بہار آئی یہ وحشت کیا ہے

ساتھ سائے کی طرح وحشت میں عریانی ہوئی — مجھ سے دیوانے کے پیچھے یہ بھی دیوانی ہوئی
صدقے ان کی زلف کے میری پریشانی ہوئی — میں تو دیوانہ تھا یہ بھی آج دیوانی ہوئی
ان کی آنچل میں ادا بن کر قیامت چھپ چکی — وہ مری جانی ہوئی وہ میری پہچانی ہوئی
کس کے جلوے نے نگاہ شوق پر ڈالا اثر — طور کے دامن میں اچھی برق جولانی ہوئی
اب جو کھل کھیلیں یہ جوبن کوئی اس کو کیا کرے — پردے پردے میں بہت ان کی نگہبانی ہوئی
مانتے ہیں وہ سمجھے یہ غیر کو تسلیم ہے — مان لیتے ہیں مری یہ بات ہے مانی ہوئی
غیر ہی کے ہو رہیں اب کیا رفو کرتے ہیں وہ — چاک دامانی سہی ان کی چاک دامانی ہوئی
قحط تھا کتنے مرے کا حسن ارزاں بک گیا — اس گرانی میں مزے آئے وہ ارزانی ہوئی
زلف و رخ نے مارا تار دیدہ و دل کیا کہیں — کس کو حیرانی ہوئی کس کو پریشانی ہوئی
زمزمی میں جام مے میں گر گیا پانی سوا — تھی مری قسمت میں جیسی آج سب پانی ہوئی
وعدہ دشمن سے نہ تھا تو حشر میں شرمائے کیوں — اس طرح وہ چپ ہیں گویا بات ہے مانی ہوئی
دیکھ کر سبزہ مری تربت کا بدلی وضع جور — آسمانی آپ کی پوشاک کیوں دھانی ہوئی
ڈھیر ہیں کتنے یہاں بام حسیناں سے بلند — جنس دل اٹھتی نہیں اتنی فراوانی ہوئی
پاک صاف ایسی ہی جس نے پی فرشتہ بن گیا — زاہد و یہ حور کے دامن میں ہے چھانی ہوئی
بند ٹوٹے مسکی محرم رنگ آڑا جوبن اٹھا — غیر کے گھر جا کے ان کی خوب مہمانی ہوئی
آئیں جائیں گے عدو ہم تو کہ بیٹھے گئے پاؤں — آپ نے دربان بنایا ہم سے دربانی ہوئی

شکل کیا کھینچتی مری ہیں گردبادِ وحشت تھا
گرد تصویرِ جنوں سے صنعتِ مانی ہوئی

پہنچتے ہی دنیا کے جھگڑوں سے ہوئے فکر ہم
کس قدر دشواریاں تھیں کتنی آسانی ہوئی

دامن گلچیں میں بھی کچھ پھول برسائے ریاضؔ
کہئے کچھ اس کی زمیں میں بھی گل افشانی ہوئی

پہنچ جائے کسی کے بام تک یارب فغاں میری
لگی لپٹی گئی ہو ساتھ جانِ ناتواں میری

مرے صیاد چھوڑ جائے گی گھر تجھسے فغاں میری
قفس میں آج کوئی تالو سے لگتی زباں میری

بتوں کے بام سے مجھ پر یہ کیوں پتھر برستے ہیں
گرے اس طور پر بجلی لڑی قسمت کہاں میری

سمجھ کر سرگزشت غیر ان کو لطف آتا ہے
سُنا کرتے ہیں پہروں منہ سے میرے داستاں میری

وہ کیا دن تھے کہ آئیں اس طرح باہم گزرتی تھیں
دہن میرا زباں ان کی دہن ان کا زباں میری

رگِ گل کی طرح رکھا ہے تنکوں کو نشیمن میں
پھلے پھولے مرے اللہ شاخ آشیاں میری

کیا یہ تنگ پیدا قوں رہ کر کلیسا میں
حرم میں نغمۂ ناقوس بنتی ہے اذاں میری

بلا کر بام پر فریاد تم سنتے ہو نادان ہو
کہو کیا ہو جواب دور سن لے آسماں میری

حسینوں کی طرح ان کو بنایا ہے سنوار لے ہے
بلائیں بھی پری بن کر ہوئی ہیں میہماں میری

انہیں کے سب ہیں منہ دیکھے لگا دو آگ گلشن میں
نہ گل ہم داستاں میرے نہ سوسن ہم زباں میری

دمِ آخر جو آئیں بھی تو یارب اس طرح آئیں
مزا دیں قلقلِ مینا کا مجکو ہچکیاں میری

بلا لائے کوئی جا کر کسی سے تم ذرا کہہ دو
عدو کے گھر چھپی بیٹھی ہو مرگِ ناگہاں میری

اثر اب دوڑ کر آئے نہ گردوں سے تو میں جانوں
مجھی کو کوستی نکلی مرے لب سے فغاں میری

ریاضؔ اک عمر گزری دیر میں آئے مگر اب تک
حرم میں گونجتی پھرتی ہے ناقوں کو اذاں میری

جوانی مئے ارغوانی سے اچھی — مئے ارغوانی جوانی سے اچھی

بقا جس میں ہو شئے وہ فانی سو اچھی — نہیں موت اس زندگانی سے اچھی

جوانی ہو اچھی سی اچھی کسی کی — نہ ہوگی تمہاری جوانی سے اچھی

یہ مے شیخ کو نار دوزخ سے بڑھکر — یہ مے ہم کو جنت کی پانی سے اچھی

ہمیشہ کو اب ہو گئی آنکھ موسیٰ — صدا ہوگی کیا لن ترانی سے اچھی

اگر پاسبانی ملے تیرے در کی — تو خدمت نہیں پاسبانی سے اچھی

ملا ٹوٹ کر ہم نے توبہ جو توڑی — نہیں چند دن شیخ فانی سے اچھی

نشانہ بنے دل رہے تیر دل میں — نشانی نہیں اس نشانی سے اچھی

تری خوش بیانی کا کیا ذکر واعظ — خموشی تری خوش بیانی سے اچھی

جوانی تو گزری بڑھاپے سے بدتر — گزر جائے پیری جوانی سے اچھی

جو الفت میں حاصل ہوئیں قیس تجھکو — یہ ناکامیاں کامرانی سے اچھی

ریاض آ رہو تم جو سلطان[1] کے در پر
رہے موت بھی زندگانی سے اچھی

لپٹی ہوئی تربت سے نہ حسرت ہو کسی کی — ٹھکراتے ہوئے ڈرتے ہیں تربت ہو کسی کی

بے چین شب وصل نزاکت ہو کسی کی — ایسی بھی نہ بیتاب طبیعت ہو کسی کی

دنیا ہے مٹی اس غضب آلود نگہہ پر — کیا ہو جو ان آنکھوں میں مروت ہو کسی کی

دیکھے ہی نہیں فتنہ خرامی کے یہ انداز — ٹھکراتے ہوئے جائیں گے تربت ہو کسی کی

بیمار کے بالیں سے یہ کہتے ہوئے گزرے — دیکھی نہیں جاتی ہے مصیبت ہو کسی کی

---

[1] سر مہاراجہ بہادر محمود آباد

چھائی ہوئی ہے چھاؤنی اُجڑی ہوی گھر ہیں　　کام آئی تھی میرے شبِ فرقت ہو کسی کی

محشر ہی ہیں کیا دیکھ کے بگڑی ہی طبیعت　　پہلے سی جو بگڑی ہوئی نیت ہو کسی کی

بن ٹھن کے چمکتے ہوئے آئے ہو شبِ وصل　　تم آج تو چمکی ہوئی قسمت ہو کسی کی

وحشت کا بُرا ہو کہ بہانے کو گریباں　　لے لیتے ہیں ہم گردشِ قسمت ہو کسی کی

ہیں یوں تو ریاضؔ اور بھی دنیا میں سخنور

مشکل ہے تمہاری سی طبیعت ہو کسی کی

دلربا یا نہ ہر اندازِ سخن کس کا ہے　　کھینچ لے دل کو وہ بے ساختہ پن کس کا ہے

ایک سی شوخ ہی دونوں میں لہو کی رنگت　　ملتا جلتا ترے دامن سے کفن کس کا ہے

وہ قیامت سی سوا ہیں تو قیامت ان سے　　نہ کھلا کس نے اڑایا یہ چلن کس کا ہے

شجرِ گل سرِ تربت یہ دکھاتے ہیں بہار　　پوچھ جاتی ہے خزاں آکے چمن کس کا ہے

پھر کے غربت سے نشاں پائی کچھ ایسے معدوم　　بھول کر بھی نہ یہ پوچھا کہ وطن کس کا ہے

اک ہمیں ہیں کہ بہک جاتے ہیں توبہ کی طرف　　ورنہ رندوں میں بُرا چال چلن کس کا ہے

دل میں گھر کرنے کو ہی شوخ نگاہی کس کی　　چٹکیاں لینے کو بیساختہ پن کس کا ہے

چوم لیں کیوں نہ حسینانِ جہاں مُنہ میرا

اے ریاضؔ اور یہ اندازِ سخن کس کا ہے

بات دل کی زبان پر آئی　　آفت اب میری جان پر آئی

آرزو کیوں زبان پر آئی　　ان کی زلف اُڑ کے کان پر آئی

کھچتے ہی اُڑ گئی وہ بادہ فروش　　چوکھی مے کب دکان پر آئی

ہو گئی اونچی ان کے بام سے آہ　　آفت اب آسمان پر آئی

کی فرشتوں نے جب صراحتِ جرم | ہنسی ان کے بیان پر آئی
جب چلی آسماں سے کوئی بلا | سیدھی میرے مکان پر آئی
غیر کا ساز بن کے راز رہا | بات سب پاسبان پر آئی
رو کے رکتا نہیں ہے سیلِ سرشک | اب تباہی مکان پر آئی

آئی بوتل بھی میکدے سے ریاضؔ
جب گھٹا آسمان پر آئی

آرزو بھی تو کر نہیں آتی | دل میں ہے ہونٹھ پر نہیں آتی
وصل کی رات کے سوا کوئی شام | ساتھ لے کر سحر نہیں آتی
چلی جاتی ہے ان کے گھر مری نیند | جا کے پھر رات بھر نہیں آتی
وہ مجھے کوستے ہیں او تاثیر | عرش سے تو اتر نہیں آتی
پہلے آتی تھی اے قفس والو | اب صبا بھی ادھر نہیں آتی
چپ کھڑے ہیں وہ پیشِ داورِ حشر | بھولے ہیں بات کر نہیں آتی
کبھی آجاتی تھی سعدر پر | اب ہنسی ہونٹھ پر نہیں آتی
ارے واعظ ڈرا نہ تو اتنا | کیا اسے درگزر نہیں آتی
جب تک آئے نہ کوئی چاند سی شکل | شبِ مہ میرے گھر نہیں آتی
حشر کے دن بھی داغ دامن میں | شرم اے چشم تر نہیں آتی
کمر ان کی بہت ہی نازک ہے | زلف بھی تا کمر نہیں آتی
گم ہیں راہِ جنوں میں اہلِ جنوں | ہیں مگر کچھ خبر نہیں آتی
آپ کو اپنی آرسی کے سوا | اچھی صورت نظر نہیں آتی

شرم آتی ہے دل میں سَو سَو بار　　توبہ لب پر مگر نہیں آتی

وائے قسمت کہ بیکسی بھی ریاضؔ
اب مری قبر پر نہیں آتی

ضد ہماری دعا سے ہوتی ہے　　ہم سے کیا اب خدا سے ہوتی ہے

نامہ بر جائے گا ہوا سے تیز　　شرط بادِ صبا سے ہوتی ہے

نہ جفا سے ہی میرے دل کو قرار　　نہ تسلی وفا سے ہوتی ہے

سینے سے جب اُڑاتی ہے آنچل　　کھُل کے بادِ صبا سے ہوتی ہے

نزع میں ان سے پھیر لیں آنکھیں　　چار آنکھ اب قضا سے ہوتی ہے

سچ تو یہ ہی کہ رنج و غم سے نجات　　بادۂ جانفزا سے ہوتی ہے

چارہ گر اب دعا کو ہاتھ اُٹھائیں　　کہ اذیت دوا سے ہوتی ہے

دونوں پس پس کے رنگ لاتے ہیں　　چھیڑ دل سے حنا سے ہوتی ہے

اے جنوں نوک جھونک کا ہی مزا　　خار سے نقش پا سے ہوتی ہے

بُت اُلجھتے ہیں روز مجھ سے ریاضؔ
روز جھ باخدا سے ہوتی ہے

جب کہا ہم باوفا کیسے ملے　　ہنس کے بولے غیر سے اچھے ملے

دل کے خواہاں خُلق کے پُتلے ملے　　جب گئی تعظیم کی اُٹھتے ملے

کیا بھٹکتے، بوئے مئے تھی رہ نما　　میکدے جاتے کئی رستے ملے

دل گیا ہم بھی گئے اس دل کے ساتھ　　اس ادا سے گیسوؤں والے ملے

خوش نہ ہو کیوں میکشوں سے میفروش　　جو ملے وہ گانٹھ کے پورے ملے

کھا رہا تھا جن میں چکر آفتاب　　اس گلی میں ایسے بھی ذرّے ملے

ہم جہاں ان کو ملے روتے ہوئے　　وہ جہاں ہم کو ملے ہنستے ملے

جام جن کے رونقِ طاقِ حرم　　ہوشیار ایسے بھی متوالے ملے

خانقاہِ شیخ پر پتھر پڑیں　　طاق پر رکھے ہوئے شیشے ملے

وادیٔ اُلفت میں ذکرِ خضر کیا　　رہ نما ایسے ہمیں کتنے ملے

بت بھی نکلے طور کے ترشے ہوئے　　جو ملے آفت کے پرکالے ملے

رہ گئے تھے پاؤں میں جو ٹوٹ کر　　آبلے میں دل کے وہ کانٹے ملے

جس سے ملئے ظاہر و باطن میں فرق　　اس زمانے میں کوئی کس سے ملے

آشیاں کے واسطے اے برقِ طور　　بجلیوں سے بڑھ کے کچھ تنکے ملے

مٹے رہے تھے اس گلی میں دل کا کام　　خاک میں ایسے کئی ذرّے ملے

کیسے کیسے فتنہائے حشر خیز　　خوابگاہِ یار میں سوتے ملے

ہم دعائیں کیوں نہ دیں سرکار[1] کو　　رزقِ بے منّت جو گھر بیٹھے ملے

شیخ پیچھے خضرِ رہ آگے ریاضؔ
کعبے جاتے رہ نما اچھے ملے

دیکھوں تو نہیں آتی ہے اب یاد کسی کی　　آئی ہے سنانے انہیں فریاد کسی کی

رکھیں گے لگا کے تجھے سینے سے ہر وقت　　اب مان بھی جا اے دلِ ناشاد کسی کی

آتی ہے تو لے آتی ہے یہ ساتھ کسی کو　　آ آ کے ستاتی ہے بہت یاد کسی کی

تو ہاتھ کبھی روکے گا تو چل جائے گا خنجر　　آئی ہوئی رکتی نہیں جلاد کسی کی

---

[1] سر مہاراجہ بہادر محمود آباد۔

گھر ابھی اتر جائے جو نشتر نہیں ہوا
ڈوبی ہوئی نبضیں بھی ہیں فصّاد کسی کی

آتا ہے تو چُپ رہتے ہیں مرغانِ نواسنج
شکوہ ہے کہ سُنتا نہیں صیّاد کسی کی

دامن میں بگولے لئے پھرتے ہیں مری خاک
اس طرح بھی مٹّی نہ ہو برباد کسی کی

پہلے ہی سے کُھل جائے ذرا بابِ اجابت
لے عرشِ خدا آتی ہے فریاد کسی کی

سر پھوڑ کے دی جان بھی کہسار میں تو کیا
ٹھوکر بھی تو کھائے سرِ فرہاد کسی کی

افسوس کہ دل ہم سے گیا ہم گئے دل سے
دل سے نہ گئی لذّتِ بیداد کسی کی

کھینچ آئے گی وہ کھینچ نہ دل کی مرے تصویر
تصویر مرے دل میں ہے بہزاد کسی کی

آوازِ دمِ ذبح یہ آئی رگِ جاں سے
رہنے دے لگی خنجرِ فولاد کسی کی

سُن کر وہ ریاضؔ آپ کے اشعار یہ بولے
سچ ہے کہ طبیعت ہے خداداد کسی کی

کام کچھ چلتا نہیں تدبیر سے
حُسن والے ملتے ہیں تقدیر سے

دن یہ دیکھے گردشِ تقدیر سے
جُھک کے ہم ملتے ہیں چرخِ پیر سے

خونِ ناحق چھوٹ سکتا ہی نہیں
ہاتھ انہیں دھونا پڑا شمشیر سے

مضطربِ دل ہو نہیں سکتا ہدف
آج ترکش ہوں گے خالی تیر سے

وصل کی فرقت میں آتے ہیں مزے
لطف رہتا ہے تری تصویر سے

شمع کُھل کھیلی ہے پروانوں سے آج
کچھ سُنے گی یہ لبِ گلگیر سے

پی کے اے واعظ ندامت ہے مجھے
پانی پانی ہوں تری تقریر سے

کیا ہے آہِ ناتواں میں کیا کہوں
گھٹ کے ہے مژگان سے بڑھ کر تیر سے

ملتی جلتی ہے مری طرزِ عمل
کاتبِ تقدیر کی تحریر سے

بعدِ توبہ بھی رہے گا شغلِ جام — کام چل جائے گا شہد و شیر سے

آگرے آنے کا حاصل تھا یہی — دل گرفتہ میں لئے دلگیر سے

ٹیس سی رہ رہ کے اٹھتی ہے ریاضؔ

پک گیا دل آہِ بے تاثیر سے

یہ رنگ لائے تو سب کہہ اٹھیں گے ہاں کچھ ہے — ابھی جوان پرانوں میں آسماں کچھ ہے

نہ سنئے آپ کہ آنکھوں سے نیند جائے گی — مٹے ہوؤں کی پرانی سی داستان کچھ ہے

مجھے بلا کے کہا اہلِ بزم سے سنئے — اثر میں ڈوبی ہوئی آپ کی فغان کچھ ہے

رگیں گلوں کی ہیں تنکے جو ہیں اس طائرو — نہیں ہے دل کچھ نیا نازک سا آشیاں کچھ ہے

اٹھا کے در سے ترے دیر میں اسے رکھ دو — مری نظر میں تو سنگِ آستاں کچھ ہے

گئے ہیں شوق سے سننے وہ غیر کے منہ کی — ضرور بزمِ عدو میں مرا بیاں کچھ ہے

یہ ہے وہم کہ دلِ مضطرب ہے گیسو میں — تم اپنی زلف میں دیکھو ذرا کہاں کچھ ہے

ہمیں ملے تو کٹے مثلِ خواب آنکھوں میں — مزے کی چیز اگر عمرِ جاوداں کچھ ہے

ذرا سی پھانس جو بھاری ہے لاکھ پیکاں پہ — ضرور دل میں ہمارے غمِ نہاں کچھ ہے

مرے گلے سے لگا دے ذرا ترے صدقے — کشیدہ آج تری تیغِ امتحاں کچھ ہے

یہ کیسی تلخ کوئی شئے پلائی واعظ کو — اثر سے جس کے اینٹھی ہوئی زباں کچھ ہے

ہماری آنکھوں میں آؤ تو ہم دکھائیں تمہیں — ادا تمہاری جو تم بھی کہو کہ ہاں کچھ ہے

یہ کہہ کے کس نے گلے سے لگا لیا مجھ کو

ارے ریاضؔ مرا اب مجھے سرگراں کچھ ہے

جب سے ہے صیاد کے بس میں رہے — دام سے چھوٹے تو قفس میں ہے

کوہکن قیس ہوئے ہم ہوئے — ایسے بہتان کے ہوس میں رہے

کچھ جو تڑپنے کا اُٹھانا ہو لطف — طائرِ برق آکے قفس میں رہے

دستِ جنوں کام نہ کچھ آ سکا — اُلجھے ہوئے تارِ نفس میں رہے

بیٹھے ذرا خونِ عدو پر مگس — رنگِ حنا پائے مگس میں رہے

ہائے یہ دنیا ہے کہ یارب سراب — کیا کوئی دنیا کی ہوس میں رہے

کھل گئے اے قیدِ قفس کس طرح — کچھ بھی نہ ہم ایک برس میں رہے

مان لی وہ غیروں میں ظالم نے بات — ہے یہ بہت بات جو بس میں رہے

کانٹوں میں گل اور نشیمن میں ہم — بلبل و گل خار و خس میں رہے

نکلے نشیمن سے نہ ہم رات دن — رہ کے چمن میں بھی قفس میں رہے

لطف یہ ہے جلوۂ نظارہ سوز — اس نگہِ شوق کے بس میں رہے

ضَو تری اے برقِ تجلائے طور — روضۂ انور کی کلس میں رہے

قافلے میں ہم نہ اگر ہوں رسا صفی
درد نہ فریادِ جرس میں رہے

ہمارے دل میں چبھی آپ کی نگاہ رہے — مزا ہے آپ کے دل میں ہماری آہ رہے

یہ بوجھ خوب مرے سر سے حشر میں اُترا — مرے فرشتوں کے سر میرے سب گناہ رہے

نئی طرح کی ہے عاشق سے اپنے فرمائش — کہ دل میں درد بھی ہو اور ضبطِ آہ رہے

خدا کرے نہ ستائے کبھی مٹے نہ خلش — چبھی ہوئی مرے دل میں تری نگاہ رہے

پھر ان کو قدر مرے ضبط کی ہو لے کروں — نکل کے دل سے مری ان کے دل میں آہ رہے

کبھی نہ جان کا لالچ کیا حسینوں سے — فقیر ہو کے بھی ہم دل کے بادشاہ رہے

تجلیاں ترے دیدار کی یہ کہتی ہیں	کسی کی آنکھ کی پتلی نہ اب سیاہ رہے

کچھ ایسا روٹھ گیا پھر نہ مَن سکا ہم سے	تمام عمر ہم اس دل سے عذر خواہ رہے

جنابِ شیخ نہ نکلے کہ گت نہ بن جائے	شراب خوار بہت گردِ خانقاہ رہے

بتوں نے دَیر سے جانے دیا نہ کعبے کو	مرے لئے تو ہمیشہ یہ سنگِ راہ رہے

عجب نہیں کوئی موقع جو حشر میں مل جائے	ہمارے دل میں بھی حسرتِ نگاہ رہے

بنی رہے مری کچھ یاد مے فروشوں کو	اُدھار لوں کہ تقاضا بھی گاہ گاہ رہے

شراب خانے میں ہے رنگ میکشوں کا وہی	نہ خانقاہ نہ وہ اہلِ خانقاہ رہے

ریاضؔ توبہ نہ ٹوٹے نہ میکدہ چھوٹے
زباں کا پاس رہے وضع کا نباہ رہے

ہمارے دل سے بھی پوشیدہ رسم و راہ رہے	وہ دور ہی سے سہی لطف کی نگاہ رہے

جو دیکھتا ہے مجھے اس کو رحم آتا ہے	خدا کرے مری حالت یونہی تباہ رہے

تمہاری موج تبسم جو گدگدا دے ذرا	نہ دل میں درد نہ ہونٹھوں پہ آہ رہے

قریبِ میکدے میں پاؤں توڑ کے بیٹھوں	حرم شکستہ مرا بن کے خانقاہ رہے

غش آئے طالبِ دیدار کو کہ طور جلے	لگا دے آگ ہمیشہ یہ جلوہ گاہ رہے

وہ آرہا ہے عصا ٹیکتا ادھر ناصح	بہا دے اتنی کہ ساقی کہیں نہ خانقاہ رہے

یہ میرے ساتھ تھے لازم تھا روکتے مجھکو	مرے فرشتوں کے سر میرے سب گناہ رہے

ملے ملے نہ ملے دل مجھے نہیں پروا	مری نظر سے لڑی آپ کی نگاہ رہے

گراں نہ حشر میں گزرے نہ مجھکو دنیا میں	بڑے مزے سے مرے سر مرے گناہ رہے

ریاضؔ شوقِ معاصی یہ مجھ سے کہتا ہے	سفید ریش مبارک ابھی سیاہ رہے

مہندی مل کر مرے گھر آئے ہیں بن آئی ہے
یہ حنا جا کے انہیں آج لگا لائی ہے

ہم چلے پھول لئے پھول اڑانے کے لئے
جب سنا دھوم سے گلشن میں بہار آئی ہے

سن کے نالے مرے منہ پھیر کے ہنسنا ان کا
ہنس کے کہنا کوئی دیوانہ ہے سودائی ہے

کیوں نہ ٹوٹے مری توبہ جو کہے تو ساقی
پی لے پی لے ارے گھنگھور گھٹا چھائی ہے

میں کہوں حشر ہے یہ حشر وفا ہوں وعدے
وہ کہیں ہائے یہ کیسی مری رسوائی ہے

میرے آغوش میں یونہی کبھی آ جا تو بھی
جس ادا سے تری آنکھوں میں حیا آئی ہے

لے گیا لوٹ کے کیا طور کی رونق کوئی
نہ وہ جلوے ہیں نہ اب کوئی تماشائی ہے

نیچی ہوگی نہ تری آنکھ بپا حشر ہوں لاکھ
نہ یہ شرمائے گی ظالم نہ یہ شرمائی ہے

چھیڑ ساقی کی ہے دیتا جو نہیں جام تو آصف
توبہ کی ہے نہ کبھی ہم نے قسم کھائی ہے

عدم اب ہے نہ ہستی ہے عجب ہنگامہ برپا ہے
غبار ان کی گلی کا حشر بن کر آج اٹھا ہے

عدو کی موت کا شاید پریشاں خواب دیکھا ہے
نہ اب زلفوں میں شانہ ہے نہ اب آنکھوں میں سرما ہے

مرا کیا ذکر میرے نقش پا بھی رہ نہیں سکتے
جہاں جا کر رہا مجنوں وہ صحرا کوئی صحرا ہے

مرے دل میں ہے گھر جن کا یہ کہتی ہے ادا ان کی
پلک کیوں شرم سے اٹھے فقط آنکھوں کا پردا ہے

عدو کا قبر میں کالا تھا منہ میں جھوٹ کیوں بولوں
مجھے بھی ایک دن مر کر خدا کو منہ دکھانا ہے

جب آتا ہے ہزاروں حسن اس کے ساتھ ہوتے ہیں
جوانی کا زمانا بھی الٰہی کیا زمانا ہے

اثر باقی ہے کچھ بھولے ہوئے سے خواب کا دل میں
نہ محفل ہے نہ مطرب ہے نہ ساقی ہے نہ مینا ہے

بڑی شورش بڑی ہل چل بڑی مجمع بڑی بھیڑیں
قیامت کی قیامت ہے تماشے کا تماشا ہے

وہ سن سن کر مرے نالے بھرے بیٹھے ہیں کچھ جیسے
لب بام آ کے کوسا ہے تو غصہ آج اترا ہے

بنے گا بڑھ کے طوفاں ابتدائے عشق کا رونا — گذر جائے گا سر سے بھی ابھی پایاب دریا ہے

ہمارے دشتِ وحشت میں جو قیس آتا ہے آنے دو
ریاضؔ اس سے بہت اچھی نبھے گی ساتھ اچھا ہے

ارے دل طور کا جلنا تو عالم آشکارا ہے — کسی نے دل جلوں کا دور ہی جلنا بھی دیکھا ہے
رنگیں گے ہاتھ اپنے ان کی ضد کا کیا ٹھکانا ہے — وہ کہتے ہیں حنا سے شوخ کچھ خونِ تمنا ہے
بگڑ کر کوئی بنتا ہے کوئی بن کر بگڑتا ہے — یہی دنیا کا نقشہ ہے اسی کا نام دنیا ہے
نظر ان کی نہیں ہٹتی ہوئے ہیں لوٹ کیوں دل پہ — مرا دل ہے کہ کوئی آئینہ یہ کیا تماشا ہے
مرے دردِ جگر سے کیوں اٹھی ہے گدگدی دل میں — مرے لب پر تبسم ہے زباں پر میری شکوا ہے
کوئی میری لحد پر آ کے دو آنسو بہا جاتا — ذرا یہ لہلہا اٹھتا بہت افسردہ سبزا ہے
اسے کیوں کر نکالوں کیا کروں دل کو کہاں پھینکوں — مرے پہلو میں اک مدت سے کانٹا سا کھٹکتا ہے
عدو آئے گا یا خود آئیں گے وہ میری تربت پر — زبانِ نامہ بر پر یہ پیامِ شوق کس کا ہے
مرے پہلو میں دل بھی تھا بہہ گیا وہ بھی لہو ہو کر — نہ کوئی آرزو اب ہے نہ کوئی اب تمنا ہے
برے ہوں یا بھلے اچھے ہیں سب میکدے والے — نہ ان کو فکرِ عقبیٰ ہے نہ ان کو فکرِ دنیا ہے
شبِ ہجراں ہی ہے وصل کی شب سے کہیں بڑھ کر — تری فرقت میں ہم نے کس مزے کا خواب دیکھا ہے

بنائی رفتہ رفتہ میں نے بھی صورت فرشتے کی
ریاضؔ آخر مجھے بھی تو خدا کو منہ دکھانا ہے

تری دیوار کے سائے سے بھی وہ دور رہتا ہے — ترا دیوانہ اب تو زیرِ نخلِ طور رہتا ہے
برابر جلوہ پیہم سے ہر سو نور رہتا ہے — ہمارے دم سے روشن اب چراغِ طور رہتا ہے
نہیں ملتا ہے کوئی بھی شریکِ رنجِ تنہائی — یہ آفت ہے مرا سایہ بھی مجھ سے دور رہتا ہے

نیا فتنہ ضرور اٹھتا ہے کوئی جب وہاں جائے ہمیشہ ان کی محفل کا یہی دستور رہتا ہے

مرا دل ناز پروردہ تھا کیسا کیا ہوا اس کو بہت غمگیں بہت محزوں بہت رنجور رہتا ہے

یہ آئینہ سکھاتا ہے اسے کیا آکے خود بینی وہ کافر یونہی اپنے حسن پر مغرور رہتا ہے

نہ اس کافر کے گیسو میں نہ مجھ بیکس کے پہلو میں خدا جانے کہاں میرا دلِ مہجور رہتا ہے

سُنی ہے بے ستوں پر بارہا آوازِ تیشے کی یہاں کوئی نہ کوئی کام پر مزدور رہتا ہے

زمانے میں بہت اللہ کے بندے ہیں ایسے بھی کہ جن کے پاؤں پر تاجِ سرِ فغفور رہتا ہے

ریاضؔ احبابِ گورکھپور اکثر یاد کرتے ہیں
زباں پر میری اکثر ذکرِ گورکھپور رہتا ہے

لباسِ نور میں فانوسِ شمعِ طور رہتا ہے تہِ دامانِ برق ان کا رخِ پرنور رہتا ہے

لحد پر شمع سی بڑھ کر ہے دودِ شمع کا جوبن وہ بن کر حور نوبہ بن کے زلفِ حور رہتا ہے

اثر بجلی کا ہے صیاد کیا تیری نگاہوں میں کہ ہر مرغِ چمن پرواز سے مجبور رہتا ہے

خمار آلودہ آنکھوں پہ ہزاروں بیکدے صدقے وہ کافر بے پیے بھی رات دن مخمور رہتا ہے

کشیدہ بھی ہو ناوک تو بھی رہتی ہے جگہ دل میں کہ زخم اچھا بھی ہو جاتا ہے تو ناسور رہتا ہے

شبِ فرقت نے دھڑکا کھو دیا ہے روزِ محشر کا سپیدہ صبح کا گھر سے مری کافور رہتا ہے

حسینوں کے حنا آلودہ ہاتھ اس سے کہیں اچھے کہ موقع پا کے بھی دستِ ادب معذور رہتا ہے

سپاسِ لطف بن جاتا ہے شکوہ بے نیازی کا کہ میرے دل میں رہتا ہے جو مجھ سے دور رہتا ہے

ترے صدقے تری ہاتھوں سے اتنی پی ہے اے ساقی کہ اب تو بے پیے منہ پر ہمارے نور رہتا ہے

ادب سے وعظ کی صحبت میں وہ شے ہم نہیں پیتے ہمارے جام میں افشردۂ انگور رہتا ہے

ہزاروں مست مے دیکھے حسیں دیکھے جواں دیکھے کوئی ان کی طرح نشے میں اتنا چور رہتا ہے

قیامت تک قلم پھولے پھلے ساقی کے ہاتھوں کی ہماری قبر پر اب سایۂ انگور رہتا ہے

فرشتے مس پروں سے کرتے ہیں شاید ریاضؔ اس کو
کہ اب ریشِ مبارک پر بہت ہی نور رہتا ہے

ہے پری خانہ کوئی شیشۂ در ٹوٹ نہ جائے
سر نہ ٹکراؤں پری شیشے میں کہ سر ٹوٹ نہ جائے

ابرِ کہسار کے آگے نہ ہنسی ہو تیری
تار اشکوں کا کہیں دیدۂ تر ٹوٹ نہ جائے

دیکھنا ہم کو چڑھا لائی کہاں بن کے کمند
آس اک چیز ہی دنیا میں اگر ٹوٹ نہ جائے

یہ لچکنا دمِ رفتار نہ جوبن لٹو اسے
شاخِ گل سے کہیں خوش رنگ ثمر ٹوٹ نہ جائے

مجھ سے پیماں جو ہوا ہے وہ بہت نازک ہے
دیکھنا عہدِ وفا غیر کے گھر ٹوٹ نہ جائے

ہاتھ میں دل کو مرے لے کے ذرا دیکھیں تو
خوب ہے آبلۂ دل بھی اگر ٹوٹ نہ جائے

نگہِ شوق سے کیوں لڑتی ہیں اس کی لڑیاں
کہیں نازک سی یہ زنجیرِ کمر ٹوٹ نہ جائے

قفسِ کہنہ تڑپنے سے نہ ٹوٹے گا کبھی
ناتواں مرغِ قفس ہی کوئی پر ٹوٹ نہ جائے

تارے ہٹتے ہی نہیں اپنی جگہ سے اے چرخ
شبِ غم میں کہیں امیدِ سحر ٹوٹ نہ جائے

گر نہ جائے مری آنکھوں سے مرا قطرۂ اشک
آتے آتے سرِ دامن یہ گہر ٹوٹ نہ جائے

اتنے بل کھاتے ہیں اے موجِ صبا وقتِ خرام
مجھ کو ڈر ہے کہیں نازک سی کمر ٹوٹ نہ جائے

بے پھلے پھولے جھکے پڑتے ہیں نخلِ چمن
جو اُگا ہے سرِ تربت وہ شجر ٹوٹ نہ جائے

مے سرخ ابرِ سیہ سبزۂ کہسار ریاضؔ
یہ کوئی چیز نہیں توبہ اگر ٹوٹ نہ جائے

کیوں ہٹائیں ہم یہ پتھر راہ سے
بت ہمیں ملوائیں گے اللہ سے

جو خطا ہو بندۂ درگاہ سے
بخشوانا اسے بتو اللہ سے

دل کے جانے کا قلق ہم کو نہیں ہم اُٹھا لائے تھے گویا راہ سے

بت پرستی ہو چکی آغاز میں عمرِ آخر میں ہے کام اللہ سے

بل جو لینا ہوں تو لے زلف دراز لے ہماری قسمتِ کوتاہ سے

ہو مبارک تجکو اے جوشِ رشک گھل رہے ہیں ہم غمِ جانکاہ سے

شوق سے دیوانے جائیں سنجد کو کانٹے ہم نے چُن لئے ہیں راہ سے

بیٹھے ہیں خاموش زیرِ بامِ یار عرش ہل جاتا ہے جن کی آہ سے

واہ اے دستارِ شیخِ بے ریا بڑھ گیا طرّہ دُمِ روباہ سے

کون چومے سنگِ اسود اے بتو باز آئے عزمِ بیت اللہ سے

میرے وادی تک نہ آئی برقِ طور فاصلہ تھا اس کی جولانگاہ سے

جنّت ان کا گھر ہے گھر میں سلسبیل شیخ واقف ہوں گے اس کی تھاہ سے

رہتی ہے لوگوں کے جیبوں پر نگاہ کام اب چلتا نہیں تنخواہ سے

نائبِ سرکار ہیں میں کیا کہوں بس خدا سمجھے حبیب اللہ سے

دامنِ سرکار کے ہوتے ہوئے شکوہ کیا ہے قسمتِ کوتاہ سے

ہو گی جب عیشِ فراواں میں کمی لیں گے بزمِ سا حر[1] جم جاہ سے

نام کا خود ان کو آجائے گا پاس کام لیں گے ہم حبیب اللہ سے

رات آخر وقتِ نازک ہے ریاض

لو لگی ہے شمع کی اللہ سے

جانے والے ہم اُس کوچے میں آنے والے اچھے آئے ہیں دیوانہ بنانے والے

---

[1] سر مہاراجہ بہادر محمود آباد اعلیٰ اللہ مقامہٗ

تو سلامت رہے دل میں اُتر آنے والے
ترے صدقے مری آنکھوں میں سمانے والے

ایک ہم لاکھ حسینوں سے عوض لینے کو
ایک دل لاکھ حسیں دل کے ستانے والے

جب ملے خضر ملے ہم سے اسی وضع کے ساتھ
ہائے کیا لوگ ہیں یہ اگلے زمانے والے

تیرِ مژگاں میں چھدے کب جگر و دل دیکھے
تیر ناوک تو ہیں بے پر کی اُڑانے والے

بن گیا میرے لئے حشر کا دن وصل کی رات
مل گئے آج مجھے میرے ستانے والے

نگہِ ناز ادھر ہے نگہِ شوق ادھر
ہم تو بجلی کو ہیں بجلی سے لڑانے والے

باندھے گی یہ حنا ہاتھ جو رحم آئے گا
کیا بجھائیں گے لگی آگ بجھانے والے

بارِ عصیاں سے مرے ساتھ پسے اور بھی چار
دب گئے ہائے جنازے کے اُٹھانے والے

ساتھ صحبت کے وہ سب حرف و حکایات گئے
سننے والے ہیں نہ افسانہ سنانے والے

کم سنی پر ترس آیا نہ شبِ وصل ریاضؔ
اُف رے بے درد حسینوں کے ستانے والے

گر گئے آنکھ سے کیوں طور کے آنے والے
سامنے آئیں تو بجلی کے گرانے والے

سینہ تانے ہوئے او سامنے آنے والے
نہ لگا لیں کہیں سینے سے لگانے والے

آپ ہیں آپ کا عکس آئینہ خانے والے
آج ہم سب کو گلے سے ہیں لگانے والے

اپنے دامن کا بھی رہتا نہیں کچھ تجھ کو خیال
ارے پانی کی طرح خون بہانے والے

آہیں تڑپائیں گی بلبل کی تجھے کیا صیاد
اس کے نالے تو ہیں پھولوں کو ہنسانے والے

یہیں وسال ترا اور نہ پردہ نہ حجاب
کیسے ہیں دخترِ رز تیرے گھرانے والے

ہنس کے کہنے لگے دیکھے جو مرے گرم سرشک
آگ پانی میں لگاتے ہیں لگانے والے

بھول ہی میری نہ اُٹھیں گے جنازہ کیسا
کہیں نہ بیٹھے بھی رہیں حشر اُٹھانے والے

چیخ اُٹھیں گے بتِ ویر مرے نالوں سے منہ مرا دیکھیں گے ناقوس بجانے والے
بیٹھ جائے نہ لحد دل سے سوا نازک ہے ترے صدقے قرارے لے وپھول چڑھانے والے

خضر و الیاس سے بھی عمر سوا پائیں ریاضؔ
ایک باقی ہیں یہی اگلے زمانے والے

نہیں و بتے فقیر شاہوں سے ٹیڑھے رہتے ہیں کج کلاہوں سے
ہو چکی انتہا تو کی توبہ بھر گیا جی مرا گناہوں سے
کہہ دیا تھا نہ آئیں محشر میں اب وہ سمجھیں گے دادخواہوں سے
کسے فرصت کہ طور پر جائے ان حسینوں کی جلوہ گاہوں سے
کھل چکے آج نامۂ اعمال حشر تیرہ ہے روسیاہوں سے
کوچۂ زلف میں نہ جائے دل بچ کے چلتے ہیں ٹیڑھی راہوں سے
آتی جاتی ہیں میکدے میں کئی بوتلیں شب کو خانقاہوں سے
دل بیمار کا سنبھلنا کیا دیکھو پیار کی نگاہوں سے
تیغ کی وہ زباں پکڑتے ہیں حشر میں الجھے ہیں گواہوں سے
بیٹھے ہیں میکدے میں سب پس غم جتنے آئے ہیں خانقاہوں سے

روتے ہیں اے ریاضؔ ہم پہروں
پہلے ڈرتے نہ تھے گناہوں سے

پیوستہ لب، ملے ہوئے رخسار دیکھیے آپ آئینے میں عکس کا بھی پیار دیکھیے
جوش جنوں میں لختِ جگر کچھ پڑے ہیں گوندھے ہوئے ہمارے ذرا ہار دیکھیے
نازک بھی ہے بہت تری تصویر شوخ بھی سو بار بدلے رنگ جو سو بار دیکھیے

محشر کی سیر چھوڑیئے چلیئے جناب شیخ   کوثر کے گرد جمع ہیں میخوار دیکھئے

جی چاہتا ہے جا کے لبِ بامِ میکدہ   ابرِ بہار سبزۂ کہسار دیکھئے

کیا جانے کیا دکھائے اثر گریۂ جنوں   کیا رنگ لائے دیدۂ خونبار دیکھئے

زنداں عجب جگہ ہے جو دو چار ہم سے ہوں   آ کر خزاں میں رونقِ گلزار دیکھئے

کہتا تھا گل رخوں سے ریاضِ شکستہ حال
مجھکو نہ دیکھئے مرے اشعار دیکھئے

ہوتا نہیں گلے سے جدا ہار دیکھئے   آپ اپنے ہار کا تو ذرا پیار دیکھئے

جھوٹے کئے تھے عہد اسی دن کے واسطے   ہنس ہنس کے آج حشر میں انکار دیکھئے

پلکیں گسستہ تارِ نظر ہیں دمِ فنا   آ کر ہجومِ حسرتِ دیدار دیکھئے

پائے جنوں نے وقت سے پہلے دیا جواب   اب گھر میں بیٹھ کر در و دیوار دیکھئے

ہم مست لے کے بارِ گنہ حشر میں چلے   کام آئے کب یہ لغزشِ رفتار دیکھئے

ہے حسرتی کا رنگِ طبیعت بھرا ہوا   ناول ہے خوب کیفر و کردار دیکھئے

ہٹ جائے کوئی تو بھی جمی رہتی ہے نگاہ   جب سوئے بام و روزنِ دیوار دیکھئے

کیوں معتبر ریاض کو سمجھیں نہ مے فروش
ریشِ دراز و جبہ و دستار دیکھئے

محشر میں دھرا جائے نہ قاتل کہیں تو بھی   پیوستہ ہم آئیں ہیں خنجر بھی گلو بھی

رکھتی ہے ہمیں مست مئے ناب کی بو بھی   افلاس میں دیتی ہے فراورِ سبو بھی

پڑتی ہیں وہیں دیکھنے والوں کی نگاہیں   اچھا نہیں سلکے ہوئے دامن کا رفو بھی

مشہور بہت ہے ترے گیسو کی درازی   نکلی نہ کم اس سے شبِ ہجراں سرِ مو بھی

کچھ دیکھ لیں ہو جوں کی بھی پیوستہ روانی
دے لطف ذرا کشتیٔ مے اب لبِ جو بھی

صدقے ترے کچھ کم نہیں تجھسے تری تصویر
تیری ہی سی باتیں بھی ہیں تیری ہی سی خو بھی

دریا بھی بہا دوں تو بھری رہتی ہے خم میں
اے شیخ محالات سے ہے خم کا خلو بھی

بے وجہ زمانے کو نہیں تجھسے عقیدت
با وضع بزرگوں میں ریاض ایک ہے تو بھی

یہ کیا دختِ رز تک رسائی ہوئی ہے
جواب ریشِ زاہد حنائی ہوئی ہے

وہ کیا ہم سے ایسی برائی ہوئی ہے
کہ دشمن ہماری خدائی ہوئی ہے

دبائے ہیں دل کو وہ مٹھی میں اپنی
کفِ نازان کی حنائی ہوئی ہے

صبا آتشِ گل ہو یا داغِ بلبل
یہ سب آگ انھیں کی لگائی ہوئی ہے

اُمنڈ آئے ہیں آج قبلے سے بادل
یہ کیا خم کدے پر چڑھائی ہوئی ہے

کوئی بڑھ کے اب منہ کو چومے نہ چومے
ہنسی ہونٹھ پر ان کے آئی ہوئی ہے

جو سختی نہ ہو کم ہے خلقِ خدا پر
نئی اب بتوں کی خدائی ہوئی ہے

اب اس کو غرض میرے پہلو سے ہے کیا
حسینوں میں دل کی رسائی ہوئی ہے

نہیں رخ پر اب ریشِ اقدس کا جلوہ
ریاض ان سے شاید صفائی ہوئی ہے

بھلائی بھی اس کی برائی ہوئی ہے
یہ قسمت مری آزمائی ہوئی ہے

وہ بے بس ہوئے تو صفائی ہوئی ہے
مزے آئے ہیں جب لڑائی ہوئی ہے

وہ کیوں اپنے ہاتھوں سے مجھکو پلاتے
ذریعہ مری پارسائی ہوئی ہے

نہ کھولوں گا آنکھیں وہ آرہے ہیں
دمِ نزع اک حور آئی ہوئی ہے

پریشانیاں اب ہوں دل کو مبارک — کہ زلف رسا تک رسائی ہوئی ہے

ٹپکتا ہے کعبے میں سجدوں سے میری — کبھی دیر میں جبہہ سائی ہوئی ہے

بچائے خدا تیری تیغ ادا سے — ارے زہر کی یہ بجھائی ہوئی ہے

لگی آگ تلووں سے کیوں مہندی کو — خدا جانے کس کی لگائی ہوئی ہے

مرے تیرہ گھر میں یہ کیوں آکے رہتی — شب غم فلک کی ستائی ہوئی ہے

ریاض اس کوے کر کہیں تم نہ جانا
یہ قسمت مری آزمائی ہوئی ہے

جان نکلے گی مری جان بڑی مشکل سے — ہوگی مشکل مری آسان بڑی مشکل سے

وہ مرے گھر رہے مہمان بڑی مشکل سے — رات نکلے مرے ارمان بڑی مشکل سے

آنکھیں تلووں سے ملیں لے کے قدم آنکھوں پر — راہ پر آئے نگہبان بڑی مشکل سے

کتنا بہت ان کو گلوری کا اٹھانا مشکل — دست نازک سے دیا پان بڑی مشکل سے

بڑھ کے درباں نے لیا آج بھی دامن میرا — کل چھڑایا تھا گریبان بڑی مشکل سے

صحبت بد سے بچانے کا بتایا سب حال — آج مانے مرے احسان بڑی مشکل سے

ظلم کو لطف سے تعبیر کریں گے دم حشر — جو ابھی ہوں گے پشیمان بڑی مشکل سے

کوئی کافر ہو تو دل جائے سوے بتاں — کہ بچا آج ہی ایمان بڑی مشکل سے

ذرے میں نے کلیجے میں جو رکھنا چاہا — دل میں ٹھہری تری پیکان بڑی مشکل سے

دور ابھی منزل مقصود ہے کالے کوسوں — کچھ ہوئے ہیں قطع بیابان بڑی مشکل سے

مان لیتے ہیں وہ مشکل سے بھی مشکل کوئی بات — کبھی آساں تو کبھی آسان بڑی مشکل سے

مجھے بہت ترک کے مرے تعلق سے اترے دم نزع — ابھی مشکل ہوئی آسان بڑی مشکل سے

بے شبِ وصل یہ انداز نکلتے ہی نہیں — زلف ہوتی ہے پریشان بڑی مشکل سے

دھار تلوار کی تھی جادۂ باریک نہ تھا — طے ہوا حشر کا میدان بڑی مشکل سے

رہتے ہیں ایسے ہی انسان فرشتے بن کر — آدمی بنتے ہیں انسان بڑی مشکل سے

دلِ بسمل میں کچھ اس طرح ہوئے تھے پیوست — ٹوٹ کر نکلے ہیں پیکان بڑی مشکل سے

یہی انداز یہی وضع جو رکھو گے ریاضؔ
لوگ سمجھیں گے مسلمان بڑی مشکل سے

لائی ہے یہ اڑا کے شکن زلفِ یار کی — تیوری چڑھی ہوئی ہے شبِ انتظار کی

سیریں کریں گے آ کے دلِ داغدار کی — لوٹیں گے وہ بہار اسی لالہ زار کی

اے ہمنشیں وصال سے بڑھ کر یہ ہجر ہے — لذت نہ مجھسے پوچھ مرے انتظار کی

زنجیریں شور کرتی ہیں زنداں کی خودبخود — دھومیں مچی ہیں آمدِ فصلِ بہار کی

لذت بھی اس کی خاص ہے نشہ بھی دیرپا — چوری کی ہو کہ مفت کی ہو یا ادھار کی

توبہ کی طرح ٹوٹتے ہیں سر بمہر خم — کیا قہر ہے نگاہ کسی مے گسار کی

کس کس طرح بلائے گئے میکدے میں آج — پہنچے بنا کے شکل جو ہم روزہ دار کی

عصیاں کا بوجھ گھٹ کے رہا بارِ شرم سے — محشر میں دھوم ہے نگہہِ شرمسار کی

پھولوں کا زیور آج کھلا ان پر اس قدر — تصویر بن گئے وہ عروسِ بہار کی

خم کیا ہی گھر بھی کوئی جو بھر دے شراب سے — نیت کبھی بھرے گی نہ مجھ بادہ خوار کی

سینے سے تم نکال لو تربت میں تا نہ جائے — مٹی نہ ہو خراب دلِ بے قرار کی

آپ آئے لے کے غیر کو کس کے مزار پر — یہ بجھ کے شمع رہ گئی کس کے مزار کی

ان کے ستم تو شکر کے قابل ہیں اے ریاضؔ — مجکو شکایتیں ہیں غمِ روزگار کی

فرمائشیں شباب میں ہیں حسنِ یار کی — محرم بنے نقاب عروسِ بہار کی

دن ہجر کا نہ رات رہی وصلِ یار کی — کیا انتہا ہے گردشِ لیل و نہار کی

یہ شوخیاں نہیں ہیں تری اے نگاہِ شوخ — یہ بیقراریاں ہیں دلِ بے قرار کی

بے بال و پر بھی لے کے قفس آج اڑ گئے — کس نے اڑائی آمدِ فصلِ بہار کی

وہ جائیں گے جو غیر کے گھر بعدِ فاتحہ — جائے گی ساتھ شمع ہمارے مزار کی

کچھ حد ہی لطفِ وصل کی ظالم شبِ وصال — کلیاں بھی کھل گئیں تری پھولوں کی ہار کی

ہو دام بھی گرہ میں تو دیتا نہیں کبھی — عادت بری پڑی مجھے ساقی ادھار کی

مینائے سبز اور یہ جامِ زمرّدیں — کون ان کے ہوتے سیر کرے سبزہ زار کی

بیٹھوں جو تھک کے دستِ جنوں چھیڑتا رہے — ایک آبلہ ہوا و خلشِ نوکِ خار کی

پانی شراب ہو گئی مینا میں خود بخود — توبہ ہوئی قبول کسی بادہ خوار کی

ڈاڑھی کے ساتھ ہے سرِ اقدس گھٹا ہوا
اب ہے کمی ریاض تو اک مشتِ خار کی

داغِ سوزاں سو مرے چند شرارے نکلے — چاند نکلا شبِ فرقت نہ ستارے نکلے

غیر کی جان کو رونے گئے بنٹھے غیر کے گھر — بال کھولے تو گئے بال سنوارے نکلے

نہ ہوئی صبحِ قیامت نہ ابھی صور پھنکا — قبر سے پہلے ہی ہم شوق کے مارے نکلے

میکدہ بھی ہے مقاماتِ ادب سے شاید — جو ادھر نکلے وہ دستار اتارے نکلے

واہ یہ حشر طرفدار ہمارا ہو تو ہو — اہلِ محشر تو طرفدار تمہارے نکلے

جو کھنچے تیر و سناں آپ کی تصویر کے ساتھ — آپ کی آنکھ کے پوشیدہ اشارے نکلے

بانس پر میکدے میں تجکو چڑھایا اے شیخ — پھر بھی اونچے تری مسجد کے منارے نکلے

میں بھی تھا غیر بھی تھا ان کو جب بات بڑھی
دونوں سے آپ کے درمان کرارے نکلے

جن کو تنکے کا سہارا بھی نہ تھا طوفاں میں
دھارے میں پڑ کے وہ دریا کے کنارے نکلے

وصل میں جان نکلتی تھی ہر ارمان کے ساتھ
رات کس لطف سے ارمان ہمارے نکلے

جان زلفوں سے بچائی جگر و دل دے کر
ان بلاؤں کے کئی آج اتارے نکلے

شیخ جی گر گئے تھے حوض میں میخانے کے
ڈوب کر چشمۂ کوثر کے کنارے نکلے

غیر ہیں قبر میں اور چین سے سونے والے
ہم بھی فرقت میں تری گور کنارے نکلے

بن گئی بگڑی ہوئی بات دمِ نزع ریاضؔ
ہم گنہگار بھی اللہ کے پیارے نکلے

بے کیف مے کو بادۂ احمر بنائیں گے
بگڑی ہوئی بھی ساقی کوثر بنائیں گے

آخر کہیں بنائیں زمیں پر بنائیں گے
ٹوٹے گا آسمان جہاں گھر بنائیں گے

آمد بہت بری ہے تمہارے شباب کی
یہ دن تمہیں ضرور ستمگر بنائیں گے

لینے کو جان موجِ تبسم سے لیں گے کام
خوش ہیں ہلالِ عید کو خنجر بنائیں گے

زلفیں بہت ہوئی ہیں پریشاں شبِ وصال
کب تک بنائیں گے انھیں کیونکر بنائیں گے

ابرو کی طرح گوشۂ ابرو سے لیں گے کام
جب چاہیں گے وہ تیغ کو خنجر بنائیں گے

آرام ہو گا دشت کا دیکھیں گے گھر میں خواب
کانٹوں کا اپنے واسطے بستر بنائیں گے

ٹکڑا ہے کوئی تاروں بھرے آسمان کا
جس کو مرے مزار کی چادر بنائیں گے

خنجر ہو بہرِ ذبح نہ محتاج ہاتھ کا
چینِ جبیں کو اپنے وہ خنجر بنائیں گے

دن رات کی بلاؤں سے گھبرا گیا ہے جی
ہم کوچۂ رقیب میں اب گھر بنائیں گے

پیدا کریں گے آپ کے پیکاں میں دردِ دل
سینے میں رکھ کے ہم دلِ مضطر بنائیں گے

شاخیں ہیں بار رنگ گل سے زمیں پر جھکی ہوئی
ہم آشیاں بہار میں کیوں کر بنائیں گے

مجھ کو ڈبوئیں گے جو ذرا اور بڑھ گئے
یہ طفل اشک خاک مرا گھر بنائیں گے

دامن میں اپنے اور نمایاں کریں گے داغ
رسوائیوں کا میری جو محضر بنائیں گے

رکھے ہیں لخت دل بھی گلوں سے ملے جلے
دیوانے ان کے پھولوں کا زیور بنائیں گے

کیا فائدہ گلے سے جو قسمت بگڑ گئی
ایسے نہیں ہیں وہ کہ مکرر بنائیں گے

آئیں تو سوئے خلد ذرا پارسا ریاضؔ
حضرت کو آج ہم لب کوثر بنائیں گے

تربت ہماری متصل در بنائیں گے
وہ ذرے ذرے کو دل مضطر بنائیں گے

دیوانگان عشق سے رہتا ہوں دور دور
پا جائیں گے تو سب مجھے رہبر بنائیں گے

ہے ہر شکن میں ایک دل فتنہ آفریں
دامن کو کیا وہ دامن محشر بنائیں گے

مے رنگ گل کی طرح اڑے گی بہار میں
غنچے کو شیشہ پھول کو ساغر بنائیں گے

خود بیں ہیں میرے دیدہ و دل میں ملیں گے کیا
وہ آرسی کو آئینہ کو گھر بنائیں گے

چبھتی ہوئی مژہ کا بہت کھٹکا ہے
میرے لئے وہ کیا اسے نشتر بنائیں گے

غیروں کے سامنے اور بڑھائیں گے سختیاں
ہم ان بتوں کو اور بھی پتھر بنائیں گے

آنچل اڑے ہوا میں تو بولے وہ ناز سے
اڑنے کے واسطے انھیں ہم پر بنائیں گے

بخت سیاہ غیر کوئی زلف تو نہیں
بگڑا ہوا نصیب وہ کیوں کر بنائیں گے

پیدا کریں گے اپنے لئے اور آسماں
تیری گلی میں زیر زمیں گھر بنائیں گے

میری لحد پر آئے ہیں مہندی لگا کے آج
وہ نقش پا کو فتنۂ محشر بنائیں گے

نسخہ ریاضؔ ساقی کوثر سے مل گیا
گھر بیٹھے ہم تو اب مئے کوثر بنائیں گے

دیکھیں گے پھر فاتحہ آتا ہے روز کون   گھر غیر کی لحد کے برابر بنائیں گے

قابو میں اب نہیں سر سودا زدہ ریاض
دیوار جو ملے گی اُسے در بنائیں گے

زلفِ دراز اپنی وہ کیوں کر بنائیں گے   اُلجھی شبِ وصال تو دن بھر بنائیں گے
ٹھہرے وہ ساحل ان کی دلِ مضطرب کہیں   ہم کشتیِ مراد کا لنگر بنائیں گے
رہنے کو میکدے میں جو دیں گے مجھے جگہ   جنت میں اپنے واسطے وہ گھر بنائیں گے
لطفِ شبِ وصال مجھ آشفتہ دل کو کیا   پہروں وہ اپنی زلف معنبر بنائیں گے
کم کم سنوں گا میں تو کہیں گے مرے نصیب   ہر بات کو وہ قندِ مکرر بنائیں گے
تیری گلی میں ہو کے نہ نکلے گا اب کوئی   مظلوم بن کے تجکو ستم گر بنائیں گے
بُت بن کے رہ نہ جائے یہ مسجد میں تو سہی   واعظ کو آج ہم سرِ منبر بنائیں گے
ان کی گلی کو چھوڑ کے صحرا کو جا چکا   اب کیا مجھے وہ قیس کا ہمسر بنائیں گے
لائیں گے اس گلی کی اُڑا کر بگولے خاک   ایسی ہی تو یہ ہیں کہ مرا گھر بنائیں گے
اب داغ بن کے مُہر رہے ان کے نام کا   اپنے نگیں کا نقش وہ دل پر بنائیں گے
دے گی شبِ فراق کمن صبحِ عید کا   ہم غمزدہ ہلال کو خنجر بنائیں گے

چھوڑیں گے جا کے سرورِ ساحر پہ ای ریاض
بگڑا ہوا ہم آج مقدر بنائیں گے

ہماری بات خدا جلوہ گاہ میں رکھے   کہ کوہِ طور کے پتھر میں راہ میں رکھے
ملا ہے سب کے دکھانے کو چاند سا چہرہ   چھپا کے کیوں کوئی زلفِ سیاہ میں رکھے
یہی تو ایک ذریعہ ہے رحم کا اس کے   مرا خدا مجھے حالِ تباہ میں رکھے

کسے یہ آج ہوا شوقِ جلوہ آرائی — چراغِ طور ہزاروں ہیں راہ میں رکھے

مرے شراب کا برتن جو شیخ کو مل جائے — بنا کے ظرف وضو خانقاہ میں رکھے

نگاہِ شوق نے کس کی پکار کر یہ کہا — جگہ مری بھی کوئی جلوہ گاہ میں رکھے

چرائی میں نے ہی مے کل لباس زاہد میں — کوئی اسے نہ مرے اشتباہ میں رکھے

بتانِ شوخ کی الفت بری بلا ہے ریاضؔ

مرا خدا مجھے اپنی پناہ میں رکھے

ضد سے نہیں ملتی کہ حیا سے نہیں ملتی — تاثیر گلے آ کے دعا سے نہیں ملتی

اتراتے ہیں محشر میں کہ ہر ایک یہ جانے — یہ وہ ہیں کہ داد ان کی خدا سے نہیں ملتی

فریادِ عدو چاروں طرف ڈھونڈ رہی ہے — تاثیر کہیں میری دعا سے نہیں ملتی

دل لینے کی کچھ اور ہوا کرتی ہیں گھاتیں — یہ چیز کبھی جور و جفا سے نہیں ملتی

وہ چشمِ فسوں ساز دغاباز نہیں ہے — ہم سے نگہِ ناز دغا سے نہیں ملتی

تنگ آ کے مری خاکِ لحد بیٹھ رہی ہے — اب راہ گلی میں وہ صبا سے نہیں ملتی

کاہے کو کبھی آپ کا دل ہم سے ملے گا — جب آنکھ کبھی شرم و حیا سے نہیں ملتی

کیوں تو نے ریاضؔ ان کو شبِ وصل ستایا

اب شکل تری اہلِ وفا سے نہیں ملتی

یہ دیدہ و دل اور تو کیا کام کریں گے — جو اہلِ نظر ہیں انھیں بدنام کریں گے

کہہ دو یہ نکیرین سے آئیں نہ لحد میں — جاگے ہیں بہت آج ہم آرام کریں گے

کچھ جلوہ گہہ طور کی پروا نہیں ہم کو — نظارہ حسینوں کا لبِ بام کریں گے

آ بیٹھے ہیں دل تھام کے ہم تیری گلی میں — ہم کیوں گلہ گردشِ ایام کریں گے

اپنے پر پرواز سلامت ہیں تو کیا فکر — صیاد کسے آکے تہہ دام کریں گے
جس کام کو تو منع کرے گا ہمیں ناصح — ہم چھوڑ کے سو کام وہی کام کریں گے
دامن میں چھپائیں گے نہ ہم کی سر زمزم — ناپاک نہ ہم جامۂ احرام کریں گے
تو کیا ہے لیا نام جو واعظ کبھی مے کا — ہم تیرے فرشتوں کو بھی بدنام کریں گے
وہ چین سے سورہنے کو آئے ہیں شب وصل — ہم پاؤں دبائیں گے وہ آرام کریں گے
رکھیں گے نہ دنیا کی بکھیڑوں سے کوئی کام — ہم بیٹھ کے اب شغلِ مے و جام کریں گے
صیاد کے بس کے نہیں مرغانِ نو آسنج — کس کس کو اسیرِ قفس و دام کریں گے

جو کچھ ہو ریاضؔ ایسے زخود رفتہ ہوئے ہیں
ایمان بھی یہ نذرِ مے و جام کریں گے

کچھ آ گئے قتل گاہ میں ہم سے اجل گئی — جانے سے پہلے جان ہماری نکل گئی
صد سالہ دورِ چرخ تھا ساغر کا ایک دور — نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی
کہتی ہے نیم وا یہ چمن کی کلی کلی — فریادِ عندلیب کلیجہ مسل گئی
ساقی کے اٹھتے اٹھتے ادھر ہاتھ اٹھ گئے — بوتل سے کاگ اڑا تھا کہ رندوں میں چل گئی
کہنا کسی کا صبحِ شبِ وصل ناز سے — حسرت تمہاری جان ہماری نکل گئی
کتنا اثر ہے آمدِ فصلِ بہار کا — رندوں کی طرح جام کی رنگت بدل گئی
انگڑائی لے کے اور بھی وہ سوئے چین سے — پھولوں کی پنکھڑیاں جو نسیم آ کے جھل گئی
دامن میں دختِ رز نے لگایا ضرور داغ — جس پارسا کی گود میں جا کر مچل گئی
کھوئی گئی گھر آ کے مرے کیا شبِ فراق — دیوانگی میں خوب بلا سر سے ٹل گئی
رکھتے نہ کوئی نام جو آتی کو اے ریاضؔ — مہمان ایک رات کی آج آئی کل گئی

بنتِ عنب کی جام میں صورت بدل گئی — خم سے نکل کے نور کے سانچے میں ڈھل گئی

اے شیخ کس طرح تری پگڑی اُچھل گئی — مسجد میں کل منارے سے اونچی نکل گئی

قربان اپنے اشکِ ندامت کے کیوں نہ ہوں — کیا صاف صاف حشر میں فردِ عمل گئی

تنہا گئے لحد سے تو کیا لطفِ سیرِ حشر — جائیں گے ہم جو حور کوئی ہم بغل گئی

حلقہ نشیں تھا شیخ نہ کی کچھ بزرگ داشت — کیوں خانقہ میں دخترِ رز بے محل گئی

پروانہ آگ کا تھا بنا شمع موم کی — دیکھا جو بیقرار اسے یہ پگھل گئی

آجائے خود ہی جام سے منہ میں عجب نہیں — ساغر میں خود بخود جو صراحی سی ڈھل گئی

لطفِ شباب جام چھلکنے سے آگیا — ڈھلنے لگی شراب جوانی جو ڈھل گئی

افسردہ جان کر وہ ہمیں چھیڑ لیں ریاضؔ
آجائے گا مزا جو طبیعت سنبھل گئی

چلنا مبارک آپ کو ہو سینہ تان کے — جوبن پکارتا ہے دن آئے اُٹھان کے

چاہا جہاں سے جس نے فسانہ بنالیا — ٹکڑے ہزاروں ایک مری داستان کے

مشتاقِ وصل قبر میں ہیں دسترس نہیں — راتوں کو خوب سوئے ہیں تن تن کے تان کے

ٹکرا کے آج رہ گئے دیوار بام سے — نالے زمین کے نہ ہوئے آسمان کے

جا جا کے ان سے غیر لگاتے ہیں جھوٹ سچ — سنتا ہوں میں یہی کہ وہ کچے ہیں کان کے

یہ مے اُترتی سینے میں ہے صاف بن کے نور — وہ اور شے ہے پیتے ہیں سب جس کو چھان کے

دیں ان حسین شکلوں کو ہم دل میں کیا جگہ — یہ بھولے بھالے جتنے ہیں دشمن ہیں جان کے

کانوں میں اُن کے اور دل آویز بن گئے — لیں گے ہماری جان یہ آویزے کان کے

اُردو کریگی ناز ہماری زبان پر — ہیں شعر یادگار ہماری زبان کے

توبہ نہ ٹوٹی، نقد نہ جب تک شراب کی
ہیں آدمی ریاضؔ بڑے آن بان کے

ہم بدلنے کے نہیں جام مئے انگور سے
خوب آئیں بوتلیں سرکے کی گورکھپور سے

حضرتِ موسیٰ لڑائیں آنکھ برقِ طور سے
ہم ہیں ان میں دیکھتے ہیں جو تماشا دور سے

اُڑ کے آجائے وہ شئے کھینچی ہو جو انگور سے
کچھ نگاہِ مست سے کچھ نرگسِ مخمور سے

آفتابِ حشر، تل ہے دیدۂ مشتاق میں
تم اٹھا دو اب نقاب اپنے رخِ پُر نور سے

اے اسیرانِ قفس آنے کو ہے شاہدِ بہار
کچھ لہو آنے لگا پھر آنکھ کے ناسور سے

تل برابر رات ہی لیکن قیامت کا ہی حسن
وصل کی شب نے سیاہی لی ہے چشمِ طور سے

حال اُن کے دل جلوں کا کچھ نہ ہم سے پوچھیے
جب نگاہِ گرم کی شعلہ سا اُٹھا طور سے

میکدے میں آ گئے ہیں کچھ تو اضع چاہیے
لطف ناصح کو بھی ہی افشردۂ انگور سے

صبح جس کی قبرِ دشمن کے لیے بنتی ہو رات
بڑھ گیا روزِ سیہ میرا شبِ دیجور سے

چارہ گر بھی اب لہو روتا ہی میرے حال پر
پک گیا اس کا کلیجا بھی مرے ناسور سے

سر پہ اپنے رکھ کے لے جا شیخ سوئے خانقاہ
کم سبوئے مے نہیں تاجِ سرِ فغفور سے

پینے پیتے پھوٹ نکلا شیخ صاحب رنگ مے
ریش پر بھی نور اترا چہرۂ پُر نور سے

قلقلِ مینا کے خوگر ہیں بہت نازک مزاج
حشر میں ان کو نہ چونکا نا صدائے صور سے

بزمِ محشر میں بھی وہ شئے ہی مگر مشکل یہ ہے
بادہ کش واقف نہیں اس بزم کے دستور سے

اب ریاضؔ اس طرح آجاتا ہی دو دن کو شباب
داغِ کہنہ تازہ کر لاتے ہیں گورکھپور سے

نہیں بنتا ہی اگر عاشقِ صہبا نہ بنے
پھول کر جیسے نہ زاہد خمِ میخانہ بنے

دیدہ و دل میں سمائیں تو بتانِ کافر کعبہ بن جائے گا پہلے کوئی بتخانہ بنے
تختِ پریوں کے نہیں آج چھلکتے ہوئے جام لاؤ مینا یہی ویرانہ پری خانہ بنے
کج ادا اس سے سوا ہے دلِ بدخو میرا دیکھئے زلفِ پریشاں سے ہی یانہ بنے
روزِ محشر کے لئے اس کو لگا رکھا تھا رہنما آج مری لغزشِ مستانہ بنے
آنے کو شوق سے سو بار قیامت آئے ان کے کوچے میں مگر آکے تماشا نہ بنے
بل نکالے تری زلفوں کی بلائیں لے کر لے میں صدقے دلِ صد چاک مرا شانہ بنے
کاگ بوتل کا اچھل کر دلِ مشتاق بنا نگہِ شوق لپیٹ کر خطِ پیمانہ بنے

واقفِ راز کوئی ہم سے یہ کہتا تھا ریاضؔ
جس کو اللہ بنائے وہی دیوانہ بنے

اب وہ کس منہ سے کہیں جائے بس دیکھ چکے اس بڑھاپے میں جسے میری ہوس دیکھ چکے
کتنے دن باغ میں آئے ہوئے گزرے ہم کو اتنی مدت میں کئی بار قفس دیکھ چکے
کوچۂ غیر میں چھپتے ہوئے جانا ہے عبث شرم کا ہے کی ہے جب آپ کو وس دیکھ چکے
چھوٹ کر ان سے رہِ منزلِ مقصود ملی کارواں دیکھ چکے ان کی جرس دیکھ چکے
دمِ آخر بھی رہا آپ کے آنے کا خیال راہ ہم روک کے دو چار نفس دیکھ چکے
کس نے بے پر کی اڑائی کہ وہ آتی ہے بہار چڑھ کے سو بار سرِ بامِ قفس دیکھ چکے
دیکھنے آئے ترس کھا کے دمِ نزع مجھے جائیے دیکھ چکے کھا کے ترس دیکھ چکے
دیکھیں کیا پاس سے ہم زخمِ عدو قتل ہیں خون میں ڈوبے ہوئے پائے مگس دیکھ چکے
کھانے پینے کی نہ کچھ فکر نہ کشتہ کا نہ خواہش رہ کے صیاد کے گھر چند برس دیکھ چکے
جا کے نزدیک سے دیکھ آئیں فرا طور کو ہم دور سے گنبدِ خضرا کا کلس دیکھ چکے

نہ بُرا دن کبھی اللہ کسی کو دکھلائے
اے ریاضؔ اپنی خزاں اب کی برس دیکھ چکے

تھکے ہم بھی اظہارِ غم کرتے کرتے — تھکے وہ بھی آخر ستم کرتے کرتے
خدا جانے کیوں ان کے دل میں یہ آئی — جفاؤں کی ٹھہری کرم کرتے کرتے
لئے خلد کو حشر اک چیز نکلا — کہاں پہنچے سیرِ عدم کرتے کرتے
مٹائے مٹا غم نہ اُلفت کا تیری — ہمیں مٹ گئے ہائے غم کرتے کرتے
لہو بھی تو اب دل سے آنے لگا ہے — ان آنکھوں کو اشکوں سے نم کرتے کرتے
پھلا تھا وہ میخانہ جس میں پڑے تھے — تھکے ہم طوافِ حرم کرتے کرتے
مجھے لکھنے دو حرف اس کے لہو سے — وہ سرنامہ بر کا قلم کرتے کرتے
بہت ہم سے دشوار تھا مے کا چھٹنا — چھٹی ایک مدت میں کم کرتے کرتے
بھرے خم سے دن رات پینا پلانا — جھکی بیٹھ مینا کو خم کرتے کرتے
فرشتوں کی چلتی نہ کچھ بعدِ توبہ — گنہ ایک کے دو رقم کرتے کرتے

ریاضؔ آج جامِ گلی جا چکا تھا
رُکے ہم اسے نذرِ خم کرتے کرتے

طرفِ در ترے کوچے میں جو ہم اور بڑھے — ہم سے بھی چار قدم نقشِ قدم اور بڑھے
ترے کوچے سے سحر ہوتے یہ آتی ہے خبر — کارواں آج کئی سوئے عدم اور بڑھے
ہو گئے تلخ سے افلاس میں میری حاصل — یا الٰہی ابھی کچھ تلخیٔ غم اور بڑھے
ہر ادا تیغ بکف آئی جوانی میں نظر — نوجواں ہوتے ہی اندازِ ستم اور بڑھے
عاشقِ چشمِ بتاں سے انہیں وحشت نہ ہوئی — شوخیاں کرنے غزالانِ حرم اور بڑھے

سخت جاں ہم سے جو مل جائیں پئے مشقِ ستم ‌ ‌ ‌ تو رواں اور رہو یہ تیغ کا دم اور بڑھے

اس دعا میں شبِ فرقت ہو برابر کی شریک ‌ ‌ ‌ یار کی زلف بڑھے زلف کا خم اور بڑھے

پاسباں خاک تری آنکھ میں جھونکی سب نے ‌ ‌ ‌ رات کوچے میں کہیں نقشِ قدم اور بڑھے

پہلی سی انجمنِ مے نہیں اب محفلِ مے ‌ ‌ ‌ کے و جم اور بڑھے ساغرِ جم اور بڑھے

الھلال اور بڑھے نور فشانی تیری ‌ ‌ ‌ چار چاند اور لگیں حسنِ رقم اور بڑھے

موجِ طوفاں کی ریاضؔ اس کو روانی مل جائے
کہ قلم بن کے ذرا تیغ دو دم اور بڑھے

آنکھوں سے لگا آئے لحد آ گری ہو آئے ‌ ‌ ‌ حسرت نہ رہی رونے کی تقدیر کو رو آئے

مٹی میں ملانے مجھے بھوپال سے لائے ‌ ‌ ‌ اب کس سے کہے کوئی کہاں ہم کسے کھو آئے

لے راز و ریاضؔ آئے کہ تنہا نہ رہے تو ‌ ‌ ‌ لے خوش ہو کہ سونے کے لیے قبر میں دو آئے

کیوں آنے لگا گھر میں کوئی قبر سے اٹھ کر ‌ ‌ ‌ کیوں کہنے لگا کوئی کہ ہم قبر میں سو آئے

بہہ کر گئے ہیں قبر میں اشکِ سرِ بالیں ‌ ‌ ‌ ہم خوش ہیں کہ موتی ترے زلفوں میں پرو آئے

آنکھوں سے لگانے گئے کیوں دامنِ تربت ‌ ‌ ‌ یوں پھوٹ کے روئے کفن اشکوں سے بھگو آئے

اب دل ہے ریاضؔ اور نہ وہ دل کی تمنّا
منجدھار میں ہم کشتیٔ اُمید ڈبو آئے

جو ہم آئے تو بوتل کیوں الگ پیرِ مغاں رکھ دی ‌ ‌ ‌ پرانی دوستی بھی طاق پر اے مہرباں رکھ دی

قفس میں شاخِ گل صیاد نے ای آسماں رکھ دی ‌ ‌ ‌ بنا کر شاخِ گل ہاں تو نے ہی شاخِ کہکشاں رکھ دی

یہ کیسی آگ بھر کر جام میں پیرِ مغاں رکھ دی ‌ ‌ ‌ جو توڑی مہرِ ساغر سے تو کچھ اُٹھا دھواں رکھ دی

ذرا چھیڑا جو اُس نے ہو گئی ایسی زخود رفتہ ‌ ‌ ‌ کہ شمعِ بزم نے کلگیر کے لب پر زباں رکھ دی

خدا کے ہاتھ ہی بکنا نہ بکنا مے کا اے ساقی
برابر مسجدِ جامع کے ہم نے اب دکاں رکھ دی

چمن کا لطف آتا ہی مجھے صیاد کے صدقے
قفس میں لا کے اس نے آج شاخِ آشیاں رکھ دی

بنا ہے ایک ہی دونوں کی کعبہ ہو کہ بتخانہ
اُٹھا کر خشتِ خم ہم نے وہاں رکھ دی یہاں رکھ دی

یہ قیس و کوہکن کے سے فسانے بن گئے کتنے
کسی نے ٹکڑے کر کے سب ہماری داستاں رکھ دی

تعین سے منزہ شوخیاں ہیں اس کے جلوے کی
ہماری وسعتِ دل میں بنائے لامکاں رکھ دی

نظر مدت سے تھی اے شیخ جس پر میفروشوں کی
وہ دستارِ فضیلت رہن ہم نے مہرباں رکھ دی

یہ کیا تھا جلوہ ان کا دیکھنا تھا ہم کو پردے میں
لگا کر آنکھ سے ہم نے جو تصویرِ بتاں رکھ دی

یہ عالم ہے ریاضؔ ایک ایک قطرے کو ترستا ہوں
حرم میں اب خدا جانے بھری بوتل کہاں رکھ دی

آنکھ کے تل میں رہے یا قیس کے دل میں رہے
آتے آتے نجد تک لیلے محمل میں رہے

احترامِ بزمِ ساقی شیخ کے دل میں رہے
حسنِ محفل بن کے مے ساقی کی محفل میں رہے

دستِ گلچیں تک نہ جائے یا الٰہی کوئی پھول
شاخ سے ٹوٹے تو منقارِ عنادل میں رہے

پاس میرا بھی رہا ان کو شبِ وصلِ عدو
شوخیوں سے وہ رو بن کر وہ میرے دل میں رہے

خاک میں ملنے نہ پائے بیگناہوں کا لہو
دستِ قاتل میں رہے یا دامانِ قاتل میں رہے

لطف ہو بن جائے تیغِ ناز حسرت کی نگاہ
زخمِ بسمل سے نکل کر چشمِ بسمل میں رہے

جا نہیں سکتا ہے حسن و عشق کا نازک لگاؤ
پردہ چشمِ قیس کا لیلے کی محفل میں رہے

چال میں آئے خرامِ نازِ قاتل کا مزا
کچھ لچک نازک کمر کی تیغِ قاتل میں رہے

حلق سے اترے جو وقت تیغ ٹپکا ئیں شراب
اتنی آسانی الٰہی میری مشکل میں رہے

سرخیِ مے سے رہی محفوظ یہ ریشِ سپید
اے ریاضؔ اس طرح ہم ساقی کی محفل میں رہے

اہتمام اتنا مرے ساقی کی محفل میں رہے
مست آنکھوں سے جو چھلکے ساغرِ دل میں رہے

ناز کیوں ہو فتنے ہی فتنے جو محفل میں رہے
حشر برپا ہو نہ میرے گوشۂ دل میں رہے

یہ تو ظاہر ہو کبھی تھا بوند بھر اس میں لہو
اڑ کے رنگ اتنا تو مرجھائے ہوئے دل میں رہے

اُف ری شوخی وصل کی شب ضد یہ ہے دوئی کا داغ
چاند سے چہرے کے بدلے ماہِ کامل میں رہے

ننھے ننھے ناوکِ مژگاں کے اوچھے زخم کیا
گہرے گہرے سینکڑوں ناسور اس دل میں رہے

دل میں بھی مجھکو نظر آتی رہے اس کی جھلک
مختصر سی وصل کی شب آپ کے تل میں رہے

پیچ کھا کر یہ بگولا طوقِ گردن کا بنے
دشت کا جادہ کڑی بن کر سلاسل میں رہے

اس طرح لوٹی جنوں میں ہم نے گلشن کی بہار
دل رہا پھولوں میں یا رب ہم عنادل میں رہے

دل سے ہوتے ای جنونِ قیس محمل کچھ نہیں
پردۂ محمل تو کیا محمل یہ محمل میں رہے

ہستیِ بیدار بھی نکلی زمانہ ناشناس
خوابِ غفلت کی طرح ہم چشمِ غافل میں رہے

ہم کو رکھنے قبر میں تو ساتھ آئے تھے بہت
کیا ہوئے سب ہم اکیلے پہلی منزل میں رہے

باغ میں گلچیں کو بھی پھولوں کا دھوکا ہو گیا
اشک ہائے خوں کچھ اس طرح چشمِ عنادل میں رہے

تھے ریاض اس فکر میں بت انھیں کے ہو رہیں
مردِ حق آگاہ بھی کس سعیِ باطل میں رہے

روشن کئے چراغِ لحد لالہ زار نے
اس مرتبہ تو آگ لگا دی بہار نے

زلفِ سیاہ بن کے بنی اب شبِ لحد
بدلا کچھ اور رنگ شبِ انتظار نے

سینے تک آئی سوتے میں کب میری دستِ شوق
دھوکا دیا تجھے ترے پھولوں کے ہار نے

نکلی حرام پی تھی سمجھ کر لطیف شے
کیا بدمزہ کیا ہے مئے خوش گوار نے

افسردگی اب اس سے سوا ہوگی اور کیا
پروانے تک جلائے نہ شمعِ مزار نے

پیتے تھے خانہ سازِ خدا ساز اب ملی — محشر میں بات رکھ لی کچھ آمرزگار نے

یہ سُن کے دور جاتی ہے آوازِ رات کی — بیٹھا ہے قیس نجد میں مجکو پکار نے

مٹی کے ساغروں میں بھی ہو تازگیِ گُل — ہر شئے میں جان ڈال دی فصلِ بہار نے

بھر کر حرم کے گوشے میں رکھ دی تھی زمزمی — پی لی چرا کے زاہدِ شب زندہ دار نے

وعدے کی رات حشر کا دن مجکو ایک ہے — اب آنکھ کھول دی ہے ترے انتظار نے

بوتل کے منہ سے آتی ہے بوئے شُلِ اہلِ صوم — منہ سے لگا کے پی ہے کسی روزہ دار نے

اتنا تو ہم بھی جانتے ہیں ایک آہ کی — بے آس ہو کے اس دلِ اُمیدوار نے

یہ سُن کے نصفِ شب کو درِ میکدہ کھُلا — مانگی ہے اک بزرگ تہجّد گزار نے

تارے بنے جو ڈال دیئے رخنے بے شمار — ٹکرا کے آسمان سے ہمارے غبار نے

ساقی نے رات ہاتھ سے توڑی جو مُہرِ خُم — مشعل دکھائی برقِ سرِ کوہسار نے

صبحِ شبِ وصال سبب مجھے منفعل کیا — تو نے تو کیا تری نگہِ شرمسار نے

بے شغلِ جام و بادہ جوان ہو گئے ریاضؔ
ڈالا اثر یہ آمدِ فصلِ بہار نے

نہ کام آئے جو دامن کے اشکِ خوں وہ کیا ہے[1] — جو کام آئے نہ آنکھوں کے وہ لہو کیا ہے

بنا ہے وعدۂ فردا سے ان کے تارِ کفن — سفید ریش کا میری ہر ایک مو کیا ہے

نہ رنگ لائے نہ بو دے اگر کریں پامال — میں کچھ نہیں ہوں مراخونِ آرزو کیا ہے

جو توڑیے عوضِ مے ذرا سا پانی دے — ہمارے دل کا پھپھولا ہے یہ سبو کیا ہے

بجھے گی پیاس نہ میری اگر گلا رگڑوں — نہ آب جس میں ہو وہ خنجرِ عدو کیا ہے

جو ناشناس ہیں اُن کو ریاضؔ ہو معلوم — غلامِ ساقیِ کوثر کی آبرو کیا ہے

[1] اس غزل کے چند اشعار ضرورتاً حذف کر دیے گئے ہیں۔

چھیڑتے ہی میری زلفِ رسا ہو جائے گی — یہ پری تیری لئے ای دل بلا ہو جائے گی
اے اسیرانِ قفس آنے کو ہے فصلِ جنوں — چار دن میں اور گلشن کی ہوا ہو جائے گی
ساتھ اشکوں کے لہو کیا لختِ دل آنے لگے — کچھ نہ کچھ بدنام اب میری وفا ہو جائے گی
موجِ طوفاں پھینک دے گی اس کو ساحل کی طرف — پار اب کشتی مری اے ناخدا ہو جائے گی
لا ابھی دے سوڈے کی بوتل جا کے ای شیخ حرم — آبِ زمزم کیا ملاؤں بے مزا ہو جائے گی
کون پہچانے گا مجکو حشر میں اے شامِ گور — اٹھتے اٹھتے میری صورت کیا سے کیا ہو جائے گی
گھر سے نکلے ہیں وہ نازک ہاتھ میں نشتر لئے — آ گئے تو دردِ دل کی کچھ دوا ہو جائے گی
روز اجڑنے دو اسیرانِ قفس کے آشیاں — اور ہی اب اس گلستاں کی ہوا ہو جائے گی
ہو گی میری ہاتھ میں میری سیہ فردِ عمل — میں جو آیا تیرگی روزِ جزا ہو جائے گی
جس قدر چاہے کی تربت پر آکر سر اٹھائے — تیری کوچے میں قیامت نقشِ پا ہو جائے گی

لوٹ لو اچھی طرح لطفِ معاصی اے ریاضؔ
ہیں نمودے آثارِ دنیا اب فنا ہو جائے گی

کچھ سے کچھ ہاتھوں میں جا کر یہ حنا ہو جائے گی — دیکھ لینا ان کی مٹھی میں قضا ہو جائے گی
وصل کی شب خال سے زلف رسا ہو جائے گی — ان کو ڈر ہے جان کو میری بلا ہو جائے گی
حور آتی ہے مری تربت میں کیوں ساغر لئے — آ گئے وہ تو قیامت ہی بپا ہو جائے گی
میری آہِ گرم جو لبریز ہے دل دوز ہے — جاتے جاتے بام تک ٹھنڈی ہوا ہو جائے گی
پس کے آئی تھی کہ آئی مرگِ دشمن کی خبر — رکھتے رکھتے یونہی مٹی اب حنا ہو جائے گی
میرے آگے دخترِ رز کو لائے ہیں پہلے پہل — یہ اچھوتی آج نذرِ پارسا ہو جائے گی
کنگرے عرشِ بریں کے چوم لیتی ہے جو آہ — وقت پر تقدیر بن کر نارسا ہو جائے گی

کالی کالی مے کی بوتل اُڑ چلے گی دیکھنا ۔۔۔ آتے آتے سبزے تک کالی گھٹا ہو جائے گی

جب ملیں گے آپ تلووں سے دلِ پُر داغ کو ۔۔۔ یہ حنا تو اور آتش زیرِ پا ہو جائے گی

آئی ٹل سکتی نہیں، شمشیر و خنجر ہوش ہوں ۔۔۔ میرے قاتل کی ادا میری قضا ہو جائے گی

جو بری بھولی صورت کا خیال آجائے گا ۔۔۔ ہونٹھ تک فریاد آتے ہی دعا ہو جائے گی

مے پرستی یہ مجھے پہنچائے گی تسبیح تک ۔۔۔ لغزشِ پا حشر کے دن رہنما ہو جائے گی

تیغ کو شرمائے گا قاتل تری گردن کا خم ۔۔۔ وصل کی شب جان کی دشمن حیا ہو جائے گی

مجھ سے دیوانے کے نالے آپ سُنئے تو کبھی ۔۔۔ قیس کی فریاد صحرا کی صدا ہو جائے گی

تاجِ زر دے گا درِ ساحر[1] کا ہر ذرہ ریاضؔ
دھوپ سر پر سایۂ بالِ ہُما ہو جائے گی

جس دن سے حرام ہو گئی ہے ۔۔۔ مے خلدِ مقام ہو گئی ہے

قابو میں ہو ان کے وصل کا دن ۔۔۔ جب آئے ہر شام ہو گئی ہے

افتادِ چمن یہ ہے کہ بلبل ۔۔۔ خود ہی تہِ دام ہو گئی ہے

توبہ سے گھٹی یہ قدر و قیمت ۔۔۔ مے دام کے دام ہو گئی ہے

آتی ہے قیامت اس گلی میں ۔۔۔ پامالِ خرام ہو گئی ہے

توبہ سے ہماری بوتل اچھی ۔۔۔ جب ٹوٹی ہے جام ہو گئی ہے

کچھ زہر نہ تھی شرابِ انگور ۔۔۔ کیا چیز حرام ہو گئی ہے

لب تک جو کبھی نہ آئے وہ آہ ۔۔۔ اونچی سرِ بام ہو گئی ہے

مے نوش ضرور ہیں وہ نا اہل ۔۔۔ جن پر یہ حرام ہو گئی ہے

[1] سر مہاراجہ بہادر محمود آباد اعلی اللہ مقامہ

بُجھ بُجھ کے جلی تھی قبر پہ شمع — جل جل کے تمام ہو گئی ہے
آجائے اسے جو آئے مجھ تک — موت ان کا پیام ہو گئی ہے
ہر بات میں ہونٹھ پہ ہے دشنام — اب حُسنِ کلام ہو گئی ہے
سر خم ہے حرم میں سوئے طیبہ — کچھ خو سے سلام ہو گئی ہے
دولت دل کی بتوں سے ہے محفوظ — اللہ کے نام ہو گئی ہے
پھر پھر کے نظر ہوئی ہے صدقے — جم کر خطِ جام ہو گئی ہے
ہے دور ابھی ریاضؔ منزل
دن ختم ہے شام ہو گئی ہے

مے رہے مینا رہے گردش میں پیمانہ رہے — میرے ساقی تو رہے آباد میخانہ رہے
حشر بھی تو ہو چکا رخ سے نہیں ہٹتی نقاب — حد بھی آخر کچھ ہے کب تک کوئی دیوانہ رہے
کچھ نہیں ہم دل جلوں کی بیقراری کچھ نہیں — تیری محفل وہ ہے جس میں شمع پروانہ رہے
گورے ہاتھوں میں نہ چوڑی ہے نہ ساغر کا عکس — تیرے دستِ ناز میں نازک سا پیمانہ رہے
کم سے کم اتنا اثر ہو جو سُنے آجائے نیند — بیکسوں کی موت کا ہونٹھوں پہ افسانہ رہے
رات کو جا بیٹھتے ہیں روز ہم مجنوں کے پاس — پہلے ان بن رہ چکی ہے اب تو یارانہ رہے
حشر ہو تم ترم کے پتلے نہ بننا حشر میں — چال متوالی ہوئی انداز مستانہ رہے
تاب اس کی لا نہیں سکتے کبھی نازک دماغ — بار سر ہے دور سر سے تاج شاہانہ رہے
ان کے کہنے سے کبھی یوں کہہ لئے دو چار شعر — رات دن فکرِ سخن میں کوئی دیوانہ رہے
ان بتوں کے چلتے ہم نے دل کو پتھر کر لیا — بت رہے کوئی نہ یارب کوئی بتخانہ رہے
طور پر آئیں نہ میرے سامنے یونہی سہی — ہاں فرا طرزِ تکلم سے بے حجابانہ رہے

زندگی کا لطف ہی اُڑتی رہے ہر دم ریاض

ہم ہوں شیشے کی پری ہو گھر پری خانہ رہے

دمِ آخر نقابِ رُخ نہ زلفِ عنبریں ہوتی — فدا اُس چاند سے منہ پر نگاہِ واپسیں ہوتی

نہ دامن میں شکن ہوتی نہ میلی آستیں ہوتی — ترے صدقے تبسم کی طرح لب پر نہیں ہوتی

جو اُن کی شکل بے پردہ مرے آگے کہیں ہوتی — نگاہِ شوق اے موسیٰ نگاہِ واپسیں ہوتی

جو دل مٹھی میں وہ لیتے تو بنتی زلف پُر خم پر — اُتر کر ہر شکن گیسو کی چینِ آستیں ہوتی

سرِ بزم بڑھی تھی بات ساقی میں اُبل پڑتا — مری ساغر میں تھوڑی سی جو دردِ تہ نشیں ہوتی

ترے کوچے سے جا کر موت کا تھا سامنا مجکو — قدم رکھتا جہاں وہ میری تربت کی زمیں ہوتی

سرشکِ تلخ ہوتے زہر کل افعی کے تالو کے — یہ موجِ اشک آ گئے جل کے مارِ آستیں ہوتی

سنور کر آپ تو آئے تھے لیکن وقت نازک تھا — نگاہِ شوق کیوں کر نہ نگاہِ واپسیں ہوتی

ہنسی میں اُن سے میرے آنسوؤں کا تار کہتا تھا — لڑی ان موتیوں کی زیبِ زلفِ عنبریں ہوتی

یہ ہے افلاس میں جھوٹی پیالی دھو کے پیتا ہوں — نہ تھی سرجوش قسمت میں تو دُردِ تہ نشیں ہوتی

بناتی چودھویں کا چاند اے شبِ فرقت — جو مل جاتی تری تصویر تجھ سے بھی حسیں ہوتی

نہیں کے ساتھ ہونٹھوں پر ہنسی بھی کاش آ جاتی — مزا دیتی جو پردے میں تبسم کی نہیں ہوتی

غرض گھر سے نہ پیراہن سے مر کر بھی یہی ہوتا — کفن میرا کہیں ہوتا مری تربت کہیں ہوتی

دل پُر آرزو میرا یہی ساتھ ساتھ اس کے — حنا ہاتھوں سے میری زیبِ دستِ نازنیں ہوتی

مزا تھا عرش کی قندیل جھک کر مُہرِ خُم بنتی — ابھر کر خشتِ خُم ساقی فرشتے کی جبیں ہوتی

لطافت روح کی پیدا جو ہوتی جسمِ خاکی میں — تو مر کر میں کہیں ہوتا مری تربت کہیں ہوتی

دمِ آخر جو بالیں پر سنور کر آپ آ جاتے — یہ ہوتا آپ باہر نگاہِ واپسیں ہوتی

سنا ہے عمر زاہد اس قدر تلخی میں گزری ہے — شراب تلخ اسے ملتی تو شیر و انگبیں ہوتی

تمنا وصل کی جو میرے دل کو گدگداتی ہے — حسینوں کے لئے یہ بھی تبسم آفریں ہوتی

ریاض اعزاز اگر ملتا نہ یہ سرکار ساحر سے
تو اقلیم سخن کیوں کر مرے زیر نگیں ہوتی

کچھ شب وعدہ عدو سی وجہ بھی انکار کی — کھائے قسمیں نہ میرے طالع بیدار کی

زہر باتیں پیار کی تو چال ہے تلوار کی — دھوم ہے ظالم تری گفتار کی رفتار کی

کیوں چھپیں مژگاں کی سائے میں نگاہیں یار کی — خوفناک اتنی نہیں صورت ترے بیمار کی

وعدہ کرکے لطف دیتی ہے ادا انکار کی — بات کہتے پلٹے کھاتی ہے زباں سرکار کی

کچھ دنوں کھائیں ہوا ہم دشت کی کہسار کی — سیر کی ہے خوب ہم نے حسن کے بازار کی

دام بردوش آئی بھی یارب کہیں صیاد جلد — آج کل بدلی ہوئی ہے کچھ ہوا گلزار کی

کچھ عجب عالم دکھاتے ہیں کسی کے نقش پا — کس نے تصویریں یہ کھینچیں شوخیٔ رفتار کی

اس کی قدرت جو نہ رکھتے تھی زمیں پر کل قدم — آج انھیں بھی ہے شکایت چرخ ناہنجار کی

جائیے بھی پہلوئے بیمار سے بالائے بام — لذت اس کو لوٹنا ہے حسرت دیدار کی

اوس کیسی میرے چار اشکوں سے پانی پڑ گیا — مٹ گئیں دھومیں تھی جتنی گرمی بازار کی

الٹی گنگا ہم نے یوں بہتی نہ دیکھی تھی کبھی — بے طرح ہے کاٹ پر تیزی اس الٹی دھار کی

کھیں دیوانوں کا بن کر رہ گئی قید فرنگ — آج کل زنداں کا جانا سیر ہے گلزار کی

بات کیا ہے پی کے بھی گل رنگ چہرہ ہے سفید — پھر سفیدی وہ کہ جیسے برف ہو کہسار کی

غیر کو ڈر ہے کہیں ایسا نہ ہو کیڑے پڑیں — بڑھ گئی حد سے مٹھاس اب شربت دیدار کی

وہ گئے دن آپ کہتے تھے "چہ خفتہ" بار بار — اب مگس رانی ہے کیوں ہر خفتہ و بیدار کی

کیا عجب ہی میری وحشت اب نکالی ہاتھ پاؤں
میرے دل میں نوک کچھ چبھنے لگی ہے خار کی

گدگداتی ہی جوانی کچھ تجھے بھی بہرِ وصل
مسکراتی ہی کلی تیرے گلے کے ہار کی

پڑ نہیں سکتا ہی پردہ ڈالیے پردہ ہزار
چھپ نہیں سکتے چھپانے سی نگاہیں پیار کی

دُختِ رز واعظ کے آگے آئی ہو کر بے حجاب
بیٹھنے والی ہی یہ بھی کیا کوئی بازار کی

ہو گئی با ہم دگر پیوستگی سے اب فزوں
استواری رشتہائے سبحہ و زنار کی

مغبچہ و چار خم سے چل نہیں سکتا ہی کام
آج کل تو میکدہ پہ آنکھ ہے ہمخوار کی

کوئی بھی ہو بڑھ کے یہ سب لگا لیتا ہی ساتھ
دور دھوپ اچھی نہیں ہی سایۂ دیوار کی

قسمت اس حق گو کی یہ معراج جس کو ہو نصیب
آسمان سے باتیں کرتی ہی بلندی دار کی

وہ سلاتے ہیں اسی الفت سے یہ سوتا نہیں
ہے شکایت ان کو میرے طالعِ بیدار کی

اپنے دامن سے نہ پونچھیں اشکِ خوں آلودہ آپ
خوں فشانی کم نہ ہو گی دیدۂ خونبار کی

کیا ہوئے کہئے مسیحائی کے دعوے کیا ہوئے
آپ تو ڈرتے ہیں صورت دیکھکر بیمار کی

اے ریاضؔ آ شرم ہی کیا بدھی کے جا کر آئی شرم
پھینکدی ہم نے لبِ جو سب سمندر پار کی

یہ شامِ شبِ وصل بھی کیا شام ہے کوئی
کیا بات ہی کیوں لرزہ براندام ہے کوئی

نازک سا کوئی پھول ہی یا جام ہے کوئی
یہ سچ ہی کہ معشوق گل اندام ہے کوئی

پر خوب نکالے مرے سائے نے چمن میں
صیاد یہ سمجھا کہ تہِ دام ہے کوئی

سو رند ہیں تو نہ ہو خالی کبھی ساقی
ایسا بھی ترے میکدے میں جام ہے کوئی

کعبے میں یہ کیا آ رہے سب میکدے والے
بے داغ بھی کیا جامۂ احرام ہے کوئی

اے حسن سلامت یہ جنوں خیز بہاریں
رسوا ہے کوئی عشق میں بدنام ہے کوئی

اُٹھتے ہیں کچھ اس انجمنِ ناز سے فتنے
میں ہوں کہ عدو مورد الزام ہے کوئی

بے روپ ہے انسان جو مشّا رنگ جدائی
جس میں مئے گلگوں نہ ہو وہ جام ہے کوئی

وہ محویتِ قیس وہ بے صبریٔ فرہاد
ہم لوگوں میں پختہ ہے کوئی خام ہے کوئی

سنتا ہوں کہ سننے کی حسینوں کو نہیں تاب
بوسے کا نہ لوں نام یہ دشنام ہے کوئی

بے بات ریاضؔ اس کو ستاتے ہیں وہ سو سو
اس بزم میں کیا آپ کا ہم نام ہے کوئی

گل مرقع ہیں ترے چاک گریبانوں کے
شکل معشوق کی انداز ہیں دیوانوں کے

نہ رکیں گے در و دیوار سے زندانوں کے
خود بخود پاؤں اُٹھے جاتے ہیں دیوانوں کے

پینگ وحشت میں بڑھے ہیں ترے دیوانوں کے
اب بیابان بھی انھیں صحن ہیں زندانوں کے

ایک کیا جن کے ہر اک ذرے میں گم ہوں سو حشر
ہم بگولے بنے ایسے کئی میدانوں کے

کعبہ و دیر میں ہوتی ہے پرستش کس کی
مے پرستو یہ کوئی نام ہیں میخانوں کے

کچھ اس انداز سے آ بیٹھے ہیں وہ شمع کے پاس
دیکھ کر دور سے پر جلتے ہیں پروانوں کے

لے گیا آپ کے دیوانوں کو سودائے بہار
در و دیوار ہیں ٹوٹے ہوئے زندانوں کے

جام ہے توبہ شکن توبہ مری جام شکن
سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

ہاتھ کیوں کھینچ لیا پھیر کے خنجر تو نے
سر جھکا ہے نہیں اُٹھتے ہیں گراں جانوں کے

در سے بڑھنے نہیں دیتا ہے مجھے ذوق سجود
میں ہوں نقشِ کفِ پا میں ترے دربانوں کے

نہیں گنتی میں مگر بزمِ سخن ہے روشن
آج میں شمع ہوں مجمع میں سخن دانوں کے

قطرے ہیں کوثر و تسنیم کفِ ساقی میں
خم افلاک تو پیمانے ہیں میخانوں کے

وسعتِ ذات میں گم وحدت و کثرت ہے ریاضؔ
جو بیاباں ہیں وہ ذرے ہیں بیابانوں کے

واہ کیا نامۂ اعمال ہیں دیوانوں کے
کہ فرشتے لیے ٹکڑے ہیں گریبانوں کے

ہوش اُڑتے ہوئے دیکھے نہیں انسانوں کے
لطف میخانوں میں آتے ہیں یہی خانوں کے

نقش پارہ نہیں سکتے ترے دیوانوں کے
اے جنوں صحن بہت تنگ ہیں زندانوں کے

پر پروانہ بنے خود شررِ شمع کبھی
شررِ شمع بنے پر کبھی پروانوں کے

اپنے کوچے میں جو دیکھا تو وہ ہنس کر بولے
چھاننے والے کہاں آئے بیابانوں کے

ذکر کیا اہلِ جنوں کا کہ جب آتی ہے بہار
وہ تو وہ رنگ بدل جاتے ہیں زندانوں کے

آج بت بیٹھے ہیں تقدیر کے مالک بن کر
اب جو لکھا ہو مقدر میں مسلمانوں کے

بام تک تیری ذریعہ ہیں رسائی کے یہی
دور سے جھک کے قدم لوں ترے دربانوں کے

ان کے بکھرے ہوئے گیسو نہیں ہٹتے رخ سے
آج نکلے ہیں وہ جھرمٹ میں نگہبانوں کے

ساتھ والوں میں مرے کوہکن و قیس بھی ہیں
میرے قصے نہیں ٹکڑے کوئی افسانوں کے

چشمِ یعقوبؑ ہے حلقۂ زنجیر کی آنکھ
کبھی تقدیر سے دن پھرتے ہیں زندانوں کے

غیرتِ حق کو ہو کیا جوش جب اعمال یہ ہیں
کم ہے جو کچھ ہو مقدر میں مسلمانوں کے

دور سے دیکھ کے پھرنا وہ مرا اُلٹے پاؤں
اُف وہ بدلے ہوئے تیور تری دربانوں کے

مہ و انجم سے ٹپکتا ہے یہی راتوں کو
ان میں ٹوٹے ہوئے ساغر ہیں یہی خانوں کے

انھیں ٹھکراتے چلو حشر میں لطف آئے گا
انھیں قبروں میں ہیں مارے ہوئے ارمانوں کے

نکلی جاتی ہے زمیں پاؤں کے نیچے ہی ریاضؔ
کیوں دعا کو نہ اُٹھیں ہاتھ مسلمانوں کے

یہ جتنی دیر ہوئی شیخ کو وضو کرتے
ہم اتنی دیر میں خالی خم و سبو کرتے

شکار کبھی بطِ مے کا کنارِ جو کرتے
وہیں نماز بھی پڑھتے وہیں وضو کرتے

کلیم بات بڑھاتے نہ گفتگو کرتے — لبِ خموش سے اظہارِ آرزو کرتے

حسین بھی ہوں خوش آواز بھی فرشتۂ قبر — کٹی ہے عمر حسینوں سے گفتگو کرتے

ہماری پھول کا ساغر اگر یہ گل بنتے — تو اور رنگ سے اظہارِ رنگ و بو کرتے

گراتے یونہی سرِ طور بجلیاں ہم پر — اگر حجاب تھا پردے سے گفتگو کرتے

یہ داغ مے ہیں بڑے پھیلتے سرِ دامن — جو آبِ زمزم و کوثر سے ہم وضو کرتے

ہمیں خدا کے سوا کچھ نظر نہیں آتا — نکل گئے ہیں بہت دور جستجو کرتے

پڑی ہے خوئے صبوحی دراز ہے شبِ گور — اٹھیں گے حشر کے دن ہم سبو سبو کرتے

مسک گیا ہی کسی کا ذرا سا دامنِ گل — جگہ جگہ سے مسکتا جو تم رفو کرتے

بقدرِ ظرفِ وضو مے جو ملتی پانی سی — سیاہ رو بھی دمِ حشر شست و شو کرتے

نہ تھا شباب کہ میں ریاضؔ زر ہوتا

تو دن بڑھاپے کے بھی نذرِ لکھنؤ کرتے

بہت ہی پردے میں اظہارِ آرزو کرتے — نگاہیں کہتی ہیں ہم ان سے گفتگو کرتے

شرابِ ناب سے ساقی جو ہم وضو کرتے — حرم کے لوگ طوافِ خم و سبو کرتے

وہ گل کے دستِ حنائی سے دل لہو کرتے — ہم آرزو تو حسین خونِ آرزو کرتے

دروغ بافیِ دشمن کا حال کیا کھلتا — جو پردہ چاک بھی ہوتا تو وہ رفو کرتے

اعتبار لاتے انھیں بامِ طور سے دل میں — ہم اختیار وہ اندازِ گفتگو کرتے

ڈرے وہ کیوں مرے پھولوں میں آ کے دل کرتا — یہ پھول خاکِ تمنا ہے رنگ و بو کرتے

کلیم کو نہ غش آتا نہ طور ہی جلتا — دبی زبان سے اظہارِ آرزو کرتے

جو ظرفِ آب ہمیں میکدے میں مل جاتا — نماز کعبے میں پڑھتے یہاں وضو کرتے

مہِ صیام میں موقع جو شب کو مل جاتا　　تو ایک سانس میں خالی خم و سبو کرتے

شراب پیتے ہی سجدے ہیں ان کو گرنا تھا　　یہ شغل بیٹھ کے مے نوش قبلہ رو کرتے

ہر ایک قطرے سے بہتی ریاض جوئے شراب
جو پی کے ہم سرِ زمزم کبھی وضو کرتے

تربت ہماری دیدۂ حسرت چمن میں تھی　　محتاج چار پھولوں کی تربت چمن میں تھی

تھی فصلِ گل تو لطف کی صحبت چمن میں تھی　　جو شکل تھی وہ نور کی صورت چمن میں تھی

وارفتہ آج کیسی طبیعت چمن میں تھی　　صحرا سے کچھ سوا مجھے وحشت چمن میں تھی

بے دورِ جام باغ میں گزرا تمام وقت　　کل ساتھ ساتھ گردشِ قسمت چمن میں تھی

اجڑا جب آشیاں تو خزاں کیا بہار کیا　　تنکوں سے آشیاں کے محبت چمن میں تھی

چُنتا نہ پھول پاؤں کے کانٹے نکالتا　　اے جوشِ گُل کہیں مجھے فرصت چمن میں تھی

آندھی کے تنکے بن گئے تھے نخلِ آشیاں　　پھیلی عجیب آج مصیبت چمن میں تھی

اب جوشِ گل میں بن کے زرِ گل نکل پڑی　　زیرِ زمیں گڑی ہوئی دولت چمن میں تھی

بوتل اُچھالتے تھے برستا تھا اس سے نور　　ہر رند پر خدا کی یہ رحمت چمن میں تھی

تنکے چُننے چمن میں رہی جب نہ فصلِ گُل　　اے باغباں کبھی مجھے فرصت چمن میں تھی

ہر ایک پھول باغ میں تھا عکسِ روئے یار　　آئینے سے سوا مجھے حیرت چمن میں تھی

ساقی کے چشمِ لطف سے پہنچا ہے اس کو فیض　　نرگس بھی آج چشمِ مروت چمن میں تھی

کھڑکی جو کھل گئی مری تقدیر کھل گئی　　اب ہے وہی قفس میں جو راحت چمن میں تھی

خم لے کے کنجِ باغ میں بیٹھے تھے چھپ کے ہم　　بزمِ چمن سے دور یہ خلوت چمن میں تھی

وہ آ گئے تھے آج تو کچھ ان کے سامنے　　کھوئی ہوئی سی گل کی نزاکت چمن میں تھی

صیاد گھر ترا ہے مجھے جنت سہی مگر
جنت سی بھی سوا مجھے راحت چمن میں تھی

بے ان کے تیرہ آنکھ میں تھے جلوہائے گل
کالی گھٹا نہ تھی شب فرقت چمن میں تھی

قید قفس میں جان تھی نکلی نہ ضعف سے
رکھی ہے اب قفس میں جو طاقت چمن میں تھی

رہتا تھا ہم سے دور بہت شور باغباں
آزادیوں کی سچی مسرت چمن میں تھی

کچھ پی بھی لی تھی باغ میں جانے سے پیشتر
کیسی شگفتہ آج طبیعت چمن میں تھی

صحرا کی دیکھ بھال بھی کچھ تھی مرے سپرد
نکلے جنوں میں بن کے یہ خدمت چمن میں تھی

اللہ اس طرح کی جنوں آفریں بہار
جوش بہار تھا کہ قیامت چمن میں تھی

چنگاریاں جو باغ میں پھیلی تھیں پھول تھے
باد بہار کی یہ شرارت چمن میں تھی

سامان سب تھے آج خدا نے بچا لیا
توبہ کے بعد کچھ مری نیت چمن میں تھی

صیاد ابر و باد بھی پتھر بھی برق بھی
ہر روز ایک تازہ مصیبت چمن میں تھی

وہ داغ دل وہ صاحب معراج کا قدم
اتری اک آسمان سے جنت چمن میں تھی

کل ہم گئے تھے آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے
بے شمع و گل ریاض کی تربت چمن میں تھی

لذت ہزار طرح کی سیب ذقن میں تھی
چوسے جو لب تو اور ہی لذت دہن میں تھی

کل موج بادہ شمع فروز انجمن میں تھی
کس حسن کی بہار ہمارے چمن میں تھی

تربت کی تیرہ رات میں کام آئی کچھ وہی
اے صبح حشر تیری سفیدی کفن میں تھی

بے فصل گل لباس ہمارا تھا چاک چاک
عریانی جنوں کی جھلک پیرہن میں تھی

جب سو مرے گلے پہ پڑی سیدھی ہو گئی
مشہور تیغ یار بہت بانکپن میں تھی

[illegible] شہر [illegible] نہ کٹ سکی
دیوانہ تھا [illegible] کی کوہکن میں تھی

رقصاں تھی قتل گاہ میں عریاں عروس تیغ | کیوں کر کہوں کہ شرم کبھی اس دلہن میں تھی
اے حسن زلف دل بھی کبھی تھا اسیر زلف | اس کی جگہ بھی زلف شکن در شکن میں تھی
بن بن کے عمر رفتہ کچھ آتا تھا دورِ جام | تلخی اسی کی آج شرابِ کہن میں تھی
کم بخت رہنمائے رہِ میکدہ نہ ہو | لغزش سی آج کچھ قدمِ راہزن میں تھی
محشر میں آ کے بن گئی فرد سیاہ جرم | بوتل وہ میرے ساتھ جو میرے کفن میں تھی
چھپ جائے خون عکس فگن تھا حنا کا رنگ | یہ بھی تو ساتھ ساتھ کفِ تیغ زن میں تھی
ہم جان لے کے بھاگ گئے ہیں اے آتش بہار | جو شاخ گل تھی آج وہ بجلی چمن میں تھی
لو آج تیر چل نہ سکے دستِ ناز سے | منہدی لگی ہوئی کفِ ناوک فگن میں تھی

وہ بھی گئے وطن سے مری طرح اے ریاضؔ
سچی خوشی جو خندۂ صبحِ وطن میں تھی

نشۂ مے میں ذرا لطفِ شباب آتا ہے | ہم جسے بھول گئے یاد وہ خواب آتا ہے
منہ چھپانے کو وہ تھے چوم لیا منہ ہم نے | اب نقاب آتی ہے رخ پہ نہ حجاب آتا ہے
بھیجتا ہوں انھیں تقدیر کا شکوہ لکھ کر | دیکھوں اب کیا مری قسمت کا جواب آتا ہے
مست بلبل کو جو دیکھا ہے کبھی گل کے قریب | باغ میں جاتے ہوئے اُن کو حجاب آتا ہے
نجد میں جا کے بٹھا آئے تھے کل قیس کو ہم | خاک اُڑاتا کوئی پھر خانہ خراب آتا ہے
روکتی ہے مجھے پینے سے مری ریشِ سفید | اب تو پیتے ہوئے مجکو بھی حجاب آتا ہے
بوسے گن گن کر کبھی لیتے نہیں معشوقوں کے | ہمیں گنتی نہیں آتی نہ حساب آتا ہے
اس طرح وہ مرے گھر پا بہ رکاب آتے ہیں | غیر تھامے ہوئے گھوڑے کی رکاب آتا ہے
چوم لوں منہ لبِ نازک سے یہ گالی سن کر | آپ کی بات کا مجکو بھی جواب آتا ہے

اشک ہی اب نہیں دامن کو دہ اتنا کر رکھے — آنکھ تک دوڑ کے کیوں ورنہ سحاب آتا ہے

کیوں کہا غیر سے ملنے کو مری تربت پر — وہ مری جان کو بن بن کے عذاب آتا ہے

تیس دن کے رمضاں کی نہیں اب فکر ریاض

میرے گھر آج خمِ بادۂ ناب آتا ہے

کیا چھلکتا یہ کوئی جامِ شراب آتا ہے — لے ہیں قربان مرا عہدِ شباب آتا ہے

بعد توبہ جو ادھر جامِ شراب آتا ہے — پینے والو مجھے پینے سے حجاب آتا ہے

ہائے رے شوق کہ دن کاٹتے ہیں گن گن کر — آج آتا ہے کل خط کا جواب آتا ہے

ہم نئے وہ نئے ہر بات نئی رات نئی — نئی صحبت میں حسینوں کو حجاب آتا ہے

کچھ سپید ایسی ہوئی ہے یہ مری ریش دراز — ہو حنا کتنی ہی کم رنگ خضاب آتا ہے

کتنے بوسے لئے اس بت کے بتا دیں کاتب — میں تو سنتا ہوں فرشتوں کو حساب آتا ہے

اسے کیا کام نگاہوں سے نگاہیں جو لڑیں — روکنے بیچ میں کیوں تیرا نقاب آتا ہے

ہائے ہوتا ہے جوانی کا زمانہ کیا تیز — ساتھ اپنے لئے حسنِ شباب آتا ہے

چھوٹ بہنے کے سوا اور نہیں کچھ افسوس — رحم تجھ پر مجھے اے چشمِ حباب آتا ہے

فاتحہ پڑھنے لئے بھیجتے ہیں قبر پہ آپ — غیر پہنچانے مجھے روز ثواب آتا ہے

دیدۂ خشک میں شاید کوئی آنسو آیا — اوس سے پیاس بجھانے کو سحاب آتا ہے

نزع میں ساقیِ کوثر سرِ بالیں ہیں ریاض

آنکھ تو کھول ابھی جامِ شراب آتا ہے

زمینِ میکدہ عرشِ بریں معلوم ہوتی ہے — یہ خشتِ خم فرشتے کی جبیں معلوم ہوتی ہے

پری اٹھے نہیں زلفِ عنبریں معلوم ہوتی ہے — یہ کالی شکل بھی کتنی حسیں معلوم ہوتی ہے

مری حسرت تبسم آفریں معلوم ہوتی ہے
چھپی تیرے تبسم میں نہیں معلوم ہوتی ہے

شفق کہہ لے کوئی چاہے شفق گوں آسماں کہہ لے
ہمیں تو کوئے قاتل کی زمیں معلوم ہوتی ہے

چلی ہے تیغ تو کس ناز سے تھم تھم کے رک رک کر
یہ کچھ ان سے زیادہ نازنیں معلوم ہوتی ہے

ارے ساقی ذرا میری شراب تلخ تو لانا
مئے کوثر تو بالکل انگبیں معلوم ہوتی ہے

چھپی ہے وہ نگاہ شوخ بھی مژگاں کے سائے میں
چھری بھی آج زیر آستیں معلوم ہوتی ہے

ابھارو تو ذرا شاید مرا ڈوبا ہوا دل ہو
کوئی شے بحر غم میں تہ نشیں معلوم ہوتی ہے

نہیں اب درد دل لیکن ابھی تک ہے اثر کچھ کچھ
چمک رہ رہ کے پہلو میں کہیں معلوم ہوتی ہے

اثر ڈالا ہے حسرت نے نگاہ شوق پر کتنا
کہ وہ بھی اب نگاہ واپسیں معلوم ہوتی ہے

یہ اے صیاد رہ رہ کر چمکتی ہے کہاں بجلی
جہاں میرا نشیمن تھا وہیں معلوم ہوتی ہے

لپک اس کی چمک اس کی وہی دم خم وہی عالم
یہ بجلی کوئی آہ آتشیں معلوم ہوتی ہے

ریاض ایسی مرے دل سے لگی ہے جام کوثر کی
مئے انگور اب اچھی نہیں معلوم ہوتی ہے

یہ محشر ہے یہاں سب ہوش میں دیوانہ آتا ہے
خداوندا مرے لب پر مرا افسانہ آتا ہے

نہیں موسیٰ یہ کوئی اور ہی دیوانہ آتا ہے
تصدق ہونے شمع طور پر پروانہ آتا ہے

سنوارے جائیں گے گیسو الٰہی بات بن جائے
دل صد چاک میرا ہی جو بن کر شانہ آتا ہے

ٹھہر زاہد یہ بزم مے ہے دنیا کا مزا چکھ لے
تری تقدیر بھی گردش میں اب پیمانہ آتا ہے

گلے ملنے جھکی جھک کر گلے کی رگ کر پہنچی قاتل
تری شمشیر کو بھی ناز معشوقانہ آتا ہے

بلانوشوں سے شاید آ گیا ہے کوئی کعبے میں
نظر آتے ہیں پئے طوف حرم خمخانہ آتا ہے

نگاہ شوق تم سے کہہ چکی اب میں بھی کہتا ہوں
زباں پر حرف مطلب آج بیبا کانہ آتا ہے

پس توبہ یہ عالم ہے ترے صدقے مرے ساقی — ٹھہر جاتا ہے دل گردش میں جب پیمانہ آتا ہے

ہزاروں اس کے گاہک ہیں دل گھری حسینوں کا — ابھی اٹھتے ہیں دام اس کے ابھی بیعانہ آتا ہے

فرشتے عرصہ گاہ حشر میں ہم کو سنبھالے ہیں — ہمیں بھی آج لطف لغزش مستانہ آتا ہے

ریاض خضر صورت جب سوے میخانہ آتے ہیں

تو فوراً سر بمہر اک خم لئے بیعانہ آتا ہے

فروغ مے ہے یا عرش بریں سے نور آتا ہے — کہ ساغر طاق سے بن کر چراغ طور آتا ہے

حجاب نور میں شوخی سے وہ مستور آتا ہے — ہر اک تار نقاب اب بن کے شمع طور آتا ہے

چھلکنا میکدے میں ساغر پرنور آتا ہے — پری خانے میں ساقی کوئی رشک حور آتا ہے

مرے ساقی ترے صدقے حنائی ہاتھ سے دے دے — وہ مے پینے سے جس کے میرے منہ پر نور آتا ہے

مرا پاس اس قدر ہے میں جو سوئے نجد جاتا ہوں — غبار قیس لینے کو مجھے کچھ دور آتا ہے

مزا آتا ہے میخانے کا زیر تاک اے واعظ — لئے سو خم کا حاصل دانۂ انگور آتا ہے

بہت ہی سخت منزل عشق کی ہے جس کے رستے میں — بتوں کے بام پہلے بعد ان کے طور آتا ہے

ارے خنجر اثر یہ ہے مرے قاتل کی باتوں کا — جو دل میں زخم آتا ہے لئے ناسور آتا ہے

مرے مالک کرشمہ ہے یہ ادنیٰ تیری قدرت کا — کہ مجھ عاجز کے پہلو میں بت مغرور آتا ہے

جوانی جن میں کھوئی ہے وہ گلیاں یاد آتی ہیں — بڑی حسرت سے لب پر ذکر گورکھپور آتا ہے

بھری محفل میں شیشے پر نہ ٹوٹے اس طرح زاہد — ذرا ٹھہرے ابھی افشردہ انگور آتا ہے

یہ دلی آپ سے باہر ہوئی جاتی ہے کیوں یارب — انا الحق کہنے شاید اس طرف منصور آتا ہے

وہ کیا شے ہے بتا دے تو مرے ساقی ترے صدقے — کہ جس کے نام سے منہ پر ہمارے نور آتا ہے

نہیں آتا ہے دل کو گدگدانا نوک خنجر سے — لگانا ہاتھ او ظالم تجھے بھرپور آتا ہے

سمجھتا ہے یہ زاہد باغِ جنت مل گیا اس کو　　جب اس کے ہاتھ کوئی خوشۂ انگور آتا ہے

عدو کے ساتھ فتنوں کا مری تعظیم کو اٹھنا　　مجھے اب یاد ان کی بزم کا دستور آتا ہے

رہِ قاتل میں کٹ جاتا ہے سایہ ساتھ بھی میرے　　جب آتا ہوں تو مجھ سے دس قدم وہ دور آتا ہے

وہ سیدھی سادھی جنت والی میرے کام کی ہوگی　　ارے زاہد کبھی تجھکو خیالِ حور آتا ہے

جو سو دل چور ہوں تو کیا کسی کی چال ہے ایسی　　کوئی دیکھے تو جانے نشے میں وہ چور آتا ہے

بھر آتا ہے خم و جام و سبو کے منہ میں بھی پانی　　ہمارے سامنے جب خوشۂ انگور آتا ہے

پڑے ہیں ہجر میں لالے چراغِ زندگانی کے　　بہت ہی وقت نازک اے شبِ دیجور آتا ہے

کوئی دیکھے تو جانے عرش ہی پر پاؤں پڑتے ہیں　　یہ کس کے کعبۂ دل میں بتِ مغرور آتا ہے

چڑھی آنکھیں ادا متوالی پن کی چال مستانہ　　جوانی کہتی ہے نشے میں کوئی چور آتا ہے

نقاب افگندہ روئے دخترِ رز ہی میں شرماؤں گا　　جھلک ساغر کی لے کر دانۂ انگور آتا ہے

ریاضؔ اب شکل ہی بدلی مذاقِ طبع بھی بدلا
یہ سن کا ہے تقاضا جو خیالِ حور آتا ہے

حشر کی اتنی حقیقت ہوگی　　پاس میخانے کے جنت ہوگی

لے بہار آئے کھلی جاتی ہے　　کسی دیوانے کی تربت ہوگی

پی کے آنا تھا کہ ہے یومِ حساب　　میکشو دیر میں فرصت ہوگی

وصل کی شب ہی سحر ہونے دو　　ہوگی شوخی نہ شرارت ہوگی

باتیں کہنے کی ہیں یہ ہو وہ ہے　　ایک ٹھوکر کی قیامت ہوگی

پینے کی شئے تو نہیں صوم و صلوٰۃ　　ہوتے ہوتے نہیں عادت ہوگی

حوریں غمزۂ معشوق کہاں　　بڑھ کے دنیا سے نہ جنت ہوگی

آئینہ ان کی بلا اب دیکھے — زلف کہتی ہے کہ وحشت ہو گی

شیخ جائے گا خدا کے گھر بھی — گھر کے دھندوں سے جو فرصت ہو گی

نہ ہلا ریش و راز لے ناصح — کہ زیادہ مجھے وحشت ہو گی

آئی منہ تک مرے سرجوش ہو آپ — شیخ صاحب کی کرامت ہو گی

کیا انھیں چھیڑوں شب وصل ریاضؔ
منفعل ان کی نزاکت ہو گی

عشق میں دل لگی سی رہتی ہے — غم بھی ہو تو خوشی سی رہتی ہے

دل میں کچھ گدگدی سی رہتی ہے — منہ پر ان کے ہنسی سی رہتی ہے

یہ ہوا ہے خدا خدا کر کے — رات دن بیخودی سی رہتی ہے

حشر کے دن بھی کچھ گنہ کر لوں — معصیت میں کمی سی رہتی ہے

صدقے ہیں اپنے غنچۂ دل کے — یہ کلی کچھ کھلی سی رہتی ہے

اتنی پی ہے کہ بعد توبہ بھی — بے پیئے بیخودی سی رہتی ہے

عیش بھی ہو تو لطف عیش نہیں — ہر دم افسردگی سی رہتی ہے

شب غم کی سحر میں نور کہاں — صبح بھی شام ہی سی رہتی ہے

یہ نہیں ہے کہ پردہ پڑ جائے — نشہ میں آگہی سی رہتی ہے

رہتے ہیں گل بنائے پژمردہ — شمع بھی کچھ بجھی سی رہتی ہے

ہو گئی کیا بلا مرے گھر کو — رات دن تیرگی سی رہتی ہے

اب جنوں کی غرض زیادہ جنوں — ہاتھ میں ہتکڑی سی رہتی ہے

لطف پیتے تھا نہیں تشنگی — آگ یہ کچھ دبی سی رہتی ہے

تیری تصویر ہو کہ تیغ تری ہم سے ہر دم کھنچی سی رہتی ہے

بدلے بوتل کے اب حرم میں ریاضؔ

ہاتھ میں زمزمی سی رہتی ہے

ترے آگے مہِ نو بن گیا ہے ماہِ کامل سے گھٹا ہی چودھویں کا چاند بھی مدِ مقابل سے

شبِ فرقت گھٹے ظالم ترے رخسار کے تل سے تری تصویر مل جائے لگی ہو یہ مرے دل سے

جوانی میری رخصت ہو رہی ہے موت سے پہلے الٰہی کارواں پلٹ رہا ہے دور منزل سے

نہ ان سا شوخ ہے کوئی نہ مجھ سا کوئی دیوانہ بہار آتے ہی لڑوائیں گے وہ مجھکو عنادل سے

سنبھالے کیا مژہ آفت نگہ ہے چوٹ کرنے میں ذرا سی تیغ نکلی جا رہی ہے دستِ قاتل سے

لحد میں کہنگی نے شکل میری اس قدر بدلی فرشتے حشر کے دن مجھکو پہچانیں گے مشکل سے

ارے او قیس دیکھی بے اثر دیوانگی تیری تری محمل نشیں لیلیٰ نے جھانکا بھی نہ محمل سے

وہ خونِ بے گنہ کو اپنے دامن تک سمجھتے تھے نظر آیا رنگا دامانِ محشر خونِ بسمل سے

رہے قائم تمہارا عکس اس میں شرط ہے اتنی تم اپنی آرسی دے دو بدلتے ہیں اپنے دل سے

زبانِ تیغ بھی چپ ہے دہانِ زخم بھی چپ ہے کسی سے داورِ محشر کے آگے ہو گی قاتل سے

وہ باتیں کچھ تو ہیں جن کا اثر ہے شمع پر اتنا اٹھی وہ جل کے خلوت سے اٹھی وہ رو کے محفل سے

کسی کا لطف خضرِ راہ ہو تو راہ آساں ہو ملے پیچیدہ جادے پاؤں جب نکلا سلاسل سے

نہ شرماؤ سکھاؤ شوخیاں ہم سن ہے کم سن ہے ذرا یہ منہ بندھی کلیاں ہنسیں بولیں عنادل سے

غبارِ راہ تو ہی کچھ مدد دے مجھے اٹھ کر ذرا پہنچا دے منزل تک پڑا ہوں دور منزل سے

ریاضؔ آئے تو کیوں کر حشر میں آئے مرے مالک

یہ دیوانہ ترا واقف نہیں آدابِ محفل سے

کبھی آسماں سے کبھی لامکاں سے
مرے گھر وہ آتی ہے اونچی دکاں سے

حرم میں بھی پہنچا تھا ناقوس دل سے
بڑا غل مچا آج میری اذاں سے

یہ پستی میں آتا ہے ہستی نہیں ہے
نہ پوچھو کہاں آئے ہیں ہم کہاں سے

بجھے دل سے کی آہ بلبل نے شاید
دھواں سا اٹھا آج کچھ آشیاں سے

گلی میں یہ کیا نقش پا ہیں عدو کے
بہت ملتے ہیں دیدۂ پاسباں سے

ہوئے چپ ہم ایسے چمن اب قفس ہے
قفس کل چمن تھا ہماری فغاں سے

یہ کس کے قدم آئے میری لحد پر
زمیں باتیں کرنے لگی آسماں سے

مرے کان ناقوس نے کچھ بھرے تھے
حرم میں کھٹکے آج شور اذاں سے

کبھی ہم بھی حلقے میں جا بیٹھتے ہیں
ہمیں بھی ہے کچھ لطف پیر مغاں سے

وہ دل ہی نہیں لے ہجوم تمنا
جدا ہو گیا ہے جرس کارواں سے

اٹھے گر کے تو پاؤں اٹھتا نہیں ہے
بچھڑنا ہی قسمت میں ہے کارواں سے

اٹھانے نہیں دیتے سر ہم کو سجدے
کہاں جائیں اٹھ کر ترے آستاں سے

ریاض ان حسینوں نے دولت لوٹ لی
مروت نہ کی کچھ شفیق الزماں سے

یہ کیا اثر ہی جو اپنے بھی اب پرائے ہوئے
کہ دل کو دیکھتے ہم پہ زہر کھائے ہوئے

وہ بولے حشر میں پہنچے جو سب ستائے ہوئے
شکار سامنے آئے ہیں چوٹ کھائے ہوئے

گئے کلیم کے بھی کچھ حواس آئے ہوئے
یہ کون حشر میں آیا نقاب اٹھائے ہوئے

ہمارے خون سے دامن رنگیں گے آج یہی
جو قتل گاہ میں ہیں آستیں چڑھائے ہوئے

پلا کے چھوڑیں گے ہم کو ضرور اے ساقی
یہ گھٹا ابر کے سر پہ ہیں چھائے ہوئے

ستم گروں میں ہوا ہے جو روزِ حشر شمار
خدا کے سامنے آئے ہیں منہ چھپائے ہوئے

دمِ خرام وہ کہتے ہیں اپنی ٹھوکر سے
وہیں نہ حشر سے فتنے ترے اٹھائے ہوئے

پکار ہے کہ جگہ لیں کنارِ رحمت میں
جو آبِ شرم سے محشر میں ہیں نہائے ہوئے

کبھی یہ نکلے بھی تو بن کے آہ نکلیں گے
ہمارے دل میں ہیں ناوک ترے لگائے ہوئے

بنائے جاتے ہیں کیا کیا بگاڑ کر نقشے
بگاڑے جاتے ہیں نقشے بنے بنائے ہوئے

شہید ناز کو دیکھا تو حشر میں بولے
یہ کون آئے ہیں خونِ جگر نہائے ہوئے

ہنسے جو چھو نے سے میرے شگوفے ہاروں کے
یہ سب نسیمِ سحر کے ہیں گدگدائے ہوئے

بنیں گے اٹھ کے نہ اب ہم غبارِ دامنِ حشر
پڑے ہیں کُنجِ لحد میں دبے دبائے ہوئے

جلیں ہم اور نہ جلنا ہے مثل بجھنے کے
چراغ صبح کے ہیں شام کے جلائے ہوئے

وہی ریاضؔ جو تھے بت پرست بادہ پرست
خدا کی یاد میں بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

دیکھ کر چاند کوئی چاند سی صورت دیکھی
صدقے اللہ کے اللہ کی قدرت دیکھی

بن سنور کر کہیں جانے کی مسرت دیکھی
آئینے میں کوئی سو بار تو صورت دیکھی

ہم نے سانچے میں ڈھلی نور کی صورت دیکھی
پی اِدھر اور اُدھر آنکھ سے جنت دیکھی

نہ کبھی گورِ غریباں کی خدا رات دکھائے
جب گئے دن میں برستی ہوئی حیرت دیکھی

کچھ خبر ہے تجھے او شام سے سونے والے
رات بھر بیٹھ کے ہم نے تری صورت دیکھی

ہم نے بھی میکدے میں جام لگایا منہ سے
جب برستے ہوئے اللہ کی رحمت دیکھی

آبلہ دل کا دکھایا انھیں تو یہ کہہ کر
آپ نے آرزوِ مردہ کی تربت دیکھی

آئی زمزم سے اُبل کر مرے لب تک اے شیخ
آج تو آپ نے رندوں کی کرامت دیکھی

بیٹھے دیکھا کئے وہ مہندی لگے پاؤں کے نقش
قبر کے پھول نہ شمع سرِ تربت دیکھی

نام سے بو کے سو رنگ بدلتے دیکھا
ہم نے اس پھول سی چہرے کی نزاکت دیکھی

قبرِ تیرہ میں کبھی کافر نہ ملی تجھ سے نجات
پھر تری آج جھلک دی شبِ فرقت دیکھی

تھی وہ بکھری ہوئی زلفوں کی بنائی ہوئی رات
ہم نے جس رات تری چاند سی صورت دیکھی

بت پرستی میں کہاں وہ کسی کافر کو نصیب
ہم نے اس یاد پرستی میں جو لذت دیکھی

روز یہ تیری گرج صور کی آواز بنی
ہم نے آتے ہوئے واعظ نہ قیامت دیکھی

کبھی صرصر کبھی آندھی کبھی پانی کبھی برق
آشیانے میں نئی روز مصیبت دیکھی

اپنی آنکھوں میں سمائے وہ کچھ ایسے سرِ بزم
آرسی میں کوئی سو بار تو صورت دیکھی

سوزِ دل تو نے دیا اس تری رحمت کے نثار
لطف تو یہ ہے جہنم میں بھی جنت دیکھی

تیغ کی طرح نگہ اب نہیں اوپر اٹھتی
حشر والو مرے قاتل کی ندامت دیکھی

پس توبہ بھی شبِ مے کدے کے چھلکتے ہوئے جام
آج ساقی تری آنکھوں کی مروت دیکھی

بات کیا ہے کہ چھپائے نہیں چھپتی صیاد
تو نے دل سوختہ بلبل کی شرارت دیکھی

بیٹھ تھی راہِ سفر کوئی تو رہتا ہشیار
دیدۂ دل کی ترے یا حضرت آپ نے غفلت دیکھی

مرے ساتھ حشر کا جھگڑا نہیں ہے
محبت میں امروز فردا نہیں ہے

وہاں جلوہ ہی جلوہ فرما نہیں ہے
مرا دل مدینہ ہے کعبہ نہیں ہے

جو ڈالوں نگہ طور سے اٹھے شعلہ
مری آنکھ کچھ چشمِ موسیٰ نہیں ہے

یہاں آ کے اٹھتے ہیں آنکھوں سے پردے
مدینہ ہے یہ طورِ سینا نہیں ہے

مبارک رہے ہو وہ رسوائے لیلیٰ
مجھے قیس کی طرح سودا نہیں ہے

نہ چشمِ بصیرت نہ ہم کو بصارت | کہے کون وہ کیا ہے وہ کیا نہیں ہے
نشیمن نہ جبریل اس پر بنائیں | یہ نخلِ مدینہ ہے طوبیٰ نہیں ہے
نہ تنکا ہے آنکھ کا دشتِ ایمن | ترا جلوہ برقِ تجلّی نہیں ہے
گرے کہتے شیدائے قامت کسی کے | یہ وہ راہ ہے جس میں سایا نہیں ہے
مدینے میں رہتی ہیں نیچی نگاہیں | ادب گاہ یہ ہے تماشا نہیں ہے
بہارِ لحد خلد میں یاد آئی | گھٹا وہ نہیں ہے وہ سبزا نہیں ہے
نہیں ہے کوئی دوسرا میرے دل میں | الے تو ہی تیری تمنا نہیں ہے
بہت کچھ ان آنکھوں سے دیکھا ہے میں نے | وہی ایک ہے جس کو دیکھا نہیں ہے
حرم کی اذاں پہنچے کیا میکدے میں | کسی کی وہاں کوئی سنتا نہیں ہے

ریاضؔ اس کو رہتا ہے اک غم کا نشہ
ادب سے حرم میں جو پیتا نہیں ہے

دلِ پروانہ دیا بزم میں کس دل سے مجھے | خوب گلدستہ ملا آپ کی محفل سے مجھے
قسمت کے دل روزِ ازل یہ ملی مشکل سے مجھے | جان پیاری نہیں کچھ آرزوِ دل سے مجھے
خار سے آبلے کو چھیڑ کے آہیں کرنا | کام گلشن سے نہ گل سے نہ عنادل سے مجھے
گوشۂ قبر میں بدست پڑا اٹھا کب سے | حشر میں لائے فرشتے بڑی مشکل سے مجھے
مدد اے دستِ جنوں کچھ مدد اے پائے جنوں | داغ لیتا ہی اچک کر مہِ کامل سے مجھے
بوئے حسرت میری تربت کہ نکلنا ہی پڑا | دلِ بسمل سے تجھے دیدۂ بسمل سے مجھے
چیخ اٹھیں گے مری آواز سے سب ای صیاد | دور رکھنا قفسِ افتادہ عنادل سے مجھے
ہو نہ ہو ان میں ہی کچھ کوہکن و قیس کی خاک | لینے آئیں گے بگولے کبھی منزل سے مجھے

بو بھی تلخی بھی بری چیز بھی توبہ توبہ — کسی کافر نے پلائی بڑی مشکل سے مجھے

مجھے فرمائشِ فریادِ جنوں گلشن میں — آپ سنوائیں گے کچھ آج عنادل سے مجھے

پاؤں سو جاتے تھے پہلے مری گاہے گاہے — نیند اب آجاتی ہے آوازِ سلاسل سے مجھے

گزری جب نجد سے لیلیٰ تو کہا چلا کر — کھینچتا ہے کوئی دل سینے سے محمل سے مجھے

حشر کچھ اور ہے کیا انجمنِ ناز نہیں — ڈر ہے واعظ تری اندیشۂ باطل سے مجھے

ہاتھ بھر کی ہے زباں اس کی وہ جو چاہے کہے — ہوتے قاتل کے گلا خنجرِ قاتل سے مجھے

کسی کافر سے ریاضؔ آپ نے کس دل سے کہا
آپ کے کام کا ہے کام نہیں دل سے مجھے

خانقہ ہی میں ہوں مینا ہے سبو ہے جام ہے — ہاتھ میں تسبیح ہے لب پر خدا کا نام ہے

صبح ہی خم سے نکلتا آفتابِ جام ہے — آج سورج کی کرن موجِ مئے گلفام ہے

میری راتیں وہ میری راتیں دن ہے سحر ہی شام ہے — صدقے میرے دورِ مے پر گردشِ ایام ہے

گل سے نازک تر وہ شے ہے پھول جس کا نام ہے — گل رخ و گل پیرہن گل پوش و گل اندام ہے

ان کا یہ کہنا سحر ہوتی ہے چھوڑو جان بھی — اور میرا ان سے یہ کہنا ابھی تو شام ہے

توبہ کرتے ہی بنا داغِ گنہ کوثر کا جام — اے میں صدقے میری توبہ کا ذریعہ جام ہے

آسماں تک جا چکی میری تڑپ اے شوقِ یار — اب نظر کے سامنے اک عرشِ زیبِ بام ہے

جوشِ گل میں پھونک دی صیاد دم میں روح — اور تیرا سو برس کا یہ پرانا دام ہے

جاؤں کعبے تو لگائے آنکھ سے شیخِ حرم — میکدے میں ساقیِ مے جامۂ احرام ہے

باغ خالی کر دیئے پھر بھی نہیں جاتی ہے جی — دوش پر صیاد کے ہر وقت اب بھی دام ہے

گالیوں کا سلسلہ یارب رہے یونہی مدام — چوم کر منہ کوئی محوِ لذتِ دشنام ہے

مر گیا دل آرزو میں کس کی ہو کر اب ہیں ۔۔۔ ایک چھتیس سی پڑی ہے رات دن کہرام ہے

وصل کی شب تیرے قربان صدقے تیری شام کے ۔۔۔ صبح کا ان کو گمان ہے کتنی روشن شام ہے

زور بازو دیکھ کر تعداد اسیروں کی بڑھا ۔۔۔ ایک جھٹکے کا ارے صیاد تیرا دام ہے

صحن زنداں سے ہمیں لے جائے صحرا ایک جست ۔۔۔ پختہ کاران جنوں یہ تو خیال خام ہے

او لحد بیمار کی تو نے بدلوا دی جگہ ۔۔۔ آج تو اس کو سکوں ہے آج تو آرام ہے

شوق میں دیدار کے پڑتی ہے کس کس پر نگاہ ۔۔۔ جس کے نیچے سینکڑوں موسیٰ ہیں تیرا بام ہے

رفتہ رفتہ آپ ہی یہ عشق بن جاتا ہے عشق ۔۔۔ کچھ عجب انداز اس کا ہے عجب انجام ہے

جس میں سوں محو رہی ہو نور کا ساغر ہے وہ ۔۔۔ جس میں سوں میں نے پی ہے وہ سفالیں جام ہے

میں ترے قربان تجھ سے کوئی ہو کیوں نا امید ۔۔۔ میرے مالک سن چکا ہوں تیری رحمت عام ہے

وقت آخر یاد فرمایا تجھے کس حسن سے ۔۔۔ ہچکیاں یہ کہتی آئیں وصل کا پیغام ہے

حضرت ساحر[1] یہ فرماتے ہیں خسرو ہے لیے یا حسن

ہم یہ کہتے ہیں غزل کہنا اسی کا کام ہے

دشمن ہزار بزم مسرت سے دور ہے ۔۔۔ آئے نہ یاد ان کی طبیعت سے دور ہے

وحدت پکارتی ہے وہ کثرت سے دور ہے ۔۔۔ ہر انکشاف راز حقیقت سے دور ہے

دونوں میں ایک تیرے لئے عیش ہو کہ غم ۔۔۔ میرا مقام دوزخ و جنت سے دور ہے

ہل چل میں حشر کی نہیں موقع وصال کا ۔۔۔ وقت وفائے عہد قیامت سے دور ہے

آئینہ مثال میں ہو حسن بے مثال ۔۔۔ لیکن وہ عکس عین حقیقت سے دور ہے

میں نے کریم جان کے تجھ کو کیے گناہ ۔۔۔ بخشے نہ تو مجھے تری رحمت سے دور ہے

---

[1] مہاراجہ بہادر محمود آباد اعلیٰ اللہ مقامہٗ

بنتے ہیں خارِ نجد عبث استخوانِ قیس
اُلجھاؤ میرے دامنِ وحشت سے دور ہے

توبہ کے بعد بھی مجھے پہنچے نہ تجھ سے فیض
ساقی یہ تیری چشمِ مروت سے دور ہے

میں گام زن ہوں بن کے سراپا خیالِ یار
ہر خار میری راہِ محبت سے دور ہے

اے شیخ اس کی چھاں بھی نہیں خلد کو نصیب
یاروں کا میکدہ تری جنت سے دور ہے

اس کی بلا سے چاہے قیامت کبھی نہ آئے
ہو جائے صبح یہ شبِ فرقت سے دور ہے

جانِ حزیں کو چھوڑ کے جاتا ہے تو کہاں
اے دل یہ تیری بات لطافت سے دور ہے

قابو کی چیز بن گئے عہدِ وفا سے آج
پیماں وہ توڑ دیں یہ نزاکت سے دور ہے

رحمت کا جوش دیکھوں گا یہ کہہ کے حشر میں
بندہ کوئی ترا تری رحمت سے دور ہے

پینے کے تو نہیں ہیں بس توبہ کبھی ریاض
ساغر سے ہاتھ اُٹھانا یہ حضرت سے دور ہے

بتوں کو شب میں بڑی فکر اس صدا کی ہے
کسی نے دردِ محبت کی بھی دوا کی ہے

شکست توبہ بھی اس کو قبول تو ہے ہی
یہ کچھ نہیں ہے کریمی مرے خدا کی ہے

چھلکتے جام کے ساتھ ایک جام ہے کورا
یہ آنکھ مست کی یہ آنکھ پارسا کی ہے

کسی کلی کی نہ چھوٹی تھی بو کبھی بلبل
چمن میں سب یہ اُڑائی ہوئی صبا کی ہے

سمجھ کے چپ ہیں تم مچا دیا کیوں شور
یہاں نماز تہجد ابھی ادا کی ہے

برس رہی ہے مے معصوم میں جو میرے گھر
ہمیشہ میکدے میں یہ گھٹا اُٹھا کی ہے

کسی حسیں کی طرح تھوڑی دیر کو مل جائے
مرے شباب نے مجھ سے بڑی دغا کی ہے

نثار عمرِ خضر ہے ایک ایک ساعت پر
بہت ہی مجھ سے مری عمر نے وفا کی ہے

گلے پہ اس نے پھیر دی ہے درست خنجر
کہ قتل کا مرے معلوم آج اس ادا کی ہے

غرض گناہوں سے یہ تھی کہ جاؤں دوزخ میں — مجھے جو بخش دیا یہ مری سزا کی ہے

یونہی سہی وہ کسی طرح کچھ زباں تو دیں — غلط سہی وعدے کی سو بار التجا کی ہے

سنگھا کے گیسوئے مشکیں وہ غش میں کہتے ہیں
ریاض ہوش کی لینے کبھی دوا کی ہے

نہ شبستاں ہے نہ اب شمعِ شبستاں کوئی — گھر کا یہ حال ہے جیسے ہو بیاباں کوئی

بن کے پیکاں رہے ایسا نہیں ارماں کوئی — بن کے ارماں رہے ایسا نہیں پیکاں کوئی

ہے شبِ وصل کہاں ہائے یہ کافر انداز — ہو رہا ہے مری چھیڑوں سے پریشاں کوئی

جان پڑ جائے مری آرزوِ مردہ میں — جھوٹا سچا لبِ جاں بخش سے پیماں کوئی

نہ اٹھوں دل میں لئے یادِ ستم حشر کے دن — اس ادا سے سرِ تربت ہے پشیماں کوئی

کہہ گئے نیند گئی رات کا آرام گیا — اُس کی تقدیر جو ہو آپ کا مہماں کوئی

شورِ سنگ سی اچھی ہے پری شیشے کی — ان بتوں کا نہ بنے بندۂ احساں کوئی

کسی جنگل میں بسے جا کے گلی سے تیری — نظر آتا نہیں اب چاکِ گریباں کوئی

جھانکنے کو ادھر آئی نہ کبھی بادِ بہار — جب سے ہم آئے نہ آیا سوئے زنداں کوئی

چھو گئی گوشۂ دامن سے تو چھپا جائے گی — خاک سے میری بچائے ہوئے داماں کوئی

غیر کے سر کی قسم ہنس کے کئے وعدۂ وصل — لے میں صدقے ترے کیا یہ بھی ہے آساں کوئی

گل کتر جائے کوئی پائے حنائی سے ذرا — میری مدفن کو بنا جائے گلستاں کوئی

رہیں سوتے میں الٹیں نہ لٹوں کی یونہی رخ پر — نہ ہٹائے نہ چھوئے زلفِ پریشاں کوئی

بات رہ جائے مری اس کے گنہگاروں میں — نہ بچے نامۂ اعمال سے عصیاں کوئی

دخترِ رز کو نہ زیاں دی نہ کبھی توبہ کی — عہدِ ناصح سے نہ بہلائے سے پیماں کوئی

لے جبیں کے کوئی بوسے نہ کہیں سوتے ہیں	چُن نہ لے ہونٹھوں سے سب آپ کے افشاں کوئی
ابھرے جوبن کے لئے آپ کو آخر نہ ملا	خم گردن کے سوا اور نگہباں کوئی
جو چلاتا ہے مجھی اس سے عوض لینے کو	دے دے اک چاند کا ٹکڑا شب ہجراں کوئی
گھر کا کیا ذکر ہے ہم دل میں اٹھا کر رکھ لیں	ہم کو مل جائے جو چھوٹا سا بیاباں کوئی
آرسی آئینہ اب دونوں نظر سے اترے	دل حیراں ہے کوئی دیدۂ حیراں کوئی
دور سے کیا نگہ شوق نے چھیڑا ہے انھیں	اپنی زلفوں کی طرح کیوں ہو پریشاں کوئی

حشر کے روز رہے لطف شب وصل ریاضؔ
عاقبت کے لئے اب چاہئے ساماں کوئی

کیا کہا دل میں بنا آ کے جو ارماں کوئی	ادھر آیا ہی نہیں ٹوٹ کے پیکاں کوئی
پھر نکل جائے گا رہ جائے جو ارماں کوئی	نیند آ جائے کہ آتا ہو پریشاں کوئی
ارے صیاد ہمیں گل ہیں نہ بلبل ہیں	داغ دل ہیں کہ قفس میں ہے گلستاں کوئی
اے حیا تو بھی نہ ہو تو بھی نہ ہو بیچ شب وصل	کہ نہیں ان کی نزاکت سا نگہباں کوئی
کہہ گئے پھیر کے منہ ظلم کی آخر حد بھی	آپ کے گھر آ کے نہ اب ہو کبھی مہماں کوئی
بخشنے والے کی رحمت کا تقاضا جو ہو	مجھ گنہگار سے رہ جائے نہ عصیاں کوئی
آرسی چور ہوئی آئینے ٹوٹے پھر بھی	ہر گھڑی سامنے ہو دیدۂ حیراں کوئی
حسرت وصل کا پہلے تو سنا شوق سے حال	پھر کہا بیٹھی ہو ارمانوں میں ارماں کوئی
رند پیاسے ہوں تو ہو جیتے سمندر پانی کے ریتے	زاہد خشک سا دیکھا نہیں انساں کوئی
جو ہوئے غیر سے وعدے وفا تا حشر	ایسے نازک میں نہ ٹوٹا کبھی پیماں کوئی
دیکھ لے تیر فگن دل میں ذرا دے کے شگاف	یہ نہ سمجھا ہو کہ پیکاں ہے کہ ارماں کوئی

انھیں مے خانوں میں ہیں پیرِ مغاں ایک سے ایک — قبلۂ دیں ہے کوئی کعبۂ ایماں کوئی
دل میں آباد تھی ارمانوں کی دنیا کیسی — اب تو بھولے سے بھی آتا نہیں ارماں کوئی
اے جنوں اب کی بہار آئے گی تو کیا ہوگا — غل ہے دیوانوں میں خالی نہیں زنداں کوئی
کون دے دادِ سخن حضرتِ استادؔ کے سوا — اب سخنور ہے کوئی اب نہ سخنداں کوئی

اب مجھے پیرِ خرابات کا ہے حکم ریاضؔ
جا کے آباد کرو مسجدِ ویراں کوئی

تا عمر مزے دور رہے و جام کے اٹھتے — ہم قبر سے پیاسے مے گلفام کے اٹھتے
جب ٹوٹے ہوئے ٹکڑے مے و جام کے اٹھتے — میخانے سے کچھ ڈھیر مرے نام کے اٹھتے
ہم جا کے تہِ دام دبے پاؤں نکل آئے — قسمت سے کنارے تھے کچھ اس دام کے اٹھتے
کل اس کی گلی میں کوئی سو بار گرے آئے — تا صبح نہ بیٹھے کہیں ہم شام کے اٹھتے
میخانے میں جا کر عوضِ دُرد لگا آئے — جب دام نہ کچھ جامۂ احرام کے اٹھتے
یہ کہہ کے شبِ وصل ہمیں چھیڑ رہے ہیں — پہلو سے ہمارے کوئی دل تھام کے اٹھتے
اس قصہ سے موسیٰ کو غش آیا ہی اٹھا لائیں — کچھ شانہ نشیں آج ترے بام کے اٹھتے
بیتاب کیا لذتِ دشنام نے ایسا — منہ چومنے عاشق ترے دشنام کے اٹھتے
فرہاد سے کوئی نہ بڑھا تیشہ زنی میں — اٹھنے کو کئی آدمی اس کام کے اٹھتے
ہم سائلِ میخانہ جم و کے سے نہیں کم — چلو سے اگر پی تو مزے جام کے اٹھتے
جنبش بھی نہ ہو کتنے ستم پیشہ ہیں صیاد — پر کاٹتے مرغانِ تہِ دام کے اٹھتے

جب کہہ کے ریاضؔ اس نے پکارا سرِ محفل
بن بن کے کئی آدمی اس نام کے اٹھتے

کہاں سے میکدے میں آئی کیوں آئی کہاں آئے — یہی شیخ حرم ہیں بن کے جو پیر مغاں آئے

چلے ساغر سبو اچھلے کہے مینا کہاں آئے — مزا آئے ادھر واعظ ادھر پیر مغاں آئے

پرانے یار بچپن کے ہیں قیس و کوہکن دونوں — سنانے آج ہم کو اپنی اپنی داستاں آئے

جگہ دی تھی فلک نے سایۂ دیوار دشمن میں — یہاں بھی جان لینے تم نصیب دشمناں آئے

یہ میخانہ ہے سنتا کون آہستہ بگوشوں میں — بنے وہ قلقل مینا اگر شور اذاں آئے

مقام ایسے پڑے رستے میں جس میں عشق کا عالم تھا — چلے تو سامنے آنکھوں کے تا حد امکاں آئے

بکے اتنے کہ آئیں پوچھنے پورے خمکدے لدکر — حرم کی راہ میں کوئی اگر مے کی دکاں آئے

کسی کی یاد آتی ہے مرے لب پہ نہیں آتی — فرشتے قبر میں لینے جو میرا امتحاں آئے

کہیں صیاد دل سے آرزو جائے رہائی کی — ہوا ایسی چلے اڑ کر قفس تک آشیاں آئے

مجھے واماندگی میں تھی بہت امید — مرے کانوں میں آواز جرس کا کارواں آئے

یہ ہم سے ناتواں کو سایۂ دیوار نے پیسا — ہوا معلوم ہم کو آج زیر آسماں آئے

گلی سے ان کی ہٹ کر کون آئے یہ کہتا تھا — کہ مجھکو نیند جیتے جی بھی لے پاسباں آئے

جھکے خم بھی سبو بھی جام بھی مینا بھی اے ساقی
ریاض آئے میخانے میں یا پیر مغاں آئے

طور سینا مجھے اللہ یہ سینا ہو جائے — طور کیا جلوۂ پیہم سے مدینا ہو جائے

جیتی جی نزع کی موت آ کے [illegible] — شوق دیدار میں مشکل مجھے جینا ہو جائے

لے لو دم اور بھی تھوڑا سا [illegible] — ہم بھی چلتے ہیں فراخ اتنا سینا ہو جائے

وہ مینا جو لب تو بہ کا [illegible] ساقی — [illegible] ہو اشکوں سے پینا ہو جائے

شول کھینچے یہ مری [illegible] پہ — [illegible] ایک مینا ہو جائے

پھول برسائے عوض صاعقے کے مے کا فروغ — شجرِ طور تری بزم میں مینا ہو جائے

دل کا کیا ذکر جگہ بھی نہ ہو تل دھرنے کی — اس قدر نور سے معمور یہ سینا ہو جائے

یوں خمِ گنبدِ خضرا کی طرف روح کھنچے — میکدہ کوئی بھی ہو وہیں مجھے پینا ہو جائے

رات دن تیری تجسس میں تگ و دو یہ رہے — خون جمتا ہے رگوں میں تو پسینا ہو جائے

ہائے وہ مے کہ جو دو گھونٹ گلے سے اترے — نور واں رخ سے خجالت کا پسینا ہو جائے

سایۂ تاک میں ہے دعوتِ زہاد ریاضؔ
کہیں ہر دانۂ انگور نہ مینا ہو جائے

نام کے نقش سے روشن یہ نگینہ ہو جائے — کعبۂ دل مرے اللہ مدینہ ہو جائے

وہ چمک درد کی ہو دل میں کہ بجلی چمکے — دامنِ طور ذرا آج یہ سینہ ہو جائے

تو جو چاہے ارے او مجھ کو بچانے والے — موجِ طوفانِ بلا اٹھ کے سفینہ ہو جائے

دیکھ کر بزم نشیں تیرے یہ ہنگامۂ حشر — چاہتے ہیں تری محفل کا قرینہ ہو جائے

ظلمتِ کفر سے بڑھ کر ہے سیاہی دل کی — دور کیوں کر دلِ اغیار سے کینہ ہو جائے

آنکھ میں نقش سرِ طور ہو گنبد کا کلس — شرف اندوزِ زیارت یہ کمینہ ہو جائے

پی لے بھولے سے بھی دو گھونٹ جو میری خم کی — سینۂ شیخ معارف کا خزینہ ہو جائے

دل ہے ہاتھ میں تیرے مرے پہلو کے عوض — چاہتا ہوں ترے خاتم کا نگینہ ہو جائے

اس کی تقدیر جو پامال ہو تیرے در پر — اس کی تقدیر ہے جو خاکِ مدینہ ہو جائے

جان کی طرح تمنا ہے یہی دل میں ریاضؔ
مروں کعبے میں تو منہ سوئے مدینہ ہو جائے

غروب حشر کا اب آفتاب ہوتا ہے — نقاب اٹھتی ہے وہ بے نقاب ہوتا ہے

بس ایک رات کا مہماں شباب ہوتا ہے — غروب صبح کو یہ آفتاب ہوتا ہے

بلند خم سے وہ جام شراب ہوتا ہے — طلوع میکدے میں آفتاب ہوتا ہے

جب ان کے ہاتھ میں جام شراب ہوتا ہے — حرام شے کا بھی پینا ثواب ہوتا ہے

جو ساتھ دے تو یہ دنیا سوا ہے جنت سے — مزے کی چیز الٰہی شباب ہوتا ہے

کچھ اس سے بڑھ کے نہیں ہے بساط انساں کی — ہوا میں بھر کے جو قطرہ حباب ہوتا ہے

پناہ مانگے گی دوزخ بھی ایسے مجرم سے — کہ دل میں شرم سے جو آب آب ہوتا ہے

خراب ہی کہیں رہ جائیں دن جوانی کے — سنا تو ہے یہ زمانہ خراب ہوتا ہے

عجیب حال ہے اس کارگاہ ہستی کا — ہر ایک پل میں نیا انقلاب ہوتا ہے

غضب ہے وصل میں ہنگامہ آفرینئ شوق — کچھ اضطراب سا وہ اضطراب ہوتا ہے

بنا حجاب نگہ برق طور کا دامن — وہ حسن کیا ہے جو زیر نقاب ہوتا ہے

لحد میں رہ کے مجھے حشر کا ہوا اب دھڑکا — کہیں وہ جائیں عدو ہم رکاب ہوتا ہے

ضرور رند خفا کوئی جو کہہ گیا اے شیخ — یہ خانقاہ میں کیا اے جناب ہوتا ہے

نقاب اٹھے بھی مگر رخ سے یہ نہیں اٹھتا — حجاب شرم بھی زیر نقاب ہوتا ہے

یہ حشر جس سے ڈرے تھے عجیب دن نکلا — حساب ہو کے کرم بے حساب ہوتا ہے

نکل کے زلف سے بنتا ہے زلف کا فر دل — عجب طرح کا اسے پیچ و تاب ہوتا ہے

نہ پوچھا وہ ہمیں حشر میں تو کیا ہوتا — ہم ایسے ہیں کہ ہمارا حساب ہوتا ہے

جناب شیخ کی دعوت میں وہ ضرور بہت — مزے کی شے بڑے کا کباب ہوتا ہے

بڑا مزا ہے ترے ساتھ بادہ نوشی میں — کلیجا غیر کا جل کر کباب ہوتا ہے

تری نقاب بھی اس کو چھپا نہیں سکتی — جو رنگ چہرے کا وقت عتاب ہوتا ہے

مزے کی ہوتی ہیں مشتاق دید سے باتیں　　کلیم ہوتے ہیں ان سے خطاب ہوتا ہے

ہمارے دیدہ و دل میں سمائے رہتے ہیں　　ہمیں سے پردہ ہمیں سے حجاب ہوتا ہے

یہ عمر وہ ہے کہ جا کر حرم میں بیٹھ رہے

ریاضؔ میکدے میں کیوں خراب ہوتا ہے

میرے ساقی ترے تبسم سے　　جام چھلکے چھلک پڑے خم سے

پھول برسائیں وہ تکلم سے　　بجلیاں بھی کبھی تبسم سے

تو اگر چاہے تو مری کشتی　　کرے اٹکھیلیاں تلاطم سے

آئے مینا سے جام میں جب تک　　ہم نے پی لی کھڑے کھڑے خم سے

ڈال دے جان قلقلِ مینا　　قل کے بدلے یہ کام لے قم سے

تم ذرا حشر میں الگ سن لو　　مجھے کہنا ہے آج کچھ تم سے

بڑھ کے کوثر سے ہے یہ مئے ساقی　　پھول برسے ترے تبسم سے

لن ترانی سنوں تری سرِ طور　　برق چمکے ترے تکلم سے

طے کئے ہیں یقین کے درجے　　ہم بہت دور ہیں توہم سے

ایسی کیا چیز خم میں تھی ساقی　　نہ فلاطوں نکل سکا خم سے

اے صبا دل بھی گل بھی گلشن میں　　کھلتے ہیں موجوں کی ترنم سے

اٹھے اس کوہ سے پھر ابرِ سیاہ　　جھک کے پی جائے کچھ مرے خم سے

ان کو پایا بھی یوں تو کیا پایا　　حشر میں بیٹھے ہیں وہ کچھ گم سے

چھوٹی الجھن سے نزع کے مری جاں　　نکلی کشتی مری تلاطم سے

رحم مجھ پر عذاب میں بھی رہے　　ہے امید آپ کے ترحم سے

خوب کعبے سے دیر میں آئے
ہم ریاض آج خوش ہوئے تم سے

بوسے کے بدلے گالی ہی دے تو کبھی کبھی — کچھ اس سے بڑھ کے اے بت بدخو کبھی کبھی
کیوں کر نہ یاد آئے بھری بزم ناز میں — کہنا کسی کا ہائے مجھے تو کبھی کبھی
دیکھوں گلے پر اپنے انھیں چلتے ورے — خنجر بنے کھنچے ہوئے ابرو کبھی کبھی
زاہد ترے لئے ہی بہت اتنی بات بھی — ظرف وضو شراب کی دے بو کبھی کبھی
گنتی میں کم پڑیں تری نازک کمر کے بل — لہرائیں یوں کھلے ہوئے گیسو کبھی کبھی
ڈھلتی ہے ساتھ خضر کے سبزے کے فرش پر — بیٹھے ہیں وہ بھی آکے لب جو کبھی کبھی
اٹھتی رہیں نگاہیں ادھر بزم ناز میں — ہوتے رہیں جو تیر ترازو کبھی کبھی
موقع ہو تو مزے کی ہے رندانہ یہ ادا — لے بادہ نوشو باندھ کے چلو کبھی کبھی
جیسے ہمارے زخم جگر کے لہو کی بوند — ایسے بھی آئے آنکھ میں آنسو کبھی کبھی
برگشتہ دل سے ہی جو مژہ تو زباں سے — گھر پر ہمارے پھیر لی ہو جھاڑو کبھی کبھی
جنگل میں بیٹھے بیٹھے سے مانوس ہو گئے — ملتے ہیں آنکھ تلووں سے آہو کبھی کبھی
کچھ کچھ انھیں بھی آئی ہنسی روکنا پڑی — پینا پڑے ہمیں بھی کچھ آنسو کبھی کبھی

جا کر جناں میں کچھ لب کوثر جھجک نہ ہو
اڑتی رہے ریاض لب جو کبھی کبھی

چمن میں بوئے گل رہتے کسی پہ کیوں گراں ہوتے — نہ شاخیں ہم سے بل کرتیں نہ دشمن باغباں ہوتے
بٹھا کر چپ رہا میں ورنہ کوئی بات اٹھ رہتی — سر محفل مرے منہ پر مرے لاکھوں بیاں ہوتے
ارے واعظ کہاں کا لامکاں عرش بریں کیسا — چڑھی ہوتی جو کچھ تو ہم خدا جانے کہاں ہوتے

خدایا مجھ حریصِ جور کا کچھ کام چل جاتا ۔۔۔ زمیں پر جتنے ذرّے ہیں جو اتنے آسماں ہوتے

تمہارے بام سے نالے جو ہم کرتے تو یہ ہوتا ۔۔۔ کبھی وہ تارے بن جاتے کبھی وہ کہکشاں ہوتے

بتانِ سنگ دل کو موم ہوتے ہم نے دیکھا ہے ۔۔۔ جو وقت آ پڑا دکھا دیں گے خدا کو مہرباں ہوتے

مقدر میں جو مرغانِ چمن برباد ہونا تھا ۔۔۔ تو کیسی شاخِ گل موجِ ہوا پر آشیاں ہوتے

نہ چھیڑا میں نے سوتے میں بھی ایسا پاک طینت ہوں ۔۔۔ خدا ناکردہ مجھ سے یہ حسیں کیوں بدگماں ہوتے

ریاضؔ اس سن میں دنیا سے نرالے تم نظر آئے
تمہیں کو ایک دیکھا ہے بڑھاپے میں جواں ہوتے

ہاں گنہ جان کے یہ کام روا رکھا ہے ۔۔۔ اس کے جلوے کے سوا جام میں کیا رکھا ہے

گھر خدا کا اُسے کہنے کو بنا رکھا ہے ۔۔۔ جا بھی زاہد کہیں کعبے میں خدا رکھا ہے

سامنے جامِ مئے ہوش رُبا رکھا ہے ۔۔۔ مگر اے شیخ مصلّے سے جدا رکھا ہے

میرے ساغر میں یہ صنعت ہے دکھائی شیشہ گر ۔۔۔ ہو جو خالی بھی تو سمجھوں کہ بھرا رکھا ہے

زخم ہی زخم ہوں دل میں تو نہیں کچھ وہ بھی ۔۔۔ درد میں اور ہی کچھ اس نے مزا رکھا ہے

بے طرح ٹوٹتے ہیں دیکھتے ہی دور سے وہ ۔۔۔ تم نے اچھا سگِ دربان کو لگا رکھا ہے

رنگ یوں محفلِ ماتم کا جماتا ہے کوئی ۔۔۔ ہاتھ میں آپ کے اب رنگِ حنا رکھا ہے

اسی اُمید پہ آ جاؤں میں اس میں شاید ۔۔۔ اُڑ گیا ہوں تو قفس کر کے کھلا رکھا ہے

گل کھلاتے ہیں ترے نقشِ قدم رستے میں ۔۔۔ نامہ بر نام ترا اس نے صبا رکھا ہے

لاکھ فتنے ابھی اُٹھیں گے گلی میں تیری ۔۔۔ میرے جلتے ہی ابھی حشر بپا رکھا ہے

چین آتا ہی نہیں پاس نہ جب تک تم ہو ۔۔۔ اے حسینو ہمیں اس دل نے ستا رکھا ہے

بار ہم کو ہیں یہ کاندھے کے فرشتے ہر چند ۔۔۔ نیک بد کیسی بڑے ساتھ لگا رکھا ہے

بزمِ جم میں مجھے جانا ہے ذرا لا نا تو
بے کھٹکا لا جو مرا جام نیا رکھا ہے

میں نہیں تو مرے گھر پیاس بجھانے آؤ
کانٹو اب دشت میں کون آبلہ پا رکھا ہے

اس دلِ آزار کو تو آکے مرے دل سے نکال
کہ تمنا نے مری تجکو ستا رکھا ہے

خم لنڈھاتے مگر اے شیخ تری پینے کو
ایک چھوٹا سا سبو ہم نے لگا رکھا ہے

کوڑی کوڑی تجھے دیدیں گے ہم اے بادہ فروش
ہاتھ پھیلاتے ہی سب قرض ادا رکھا ہے

اے جنوں غم نہیں کچھ جائے جو جاتی ہے بہار
کہ کفن پہلے ہی پھولوں میں بسا رکھا ہے

جتنی پیتا ہوں نکل جاتی ہے آنسو بن کر
یہ گنہ اپنے لئے میں نے روا رکھا ہے

جا بیٹھے بھی وہ اثر کرکے دل میں پہنچا
قبر پر اب کہیں نقشِ کفِ پا رکھا ہے

ڈھونڈے ملتا نہیں دل میں نہیں پیکاں اپنا
جان کی طرح اسے ہم نے چھپا رکھا ہے

کہہ گیا کون مبارک شبِ فرقت تجکو
کس کی تصویر کو سینے سے لگا رکھا ہے

ڈھونڈے دنیا اسے ہم راز بتانے کے نہیں
صدقے اس کے جسے اس دل میں چھپا رکھا ہے

تجکو جنت تو ہو دوزخ دلِ کافر کو نصیب
فیصلہ روزِ جزا پر یہ اٹھا رکھا ہے

آج اٹھائیں اسے بھی حشر اٹھانے والے
وہ بھی ہیں اور جنازہ بھی مرا رکھا ہے

ڈر ہے کیا حشر کا دن رات پیو خوب ریاضؔ
دیر توبہ کی ہے سب کام بنا رکھا ہے

آب یا دو کس میں ہے باہم چشمک ہوتی ہے
میری آنکھ میں آنسو ہے ان کے کان میں موتی ہے

شمع فسردہ بجھتی ہے سونی محفل ہوتی ہے
حسرت بیٹھی دل میں اب میری جان کو روتی ہے

موتی ہو وہ اشک نہیں آنسو کالا موتی ہے
شاید میری ہجر کی شب منہ کی سیاہی دھوتی ہے

میری آنکھ کا تارا ہے آنسو میری قسمت کا
قسمت کو میں روتا ہوں قسمت مجکو روتی ہے

زخمِ جگر کی بخیہ گری اب ہے مژہ کی سوزن سے
حق میں ہمارے بڑھ بڑھ کر اور یہ کانٹے بوتی ہے

ساحل نہ ہے دور سوا نہ ساحل سے دور سوا
قسمت قعرِ سمندر میں کشتی آج ڈبوتی ہے

دل پر نقشِ مہر و وفا دو دن کی تو بات نہیں
کوئی بھی ہو دل میں جگہ ہوتے ہوتے ہوتی ہے

گردوں تو دوشیزہ نہ ہے یہ عجوزہ سنتا ہوں
دنیا جس کو کہتے ہیں پیرِ فلک کی پوتی ہے

نام نہ لے پھر جانے کا کعبے کو یہ شیخِ حرم
آؤ بھگت میخانے میں زاہد ایسی ہوتی ہے

جان چھڑانا مشکل ہے ظالم آج قیامت کو
تیری چال کے فتنوں نے کیسی آفت جوتی ہے

پرخمِ زلف کو سودا ہے بل کم ہونے جاتے ہیں
سب کے دل لے کر کچھ اور گرہ سے کھوتی ہے

پی پی کر میں رونا ہوں رو رو کر میں پیتا ہوں
داغ جو کوئی پڑتا ہے توبہ دامن دھوتی ہے

ہاتھ پر اپنے ہاتھ دھرے حشر کے دن چپ بیٹھا ہوں
اشکِ ندامت اُمڈے ہیں توبہ دامن دھوتی ہے

حد سے بڑھی تاثیرِ جنوں سر تا پا تصویرِ جنوں
شکل ریاضؔ اب دیکھیں کیا دیکھ کے وحشت ہوتی ہے

سن کے اس کو خواہشِ دیدار کچھ یونہی سی ہے
ہنس کے بولے نرگسِ بیمار کچھ یونہی سی ہے

وقتِ آخر حسرتِ دیدار کچھ یونہی سی ہے
آنکھ میں اٹکی یہ جانِ زار کچھ یونہی سی ہے

بوسۂ لب پر بڑھی ہے بات ان سے روزِ وصل
بات کیا ہے بات کی تکرار کچھ یونہی سی ہے

اتنے کس بل پر دبا لینے میں کیوں لب ہائے زخم
آپ کی نازک سی یہ تلوار کچھ یونہی سی ہے

خون پانی ایک کر دے ڈوب کر اتنی نہیں
آبلے میں ڈوبی نوکِ خار کچھ یونہی سی ہے

پستے ہیں لیکن حنا بن کر نہیں پستے ہیں دل
آپ کی بھی شوخیِ رفتار کچھ یونہی سی ہے

مر کے ہم دادِ وفا دیں تو بھی کچھ پرسش نہیں
یونہی سی ہے حسن کی سرکار کچھ یونہی سی ہے

جب کبھی دیکھا تو دیکھا ٹکٹکی باندھے لیے
نرگسِ بیمار بھی بیمار کچھ یونہی سی ہے

پیے بہ پیے جرعۂ وہ آبِ آتشیں کے اب کہاں
یہ بھی تو اب گرمیٔ گفتار کچھ یونہی سی ہے

اے قیامت اس گلی میں جا کے تجھکو کیا ہوا
سیدھی سیدھی بات تیری رفتار کچھ یونہی سی ہے

لطفِ گلگشتِ چمن تھا ساتھ جن کے وہ کہاں
خواہشِ سیرِ گل و گلزار کچھ یونہی سی ہے

اُڑنے والی شے یہ سب کے ہاتھ آجاتی ہے کیا
ہے مگر یہ بخت نا ہشیار کچھ یونہی سی ہے

اُٹھ گیا سایہ نشیں تھا غیر بھی میرے ہی پاس
اب گرانیٔ سایۂ دیوار کچھ یونہی سی ہے

جا چکے دوزخ میں جانا تھا جنھیں باقی ہیں کچھ
حشر کی اب گرمیٔ بازار کچھ یونہی سی ہے

طور پر کچھ دیکھ کر بھی ہم کو غش آتا نہیں
برقِ جولانی سرِ کہسار کچھ یونہی سی ہے

کیا سبو کے بدلے اُچھلے کچھ سبوچے اے ریاضؔ
مے سے رنگیں شیخ کی دستار کچھ یونہی سی ہے

ابھی پی لی شراب پی لی
جیسی پائی شراب پی لی

پی لی ہم نے شراب پی لی
آگ تھی مثلِ آب پی لی

تشنہ تھا جب شباب پی لی
بھیگیں جو مسیں شراب پی لی

عادت ہی ہو نشہ ہے نہ اب کیف
پانی نہ پیا شراب پی لی

اب روزِ حساب کا ہے دھڑکا
پینے کو بے حساب پی لی

خُم کے خُم آج کیوں ہیں خالی
ساقی کو ملا جو اب پی لی

مکتب میں پڑھے قیس اب کیا
جب گھول کے سب کتاب پی لی

بے جان ہے کہ چیز خلد کی ہے
پینا سمجھے ثواب پی لی

میں مست ہوں رند صائم الدہر
ڈوبا جب آفتاب پی لی

کالی گوری کوئی نہ چھوڑی
افیون کھا لی شراب پی لی

توبہ کے بعد اب یہ ہے حال | بھولے سے کبھی شراب پی لی
چھوڑے کئی دن گزر گئے تھے | آئی شبِ ماہتاب پی لی
قے ہے تیری کہ ہے کفِ بحر | کتنی تو نے حباب پی لی
ہے اس سے نبیض ملتی جلتی | نکلا نہیں آفتاب پی لی
منہ چوم لے کوئی اس ادا سے | سرکا کے ذرا نقاب پی لی
ہم نے کو بھی آج زہر سمجھے | تھی ہجر کی شب عذاب پی لی
اتنی کہ نہ آئے نزع تک ہوش | توبہ کا ہوا سدِ باب پی لی
منظور تھی شستگی زباں کی | تھوڑی سی شرابِ ناب پی لی

ڈاڑھی کی نہیں ریاضؔ اب شرم
جب پا گئے بے حساب پی لی

یہ سن کے بزمِ واعظ ہی کچھ دل میں آ گئی | حجلہ نشین خم بھری محفل میں آ گئی
لیلےٰ کچھ اس ادا سے ترے دل میں آ گئی | اے قیس جیسے اپنے ہی محمل میں آ گئی
موت آئے یا نہ آئے مزا آ گیا ہمیں | جاتے ہی نیند کوچۂ قاتل میں آ گئی
اب رات دن کہاں سرِ خم جرعہ نوشیاں | کیا جانے کیوں کمی سی مشاغل میں آ گئی
یوں آئی آج آئی جو تقدیر راہ پر | اس کی کجی بھی جادۂ منزل میں آ گئی
جب کام ہم نے ناخنِ تدبیر سے لیا | سختی کچھ اور عقدۂ مشکل میں آ گئی
بیٹھی کچھ اس طرح کہ نہ کشتی ابھر سکی | منزل ہماری دوریٔ ساحل میں آ گئی
آئے صبا شگفتہ نہ آئے نوا انقباض | خوبو کچھ ان گلوں کی عنادل میں آ گئی
صدقے اداۓ ناز کے قاتل نے بعد ذبح | دیکھا جو مڑ کے جان سی بسمل میں آ گئی

شاید مرض جنوں کا ہو اب انحطاط پر — کچھ نیند آج شورِ سلاسل میں آگئی

اس طرح بجلیوں کی ایک شب بیچ پڑے — رونق سی کشت زار کے حاصل میں آگئی

وہ حسرت ہے کہ خلد میں اب اٹھ کے جا چکے — ہم کو تو موت کوچۂ قاتل میں آگئی

سجادہ خانقہ سے پس ختم جو آ رہا

یہ کیا ہوا ریاض یہ کیا دل میں آگئی

اب وہ شب وصال نہ روز وصال ہے — دن ہو کہ رات ہیں ہوں کسی کا خیال ہے

کوئے مغاں ہے ہاتھ میں جام سفال ہے — میں جیب ہوں فقیر کی صورت سوال ہے

مل جائے جس کسی کو وہی لالوں لال ہے — کیا چیز ان حسینوں کے منہ کا اگال ہے

جانے سے میرے آتش دوزخ نہ سرد ہو — میری جبین پر عرق انفعال ہے

کس لطف سے شباب کی ہوتی ہے بازگشت — خلوت ہے مے ہے اور مئے کہنہ سال ہے

نقش قدم انھیں کے مری آنکھوں میں پتلیاں — پھرتے ہیں وہ دلوں میں یہی ان کی چال ہے

غفلت جو ہو تو کچھ بھی نہیں روز و ماہ و سال — غفلت نہ ہو تو دن تو ہمیشہ ہے سال ہے

جس طرح لطف پا ہیں تصور میں ہم انھیں — بے پردہ جو حسین ہے اپنا ہی مال ہے

دوڑے گی خون بن کے اترتے ہی حلق سے — جو کالی کالی بوتلوں میں لال لال ہے

بے پردہ جو حسین ہیں انھیں یہ سمجھ نہیں — ستر ہزار پردوں میں کس کا جمال ہے

بلبل میں گل میں عاشق و معشوق کا ہے فرق — گل پات پات گر ہے تو وہ ڈال ڈال ہے

کہتی ہے مجھ سے روز مری لذت گناہ — توبہ کہ توبہ کے بعد بُرا احتمال ہے

صیاد کے سہارے کو بے پر دیکھتے ہم — ٹوٹا سا اک قفس ہے پرانا سا جال ہے

منہ کو مژہ چھپا لے جسے وہ نگاہ شوق — طے کر سکے حجاب ہزاروں محال ہے

وحشت ادائے خاص ہے حسنِ شباب کی
آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں کہ وحشی غزال ہے

آئے اسیرِ زلف کے قابو میں کیا پری
شیشے میں کیا آتا ہے کہ شیشے میں بال ہے

ٹھکرا ئیں بھی نہ پائے حنائی سے وہ اسے
دل مجھ غریب کا ہے کہ مفلس کا مال ہے

محشر میں اٹھ لیے گا نہ کچھ میرے واسطے
باتیں بنانے میں تجھے ظالم کمال ہے

چھیڑے گا گدگدائے گا تم کو ستائے گا
یہ دستِ شوق کیا کوئی دستِ سوال ہے

دنیا سے اٹھ رہی ہے مروت ہے جس کا نام
آنکھوں میں ان حسینوں کے بس خال خال ہے

احباب بھی مجھی سے ملے مجکو اے ریاضؔ
آشفتہ دل کوئی کوئی آشفتہ حال ہے

میخانے میں کیا صبح نہیں شام نہیں ہے
جنت میں ہوں دونوں سے مجھے کام نہیں ہے

پینے سے پلانے سے ہمیں کام نہیں ہے
وہ دن گئے اب شغل مے و جام نہیں ہے

دنیا میں سوا شغل کے کچھ کام نہیں ہے
غافل کوئی مے نوش مے آشام نہیں ہے

بوتل تو چھپائے نہ چھپائے مری عیب
ایسا تو مرا جامۂ احرام نہیں ہے

ہے صبحِ شبِ وصل عدو کوئی بلا اور
اے گورِ غریباں وہ تری شام نہیں ہے

تھی یہ بھی کفِ ناز میں سانی گئی یہ بھی
اے تیغِ حنا قابلِ الزام نہیں ہے

ہم وہ میں برابر ہیں جنت و دوزخ
ہم ایسوں کا محشر میں کوئی کام نہیں ہے

گہوارے میں گردش کے جھلاتا ہی مجھے چرخ
صورت تو ہے آرام کی آرام نہیں ہے

ہاتھ آئے تو صیاد ترے ہاتھ نہ آئے
سایہ ہے مرا مرغ تہِ دام نہیں ہے

دن رات وہی ہیں مگر اللہ رے تغیر
خلوت میں بھی اب شغلِ مے و جام نہیں ہے

جانے کو بہت ہے نفسِ سرد چمن تک
تو بادِ صبا جا کوئی پیغام نہیں ہے

چوسے تو نہیں غیر نے شب کو لب شیریں | جو کل تھی وہ اب لذت دشنام نہیں ہے
چبھتی ہوئی اک پھانس ہے ہر سانس سکوں کی | دنیا میں کسی کے لیے آرام نہیں ہے
اب گوشۂ دامن کو ترے بار نہ ہوگا | دل میں وہ ہجوم غم و آلام نہیں ہے
وہ لاکھ خدا ان کے ستائیں بت کافر | ان باتوں کا اچھا کبھی انجام نہیں ہے
تجھسے بھی گئے گزرے ہیں کتنے گرانے قفس | فہرست میں یاروں کے مرا نام نہیں ہے
گھر غیر کے جاتے ہوئے ڈرتی ہے شب غم | اے جان وہ اتنا تو سیہ فام نہیں ہے
اے طور مرے کعبۂ دل کی ہے عجب ساخت | کہتے ہیں جسے عرش یہ وہ بام نہیں ہے
واقع میں یہ ہی نائب سرکار کی تعریف | اسلوب بیان قابل الزام نہیں ہے

سرکار عطا کرتے ہیں تو بھی نہیں ملتا
قسمت میں ریاض آپ کی انعام نہیں ہے

پردہ تو ہے پردے سے جلوہ نظر آتا ہے | جلوہ ہی ترا سب کو پردہ نظر آتا ہے
خم عرش سے بھی اونچا اونچا نظر آتا ہے | دو گھونٹ اترتے ہی کیا کیا نظر آتا ہے
نازک سی کلی سوکھا کانٹا نظر آتا ہے | مجنوں مجھے صحرا میں لیلےٰ نظر آتا ہے
کوچہ ہو ترا ظالم یا دل ہو مرا ظالم | اک حشر بہاں ہر دم برپا نظر آتا ہے
مژگاں نے مرے حق میں بوئے ہیں جو کانٹے | تا حد نظر مجکو صحرا نظر آتا ہے
میں ضبط جو کرتا ہوں سنسن کے وہ کہتے ہیں | بند آنکھ کے کونے میں دریا نظر آتا ہے
اٹھتی نظر آئی ہے سادن کی گھٹا شاید | جھکتا مرے پیمانہ مینا نظر آتا ہے
دامان زمیں تر ہے گو خون سے دنیا کے | خنجر ابھی ظالم کا پیاسا نظر آتا ہے
صدقے کف رنگیں کے ساقی کف رنگیں میں | ٹوٹا سا مرے دل کا شیشہ نظر آتا ہے

ڈھایا ہے ستم کس نے تصویر خیالی پر — نازک سا ترا چہرا اُترا نظر آتا ہے

محفل سے گیا نور اب وہ ہم سے گیا دور اب — جامِ سرِ خم ساقی تارا نظر آتا ہے

اچھے رہے گھر سے بھی تربت میں ریاضؔ آکر
دن رات حسینوں کا میلا نظر آتا ہے

جب گنبدِ خضرا کا سایا نظر آتا ہے — جنت میں مدینے کی طوبیٰ نظر آتا ہے

ذرّے ہیں جبیں پر کچھ خاکِ درِ انور کے — اونچا مری قسمت کا تارا نظر آتا ہے

پونچھے گئے محشر میں اشک اہلِ معاصی کے — ہر ہاتھ میں اک کاغذ سادا نظر آتا ہے

اللہ کی قدرت ہے جس کو وہ شرف بخشے — ہر ذرّہ مدینہ کا کعبا نظر آتا ہے

کثرت سے معاصی کی اعمال کی شامت سے — عالم مری آنکھوں میں تیرا نظر آتا ہے

اللہ بصارت دے اللہ بصیرت دے — سمجھے تھے جسے بینا اندھا نظر آتا ہے

ہر قلب ہے سینے میں کعبے میں ملے بت ہیں — صدقے ترے اے مولا یہ کیا نظر آتا ہے

تھیں اس کی غلط باتیں تھے اس کے غلط وعدے — یہ قبہ شکن کیا تھا اب کیا نظر آتا ہے

تھوڑی سی بصارت ہو تھوڑی سی بصیرت ہو
ہر شئے میں ریاضؔ اس کا جلوہ نظر آتا ہے

تیرے فاقے ہیں دانۂ انگور سے ملے — ہم یہ سمجھے کہ بھرے ساغرِ بلور سے ملے

کتنے کعبے ملے رستے میں کئی طور ملے — ان مقامات سے ہم کو وہ بہت دور سے ملے

درِ جنت کھلے تسنیم ملے حور ملے — نیم وا مجکو تری نرگسِ مخمور سے ملے

نشہ ان کو ہے جوانی کا ہمیں نشۂ مے — ہم انھیں اور وہ نشے میں ہمیں چور سے ملے

ایسے بھی کتنے ہیں اللہ خدا کے بندے — اس خدائی سے الگ سب بتِ مغرور سے ملے

نہ سہی جلوہ ترا جلوۂ محبوب سہی
یا خدا دیکھنے کو وہ رخِ پُرنور ملے

دست و پا چاروں حنا بستہ ہیں تیرے اے شوخ
کیوں نہ کھل کھیلے کوئی جب کوئی مجبور ملے

وہ بھی بخشے گئے ہم بادہ کشوں کے ہمراہ
آج جنت میں ہمیں ناصح مغفور ملے

سب مجھے کاوش تھی اسے تیری مژہ نے ڈالے
گھر سے گھر سے مجھے دل میں کئی ناسور ملے

متصل خلد کے خلوت کدۂ قبر بھی ہے
جاتے جاتے ہمیں اک جام بکف حور ملے

یہ بھی قسمت نہ ملے دیر میں ناقوس کوئی
اے سرافیل تمہیں پھونکنے کو صور ملے

آئے جنت میں خود جام شکن جنت میں
ایسے بھی تیری گلی میں کئی معذور ملے

خاک ہو کر نہ رہی خاک بھی باقی ان کی
خاک میں یوں گئے وہ جم قیصر و فغفور ملے

دعوتِ شیخ بھی تھی انجمنِ ساقی میں
آگے جنت میں بھی کھٹے انھیں انگور ملے

ہے شبِ گور مدد بھی مگر اس میں سو حسن
زلف سی رنگ ترا اے شبِ دیجور ملے

عرش کو طور کو کعبے کو وہیں سے دیکھوں
دیکھنے کو مجھے وہ روضۂ پرنور ملے

آئی غربت میں اجل شام کو لے ابنِ صبح
اب کفن اور کفن کے لئے کافور ملے

عید تک لا دو پر آجائیں گے ناصح رندو
رمضاں میں انھیں افشردۂ انگور ملے

تیشہ بر دوش ہاں جاؤں کہ وہ کہتے ہیں
کوہکن سے کوئی اچھا ہمیں مزدور ملے

دور سے دل کو تجلی تری روشن کر دے
یہ سیاہ خانہ ہمیں نور سے معمور ملے

چور تھے نشہ میں ہم پاس تو یہ ہوا
جن کو پیتے تھے وہ شیشے ہمیں سب چور ملے

اب خدائی میں بتوں کی ہوں بپا جتنے حشر
مجھکو ہر دیر میں ناقوس لئے صور ملے

نام جو پوچھو تو انھیں کہتے ہیں سب لوگ ریاضؔ
آج ہم کو وہ بڑے شاعرِ مشہور ملے

نالہ نغمہ بنے فریاد نہ فریاد رہے　　کوئی چاہے کہ بنا شاد مراشاد رہے

ہو کے آئینہ او تہہ دامن صیاد رہے　　گھر میں صیاد کے جب تک ہی آزاد رہے

نگہہ لطف اس انداز سے صیاد رہے　　لب تک آ کر مری فریاد نہ فریاد رہے

کبھی خالی نہ ہو یہ گھر یونہی آباد رہے　　کم سے کم تیری طرح دل میں تری یاد رہے

نقش چھوڑے ہوئے تیری نہیں دیکھے جاتے　　عمر رفتہ مرے دل میں نہ تری یاد رہے

صدقے اے تیر فگن آئے نہ اُلٹے دل میں　　تیری چٹکی میں یونہی ناوک بیداد رہے

ہر گھڑی ساتھ ہی کیوں ابروِ قاتل کا خیال　　میرے سر پر لئے تلوار نہ جلاد رہے

ہیں وہ بلبل ہوں کروں دام محبت میں اسیر　　چار ہی روز میں صیاد نہ صیاد رہے

کہیں گلشن سے سوا ہے ہمیں الفت اس کی　　ہم نہ ہوں تو بھی الٰہی قفس آباد رہے

کیجئے کیا اسے رفتار زمانہ ہے یہی　　پا بگل سرو رہے اور پھر آزاد رہے

کوئی کہتا یہ گزرتا ہی اُدھر سے ہر روز　　ہم رہیں یا نہ رہیں میکدہ آباد رہے

کس قدر ہیں اثر انداز بتانِ کافر　　اس زمانے میں بہت ہی جو خدا یاد رہے

لالے کا پھول بنے داغ بنے رنگ بنے　　دامنِ کوہ میں خونِ سرِ فرہاد رہے

چوڑیاں کیسی حنا کیا یہ زمانہ وہ نہیں　　گورے ہاتھوں میں ترے خنجر فولاد رہے

ڈر ہے محشر میں دمِ پرسشِ اعمال ریاضؔ
اس کی رحمت کے سوا کچھ نہ مجھے یاد رہے

نہ افشاں نہ لب پرمسی سوجھتی ہے　　جو تم ہو تو کچھ اور ہی سوجھتی ہے

گھٹا کالی کالی یہ رات اور یہ رُت　　شبِ زلف میں چاندنی سوجھتی ہے

جوانی کے نشہ میں کچھ سوجھتا تھا　　بڑھاپے میں اچھی بُری سوجھتی ہے

یہ چلّو ہمارا ہمیں جامِ جم ہے — گدائی میں شاہنشہی سوجھتی ہے

نہ پینے کو خم میں نہ کھانے کو گھر میں — کہیں ایسے میں شاعری سوجھتی ہے

ترے صدقے اے زلف تیرے جنوں میں — بلا کوئی بھی ہو پری سوجھتی ہے

یہ کافر لیے ساتھ آتی ہے بوتل — گھٹا آتے ہی میکشی سوجھتی ہے

یہ عالم ہی کچھ اور ہے جس میں ہم ہیں — کہیں اب خودی بیخودی سوجھتی ہے

میں رندِ مدینہ ہوں اے طور والو — چڑھی ہے مجھے دور کی سوجھتی ہے

اثر رکھتی ہیں کیا مدینے کی گلیاں — شہی کیسی شاہنشہی سوجھتی ہے

بڑھاتی ہے سرکار ہمت ہماری — ہمیں بھی سواراج کی سوجھتی ہے

عجب کیا ہے یہ طوق و زنجیر ٹوٹے — کہ اب خودروی خودسری سوجھتی ہے

ہٹے جاتے ہیں جادے سے اہلِ قبلہ — کب اپنی انھیں کج روی سوجھتی ہے

بتانِ فرنگ اب ہیں ترکانِ کابل — ہر اک طرز اب مغربی سوجھتی ہے

بدل دیں گے کافر پرانی خدائی — جو کچھ سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے

ریاضؔ ان حسینوں سے کثرت ہی ملیں
یہاں بھی تمہیں دل لگی سوجھتی ہے

کسے بتائے کوئی خونِ آرزو کیا ہے — انھیں یہ ضد ہو کہ دیکھیں گے رنگ تو کیا ہے

ہمارے پاس جو ہے اس کی جستجو کیا ہے — گلی ہے ان کی ہماری رگِ گلو کیا ہے

میں آئینہ ہوں ترا کیا بتاؤں میں تجھکو — میں جلوہ گاہ میں ہوں میرے روبرو کیا ہے

نگاہ گدا کے تجھے مجھ سے پوچھ خلوت میں — جو لب تک آ نہ سکے ایسی آرزو کیا ہے

لگا کے کان ذرا ہم بھی دور سے سن لیں — کلیم سے یہ سرِ طور گفتگو کیا ہے

چبھو رہے ہیں وہ سوئی مرے کلیجے میں
ہر ایک بات میں دشمن کی یہ رفو کیا ہے

حیات خضر کا سربستہ راز سنتا ہوں
بتا دے کوئی مجھے یہ مرا سبو کیا ہے

کبھی وہ رکھ کے ہتھیلی پر اپنی دیکھیں تو
ذرا سا دل کا مرے بوند بھر لہو کیا ہے

جو میرے جام میں ہیں پھول یہ چمن میں کہاں
اب اس کے سامنے پھولوں کا رنگ و بو کیا ہے

بتائے کوئی انہیں حیرتی ہوں میں کس کا
بتائے آئینہ کیا میرے روبرو کیا ہے

بنی ہے قلقلِ مینا صدائے قمری سرو
یہ شورِ صبح کو ساقی کنارِ جو کیا ہے

کھنچی وہ پھول جو پھولوں کے رنگ و بو ہو کر
بہارِ خلد کا حاصل ہے رنگ و بو کیا ہے

ہزاروں جام بھرے لاکھ خم کرے خالی
مزے کی شئے ہے ذرا سا مرا سبو کیا ہے

عجیب چیز ہے مینا و قلقلِ مینا
اب اس کے سامنے معشوقِ خوش گلو کیا ہے

یہ رنگ و بو ہے سوا رنگ و بو سوا اس سے
یہ رنگ کیا ہی یہ ہے کیا ہی اس کی بو کیا ہے

زباں پہ ہے عبث تجکو نازِ یکتائی
ریاضؔ تجھ سے ہزاروں ہیں ایک تو کیا ہے

حضرتِ محسن علی اپنی نشانی دے چلے
خضر بن کر چشمۂ حیوان کا پانی دے چلے

نام کے صدقے مئے کوثر کی لہریں کیں رواں
زندگانی دے چلے لطفِ جوانی دے چلے

دانہ موتی کا بنے گا دانہ دانہ کھیت کا
بڑھ کے جو ابرِ گہر سے ہو وہ پانی دے چلے

اپنے کھیتوں کی طرح سرسبز کیسے ہیں کساں
دھان بونے والوں کو پوشاک دھانی دے چلے

نشہ ہی یونہی انھیں کھینچیں وہ کیوں جو کی شراب
گاؤں والوں کو شرابِ ارغوانی دے چلے

اپنے جامے میں نہیں پھولے سماتے ہیں کساں
غم نصیبوں کو نشاطِ جاودانی دے چلے

ان سے پہلے ہاتھ اٹھا کر دیں دعائیں ہم غریب
ہم غریبوں کو نویدِ کامرانی دے چلے

پانی کیسا سینچیں گے ہم سب اسی پانی سے کھیت اتنی ہم سب کو شرابِ ارغوانی دے چلے

روڑے اٹکائے بُرے پُر کی نے چلتے کام میں بہتے پانی کو وہ پتھر کی گرانی دے چلے

بعد جانے کے بھی کام آئے ہر اک محکوم کے جانشیں کو اپنے اپنی مہربانی دے چلے

نوعِ انساں کے لیے تفریقِ مسلک کچھ نہیں خود نمونہ بن کے پیغامِ زبانی دے چلے

جو نہ مرجھائے دبا وہ پھول ہم کو لے ریاض
اپنی فرقت کا ہمیں داغِ نہانی دے چلے

کوئی شباب یہ پھر دیکھنے کی تاب نہ آئے شباب آئے مگر اس طرح شباب نہ آئے

نہی بلا کوئی مجھ پر دمِ عتاب نہ آئے تمہارے گیسوؤں کا تم میں پیچ و تاب نہ آئے

کئے ہوئے ہیں تو یہ ہوئی ہے کتنی دیر ہمارے سامنے ساقی ابھی شراب نہ آئے

جو دن دکھائے حسینوں کو تیم عریاں حسن یہی دعا ہے کہ خدا سے انہیں حجاب نہ آئے

مرے گناہ مرے پوچھے گا لیاں تیری خدا کرے مجھے ان کا کبھی حساب نہ آئے

نہیں ہے خلد میں کیا کچھ مگر مجھے واعظ مزا نہ آئے گا جب تک می شراب نہ آئے

پکار دوں میں قیامت میں بس چلے میرا کوئی حسین سرِ حشر بے حجاب نہ آئے

تمام عمر یونہی انتظار میں گزرے خدا کرے مرے خط کا کبھی جواب نہ آئے

شراب تو نے چھڑائی بری طرح واعظ اسی طرح ترے آگے کبھی کباب نہ آئے

بہت ہی شوخ ہو نازک سے شوخ رنگ نقاب جو تو بھی چاہے تو رخ پر ترے نقاب نہ آئے

بری نظر سے اسے دیکھتا ہوں کوئی ہو کسی کے سامنے آتے جسے حجاب نہ آئے

خدا کے آگے مری بات لے کے جو رہ جائے جو پوچھوں حشر کے دن کچھ انہیں جواب نہ آئے

مرے لئے ہی کڑی دھوپ یہ سفید سی ہو خدا کرے مرے سر پہ یہ آفتاب نہ آئے

تہی تھا کیسہ و کاسہ مگر نصیب کی بات
کہ جا کے ہم درِ دولت سے کامیاب نہ آئے

غضب یہی کہ عطا جو ہوا نہیں ملتا
کسی کے دن نہ برے ہوں گھڑی خراب نہ آئے

ملے نہ پینے کو جس گھر میں گھر وہ مسجد ہے
وہ کوئی گھر ہے جہاں مل تو شراب نہ آئے

محبِّ ساقیٔ کوثر ادھر بھی نیم نگاہ
جھلک شباب کی آجائے گو شباب نہ آئے

ریاض ابر تھا سبزہ تھا لطفِ صحبت تھا
دبائے شیشہ بغل میں مگر جناب نہ آئے

بڑھی ہے ہجر میں اس طرح تیرگی گھر کی
ہماری رات خبر لے گی روزِ محشر کی

بتاؤں کیا میں تجھے خوبیاں مقدر کی
کہ ٹھوکریں مجھے کھانا پڑیں ترے در کی

تری گلی کی قیامت دبائے کیا فتنے
دبی کچھ ایسی نہ آنکھ اس نے پھر برابر کی

ذرا سی ٹھیس میں کم بخت اس طرح ٹوٹا
ہمارے شیشے نے دی ہم کو چوٹ پتھر کی

بنے وہ شرم کے پتلے جو آئینہ آیا
نہ اپنے عکس سے آنکھ اپنی پھر برابر کی

ہمارے میکدے میں آ کے دیکھ لے واعظ
ہمارے خم سے چھلکتی ہے حوضِ کوثر کی

وہ میرے بعد گلے پر کسی کے چل نہ سکا
روانیاں بھی گئیں آج ان کے خنجر کی

کلیم سے بھی میں اچھا رہا ترے صدقے
مجھی پہ ہے دھوم ترے جلوۂ مکرّر کی

وہ جانتے ہی نہیں دل میں چٹکیاں لینا
وہ مسکرا کے چبھوتے ہیں نوک نشتر کی

بتوں کے دل سے ملے دل نکالی ہم نے راہ
مٹائے مٹ نہیں سکتی لکیر پتھّر کی

نہ پڑتے نارِ جہنم میں ہم تو اچھا تھا
بھڑک اٹھی ہی لگی آج آتشِ تر کی

کلیم بن کے پری اترے شیشۂ دل میں
مزا دے ہم کو سرِ طور آگ پتھّر کی

۱؎ ۔ درِ دولت محمود آباد ۔

جو بیٹھی کشتیٔ اُمید پھر اُبھر نہ سکی — ہمارے دل میں ہیں گہرائیاں سمندر کی

قفس بھی مرغِ قفس لے کے اُڑ گئی صیاد — بہار آئی اُڑائی یہ ہم نے بے پر کی

یہ تن کے ناز سے یوں کون باغ میں آیا — یہ کس کے پاؤں سے چوٹی دبی صنوبر کی

قفس سے دل میں لئے نکلے حسرتِ پرواز — قفس میں رہ گئی حسرت ہمارے شہپر کی

گلی میں آن کے اُبھرنا نہ تھا قیامت کو — بڑی جو حد سے ہوئی بڑھ کے ایک ٹھوکر کی

مٹائے کیوں اسے کوئی پڑے رہے یونہی — یہ ہم ہیں یا سرِ بستر شکن ہے بستر کی

لگاتے آنکھ سے ہیں لوگ میرے ساغر کو
ریاضؔ آج تبرک ہے میرے ساغر کی

تری گلی میں نشانِ مزار باقی ہے — غبارِ راہ مری یادگار باقی ہے

ابھی کچھ آرزوئے وصلِ یار باقی ہے — ذرا سی مجھ میں ابھی جانِ زار باقی ہے

یہ کتنی پی کے گئے تھے لحد میں ہم سونے — کہ آج حشر کے دن بھی خمار باقی ہے

جگہ ہو آنکھ میں مینا کی اور مینا میں — نہ دُرد ہے نہ مئے خوشگوار باقی ہے

مرا یہ خم ہے پرانا خمِ فلاطوں سے — پرانے وقت کی یہ یادگار باقی ہے

مرے ستانے کو بنتے ہیں آسمان نئے — کسی کے دل میں ابھی کچھ غبار باقی ہے

ہمیشہ غنچہ و گل اپنے جام و مینا میں — شراب خم میں تو جب تک بہار باقی ہے

ذرا چھپا کے حرم تک یہ خم بھی لے جائے — چڑھا کے کوئی گیا ہے اُتار باقی ہے

پرانی چیزوں میں سے یہ خم بھی میرا — پرانے لوگوں میں یہ خاکسار باقی ہے

اُٹھاؤ پھول کے بستر بنے گا بسترِ مرگ — نہ رات کچھ ہے نہ اب انتظار باقی ہے

کوئی بھی اشک سا دُکھ درد کا شریک نہیں — یہی تو اب سے بچپن کا یار باقی ہے

بنوں نہ بادہ فروشوں میں جاکے بادہ فروش
کہ بات کا مری کچھ اعتبار باقی ہے

کریں گے کعبے کا ہم خم بدوش جاکے طواف
اگر یہ زندگی مستعار باقی ہے

مرے حضور کے اس شعر کا جواب نہیں
بہت ہی خوب کہا ہے خمار باقی ہے

جو آج پی ہو تو ساقی حرام شئے پی ہو
یہ کل کی پی ہوئی مے کا خمار باقی ہے

رہا نہ کوئی بھی یاران رند مشرب میں
بس اک ریاض تہجّد گزار باقی ہے

اسی پر خدایا پڑے میری ہائے
حسینوں کے ہوتے فلک کیوں ستائے

مئے ناب سے توبہ میں کر چکا
مرے آگے مینا نہ اب سر جھکائے

پڑا کام اب آکے قصرِ لحد سے
کنویں ہم کو پیری نے کیا کیا جھکائے

خطا کیا جو بوسہ لیا دور سے
نہ ایک ایک منہ میں وہ سو سو سنائے

دعا اپنے محسن کو میں کیوں نہ دوں
وہ دولت لٹائے خزانے لٹائے

کئے وصف واقف نے اس کے بیاں
وہ محسن جو ہر ایک کے کام آئے

بڑی بات زیبا نہیں چھوٹے منہ کو
ریاض اور وصفِ چرنجیت رائے

جو آفت جاں ہو وہ تمنا نہ کریں گے
آباد نئی اب کوئی دنیا نہ کریں گے

اے رازِ جنوں ہم تجھے افشا نہ کریں گے
دیوانے کبھی حسن کو رسوا نہ کریں گے

کھوئیں گے نہ ہم جبّہ و دستار کی عزت
ان کو کبھی نذر مے و مینا نہ کریں گے

ٹھکرائیں دلِ زار کو وہ پائے نظر سے
نازک ہیں یہ تکلیف گوارا نہ کریں گے

اب وعدۂ فردا ہے نہ ہی وعدۂ امروز
وہ خواب میں بھی وصل کا وعدہ نہ کریں گے

ان کے لئے کم بخت میں کچھ رنگ کچھ بو — کھتی ہے حنا خون تمنا نہ کریں گے

مل جائے اگر ہم کو جگہ سایۂ خم میں — پروائے مے و ساغر و مینا نہ کریں گے

ہم خاک اُڑائیں گے نہ لے دیدۂ پُرجوش — بہتے ہوئے دریاؤں کو صحرا نہ کریں گے

اتنا تو ہوا فائدہ اس توبۂ مے سے — اب بادہ فروش آکے تقاضا نہ کریں گے

اے دل وہ کوئی ہو کہ پری ہو کہ بلا ہو — شیشے میں کسی کو بھی اُتارا نہ کریں گے

شرمائیں گنہ جس کے خدائی کو دم حشر — وہ ایسے سیہ کار کو رسوا نہ کریں گے

یہ کہہ کے حیا ہوتی ہے اس عکس سے رخصت — اب پردہ نشیں غیروں سے پردا نہ کریں گے

کھل کھیلیں گے جو پردہ نشیں گھر سے نکل کر — ہم آنکھ اُٹھا کر انھیں دیکھا نہ کریں گے

ہیں جلوہ گہہ ناز کے آئین نرالے — کیا کچھ نہ کیا اور ابھی کیا نہ کریں گے

بجلی کی ہے جب دن کو شبستاں میں ضرورت — وہ رات کو اب شمع جلایا نہ کریں گے

لعنت کا کوئی طوق ہے یا سادہ جبل ہے — ہم مذہب و ناموس کو رسوا نہ کریں گے

موجود نہ تھے آپ یہاں آروان افسوس — کیا درد کا اب آپ مداوا نہ کریں گے

اس ملک کے ہیں سب سوا نبض شناس آپ — ہیں آپ مسیحا ہمیں اچھا نہ کریں گے

سننے میں مزا ہے نہ سنانے میں مزا ہے — ہم بزم سخن میں ابھی لب وا نہ کریں گے

جو کچھ سفر حج سے ریاض اب کی سنے گا
ہم آکے وہ مذہب سے وہ مینا نہ کریں گے

اب دور نو کشیدہ ہر اک انجمن میں ہے — میری شراب کہنہ سبو کے کفن میں ہے

یارب نصیب ہو مری طبع حزیں کو بھی — جو انبساط خندۂ صبح وطن میں ہے

احساس ہی نہیں مجھے کچھ اپنے حال کا — یہ میں ہوں یہ بدن میں کہ مردہ کفن میں ہے

حاصل شبِ وصال ہی تھا بوکچھ اس طرح ۔۔۔ گویا زبان ان کی ہمارے دہن میں ہے

آغوش میں ہے زخمِ گلو کی عروسِ تیغ ۔۔۔ آئے گا یاد لطف جو دولھا دلھن میں ہے

خنجر کو تیغ کو مہِ نو کو نہیں نصیب ۔۔۔ جو بات آج تجھ میں ترے بانکپن میں ہے

یہ رنگ تیری زلف کا یہ رخ کا تیرے نور ۔۔۔ غربت کی شام میں ہے نہ صبحِ وطن میں ہے

وحشت یہ مجھ سے کہتی ہے دیوانگی تری ۔۔۔ کچھ قیس میں ہے یونہی سی کچھ کوہکن میں ہے

واقف محاورے سے نہ واقف زبان سے ۔۔۔ یہ وہ ہیں امتیاز جنھیں اہلِ فن میں ہے

ملکِ سخن ہے زیرِ نگینِ شہِ دکن ۔۔۔ یہ قدر ہے جہانِ سخن اب دکن میں ہے

امید ہی نہیں کبھی یہ نکل سکے ۔۔۔ مدت سے دل مرا ترے چاہِ ذقن میں ہے

واعظ نے بزمِ وعظ میں چھلکائی جس کے جام ۔۔۔ وہ نوکشید میں نہ شرابِ کہن میں ہے

دل میں بسی ہی میرے بُری طرح بوئے زلف ۔۔۔ مشکِ تتار میں ہے نہ مشکِ ختن میں ہے

مجھ میں کہاں یہ کہتی ہے ہر چینِ آستیں ۔۔۔ جو حسن تیرے گیسوؤں کی ہر شکن میں ہے

وقتِ وصال کچھ تھی شبِ وصل کی جھلک ۔۔۔ جلوہ کسی کا آج ہمارے کفن میں ہے

ناآشنا ہر ایک مرا گھر نہ در کہیں ۔۔۔ غربت کی زندگی کا مزا اب وطن میں ہے

ہونا ہے جس کو خاک وہ دنیا کی کائنات ۔۔۔ دو گز کفن ہے یا اسی دو گز کفن میں ہے

فردوس میں بنے گی یہ جاکر شبابِ حور ۔۔۔ یہ کہنگی جو میرے شرابِ کہن میں ہے

مانے نہ مانے کوئی مگر یہ کہیں گے ہم

جانِ سخن ریاضؔ جہانِ سخن میں ہے

بن کے مہمان آج کوئی روزہ دار آنے کو ہے ۔۔۔ شام ہونے کو ہے میرے گھر اُدھار آنے کو ہے

خم بدوش اک مست سوئے سبزہ زار آنے کو ہے ۔۔۔ ہو نہ ہو یہ آج ابرِ کوہسار آنے کو ہے

کس پری کا تخت سوئے سبزہ زار آنے کو ہے　　میکشوں میں دھوم ہے ابرِ بہار آنے کو ہے

عشق میں ہوتا نہیں ہے مرحلہ طے موت کا　　بار بار آنے کو ہے یا ایک بار آنے کو ہے

جلوۂ بنتِ عنب کی ہے شرارت جوشِ خم　　ایک شعلہ بن کے برق کوہسار آنے کو ہے

چودھویں کا چاند لے کر ہنستی آتی ہے جو شام　　رات ہے وعدے کی وہ بے اعتبار آنے کو ہے

رفتہ رفتہ رنگ لائی روز کی دریا دلی　　نقد آتی تھی ہمیشہ اب ادھار آنے کو ہے

کم ہے ساقی میکدے میں ہو تکلف جس قدر　　بہرِ افطار آج کوئی روزہ دار آنے کو ہے

آئے ہیں محشر کے فتنے خیر مقدم کے لئے　　کوچۂ جاناں میں کوئی بیقرار آنے کو ہے

ہے یہی افسانہ تو وہ آ چکا بس ہو چکا　　سنتے رہئے اب یونہی روز شمار آنے کو ہے

سو گیا ہوں دھوپ میں تو میری جاگے ہیں نصیب　　آج مجھ تک سایۂ دیوارِ یار آنے کو ہے

جیب سے غافل جرم والو نہیں رہنے کا وہ　　آنے والا کچھ بہت ہی ہوشیار آنے کو ہے

پڑ گئی ہے شام سے دامن کے پھولوں پہ کچھ اوس　　ہنسنے والا آج شاید اشکبار آنے کو ہے

بے طرح یہ بھی بھرے بیٹھے ہیں سب گے ضرور　　منہ ہمارے آبلوں پہ نوکِ خار آنے کو ہے

حشر زا فتنے خرامِ ناز پر اس کے نثار　　بن سنور کر اک حسیں سوئے مزار آنے کو ہے

بابِ ساقی کھٹکھٹاتے شیخ سے میں نے کہا　　صبح روزہ ہے مجھے شب سے بخار آنے کو ہے

رہ نہیں جائے گی او میکش اگر آیا ریاضؔ
میکدے میں وہ پرانا بادہ خوار آنے کو ہے

جماعت میں کبھی پانچوں وقت شامل دیکھنے والے　　ہمیں کو شیخ میخانے میں غافل دیکھنے والے

ارے او قیس اپنا جذب کامل دیکھنے والے　　بیاباں کے ہر اک ذرے میں محمل دیکھنے والے

عجب عالم تھا مقتل میں نیا عالم تھا قاتل کا　　دمِ قتل آج تھے انداز قاتل دیکھنے والے

نہیں محمل میں لیلیٰ ہاں وہ پہنچی قیس کے دل میں ـ بگولے کون اُٹھا کر پردۂ محمل دیکھنے والے

خدا محفوظ رکھے چشمِ بد سے دستِ قاتل کو ـ سوئے قاتل نہ دیکھیں زخمِ بسمل دیکھنے والے

تجلی گاہ ہیں پردہ بنے کیوں برق کا دامن ـ نہیں پیشِ نظر ہم پردۂ حائل دیکھنے والے

یہ بزمِ حشر ہے آداب و آئین اور ہیں اس کے ـ یہ کیوں سب دم بخود ہیں اہلِ محفل دیکھنے والے

ہوا ہو کیسی ہی بادِ مراد اس کو سمجھتے ہیں ـ ہمیشہ فکر میں دریا کے ساحل دیکھنے والے

بڑھائیں گے ابھی پیچیدہ جادے بعدِ منزل کو ـ نہ خوش ہوں دور سے آثارِ منزل دیکھنے والے

ذرا فصلِ جنوں میں ٹکڑے ہوتے بھی انھیں دیکھیں ـ ہمارے پاؤں میں بھاری سلاسل دیکھنے والے

وہ ہنس مکھ شکل کیوں دیکھیں وہ اس کا حسن کیوں دیکھیں ـ جو ہیں سوز و گدازِ شمعِ محفل دیکھنے والے

تجھے تھا دیکھنا مجھکو کہ ہیں کتنے پانی میں ـ بہا کر خون میرا او مرا دل دیکھنے والے

زمانے نے نہ رکھا امتیازِ نیک و بد باقی ـ نہ اب حق دیکھنے والے نہ باطل دیکھنے والے

قیامت ہے مسلماں ہو کے بھی آنکھیں نہیں رکھتے ـ پسندیدہ نظر سے سار و ابل دیکھنے والے

ریاضؔ اب وہ چہکنے والے بلبل ہیں نہ وہ نغمے
نہ وہ اب رنگِ فریادِ عنادل دیکھنے والے

لو دل کا داغ دے اٹھے ایسا نہ کیجیے ـ ہے ڈر کی بات آگ سے کھیلا نہ کیجیے

لوں قرض آپ کیوں کہ تقاضا نہ کیجیے ـ وہ تنتے ہے مجھ کہ مفت بھی سودا نہ کیجیے

کہتا ہے عکس حسن کو رسوا نہ کیجیے ـ ہر وقت آپ آئینہ دیکھا نہ کیجیے

روکے گا کون کس کو تصور میں وصل ہے ـ بے پردہ ہو کے حسن کو رسوا نہ کیجیے

کہتی ہے میفروشوں سے میری سفید ریش ـ دے دیں گے دام ان سے تقاضا نہ کیجیے

کیا جانے بات پہنچی یہ کس کس کے کان تک ـ مجھکو دبی زبان سے کوسا نہ کیجیے

دنیا بھی کہے گی بُری ہے لڑی ہے آنکھ　　اچھا نہیں ہے آئینہ دیکھا نہ کیجیے

بدلا ہے رنگ ایک گلابی نے کس قدر　　اب التفات جانبِ مینا نہ کیجیے

اچھی نہیں یہ آپ کی محشر خرامیاں　　دنیا کو اس طرح تہ و بالا نہ کیجیے

سب نقشِ پا چراغ بنے میری قبر کے　　یوں سوتے فتنے آپ جگایا نہ کیجیے

میں سمجھوں وعدہ کل کا وفا ہوگا آج ہی　　شرمائیے مجھ سے وعدۂ فردا نہ کیجیے

ہے زیرِ بحث فرق سفید و سیاہ کا　　بند نقاب اپنے ابھی وا نہ کیجیے

اُٹھنے کو اُٹھے آپ کے کوچے سے روزِ حشر　　لیٹے تو آنکھ اٹھا کے بھی دیکھا نہ کیجیے

اپنی حنا کو دیکھیے نازک سے ہاتھ کو　　وہ ڈر رہی ہے خونِ تمنا نہ کیجیے

آئے گی قبر پر غریب کے وہ سب کا لے کے پاس
نیت بھی کچھ ہو تو عذرِ فردا نہ کیجیے

ہے مرقدِ تیرہ میں سیاہی سی کفن کی　　وہ شامِ غریبی ہے جھلک صبحِ وطن کی

رکھ دے کوئی حسرت زدہ گُل کے قفس میں　　سوکھی ہوئی اک شاخ خزاں دیدہ چمن کی

رسوا ہوئی کھوئی گئی لے نکہتِ گیسو　　آ گئے تھے کھُل کھیلی تھی بو مشکِ ختن کی

دے پیرِ مغاں دخترِ رز عمر رسیدہ　　بوڑھا ہوا ملے تو نظر جیبِ کہن کی

کیوں چھیڑتی غنچوں کو مشتاقِ غنا دل　　غنچوں میں کہاں بات ہے غنچہ دہن کی

تیغ ان کی پس و پیچ ذرا بے کلے کو　　دیکھئے تو محبت کوئی وہ لطف دشمن کی

جو بے زبانی سے نوش لبِ منہ لگا ہیں　　ٹوٹی ہوئی توبہ تو مجھ تو پہ شکن کی

ساقی مری نازک سی گلابی میں تو جب بول　　تو لاتے کاٹنے میں تو ختنی کہنی من کی

منصور ستم گر کو نظر آتے ہیں ہر دم　　پھبتی ہی نہیں اب بات کی دار و رسن کی

پوشیدہ مرے ساتھ حرم میں یہ رہے گی ۔۔۔ نازک سی گلابی ہو مے زہد شکن کی

وہ رنگ زدہ گل نہ وہ بلبل نہ وہ خوبو ۔۔۔ بدلی نظر آتی ہے ہوا آج چمن کی

ڈوبے ہیں ہزاروں ابھی ڈوبیں گے ہزاروں ۔۔۔ ملتی ہی نہیں تھاہ ترے چاہِ ذقن کی

مل جائے گئی عمرِ جوانی مجھے ساقی ۔۔۔ مے ایسی صراحی کوئی صہبائے کہن کی

سب دل میں چبھیں تیری مژہ تیر کے ہمراہ ۔۔۔ جھپکی نہ پلک آج مرے تیر فگن کی

میں شاد ہوں چمکیں نہ مری مصرعِ روشن ۔۔۔ گل شمع نظر آئے گی ہر بزمِ سخن کی

مل جائیں تو دوں دل میں جگہ آنکھوں میں رکھوں ۔۔۔ غربت میں ہوئی قدر مجھے خارِ وطن کی

دربار ہمیشہ رہے سرکار کا دربار

ہے قدر ریاضؔ آج یہیں اہلِ سخن کی

یہ ہوتا زباں ہونے کو تراپنی زباں کرتے ۔۔۔ پڑے بتھے حوضِ مے میں شکر کے سجدے کہاں کرتے

کہاں کا بام میخانے میں گلگشتِ جہاں کرتے ۔۔۔ کچھ اونچے ہم اگر جاتے تو سیرِ لامکاں کرتے

لہو تھوکا ہے برسوں آہ کیا ہم ناتواں کرتے ۔۔۔ یہ عالم ہے کلیجا منہ کو آتا ہے فغاں کرتے

پس توبہ کھنچے رہتے اگر ہم دخترِ رز سے ۔۔۔ یہ ہوتا خود ہماری آرزو پیرِ مغاں کرتے

غمِ دل شے نہیں ایسی کہ جو جنت میں مل جائے ۔۔۔ نہیں ملتا تو ہم صدقے نشاطِ جاوداں کرتے

کبھی آتے تو مل جاتے سلامت کچھ ہمیں تنکے ۔۔۔ ہم اپنے ہاتھ سے برباد اپنا آشیاں کرتے

ہماری زندگی بے شغلِ عصیاں کس طرح کٹتی ۔۔۔ حیاتِ خضر لے کر عمر اپنی رائیگاں کرتے

بچھڑ کر قافلے سے دیکھ لیں بیدردیاں ان کی ۔۔۔ تھکے ماندوں کا کچھ تو پاس اہلِ کارواں کرتے

تمہارا ذکر کیا ہے تم بھی نازک تیغ بھی نازک ۔۔۔ عدو کے ہاتھ سے بھی اُف نہ ہم سخت جاں کرتے

وہ سنتے ہم سناتے غیر کے گھر موت اس دن کو ۔۔۔ اڑاتے نیند ان کی ختم اپنی داستاں کرتے

وہ دے کر طولِ شوخی سو بہانے رات فرقت کی — مٹے آتے شبِ خلوت جو ہم سے شوخیاں کرتے
جو چھو جاتی ہماری خاکِ تربت اُن کے دامن سے — ہر اک ذرے میں لاکھوں گردشیں ساتوں آسماں کرتے
کھڑے ہیں آج شرمائے ہوئے کیسے سرِ محشر — یہ وہ ہیں جن کی گزری عمر یارب شوخیاں کرتے
غزل کہنے میں نیرنگِ خیال آیا تو جی چاہا — ہم اپنے یوسفِ معنی کو نذرِ کارواں کرتے
مرے دیواں کو ہاتھوں ہاتھ لیتے مجھ کو بھی پڑھ کر — دکن میں کتنی میری قدر میرے قدرداں کرتے
لگا ہر نسخہ اہلِ ذوق ہی کے ہاتھ دیواں کا — بنا کر نقدِ جاں دیواں نظرِ دوستاں کرتے
حضوری ہوتی جس دم بارگاہِ صدرِ اعظم میں — ہمارے پاس کیا تھا نذرِ جانِ ناتواں کرتے
شرف کچھ کم نہ تھا یہ صدرِ اعظم ہاتھ رکھ دیتے — دعا سو جان سے ہم بھر عمرِ جاوداں کرتے
نئے سر سے جوانی پاتے جانِ تازہ مل جاتی — غمِ فردا نہ رہتا شاد اتنا شادماں کرتے
یہ رتبہ شاہ شاہاں نے دیا ہے صدرِ اعظم کو — کہ صدقے شان اپنی طرۂ تاجِ کیاں کرتے
ہمارے درد کا درماں یہیں گھر بیٹھے ہو جاتا — ہماری چارہ سازی چارہ سازِ بیکساں کرتے

ریاض آسان ہو جاتا ہے گھر بیٹھے حج کرنا
کوئی دن اور بھی ہم خدمتِ پیرِ مغاں کرتے

شعروں میں مرے نکہتِ گیسوئے علیؓ ہے — ہر شعر مرا نافہ کشِ بوئے علیؓ ہے
کعبہ سا خیالِ رخِ نیکوئے علیؓ ہے — اللہ کے گھر میں بھی نظر سوئے علیؓ ہے
یہ مے نہیں عکسِ رخِ نیکوئے علیؓ ہے — مینائے عرفاں میں رواں تیرے علیؓ ہے
موزونیِ قامت یہی کہتی ہے یکایک — اللہ کا الف قامتِ دلجوئے علیؓ ہے
جس میں ہے نشانِ احد و صورتِ احمد — میں کھل کے یہ کہہ دوں گرہ ابروئے علیؓ ہے

۱؎ قدمِ صدرِ اعظم دکن.

آتے ہی مہک اٹھے گا سب حشر کا میدان | لاکھوں میں جو چھپتی نہیں وہ بوئے علیؓ ہے
اے عرش بلندی میں ذرا کم نہیں تجھ سے | وہ مسندِ دیں جو تہہِ زانوئے علیؓ ہے
کیسا سگِ لیلیٰ کہ یہ ہو اور ہی وادی | اس نجد میں لیلیٰ بھی سگِ کوئے علیؓ ہے
ہر خوئے علیؓ بوئے نبیؐ کرتی ہے پیدا | خو بو جو نبیؐ کی ہے وہی بوئے علیؓ ہے
قدرت نے یہ بخشا شرفِ خاص علیؓ کو | خاتونِ جناں فاطمہؓ با نوئے علیؓ ہے
کہتا ہے کسے آج ید اللہ زمانہ | پردے میں نہاں قوتِ بازوئے علیؓ ہے
حوریں بھی ہیں غلماں بھی ہیں خلدِ بریں کیا کچھ | با اینہمہ فردوس نظر سوئے علیؓ ہے
خو جس کی یہ ہو خلق میں بو پھیلے گی اس کی | رحم و کرم عفو و عطا خوئے علیؓ ہے
کھنچنے میں بھی تلنے میں بھی تصویر ہے اس کی | یہ تیغِ دو پیکر ہے کہ ابروئے علیؓ ہے

کہتے ہیں مہک کر گلِ مضمونِ مناقب
پھولوں میں ریاضؔ آپ کے خوش بوئے علیؓ ہے

اللہ نما روئے نبیؐ روئے علیؓ ہے | رخ سوئے خدا سوئے نبیؐ سوئے علیؓ ہے
اس وقت نظر میری ہے خاقانِ دکن[1] پر | کس پائے کا دریوزہ گرِ کوئے علیؓ ہے
بوبکرؓ کے فاروقؓ کے عثمانؓ کے بھی اوصاف | عثمانِ علی خاں میں اگر خوئے علیؓ ہے
دم خم یہ ہے لے زیرِ اثر ایک جہاں کو | تلوار میں اس کے خمِ ابروئے علیؓ ہے
ہے سہل اسے بارِ خلافت کا اٹھانا | بازو میں نہاں قوتِ بازوئے علیؓ ہے

کیوں ناز نہ مجھکو ہو ریاضؔ آئی ہے مجھ تک
پھیلی ہوئی وارث[2] سے جو خوشبوئے علیؓ ہے

---

[1] حضور تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ
[2] پیر و مرشد حضرت سیدنا حاجی وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

یہ جھوٹ ہے جو کہوں میں کبھی خراب نہ پی　　یہ وہ کہے گا کہ جس نے کبھی شراب نہ پی

نہ بہ نقاب تو پی ہو کے بے نقاب نہ پی　　کسی نے کھل کے مری آگے بے حجاب نہ پی

بڑی کمی رہی اب پی نہ پی برابر ہے　　شراب ہم نے کبھی جان کر ثواب نہ پی

کباب کھانے سے زاہد کو اجتناب نہ تھا　　نہ جب تک آئے مرے سامنے کباب نہ پی

سنا رہا ہے ہمیں تو خیالِ روزِ شمار　　وہ ہم نے پی بھی تو کیا پی جو بے حساب نہ پی

گناہ کوئی نہ کرتے شراب ہی پیتے　　یہ کیا کیا کہ گنہ تو کئے شراب نہ پی

لگی جو منہ سے لبے گا مدار چوری پر　　یہ مفلسی میں بنے جان کا عذاب نہ پی

اُتر کے تھی یہ مئے خلد سے یونہی واعظ　　شراب ناب بھی تو آپ نے جناب نہ پی

چڑھی تھی کیسے گھڑے کی ریاض کچھ ایسی
شرابِ خلد سمجھ کر شرابِ ناب نہ پی

جان نکلے وقت سے پہلے یہ حسرت دل میں ہے　　آ لے گور کھیو تیری جان کس مشکل میں ہے

شمع بھی محفل میں ہے پروانہ بھی محفل میں ہے　　تم بھی ہو ہم بھی ہیں لیکن بات دل کی دل میں ہے

کار فرما ایک چنگاری سی میرے دل میں ہے　　برق خرمن سوز بھی اس کشت کے حاصل میں ہے

کیفیت آور اک مصفا شے ہو میری سرشت　　بادۂ خوش روح کس کی میرے آب و گل میں ہے

پا فتادہ مجھ سا بے جاں کھینچتی ہے خاک گور　　کھینچ رہے ہیں قافلے کیسی کشش منزل میں ہے

قدر و قیمت کیا لہو کی پانی سے لہو　　سرخی رنگ حنا تھی کف قاتل میں ہے

پہلی منزل ہے جو آساں مشکلیں آساں ہیں سب　　حشر کا ہنگامہ کیا خطرہ اسی منزل میں ہے

پردہ دار عشق ہے یا ارتباط حسن و عشق　　قیس جس کے دل میں ہے وہ پردۂ محمل میں ہے

مصرعِ واقف یہ ہے یاد نشتر ناوک لوئی　　اس کی ہچکی میں ہے جب تک تیر سے کے دل میں ہے

پردۂ وحدت میں وہ یوں ہے کثرت آفریں — محفل آئینہ میں ہے یا آئینہ محفل میں ہے

بزمِ گورکھپور میں سب ہیں نہیں لیکن ریاض
یہ کمی پوری ہوئی ہیو مارٹ[1] اس محفل میں ہے

کس کا ہے بام اور ہی کچھ اس کی شان ہے — یہ آسمان کوئی نیا آسمان ہے
جو اس بہشت زار میں ہے وہ جوان ہے — یہ میکدہ نہیں ہے نیا اک جہان ہے
اے بامِ یار طور کی بھی تجھ میں شان ہے — اے بامِ یار عرش کا تجھ پر گمان ہے
کوثر کی ہو کہ گھر کی ہو پینے کا ہے اثر — پاکیزہ شستہ صاف ہماری زبان ہے
یہ وہ نہیں جو دیدہ و دل میں سما سکیں — فتنے بھی کہہ رہے ہیں قیامت اٹھان ہے
گر و اس کے ہاتھ اٹھائی ہیں مے نوش رات دن — جو خم ہے میکدے میں وہ اونچی دکان ہے
آتا ہے یاد وصل میں کہنا کسی کا ہائے — موت ایسی رات کو مری آفت میں جان ہے
نادان دل ہے میری انھیں لطف ہے بہت — اس دوستی میں جان کا اپنی زیان ہے
ہو مان کا جو پان تو ٹکڑا بھی ہے بہت — اب وہ گلوریاں ہیں نہ وہ خاصدان ہے
قسمت کی بات کوئی ہیں پوچھتا نہیں — اردو کا آج ملکِ دکن قدردان ہے
سنتا ہوں یاد کرتے ہیں مجھکو جنابِ شاد[2] — کیا میرے دوستوں کا غلط یہ بیان ہے
دو چار سال کے لئے ہو جائے روک تھام — کوئی سنبھال لے اسے گرتا مکان ہے
جب آ رہے ہے زمین پر اپنا یہ قصرِ تن — کیا اس کا اعتبار پرانا مکان ہے
اس میں پڑی ہی جان مری بس خدا بچائے — یہ جان اور چند نفس میہمان ہے
میں سخت جاں ہوں جان کشمکش میں ہے — جب تک ہے جان لبوں پر مرا امتحان ہے

---

[1] کمشنر گورکھپور۔
[2] صدر اعظم دکن

دنیا میں رہوں نہ رہوں دور ہے ضرور | دنیا میں شاد ہی تو مرا قدردان ہے

اس کے قدح کی خیر منانا ہے اس لئے | یہ آسمان پیر ابھی تک جوان ہے

میں بھی دعائے خیر سے رکھوں گا واسطہ | جب تک مے دہن میں یہ میری زبان ہے

پی لوں جو میں بڑھاپے میں تھوڑی سی اے ریاض

محفل پکار اٹھے کوئی رعنا جوان ہے

قسمت میں ہماری اب پینا ہے نہ کھانا ہے | انگور کا پانی ہے انگور کا دانا ہے

انگوروں کو مینا کو اب کام میں لانا ہے | کھانا ہے کھلانا ہے پینا ہے پلانا ہے

کیا پوچھتے ہو باتیں پیری میں جوانی کی | وہ اور زمانہ تھا یہ اور زمانا ہے

دفتر ہے ہر اک صفحہ اس عمر دو روزہ کا | تاریخ ہے دنیا کی دنیا کا فسانا ہے

وہ پونچھتے ہیں آنسو کیا دست حنائی سے | یہ آگ بجھانا ہے یا آگ لگانا ہے

نقش کف پا سی بھی جو دب نہ سکے در پر | اس بیٹھے ہوئے دل کو فتنہ وہ اٹھانا ہے

گزری ہے جو دنیا پر وہ گزری ہے سب مجھ پر | جو سن لے یہی جانے میرا ہی فسانا ہے

وہ صبح کو آئے تھے اب شام کو آئیں گے | مہندی بھی لگانا ہے سرمہ بھی لگانا ہے

بینا نہ رہا کوئی اس صاعقہ تابی میں | ہر آنکھ ہوئی خیرہ کیا تیرہ زمانا ہے

تلوار کے دھاروں میں اترتے ہیں دلوں میں | باریک ہیں سب جادے تاریک زمانا ہے

دور مے و ساغر ہو وہ جام سے باہر ہو | جو عیب ہو اچھا ہو تاریک زمانا ہے

ہر بات کبھی الٹی سیدھی بھی رہی الٹی | گنگا بھی بہی الٹی الٹا یہ زمانا ہے

پر دوست تو دشمن بھی گلشن بھی ہے گلخن بھی | تیرہ بھی ہے روشن بھی نازک یہ زمانا ہے

۱؎ صدر اعظم دکن۔

جلووں کی فراوانی یہ حسن یہ عریانی — دنیا ہوئی نورانی کیسا یہ زمانا ہے

کیا ذکر ہے عقبیٰ کا چرچا ہے سینما کا — یہ رنگ ہے دنیا کا کیسا یہ زمانا ہے

فحاشی و عیاشی زرپاشی و شب باشی — پھر رہگذر کاشی نیکی کا زمانا ہے

کیا پوچھتے ہو باتیں پیری میں جوانی کی — وہ اور زمانہ تھا یہ اور زمانا ہے

اشکوں سے ریاض اپنا یہ روئے سیہ دھو لو
اللہ کو اپنے بھی منہ تم کو دکھانا ہے

لب خاموش کی تصویر تو کچھ کہتی ہے — آپ کی چاند سی تصویر تو کچھ کہتی ہے

اُن کی تصویر نے اُن پر بھی اثر یہ ڈالا — بول اُٹھے وہ مری تصویر تو کچھ کہتی ہے

مجھ سے گو چاند سی تصویر نہ اُن کی بولی — میری بگڑی ہوئی تقدیر تو کچھ کہتی ہے

تم کہو یا نہ کہو اپنے شبِ وصل کی بات — صدقے تصویر کے تصویر تو کچھ کہتی ہے

تیرے صدقے یہ تبسم ہے بہت معنی خیز — مسکراتی ہوئی تصویر تو کچھ کہتی ہے

اے سرشارِ محبت خطِ ساغر کو سمجھ — دستِ ساقی کی یہ تحریر تو کچھ کہتی ہے

خاک آنکھوں میں نہ ڈالو کہیں تم جاؤ گے — آنکھیں سرمہ کی تحریر تو کچھ کہتی ہے

جب کہا کیا یہ زباں شمع کی منہ میں لے گا — بولے وہ صورتِ گلگیر تو کچھ کہتی ہے

آپ مجھ سے نہ کھلیں لے کے گرہ میں دل کو — آپ کی زلفِ گرہ گیر تو کچھ کہتی ہے

منہ کھلے جاتے ہیں کڑیوں کے ریاض آپ ہی آپ
یہ مرے پاؤں کی زنجیر تو کچھ کہتی ہے

پہلو میں نور ہے ترے لب پر نہیں لیے ہے — ساتھ آئینے میں عکس ادا آفریں لیے ہے

ہوں فاقہ مستیاں تو یہی انداز کام آئے — تلچھٹ ہمارے خم میں بو تہ نشیں لیے ہے

میخانے میں کنشت میں کعبے میں دیر میں — محوِ خیالِ یار رہے گو کہیں رہے

عاجز بگولے ہم سے ہوئے پیش رفت میں — صحرا نوردیوں میں نکلتے نہیں رہے

مجھ سخت جاں کے سینے میں جب تک رہا ہے سانس — مقتل میں وہ چڑھائے ہوئے آستیں رہے

رندانِ پاکباز کو پہنچائیں گے ثواب — کورے گھڑے میں شیرۂ انگبیں رہے

او رہنے والے دل کے تجھے دل سے کام ہے — میری نگاہ کیوں سوئے عرشِ بریں رہے

زورِ جنوں ملا ہے یہاں آ کے خاک میں — دب کر نہ آسماں سے لحد کی زمیں رہے

بے قید شاعری سے یہ امید اب کہاں
ملکِ سخن ریاض کے زیرِ نگیں رہے

اے بامِ یار طور کی بھی تجھ میں شان ہے — اے بامِ یار عرش کا تجھ پر گمان ہے

جو اس بہشت زار میں ہے وہ جوان ہے — یہ میکدہ نہیں ہے نیا اک جہان ہے

کس کا ہے بام اور ہی کچھ اس کی شان ہے — یہ آسمان کوئی نیا آسمان ہے

ارمان کا جو پان تو شکرا ابھی ہے بہت — اب وہ نگوڑیاں ہیں نہ وہ خاصدان ہے

یہ وہ نہیں جو دیدہ و دل میں سما سکیں — فتنے بھی کہہ رہے ہیں قیامت اٹھان ہے

پینے کا یہ اثر ہے وہ کوثر کی زد نہ ہو — پاکیزہ شستہ صاف ہماری زبان ہے

آتا ہے یاد وصل میں کہنا کسی کا ہائے! — موت آئی رات کو مری آفت میں جان ہے

نادان دل تو میری اٹھیں لطف سے بہت — اس دوستی میں جان کا اپنی زیان ہے

قسمت کی بات کوئی یہیں پوچھتا نہیں — اردو کا آج ملکِ دکن قدردان ہے

سنتا ہوں یاد کرتے ہیں مجھ کو جنابِ شاد[1] — کیا میرے دوستوں کا غلط یہ بیان ہے

۱؎ مہاراجہ سر کشن پرشاد صاحب شاد وزیرِ دکن بالقابہ

دو چار سال کے لئے ہو جائے روک تھام ‏ کوئی اسے سنبھال لے گرتا مکان ہے

جب آرہے زمین پر اپنا یہ قصرِ تن ‏ کیا اس کا اعتبار پڑا نا مکان ہے

پی لے اگر بڑھاپے میں تھوڑی سی یہ ریاضؔ
دنیا پکار اُٹھے کوئی رعنا جوان ہے

او کوسنے والے اب دعا دے ‏ اتنا کہہ دے خدا شفا دے

قطرۂ خمِ بادہ کا مزا دے ‏ شبنم مری پیاس تو بجھا دے

درماں کی طرح تڑپ مزا دے ‏ یارب مجھے دردِ لا دوا دے

صیاد نہ باغ کی ہوا دے ‏ وہ دور سے آشیاں دکھا دے

یارب کیا شئے ہے دشتِ غربت ‏ اس کو مرے گھر کی تو فضا دے

سب میکدے ہیں بھرے اس سے خالی ‏ دل کو مرے بیخودی خدا دے

انگارے نہیں ہیں داغ دل میں ‏ دامن کی انھیں نہ تو ہوا دے

یہ دولتِ حسن و دولتِ عشق ‏ بس کی نہیں ہے جسے خدا دے

جنت میں بھی حشر میں بھی کام آئے ‏ تو ہاتھ سے جام اک پلا دے

سینہ یارب ہو طورِ سینا ‏ بجلی مرے دل کو تو بنا دے

میری شبِ غم کی صبح ہو جائے ‏ تو رُخ سے ذرا نقاب اٹھا دے

وہ تارِ نفس کہاں سے لاؤں ‏ ٹوٹے ہوئے دل کی جو صدا دے

گائیں وہ لے ریاضؔ شرمائیں
تو رو کے یہی غزل سُنا دے

جامِ حق بیں میں مے ہوشربا دیتا ہے ‏ کوئی موسیٰ نہ ملے مجکو خدا دیتا ہے

اپنی جھوٹی جو کبھی مجھکو پلا دیتا ہے — لب ساغر لب ساقی کا مزا دیتا ہے

دل تو کیا ہے در و دیوار ہلا دیتا ہے — بھیگتی رات میں کون آکے صدا دیتا ہے

کیف مے پیر مغاں اور بڑھا دیتا ہے — پینے والے کو وہ جب راہ خدا دیتا ہے

شوخ نقش کف پا رنگ حنا دیتا ہے — بن کے وہ شعلۂ راہ آگ لگا دیتا ہے

عکس رخ ہے کہ مے ہوشربا دیتا ہے — مے ساقی مجھے تو جام میں کیا دیتا ہے

جام گلگوں میں مے ہوشربا دیتا ہے — جو میسر نہیں "جم" کو وہ خدا دیتا ہے

میں سوئے طور کلیم اب جو کبھی جاتا ہوں — کوئی دل پر مرے بجلی سی گرا دیتا ہے

دل تو کیا ہے در و دیوار بھی ہل جاتے ہیں — کون آکر ترے کوچے میں صدا دیتا ہے

شوخ ادا بت کا تصور ہی کوئی اور نہیں — کعبۂ دل میں جو ناقوس بجا دیتا ہے

خون پانی کی طرح تو نے بہایا پھر بھی — خاک میں مل کے وہی بوئے وفا دیتا ہے

دل میں گھر کیوں نہ کرے مہندی لگے پاؤں کا نقش — سر تربت یہی وہ پھول چڑھا دیتا ہے

آشیاں پر مرے کیا گزری مجھے کیا معلوم — کہیں صیاد گلستاں کی ہوا دیتا ہے

یاد آتی ہیں مجھے شوخ ادائیں تیری — کوئی آکر مجھے پیغام قضا دیتا ہے

رند در دیش صفت ہی نصیر دل میں ہیں یا اصل

جو ملے اس سے خدا سے وہ ملا دیتا ہے

رند قانع منو اشع ہے خدا دیتا ہے — جب وہ پیاسا ہو تو بیتاب پلا دیتا ہے

وسعت دل میں ہے اس کی یہ فراوانی لطف — نے کے دریا مے صحرا میں بہا دیتا ہے

میں سوئے طور کلیم اب جو کبھی جاتا ہوں — کوئی دل پر مرے بجلی سی گرا دیتا ہے

یاد مے آئی مجھے اور سنا دوں اک شعر — کیف مے سے جو مجھے لطف سوا دیتا ہے

بیعتِ پیرِ مغاں کی ہے جو توبہ کر کے — یہی پانی مے گلگوں کا مزا دیتا ہے

صدرِ اعظم شعرا کو جو صلا دیتا ہے — شاہ کے صدقے میں دیکھوں مجھے کیا دیتا ہے

جودِ شہ ذیل میں ہو درج کہ جبریل کہیں — کوئی شاعر یہ گدا ہے جو صدا دیتا ہے

قدرتِ حق کا کرشمہ ہے سخاوت شہ کی — جس کو دیتا ہے مقدر سے سوا دیتا ہے

وہ خدائی کے لٹا دے جو خزانے کم ہے — میر عثمان علی خان[1] کو خدا دیتا ہے

وہ تو وہ شاد[2] جسے صدر بنایا شہ نے — جب وہ دیتا ہے سوا سے بھی سوا دیتا ہے

میں بلا نوش ہوں پی جاؤں جو دریا پاؤں — مجھے گھر بیٹھے مے ہوش ربا دیتا ہے

قدرداں آج زمانے میں دکن ہے ورنہ — کون اب کس کو زمانے میں صلا دیتا ہے

شاد کے نام سے ہر رنج خوشی ہو کے ریاض
صدرِ اعظم کو شب و روز دعا دیتا ہے

جو پتھر ہو دل اس میں گھر کرنے والے — وہ نالے کہاں اب اثر کرنے والے

وہ سو کر الگ شب بسر کرنے والے — جگا کر انھیں ہم سحر کرنے والے

قفس سے یہ کہتی ہوئی نکلی بلبل — اڑیں مجھ کو بے بال و پر کرنے والے

یہ کیوں اشک آنکھوں کے تارے بنے ہیں — مژہ کو نہ دامن کو تر کرنے والے

نہ ہوں طور پر جا کے نیچی نگاہیں — سنبھل کر ذرا او نظر کرنے والے

جلائیں گے صیاد تیرے بھی گھر کو — قفس نذرِ برق و شرر کرنے والے

---

[1] ـ شہریارِ دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ

[2] ـ سر مہاراجہ کشن پرشاد بہادر شاد بالقابہٗ

مجھے دیکھ کر بولے اٹھ جائیں ڈر سے — یہ دیوارِ زنداں کو در کرنے والے

ترا اک گنہگار بندہ ہوں میں بھی — کرم ہی سے او درگزر کرنے والے

مصیبت شبِ غم کی آسان کر دے — مری شامِ غم کو سحر کرنے والے

پس توبہ ساقی لبِ تر سے تیرے — لبِ خشک ہم بھی ہیں تر کرنے والے

شکن گیسوؤں کی نہیں تیغ ہے یہ — کسے ہیں وہ زیبِ کمر کرنے والے

ریاضؔ اب تو مسجد میں گوشہ گزیں ہیں
وہ راتیں بتوں میں بسر کرنے والے

مئے کہنہ میں جھلک سی ہے کچھ جوانی کی — بہت ہی قدر ہو یاروں میں اس پرانی کی

گری ہے لے کے مجھی شاخِ آشیاں صیاد — خبر کسے تھی اس افتادِ ناگہانی کی

سنی ہیں ہم نے بھی موسیٰ کی جو ہوئیں باتیں — سنی ہے ہم نے بھی آوازِ لن ترانی کی

زیادہ عمر سے دوں طول فردِ عصیاں کو — ملے تو قدر کروں عمرِ جاودانی کی

چھلکتا ساغرِ گلگوں ہوا سے بھری بوتل — وہ دن شباب کا یہ رات ہے جوانی کی

کسی کے نقشِ قدم پر جبیں کا بوجھ پڑا — ہمارے سجدے ہوئے وجہ سرگرانی کی

مرا شباب یہ سنوار رہا ہے مرنے پر — ارے یہ موت نہیں نیند ہے جوانی کی

نہ ابر ہو تو گزر جائیں سایۂ خم میں — وہ دن شباب کے راتیں وہ ہیں جوانی کی

شرابِ تند کا خوگر ہوں کیا کیا ساقی — مری شراب بھی پانی ملا کے پانی کی

چھلکتے جام میں ساقی ذرا نمایاں کر — جو کھینچ کے آئی ہو تصویر ہے جوانی کی

ریاضؔ رات کو مسجد میں اب نہیں ملتے
بتوں کے کوچے میں خدمت ہے پاسبانی کی

سودائے علیؓ ہے مجھے سودائے علیؓ ہے
گم جس میں ہوں اے خضر وہ صحرائے علیؓ ہے

ہیں مہر بلب ہر بن مو بہر انا الحق
کس ضبط کا کس ظرف کا دریائے علیؓ ہے

ہیں کوثر و تسنیم رواں سائے میں جس کے
یہ طوبیٔ جنت ہے کہ مینائے علیؓ ہے

قسمت مری کس نور سے روشن ہے مری آنکھ
پتلی نہیں یہ نقش کف پائے علیؓ ہے

دیکھا جو مجھے سب نے کہا دل میں دم حشر
یہ کون ہے کوئی نہیں جویائے علیؓ ہے

ملتا ہوں تصور میں ہر اک تلوے سے آنکھیں
آنکھیں ہیں مری اور کف پائے علیؓ ہے

کیوں والہ و شیدا ہے جہاں نام پر اُس کے
عثمان علی خاں کوئی شیدائے علیؓ ہے

تاج سر عثمان ہے اللہ کا سایہ
اس کے لئے کچھ اور ہی منشائے علیؓ ہے

ہو سایہ فگن تاج خلافت ترے سر پر
عثمان علی خاں یہی ایمائے علیؓ ہے

ایما ہے تو کیا چیز ہے یہ تخت خلافت
نہ کرسیٔ افلاک تہ پائے علیؓ ہے

آئینہ وارثؒ ہے ریاضؔ آپ کا سینہ
دل سینہ میں ہے دل میں تمنائے علیؓ ہے
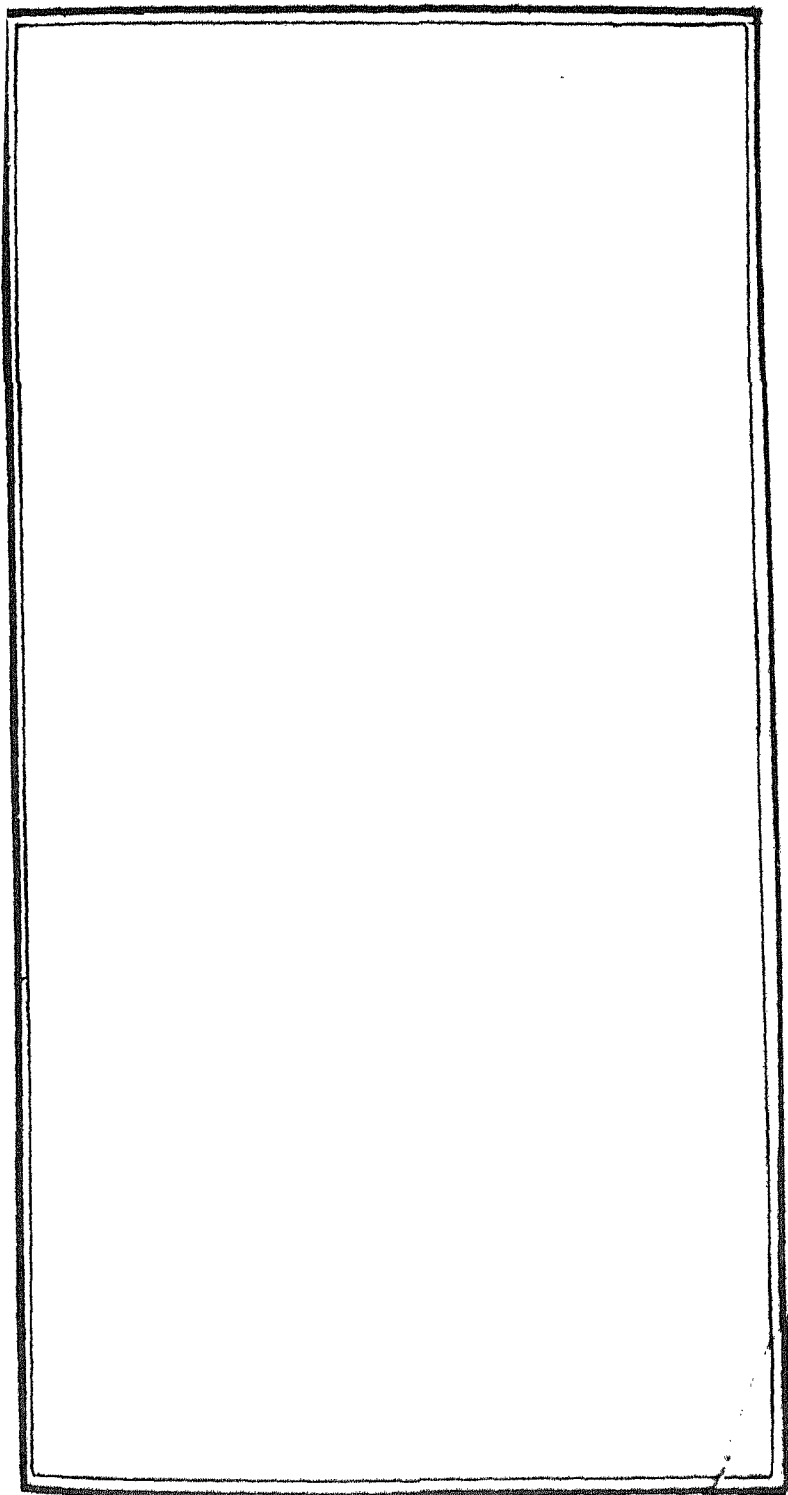
تمت

حصّہ دوم

آتشِ گُل

مثنوی

مالک مرے بے نیاز ہے تو — مالک مرے کارساز ہے تو

سب سے بالا ہے بات تیری — ہے شرک سے پاک ذات تیری

طاقت تیری ہے زور تیرا — ملتا نہیں اور چھور تیرا

ذرے میں سما جائیں حکم پا کے — چودہ طبق ارض کے سما کے

قدرت کے کرشمے ہیں یہ سارے — ایک آنکھ کے تل میں لاکھ تارے

اُٹھے جو پلک تو سب نظر آئیں | جھپکے جو پلک تو پردے پڑ جائیں

گر گرنہ سمائیں بحر و بر میں | گردش کرتے ہیں سب نظر میں

بیروں ز قیاس حالت ان کی | اللہ اللہ جسامت اُن کی

با ایں ہمہ گم ہیں وہ فضا میں | ذرے اُڑیں جس طرح ہوا میں

تارے چھوٹے ہیں یا بڑے ہیں | کیسے چکر میں سب پڑے ہیں

ظاہر میں وجود کچھ نہیں ہے | بے شب کے نمود کچھ نہیں ہے

ہر رنگ کا تو ہے چہرہ پرداز | اسباب و علل ہیں سب ترے راز

کیسی کشش؟ اور کیسا چکر؟ | کیسا مرکز؟ کہاں کا محور؟

ہلتے بھی نہیں جگہ سے اپنی | اقطابِ جنوبی و شمالی

قطبین نے کس طرح ہیں دابے | اس عرضِ وسیع کے کنارے

بھولی ہوئی زیچ میں ہے بھولے | ہے جھول رہی زمین، جھولے

تحقیقِ قدیم ہیچ در ہیچ | تحقیقِ جدید بھی ہے سب ہیچ

جو تو نے کیا وہ ہو رہا ہے | جو حکم دیا وہ ہو رہا ہے

سب کی ہے بساط کُن کے دو حرف | حیران ہے عقل سُن کے دو حرف

تو چاہے تو ہر حبابِ دریا | کوزے میں بھرے سب آبِ دریا

تو چاہے تو سنگ پھول پھل دے | ہو حکم ترا تو لعل اُگل دے

خاک اُڑنے ہی موجِ آب بن جائے | دریائے رواں سراب بن جائے

ہو جائے اگر ترا اشارہ | ہو جائے زمین پارہ پارہ

تو وہ پھینک دے ثقلِ اندرونی | نیچے کی رہے نہ رہنمونی

ہو اور ہوا، ہوا بدل جائے — فطرت کا بھی اقتضا بدل جائے

گلزار ہو، گل ہو، رنگ و بو ہو — بے قوت نامیہ نمو ہو

جو ہے یہی روز و شب نظر آئے — کچھ بھی نہ ہو اور سب نظر آئے

تو چاہے تو اور طور ہو جائے — دنیائے عناصر اور ہو جائے

بیکار ہے فکر و سعیٔ اثبات — ظاہر ہیں امورِ فوقِ عادات

قدرت تو تیری ہے تیری حکمت — معلول کوئی، نہ کوئی علت

جلوے سے ترے جہاں ہے معمور — ذرّے ذرّے میں ہے ترا نور

پنہاں رہ کر بھی تو عیاں ہے — ہر شئے سے عیاں ہے پھر نہاں ہے

آنکھوں سے یہاں جو تجھ کو دیکھیں — آنکھیں وہ کہاں، جو تجھ کو دیکھیں

پردوں میں ہے نور، نور میں تو — جلووں میں ہے تو، ظہور میں تو

وہ نور کے بے شمار پردے — کیسے ستر ہزار (۷۰۰۰۰) پردے

گو پردوں میں لاکھ تو نہاں ہے — جلوہ پھر بھی ترا عیاں ہے

اے پردہ نشین پردۂ نور — تو پردہ نما ہوا سرِ طور

تو نور جو ہر نگاہ میں ہے — پردہ تری جلوہ گاہ میں ہے

خود نور کے ہیں حجابِ عارض — خود نور کی ہے نقابِ عارض

ہر شئے کو محیط ہے تری ذات — جو پا گئے، پا گئے تری بات

جو پا گئے تجھکو کھو گئے وہ — بیدار ہوئے تو سو گئے وہ

شاہد یہی بے خودی ہے "تیری" — جب پردے اٹھے "خودی" ہے تیری

یہ دونوں جہاں طلسم بندی — سب کون و مکاں طلسم بندی

اک "تو" ہے دوسرا نہیں ہے — "کوئی تیرے سوا" نہیں "ہے

ہم ہیں منصور کا ترانہ — فصل "من و تو" غلط فسانہ

ہو جائے نہ اعتراض کوئی

بات اب نہ کہو ریاض کوئی

قطعہ

محتاج ترا ہوں کیسہ زر دیدے — مدّاح ترا ہوں لعل و گوہر دیدے

کچھ کم نہیں میکدے سے تیرے ساقی! — تھوڑی سی مجھے شراب احمر دیدے

بہ تقریب تشریف آوری اعلیحضرت حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

دھوم ہے دھوم کہ سلطانِ دکن آتے ہیں — شور ہے شور کہ خاقانِ دکن آتے ہیں

لکھنؤ خسروِ ذی شان دکن آتے ہیں — اس پرستان میں سلیمانِ دکن آتے ہیں

شہپر چتر ہما سایہ فگن ہے سر پہ

کس تکلف سے ہما سایہ فگن ہے سر پہ

آئینہ دار سکندر کے و دارا درباں — بوسہ لینے کو جھکے سوے قدم تاج کیاں

دیکھے نیچا جو کرے دعوئ رفعت کیواں — کر و فر وہ ہے کہ ہو فرِ فریدوں قرباں

جھومتا سایہ کناں ابر کرم آتا ہے

ہاتھ میں جام لئے ساقی و جم آتا ہے

کچھ ثریا سے بھی اونچا نظر آتا ہے نشاں — عکس پرچم ہے جسے کہتے ہیں سب کاہکشاں

وسعت چرخ میں پھیلا ہی جلوسی ساماں　　اونچے اونچوں میں ہی ماہی و مراتب کا بیاں

جگمگاتے ہیں پڑے چتر میں سورج کتنے

نظر آتے ہیں جڑے چتر میں سورج کتنے

زلزلے میں ہی زمین جس سے وہ صولت ہمراہ　　کانپے مریخ فلک جس سے وہ سطوت ہمراہ

شان ہر وقت بڑھے جس سے وہ شوکت ہمراہ　　نہ لٹانے سے کبھی کم ہو وہ دولت ہمراہ

سب جلو میں اثر انداز ہیں تا حدِ کمال

خادم و جاہ و حشم شان و شکوہ و اقبال

فرشِ راہ بننے کو ہیں خاک کے ذرّوں میں نہاں　　اخترِ بختِ شہاں تختِ شہاں تاجِ شہاں

رنگ لانے کو ہی گل رنگِ شفق کا داماں　　رتی تاروں کی چمک جانے کو ہی آج کہاں

بادِ پا ہے یہ ہوا اسکے جو سوار آیا ہے

آبپاشی کے لئے ابرِ بہار آیا ہے

صاف آوازیں ہیں نقاروں کی دھمکے کیسے　　کیسی پُر شور ہوا زور کے جھونکے کیسے

کیسے فراٹے نشانوں کے پھریرے کیسے　　کیسی گنبد کی صدا چرچے ہیں اُس کے کیسے

بولتا یوں جو ہے دوں دوں کوئی نقارہ ہے

کہکشاں چوب ہی گردوں کوئی نقارہ ہے

بج رہا ہے سرِ ذیجاہ کا ڈنکا کیسا　　چونک اُٹھتے ہیں سرافیل یہ دھوکا کیسا

منہ کو آتا ہے یہ دشمن کا کلیجا کیسا　　دوستوں میں ہی ہر اک چوب کا چرچا کیسا

یہ وہ آواز ہے جو عرش بریں تک پہنچے

نیل گاوِ فلک و گاوِ زمیں تک پہنچے

ایسی سرکار نہیں کوئی بھی سرکاروں میں — ایسا دربار نہیں کوئی بھی درباروں میں

اونچے اونچے ہیں یہاں غاشیہ برداروں میں — گنتی ہو چودھویں کے چاند کی بھی تاروں میں

نظر آتے ہیں بنائے ہوئے سج دھج کتنے

ایسے گلیوں میں پڑے پھرتے ہیں سورج کتنے

آمد آمد ہے عجب ولولہ انگیز آمد — کبھی دیکھی نہ ریاض ایسی اثر خیز آمد

کیسی دُرپاش و درافشاں و گہر خیز آمد — کاش ہو بہر اودھ مصلحت آمیز آمد

لطف ہو بخت اودھ بخت دکن ہو جائے

سیر ہو تختِ اودھ تختِ دکن ہو جائے

غزل

متعلق بہ نظمِ مسطورہ بالا

عثمانِ علی خاں کو جو سودائے علیؑ ہے — دل ہر بنِ مو وہ جنت دل جائے علیؑ ہے

سودائے علیؑ ہے انہیں سودائے علیؑ ہے — ہو خضر بھی گم جس میں وہ صحرائے علیؑ ہے

ہیں کوثر و تسنیم یہاں ساغرِ جس کے — وہ طوبیٰ جنت نہیں مینائے علیؑ ہے

کیا آنکھ ہے جس نور سے روشن ہوئی یہ آنکھ — بجلی نہیں یہ نقش کفِ پائے علیؑ ہے

دیکھا جو اسے سب نے کہا دل میں دمِ حشر — یہ کون ہے یہ کوئی نہیں جویائے علیؑ ہے

کیوں والہ و شیدا ہے جہاں دم پر اس کے — عثمان علی خاں کوئی شیدائے علیؑ ہے

تاجِ سرِ عثمان رہے اللہ کا سایہ — اس کے لئے کچھ اور ہی منشائے علیؑ ہے

آئینۂ وارث ہے ریاض آپ کا سینہ ‎ ‎ دل سینے میں ہے دل میں تمنائے علیؑ ہے

ہو ہیرا یہ فگن تاجِ خلافت ترے سر پہ ‎ ‎ عثمان علی خاں ابھی ایمائے علیؑ ہے

سجائے تو کیا چیز ہے یہ تختِ خلافت ‎ ‎ نہ کرسیٔ افلاک تہِ پائے علیؑ ہے

انتخاب

میری [illegible] کو ہاتھوں ہاتھ لیتی مجھ سی بھی بڑھ کر ‎ ‎ دکن میں کتنی میری قدر میری قدرداں کرتے

جلیل و [illegible] و ہوش و حضرت آخر سے ہم ملتے ‎ ‎ بنا کر نقدِ جاں دیوان نذرِ دوستاں کرتے

حضوری ہوتی جس دم بارگاہِ صدرِ اعظم میں ‎ ‎ ہمارے پاس کیا تھا نذرِ جانِ ناتواں کرتے

شرف کچھ کم نہ تھا یہ صدرِ اعظم ہاتھ رکھ دیتے ‎ ‎ دعا سو جان سے ہم بھر عمر جا و جانے مدفن

نئے سر سے جوانی پاتے جانِ تازہ مل جاتی ‎ ‎ غمِ فردا نہ رہتا تنشا و اتنا شہر پور و کفن

ہمارے درد کا درماں ہمیں گھر بیٹھے مل جاتا ‎ ‎ ہماری چارہ سازی چارہ سازِ بیکساں کرتے

ریاضؔ آسان ہو جاتا ہمیں گھر بیٹھے حج کرنا

کوئی دن اور بھی ہم خدمتِ پیرِ مغاں کرتے

غزل

جو اس بہشتِ زار میں ہے وہ جوان ہے ‎ ‎ یہ میکدہ نہیں ہے نیا اک جہان ہے

قسمت کی بات کوئی ہمیں پوچھتا نہیں ‎ ‎ اردو کا آج ملکِ دکن قدردان ہے

سنتا ہوں یاد کرتے ہیں مجھ کو جنابِ شاد ‎ ‎ کیا میرے دوستوں کا غلط یہ بیان ہے

دو چار سال کے لئے ہو جائے روک تھام ‎ ‎ کوئی اسے سنبھال لے گرتا مکان ہے

یہ سیر کیا ہے کہ سیارے سب ہیں چکر میں — رہے نہ نام کو ثابت، ثوابت روشن
نہیں ہیں تارے، دہکتے ہوئے ہیں انگارے — یہ کیا ہوا؟ طبق چرخ بن گیا گلخن
بجائے خود یہ فلک ہے کہ راکھ کا کوئی ڈھیر — نہیں ستارے یہ چنگاریاں ہیں کچھ روشن
یہ کیسی پھر گئی جھاڑو فلک کی صورت پر — ضیائے ماہ نہ سورج کی زرنگار کرن
نہ لالہ زار شفق ہے نہ اب وہ رنگ نہ روپ — نہ کہکشاں ہے حسینوں کی مانگ کا جوبن
جلے ہوئے پر پروانہ ہیں کہ پروین ہے — یہ ماہ ہالہ نشیں ہے کہ گل ہے شمع لگن
عجیب ہے یہ تغیر فلک کی حالت میں — اسی کے جسم کے رو ئیں اسی کے ہیں دشمن
دھنک کے قوس قزح نے یہ رکھ دیا اس کو — کہ بن کے روئی کے گالے اڑا ہے چرخ کہن
زمین میں ہو سمائی سما کی، ناممکن — نئی زمین یہ ڈھونڈھے کہیں نئے مدفن
نہ تیرہ ابر کا ٹکڑا، نہ تیرہ غار کوئی — رہے ہمیشہ یونہی اب بغیر گور و کفن
خراب چرخ بد اختر کی کیوں نہ ہو مٹی — برائیوں کا ہے پتلا برا ہے چال چلن
اسی کے چلنے قیامت کا سامنا تھا آج — نہ تھا یہ دور کہ ہو صور حشر شور فگن
فلک کا ٹوٹ کے گرنا نہیں، تو یہ کیا ہے! — ہمارے سر سے اٹھا سایۂ خدائے سخن
نہ ہوگا اس سے سوا حادثہ قیامت خیز — زمین شق ہوئی ٹکڑے ہوا ہے چرخ کہن
یہ چپ جہان سخن ہے کہ جیسے جان نہیں — امیر جان سخن تھا امیر جان سخن
نظام عالم تکویں میں پڑھ چکا تھا فرق — ہوئے نظام جہاں کا سبب نظام دکن
یہ کس کا نام الٰہی زبان پر آیا — فدائے نام مبارک لب و زبان و دہن
شہ شہان جہاں خسرو فریدوں فر — بہ فرق تاج و نگہباں ہے زمین و زمن
اسی کا نام مبارک جہاں میں ہے محبوب — فدائے نام دل و جان و کام و نطق و دہن

یہ ہے اثر کہ اگر لے ذرا قدم جھک کر ۔۔۔ جواں ابھی نئے سر سے ہو پیرِ چرخِ کہن

جو چاہیں اُس کے ہوا خواہ مرتبۂ دنیا ۔۔۔ غبارِ راہِ فلک ذرہ ہو مہ روشن

وہی نبی کا ہے نائب وہی ہے ظلِ اللہ ۔۔۔ اُسی کے سائے سے چودہ طبق ہوئے روشن

اُسی کی ذات سے ظلمت ہے کفر کی کافور ۔۔۔ اُسی کے ہاتھ سے ہے شمع دین کی روشن

اسی کے نام کے ڈنکے بجے ہیں عالم میں ۔۔۔ اُسی کے نام کے سکے کا ہر طرف ہے چلن

اسی کے نور سے ہر ذرہ تابناک ہے آج ۔۔۔ اُسی کے نور سے گھر گھر چراغ ہے روشن

اثر یہ جود کا شرق و شمال و غرب میں ہے ۔۔۔ کہ کھینچ رہا ہے دکن کی طرف ہر اک دامن

لکیریں ہاتھ کی جود و سخا کی نہریں ہیں ۔۔۔ ہمیشہ آبِ گہر جوش زن ہے موج فگن

رہی نہ قدر زمانے میں ابرِ نیساں کی ۔۔۔ رہا نہ بحرِ عدن میں اب ایک دُرِّ عدن

لٹائے گنج زر اتنے بلند ہاتھوں سے ۔۔۔ نہیں ستارے پُر آور ہے چرخ کا دامن

لٹائے درہم و دینار جس قدر اُس نے ۔۔۔ نہ توڑے اتنے نہ قطرے نہ دانہ خرمن

اسی سے کوڑیوں کے مول اب جواہر ہیں ۔۔۔ نہ قدرِ لعلِ بدخشاں نہ قدرِ لعلِ یمن

زمیں کا پیٹ خزانوں سے بھر دیا اُس نے ۔۔۔ کہ رے کے نکلے زرِ گل جو نکلے نخلِ چمن

زمیں لعل و گہر اُگلے وہ جدھر گزرے ۔۔۔ جہاں ہو نقشِ قدم وہ جگہ بنے معدن

یہی نہیں کہ پہاڑوں کی جھولیاں بھر دیں ۔۔۔ دُرِ خوش آب سے دریا کا بھر دیا دامن

نہیں وہ کہ عار ہر اک سے مجھے خدا کے سوا ۔۔۔ عجب نہیں کفِ سائل بنے مراد امن

اسی کی مملکتِ نظم میں ہے شاہی سب ۔۔۔ وہی ہے آج زمانے میں قدردانِ سخن

نظر سے گزریں جو یہ بے بہا در اشعار ۔۔۔ بھرے وہ لعل و گہر سے ابھی مراد امن

اسی نے داغ کو اُستاد کا دیا رتبہ ۔۔۔ اُسی کا بندۂ احساں بنا خدائے سخن

اُسی کی قدر شناسی نے یہ اثر ڈالا — ہوا امیرؔ سا استاد رہ نوردِ دکن
اثر نہ ضعف کا پروا نہ عمرِ آخر کی — نہ شکوہ سنجیٔ غربت نہ دل میں یادِ وطن
پہنچ گیا درِ محبوب پر تو پھر کیا تھا؟ — بنی تھی موجِ تبسم جبیں کی تھی جو شکن
حضورِ شادؔ کی بیتابیاں وہ بادلِ شاد — جنابِ داغؔ کے قبضے میں یار کا دامن
ہجومِ خلق نے کیا کیا جگہ دی آنکھوں پر — جھکا کوئی کہ جبینِ نیاز ہو روشن
امیرؔ و جوشِ طرب اور ہنستی پیشانی — وہ نور چہرے کا وہ انکسارِ خُلقِ حسن
وہ جانتے تھے کہ رہنا پڑے گا محشر تک — کہ مجھکو کھینچ کے لائی ہے خاکِ پاکِ دکن
مآل پر تھی نظر اپنی جان ہی دے دی — کہ ہو دیار میں محبوبؔ کے مرا مدفن
وہی دیار وہی کوچہ و درِ محبوب — چھٹا نہ دامنِ محبوب و سایۂ دامن
لگی ٹھکانے دکن میں امیرؔ کی مٹی — عجب نہیں سرِ گردوں ہو گنبدِ مدفن
کلس نہ دبکے رہے دبدبہ سے گنبد کا — جہاں میں اور بھی نامِ امیرؔ ہو روشن
نہیں امیرؔ تو کیا اخترؔ و جلیلؔ تو ہیں — سروں پر ان کے رہے شہ کا سایۂ دامن
خدا کرے کہ امیر اللغات چھپ جائے — ادا زباں کرے شکرِ شہر یارِ دکن
تمام عمر رہے گا امیرؔ کا ماتم — مٹائے مٹ نہیں سکتا کبھی یہ رنج و محن
تڑپ رہا ہوں کہ قبرِ امیرؔ تک پہنچوں — دکن سے دور ہوں میں اور دور مجھ سے دکن

رہے یہ سال سرِ قبرِ بے دیارِ امیرؔ
فقیرِ کوچۂ محبوب امیرِ ملکِ سخن
۱۰ ھ ۱۳

تاریخ انتقال پر ملال جناب نواب فصیح الملک بلبل ہندوستان

نواب مرزا خان داغ دہلوی شاگردِ ذوق مرحوم

ہے قیامت داغ کا مرنا ریاض
شورِ ماتم آج ہر محفل میں ہے

گوشۂ محمل بنا ہے کُنجِ گور
بند لیلائے سخن محمل میں ہے

اُٹھ گیا شاہنشہِ ملکِ سخن
خامشی بزمِ شہِ عادل میں ہے

غم سے گویا بن گئی ہے جان پر
غمزدوں کی جان مشکل میں ہے

دل کو بھی دیکھو! جگر کو دیکھ کر
اور بسمل پہلوئے بسمل میں ہے

پھیر لائے اس مسافر کو کوئی
وہ ابھی تو پہلی ہی منزل میں ہے

آئی ہے کس کو مٹانے؟ داغ کو؟
لطفِ اجل کو سعیِ لاحاصل میں ہے

زندہ جس کا نام ہے مرتا نہیں
راستی اس دعویِ باطل میں ہے

داغ مٹتا ہے مٹانے سے کوئی
وہ فروغِ شمع ہر محفل میں ہے

اے لحد! تو چاند پر ڈالے گی خاک
داغ آغوشِ مہِ کامل میں ہے

کیا چھپانے سے تری چھپ جائے داغ
وہ نہاں تجھ میں نمایاں دل میں ہے

وقت پر آنکھیں چرانا اے لحد!
یہ بُرائی تیری آب و گِل میں ہے

مر کے بھی پیشِ نظر ہے شکلِ داغ
آنکھ کہتی ہے "وہ بیت تل میں ہے"

کہہ رہا ہے مصرعِ سالِ وفات
اے لحد! اب داغ کس منزل میں ہے
۱۳۲۲ھ

تاریخ طبع دیوانِ سوم "مہتاب سخن" از جناب جلیل اللہ حافظ

جلیل حسن صاحب جلیل شاگردِ حضرت امیر مینائی اُستادِ اعلیحضرت میر عثمان علی خاں بہادر

سلطانِ دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ

جلیل اُستاد کے تم جانشیں ہو — تمہیں کہتے ہیں ہم استادِ فن بھی
طبیعت میں وہی استاد کا رنگ — وہی شوخی وہی لطفِ سخن بھی
عجب بندش، عجب ترکیبِ اشعار — وہی اشعار میں ہے بانکپن بھی
اثر انداز ہے نکھرا ہوا رنگ — عنادل بھی فدا صدقے چمن بھی
مسلسل نظم کی لے گی بلائیں — جھکی پڑتی ہے زلفِ پُرشکن بھی
امارت بھی ملی ملکِ سخن کی — ہوئے اب صاحبِ تاجِ سخن بھی
سمجھتا ہے تمہیں سرمایۂ ناز — ریاضِ خوشنوا شیریں سخن بھی
تمہیں یکتا سمجھتا ہے زمانہ — تمہارے معتقد ہیں اہلِ فن بھی
تمہیں سب جانتے ہیں مانتے ہیں — نہ اہلِ لکھنؤ، اہلِ دکن بھی
تمہارے قدرداں ہیں آصفِ شاد — وزیرِ ملک بھی شاہِ زمن بھی
مبارک ہو درِ آصف کے سجدے — مبارک ہو تمہیں تاجِ سخن بھی

تاریخ طبع دیوان موسوم بہ "جانِ سخن" تصنیف جناب جلیل القدر حافظ جلیل حسن صاحب بہادر

شاگردِ خدائے سخن حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ اُستادِ اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں مرحوم سلطانِ دکن

خوب چھپا تازہ کلامِ جلیل — کیوں نہ کہیں سب اسے "جانِ سخن"

مستند اس کے لیے قولِ ریاض — جانِ سخن، جانِ جہانِ سخن

فیض رساں ساقیِ مینا پرست — ملتجی ہیں پیرِ مغانِ سخن

لیں ابھی میخانے سے اب غم کے خم — بادہ فروشانِ دکانِ سخن

جانِ سخن! تجھ میں ہے شانِ امیر — جانِ سخن! تجھ میں ہے شانِ سخن

جانِ سخن! تو نے سجایا اسے — ورنہ مٹا ہی تھا نشانِ سخن

جانے کو تھی باغِ سخن کی بہار — جمنے کو تھا رنگِ خزانِ سخن

داغوں کے تھے باغ کھلے بعدِ داغ — کس سے کہوں؟ دردِ نہانِ سخن

کس سے کہوں؟ کون بنا؟ بعدِ داغ — چارہ گرِ دردِ نہانِ سخن

رہ گئے ہم گردِ پسِ کارواں — نقشِ کفِ راہروانِ سخن

نقشِ کفِ پا بھی نہیں نقشِ آب — خاک سرِ آبِ روانِ سخن

آنکھ میں دے کون جگہ؟ خاک کو — کوئی نہیں مرتبہ دانِ سخن

جھوٹ ہے یہ کوئی نہیں رتبہ دان — ہیں ابھی کچھ مرتبہ دانِ سخن

پیشِ نظر قدرِ جنابِ جلیل — دے گا ترقی ابھی جانِ سخن

لطفِ بیاں شاہدِ معنی کی جان — جانِ سخن کیوں نہ ہو جانِ سخن

جانِ سخن نے نئی پھونکی ہے روح — بڑھ گئی ہے تاب و توانِ سخن

وصف میں اشعار کے تاریخ ہے — ہیں وہ سبھی روحِ روانِ سخن

چن لیے چھٹتے ہوئے شعرا سے ریاض

دل میں ہے اب نشترِ جانِ سخن

۱۶ ۶ ۱۹

حسب فرمائش افتخار الملک مضطر مرحوم

آنجہانی مہاراجہ گوالیار کے ولی عہد جانشین مہاراجہ حال بالقابہ کی ولادت تہنیت میں

وہ پو پھوٹی کھلا ہر میکدے کا در مبارک ہو　　طلوعِ صبحِ عشرت اے شہِ خاور مبارک ہو

نظر کیونکر نہ خیرہ ہو وہ چمکے سینکڑوں سورج　　وہ چھلکے جامِ پُر زر جلوۂ ساغر مبارک ہو

وہ بھڑکی آتشِ تر موج مے سے اُٹھی شرر بنکر　　نئی آتش، نیا شعلہ، نیا اخگر مبارک ہو

لگی ایسی اُٹھی لو بن کے سورج بامِ گردوں سے　　خمِ گردوں نیا تجھ کو یہ جامِ زر مبارک ہو

شفق کا دامنِ رنگیں لپٹ ہے آتشِ تر کی　　مبارک ہو فروغِ بادۂ احمر مبارک ہو

زمیں! تجھ کو مبارک ہو بہارِ لالۂ احمر　　فلک! تجھ کو شفق گوں نور کی چادر مبارک ہو

یہ ساغر ہے کہ سورج ڈوب کر نکلا خمِ مے سے　　کرن سورج کی تجھ کو اے خطِ ساغر مبارک ہو

ابل کر خمکدے میں مے خمِ گردوں سے آئی گی　　خمِ مے! تجھ کو جوشِ بادۂ احمر مبارک ہو

شفق مے، چرخ مینا، آفتابِ صبح ساغر ہے　　نئی صہبا، نیا مینا، نیا ساغر مبارک ہو

وہ تارے جھلملائے وہ سپیدہ صبح کا چمکا　　تجھے اے صبح! خوابِ دیدۂ اختر مبارک ہو

یہ کیا ہے خسرو و پرویز و جم اُٹھ اُٹھ کے آئے ہیں　　تجھے اعجازِ عیسیٰ اے لبِ ساغر مبارک ہو

ارے او قلقلِ مینا! یہ تو نے صور پھونکا ہے؟　　درِ میخانہ پر ہنگامۂ محشر مبارک ہو

یہ دخترِ رز نے پائے موج سے ٹھکرا دیا شاید　　عدم والو! قیامت کی تمہیں ٹھوکر مبارک ہو

یہ حشر اس کے خرامِ ناز کا ادنیٰ کرشمہ ہے　　مبارک ہو تمہیں یہ فتنۂ محشر مبارک ہو

بہت ملتی ہے موجِ مے نگاہِ مست ساقی سے　　اتر جائے جو خود ہی دل میں وہ نشتر مبارک ہو

روانی موجِ مے کی میکشوں سے صاف کہتی ہے
جو پھر جائے گلے پر خود ہی وہ خنجر مبارک ہو

وہ خنجر ہو کہ نشتر ہو حیاتِ جاوداں بخشے
اثر ہو جس کے موجِ مے میں وہ ساغر مبارک ہو

بطِ مے نے پرِ پرواز یہ کیسے نکالے ہیں؟
ابھر کر موجِ مے کہتی ہے بال و پر مبارک ہو

زمیں سے آسماں تک جلوہ گاہِ دخترِ رز ہے
مہ و خورشید کو بھی گردشِ ساغر مبارک ہو

حرم بھی دیر بھی ہے جلوہ گاہِ دخترِ رز میں
نیا عالم، نیا جلوہ، نیا ساغر مبارک ہو

جو آئے ایک جلوہ آکے دیکھے چشمِ ساغر سے
جو آئے مثلِ مینا کے جھکانا سر مبارک ہو

ذرا آنکھوں سے چن لے سنگریزے شیشے کے ٹکڑے ہیں
تجھے زاہد خدا کا گھر حرم کا در مبارک ہو

پرستش سنگدری میں ہو جو پہنچے دستِ میکش سے
عوض شیشے کے پتھر جائے تو پتھر مبارک ہو

یہ کیسی مے ہے کیسا میکدہ ہے صبح کیسی ہے!
کہ ہر سو شور برپا ہے مے و ساغر مبارک ہو

یہ مے وہ ہے کہ جس سے غم غلط رہتا ہے دنیا کا
نشاط و عیش نے دل میں کیا ہے گھر مبارک ہو

لگی دل کی بجھا لے آج وہ بھی دن ہی ایسا ہے
پئے سوزِ دروں دشمن کو چشمِ تر مبارک ہو

ہر اشکِ تلخ دے گا لطف اس کو تلخیٔ مے کا
اسے پینے کو آنسو آنکھ کا ساغر مبارک ہو

تمہیں موقع ہو خاک انمسرفہ ہن اس کو کوئی
بہت بھاتی ہے خاک اس کو بھی اب شکر مبارک ہو

فراوانی نشاط و شادمانی کی یہ کہتی ہے
خوشی ہر ایک کو ہر ایک سے بڑھ کر مبارک ہو

درِ دولت سے فیضِ عام کے چشمے ہوئے جاری
مے عشرت کا گھر بیٹھے ہوئے ساغر مبارک ہو

جو ذرہ کہ بنے زر ہے تو پارس در کا پتھر ہے
یہ خاکِ در مبارک ہو یہ سنگِ در مبارک ہو

ستارہ تاج کا چمکا ستارہ راج کا چمکا
مہاراجہ کو فرزندوں کو اختر مبارک ہو

رہے جب سن کی طرح ادو صاحب عدل جو بھی آئیں
مبارک ہو مبارک اور تا محشر مبارک ہو

یہ دو فرخندہ اختر ہے جو قسمت کا سکندر ہے
دھرم باپ اس کا شہنشاہ ہند کے قیصر مبارک ہو

مبارک لفظ "میری" ہے کہ یہ ہے نام ملکہ کا — مبارک ہو کہ "میری" اب ہی مادر مبارک ہو

عموماً "میری مادر" اس کو اہل ہند کہتے ہیں — یہ تخصیص اس کو یہ طفل بلند اختر مبارک ہو

رہے اب جارج بھی پیارے جیا جی راؤ کے سر پر — خدایا جارج پنجم کو بھی یہ دلبر مبارک ہو

بہت چبھنے ہوئی مژگاں بہت چلتے ہوئے ابرو — دل دشمن کو زخم ناوک خنجر مبارک ہو

نوید فتح و نصرت ساتھ اپنے لے کے آیا ہے — ہمارے تیغ براں کو عدو کا سر مبارک ہو

مبارک ہو قدم اُس کا قدم اُٹھ جائیں دشمن کے — ہمیں جرمن تری پامالی لشکر مبارک ہو

ہمارے سر رہیگا فتح کا اس جنگ میں سہرا — مبارک ہو ہمیں تیغ ظفر پیکر مبارک ہو

قریب اب ہے کہ پائے تخت برلن سے دھواں اُٹھے — تماشائے شرار آتش و اخگر مبارک ہو

پھٹیں جب بم کے گولے آئے یہ آواز گولوں سے — شکست گنبد و دیوار و بام و در مبارک ہو

ہوا پر ہر طرف ایروپلین اُڑتے نظر آئیں — فضا میں آلہ پرواز کو چکر مبارک ہو

یہ غل ہو آسمان پر زپلن کے اُڑ گئے پرزے — زمین پر شور ہو ٹکڑے ہوا فوکر مبارک ہو

وہ سب میرین ڈوبے اور وہ بیڑا جہازوں کا — ہوئے ٹکڑے وہ نو ایجاد ہو بیٹر مبارک ہو

سمندر موجزن ہو تختگہ کا تختہ یوں اُلٹے — ڈرڈناٹ و کروزر کو وہاں لنگر مبارک ہو

فضائے چرخ تک موج ہوا میں گونج ہو اس کے — کہیں قعر سمندر سے ارل کچنر مبارک ہو

سوئے یورپ گئیں کس شان سے توپیں رئیسوں کی — چڑھائی دیسیوں کی ہم کو یورپ پر مبارک ہو

مبارک ہو حکومت جارج پنجم تیری برلن پر — حکومت جارج پنجم تیری برلن پر مبارک ہو

مبارک انجمن آرائیاں ہم کو مسرت کی — مبارک ہو ہمیں دور مے و ساغر مبارک ہو

پری پیرس سی آئے بن کے ساقی بزم عشرت میں — تجھے اے بزم مے ساقی پری پیکر مبارک ہو

کہے ساقی لب نازک سے لطف دور مے کیسا؟ — نشاط دور شاہ معدلت گستر مبارک ہو

مبارک قیصرِ ہندوستاں کا ہند کو سایہ
مبارک ہو یہ جامِ صحتِ قیصر مبارک ہو

مبارک جامِ صحت ہو مہاراجہ کا سبھی ہم کو
مکرر دورِ ساغر ہو کہو پی کر مبارک ہو

کہوں کیا بادۂ شیراز سے لبریز ساغر ہے
کہوں کیوں پر بنگالی بادۂ احمر مبارک ہو

بھرا آبِ حیات اس جام میں ہے جام ہی کیسا
جو بخشے جاودانی عمر وہ ساغر مبارک ہو

ترے صدقے مرے ساقی! مرے ساقی ترے صدقے
اُڑے بھی کاگ بوتل کا کہے اُڑ کر مبارک ہو

زبانِ موجِ شیشے کا دہن ساغر کے لب ساقی!
ذرا سنوا دئے کہتے ہیں یہ سب کیونکر مبارک ہو

نوائے نغمۂ رنگیں ہوا میں ہر طرف گونجے
رسائی نغمۂ رنگیں کی گردوں پر مبارک ہو

کہے سب سے طرب افزا اثر اس خوش نوائی کا
نشاطِ رقصِ موج و شیشہ و ساغر مبارک ہو

جبیں پر لطف دی دخترِ رز افشاں ستاروں کی
مبارک ہو ثریا کا تجھے جھومر مبارک ہو

جو بجلی بن کے برق آئی تو شعلے بالیاں بن کر
تجھے او دخترِ رز انور کا زیور مبارک ہو

جو بالا ہالۂ مہ ہو تو پرویں کان کے بُندے
مہِ نو کا گلے میں تیری طوقِ زر مبارک ہو

گلے میں موتیوں کا ہار ڈالے کہکشاں جھک کر
کہے ہر ہفت ہونے پر فلک جھک کر مبارک ہو

ادائے رقص میں رنگیں شفق منہ پر ہی آنچل
شفق اے دخترِ رز پھولے تری منہ پر مبارک ہو

مسرت کی یہ موجیں ہیں شفق بن کر جو پھولی ہے
تجھے لطفِ بہارِ لالۂ احمر مبارک ہو

سلامت بزمِ مے ساقی سلامت بادہ کش ساقی
یہ دورِ بادۂ گلرنگ تا محشر مبارک ہو

ریاضِ اشعار سن کر آپ کے ہم بھی یہ کہتے ہیں
صلے میں آپ کو گنجینۂ گوہر مبارک ہو

تہنیت خطاب حضور نواب حمید اللہ خاں بہادر

حال فرمانروائے دار الاقبال بھوپال خلد اللہ ملکہ

کیا بیاں ہو رتبۂ حاجی حمید اللہ خاں — سایۂ حق فرق پر زیرِ قدم نہ آسماں
سنگ سے اُس کے کفِ پا نے کیا پیدا لعل — آفتابِ آسماں ہے لعلِ سنگِ آستاں
اس کے خاکِ آستاں کے ذرے اختر آفریں — اس کے ہر نقشِ قدم پر بدرِ کامل کا بیاں
رہگزر اُس کی ہے گویا نور کے دریا کی موج — دن میں سورج کی کرن کا تار شب کو کہکشاں
چاند سورج آنکھ سے اپنے لگاتے ہیں قدم — ذرّہ ذرّہ نقشِ پا کا تاجِ فرقِ فرقداں
انجم افروزِ فلک ہے ہر چراغِ انجمن — کہکشاں بنتا ہے اُٹھ کر شمعِ محفل کا دھواں
چرخِ اطلس فرشِ پا انداز اس کے واسطے — سر پر اس کے راہ میں ابرِ کرم چترِ رواں
اللہ اللہ جس کی رفعت قربِ حق کی خواستگار — کس قدر سب سے الگ ہے اس کی خلوت کا مکاں

انجمن میں دورِ ساغر گردشِ دوراں سے تیز — مے وہ مے ادنیٰ اثر جس کا نشاطِ جاوداں
لذت ایسی جس کے آگے پھیکے دنیا کے مزے — قوت ایسی ایک گھونٹ سے جو زمین و آسماں
دور سے آتی ہے یہ مے بزمِ عالی کے لئے — اس کے ملنے کی جگہ ہے اک بڑی اونچی دکان
حق شناسی ہر شریکِ انجمن کا کام ہے — بزمِ عالی کے سوا دورِ مئے عرفاں کہاں؟
گوشے گوشے میں نظر آتا ہے عالم نور کا — قدِ آدم آئینوں میں جلوۂ کون و مکاں
گوشۂ خلوت میں حق آگاہ عبدِ حق شناس — اور بزم و رزم میں وہ اک امیرِ حکمراں
بزم میں موجِ تبسم جامِ مے کی موج ہے — رزم میں بہرِ عدو چینِ جبیں نوکِ سناں
بزم میں مے کا چھلکتا جام اس کی چشمِ لطف — رزم میں بہرِ عدو ابرو کے بل تیر و کماں
بزم میں تیغِ کمر گویا ادائے حسنِ وضع — رزم میں تیغِ کمر پر برقِ خاطف کا گماں

اصفہاں تک نام ہے بھوپال کی تلوار کا — اس کا لوہا مانتی ہے آج تیغِ اصفہاں

دیکھنے کی شئے ہیں دونوں رزم کے میدان میں — تیغ تو زیبِ کمر ہے بادپا ہے زیرِ راں

دونوں آفت چال میں دونوں قیامت چال میں — وہ چمک دونوں میں چمکیں جیسے دوہری بجلیاں

رخش بن سکتا نہیں ہے تیز گردش سے فلک — شوق سے بن جائے چرخِ نیل گوں پیلی دماں

کم نہیں یہ فخر اس کے سر اٹھانے کے لئے — فیل خانے میں جگہ پا جائے نیلی آسماں

فیل سے سرکار کے ٹکرائے یہ ممکن نہیں — سر اٹھا کر لاکھ سر ٹکرائے پیلِ آسماں

ہاں ہزیمت خوردہ جنگاہ ہے پیلِ فلک — پیلِ گردوں کا شکستہ دانت ہے یہ کہکشاں

رخش ہو یا پیل ہو یا تیغ ہو سرکار کی — کوئی ہو قربان میری طبع کی جولانیاں

ایسے بھائی کو لگائے کیوں نہ بھائی گلے — ایسے بیٹے کو جگہ دے کیوں نہ اپنے دل میں ماں

تا قیامت افتخارالملک کے سر پر رہے — یا الٰہی سایہ سرکار بہ اولاد و ماں

تو نے دیکھا ہے زمانہ عمر ہے تیری بہت — تو نے بھی دیکھے ہیں اے پیرِ فلک ایسے جواں

عمر پوچھے کوئی تو گنتی کے ہیں چھبیس (۲۶) سال — قابلیت وہ سبق لے جس سے بوڑھا آسماں

ہے انھیں پر اے علیگڈھ ناز کالج کو ترے — پاس بی۔ اے دوسرا کوئی رئیسوں میں کہاں

سال نو آیا ہے لیکر سی ایس آئی کا خطاب — ہو مبارک آپ کو حاجی حمیداللہ خاں

اس تعلق کا رہے سرکارِ عالی کو خیال
پیش کرتا ہے قصیدہ یہ ریاضِ مدح خواں

ستائشِ شہر و شہریارِ رامپور

مقام مشکاف ہوس دہلی

حور کو فردوس سے لائے بہارِ رام پور
قاف سے پریوں کو کھینچے سبزہ زارِ رام پور

لالہ و گل سے ہمیشہ ہے بہارِ رام پور
مٹ نہیں سکتے کبھی نقش و نگارِ رام پور

کان کو آویزہ دے عکسِ زمرد آفریں
سبزۂ خطِ بتاں ہے سبزہ زارِ رام پور

ہم قد و ہم رنگ ہیں نرگس ہوئی سب ایک ڈال
ساغرِ یاقوت بر کف لالہ زارِ رام پور

کس کی آنکھوں میں نہیں ہے لطف نینی تال کا
قاف کی پریوں کا گھر ہے کوہسارِ رام پور

موتیوں کے ہار میں اٹھتی ہوئی موجیں نہیں
آبِ گوہر سے بھری ہے جوئبارِ رام پور

آسماں کی آنکھ کے تارے ہیں ذرے راہ کے
کہکشاں سے بڑھ کے ہے ہر رہگذارِ رام پور

اختر افشاں دامنِ گردوں میں ذرے ہیں خاک کے
خوشۂ پروین کا خرمن ہے غبارِ رام پور

آنکھ میں چبھ کر ہر اک دل میں یہ پاتا ہے جگہ
یار کی چبھتی ہوئی مژگاں ہے خارِ رام پور

یاد رکھنا بات میری جانے والو خلد کے!
خلد میں بھی یاد آئے گا دیارِ رام پور

کوئی بھی مستِ مئے عرفاں نہیں کوثر پرست
کیا کرے جنت میں جا کر بادہ خوارِ رام پور

حور بھی لائے چھلکتے جام کوثر کے اگر
آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے میگسارِ رام پور

بیخودی میں ہو نہیں سکتی کبھی یادِ خدا
ہو نہیں سکتا ہے بیخود ہوشیارِ رام پور

نام لے حورانِ جنت کا تو دوزخ میں پڑے
کوئی پا جائے جو واعظ گلعذارِ رام پور

مصطفےٰ آباد پر سو بار ہو دہلی فدا
لکھنؤ سو بار ہو آکر نثارِ رام پور

ہر گھڑی ساتوں فلک ہیں صدقے کس کے چتر پر
تاجداروں میں ہے کیسا؟ تاجدارِ رام پور

دولتِ دنیا ملی عزت ملی رتبہ ملا
بن گیا جو ہو گیا امیدوارِ رام پور

آج ہے سرکارِ انگلش میں نہ مانے سے سوا
اعتبارِ شہریار و اعتبارِ رام پور

رحم کا موقع بھی ہے ہیوٹ بھی ہیں ٹلر بھی ہیں
میں بھی ہوں دہلی میں یا نغمہ شہریارِ رام پور

فیضِ شہ سے یا خدا میری بھی بر آئے مراد — عمر بھر میں بھی رہوں خدمت گزارِ رام پور
یا الٰہی جاں نثاروں میں ہو میرا بھی شمار — انگلیاں اُٹھیں وہ آیا جاں نثارِ رام پور
کون دے شہ کے سوا مجھ کو صلا اشعار کا — ہے شہِ ملکِ سخن بھی تاجدارِ رام پور

پائے عمرِ خضر و اقبالِ سکندر رائے ریاضؔ
حضرتِ حامد علی خاں شہریارِ رام پور

ستائشِ جنابِ نواب حامد علی خاں بہادر بالقابہ بشکریہ فرمانروائے رامپور

(جب ملکِ معظم پورے جلوس کے ساتھ دہلی میں بتقریبِ دربار گزر رہے تھے مہاراجہ گوالیار و شہریارِ رامپور شمشیرِ عریاں بدست طناز گھوڑوں پر عجب شان سے ملکِ معظم کے جلو میں رواں تھے۔ جو ہمرحوم نے شملہ ہاؤس میں قطعۂ ذیل سنکر جو صلہ آفرین داد دی۔ مہاراجہ گوالیار کے متعلق دوسرا قطعہ نہیں ملا)

موج در موج وہ افواج وہ ترتیبِ جلوس — شاہ کے آگے رواں حضرتِ شکوہِ سپاہ
کہتی جاتی تھی برابر یہ زبانِ شمشیر — تو سلامت رہے اے پیش روِ شاہنشاہ

بتقریبِ عیدِ قربان بمقامِ رام پور

اللہ بڑھائے رتبہ و شانِ حضور — ہو خلقِ خدا اسنے میں احسانِ حضور
کہتی ہوئی آئی ہے یہ عیدِ قرباں — وہ کون ہے جو نہیں ہے قربانِ حضور

ہاتھ آئیں گے کیا کیا درِ شہوار ریاضؔ — سرکار کا دامن ہے گہر بار ریاضؔ
نیساں کو نہیں ہے کوئی نسبت اس سے — ہے ابرِ کرم دامنِ سرکار ریاضؔ

"این ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد"

کیوں جہاں میں تیرگی پھیلی ہے آج
کیا ہوئے اے چرخ تیرے مہر و ماہ

آفتابِ حشر گم ہے خوف سے
ہے مہیب اس درجہ یہ روزِ سیاہ

رک گئے تارے اپنے دور سے
پھر رہے ہیں کارواں گم کردہ راہ

کالے کالے غم کے بادل چھائے ہیں
کھولے ہیں لاکھوں حسیں زلفِ سیاہ

کیسے اہلِ شہر؟ کیسا رام پور
سچ تو یہ ہے آج دنیا ہے تباہ

ذاتِ اقدس سے ملی تعلیمِ صبر
کام آیا سایۂ ظلِّ اِلٰہ

عمرِ خضر اللہ دے سرکار کو
روز افزوں ہو الٰہی عز و جاہ

میں کہوں تو کیا کہوں؟ تاریخ غم
رنج سے خود ہے مری حالت تباہ

قسمت عالم میں لکھا تھا ریاضؔ
داغ ہوا اس چاند کا عالم کو آہ

۱۳ ھ ۲۹

عرضداشت

بحضور اعلیٰحضرت حضور پرنور ہز ہائینس نواب حامد علی خاں بہادر رشک بالقابہ فرمانروائے رامپور

جنابِ رشک کا لب پر ہمیشہ نام آئے
یہ نامِ پاک وہ ہے وقت پر جو کام آئے

نظر کے سامنے خالی کبھی نہ جام آئے
ہلال بھی ہو تو بن کر مہِ تمام آئے

غلامِ ساقیٔ کوثر ہے خسروِ جم جاہ
نصیب جم کو نہیں بزم میں وہ جام آئے

شراب کیسی؟ ملے بزمِ شہ میں آبِ حیات
کسی کی قید نہیں کوئی تشنہ کام آئے

گئے جو روتے لہو پھول لائے جنت سے
غمِ حسینؑ کے خوگر بھی شاد کام آئے

عجیب بندہ نوازی عجیب شانِ کرم
ایاز سے وہ بڑھے بن کے جو غلام آئے

دمِ مصاف عدو اپنے خود گلے کاٹیں
جو دستِ شاہ میں شمشیرِ بے نیام آئے

شرارِ نعل کو بجلی بنائے طوقِ گلو
چمک کے شہ کا اگر رخش خوش خرام آئے

چھپائے سایۂ خرطوم سب کی نظروں سے
ذرا سمٹ کے اگر فیل تیز گام آئے

جو شوق ہے کہ بنے حشر نقشِ پائے حضور
ادب سے لینے کو بوسہ دمِ خرام آئے

بلند سب سے رہا مثلِ بخت شہ کا مقام
نظر کے سامنے کتنے ہی اونچے بام آئے

بہت بجا ہے جو بزمِ ادب میں پیشِ حضور
کلامِ مہر کے بدلے مرا کلام آئے

کہی ہیں بیشتر اس سے رباعیاں میری
مرا کلام عجب کیا؟ جو میرے کام آئے

پسند ہیں شہِ والا کو زمزمے میرے
مرے چمن میں نہ صیاد لے کے دام آئے

نگاہِ لطف سے یوں دن پھریں کہ میرے گھر
مزے کی صبح ہمیشہ مزے کی شام آئے

بڑا مزا ہو جو دوں نقد میفروش کو میں
مجھے یہ شور کہاں سے گرہ میں دام آئے

ملا صلہ یہ خبر ہو گئی حسینوں کو
ہم آج رات کو آئیں گے یہ پیام آئے

مجھے لبھانے جو بل کھاتے نازنیں پہنچے
تو دل کو پھانسنے زلفِ سیہ کے دام آئے

بڑا مزا ہو امرا اعتبار اور بڑھے
کہ ان کے حسن کی دولت بھی میرے کام آئے

امید کیسہ زر تھی مزے کی چیز ریاضؔ
یہ انتظار رہا صبح آئے شام آئے

رباعیاں

درستائش اعلیحضرت حضور پُرنور ہز ہائینس نواب حامد علی خاں بہادر بالقابہ فرمانروائے رامپور

اے رشک! ہر اک غنی ہے محتاج ترا
ثانی نہیں اے شاہِ زمن آج ترا
ذرے ذرے کو نور بخشے دن رات
بن کر مہ و مہر سایۂ تاج ترا

محتاج ترا ہوں کیسۂ زر دیدے
مدّاح ترا ہوں لعل و گوہر دیدے
کچھ کم نہیں میکدے میں تیرے ساقی!
تھوڑی سی مجھے شرابِ کوثر دیدے

میخانۂ رام پور اللہ اللہ!
اللہ کا جس میں نور اللہ اللہ!
اللہ رے! ترقیاں فروغِ مے کی
ہر موج ہے برقِ طور اللہ اللہ!

مینا میں ہے رنگ امیرِ مینائی کا
قُلقُل میں مزا صریرِ مینائی کا
کیوں جام کرے نہ دست بوسی میری
میں بھی ہوں مرید پیرِ مینائی کا

ساقی ہے میکدے کا رشکِ ذیجاہ
کیا عالمِ نور ہے زماہی تا ماہ
ہے توبہ شکن یہاں صدائے قلقل
آوازِ شکستِ توبہ اللہ اللہ!

دورِ مینا بنے جو رقصِ طاؤس
پیری میں ہو نزع کی نہ تلخی محسوس
صدقے ساقی کے نقشِ پا جس کا ہے
تاجِ سرِ پرویز و جم و کیکاؤس

تو چاہے تو غم ہو شادمانی مجھکو ۔۔۔ زہر آبِ بقا ہو کے ہو پانی مجھکو
تو وہ ہے مٹادے جو بڑھاپا میرا ۔۔۔ تو وہ ہے جو بخش دے جوانی مجھکو

ہو قابلِ رشک بادشاہی تیری ۔۔۔ شاہوں میں رہے یہ کج کلاہی تیری
تو حامیٔ دیں ہے دیں پناہ ہے تو ۔۔۔ دنیا میں رہے یہ دیں پناہی تیری

قصیدۂ مدحیہ عالی جناب حضور سری منت سیو بھاگ وتی پر بھاوتی بیوا

مہارانی صاحبہ ریاست وسن پانتی دام اقبالہا

ماہ میں مہر کی ہے تابانی ۔۔۔ صبح سے بڑھ کے شام نورانی
ماند ہے جس کے آگے دن کی دھوپ ۔۔۔ چاندنی رات کی وہ تابانی
تارے جو ڈوبتے ابھرتے ہیں ۔۔۔ دامنِ مہ کی ہے گل افشانی
کہکشاں کو ہے نازش بھی ہوں ۔۔۔ کسی مہوش کی ہنستی پیشانی
گل بہ داماں حسیں جیسے کوئی ۔۔۔ شفقِ شام و گل بہ دامانی
نوجواں بن گیا ہے چرخ کہن ۔۔۔ کچھ نہ تھا ایک پیر تھا فانی
بڑھ کے سج دھج تھی کچھ جوانوں سے ۔۔۔ شفق شام اس کی دیوانی
انجم اس کے ہیں انجمن آرا ۔۔۔ واہ ری بزم کی فروزانی
آسماں میں ہو جیسے آگ لگی ۔۔۔ ہر طرف ہے وہ شعلہ افشانی
آسماں کی لگی بجھانے کو ۔۔۔ لے کے دوڑا ہے ابرِ تر پانی

دور سے یوں ہیں دھوکے دینے کو — رنگ لالی ہے گل بہ دامانی

آسماں اب وہ آسمان نہیں — نوجواں ہے جو پیر تھا فانی

جام بر کف ہر ایک کوکب ہے — کوئی دیکھے تو عیش سامانی

مہ و خور بھی ہیں جامِ آتش تر — آتشیں آب و آتش افشانی

گردشیں اس کی دورِ ساغر ہیں — مئے عشرت کی ہے فراوانی

نجم و اختر حباب ہیں اس کے — مے کے دریا کی ہے یہ طغیانی

شفقِ سرخ کا نہیں دامن — ہے وہ دامانِ موج طوفانی

دیکھنا جوشِ آبِ آتش رنگ — دیکھنا بحرِ مے کی طغیانی

فلکِ پیر نے نہ دیکھا تھا — کبھی اپنے گلے گلے پانی

چشمۂ فیض ہے دواس کا راج — فیض یاب اس سے ابرِ نیسانی

ابر دامن ہو گردِ دامن کا — کریں ایما اگر مہارانی

نظرِ فیض اثر سے ان کے اٹھے — موجِ آبِ گہر سے طوفانی

سجدہ گاہِ فلک ہیں نقشِ قدم — جھکی ہے آسماں کی پیشانی

مہ و خورشید کو، کواکب کو — نقشِ پا سے ملی درخشانی

سر زمینِ دواس سے تا چرخ — بادۂ عیش کی فراوانی

اسی دربار کی جھلک ہے ریاض — بزمِ گردوں کی سب فروزانی

آئینہ خانہ چرخ، عکس فگن — شمعِ بزم و چراغِ ایوانی

دور سے دیکھ لے عطاردِ چرخ — آج میرے قلم کی جولانی

کیوں نہ ہوں شوق سے ستائش گر — فخر میرے لئے ثنا خوانی

قدر دانِ سخن کہاں ؟ ایسا ؟ | ختم ہے آپ پر سخن دانی
قابلیت حضور کی مشہور | نظم میں نثر میں نہیں ثانی
دست گہ مختلف زبانوں میں | ہر طرف شہرتِ زباں دانی
اُردو، انگریزی، سنسکرت میں طاق | مرہٹی میں نہیں کوئی ثانی
فکر عالی، خیال پاکیزہ | برق کی ہے قلم میں جو لانی
ہمہ داں جیسے ہیں مہاراجہ | ہمہ داں ویسی ہی مہارانی
ناز ہے مجھ کو اپنی قسمت پر | کہ ملی خدمتِ ثنا خوانی
نسبتِ خاص سے نہیں ہے عجب | ناز مجھ پر کرے سخن رانی
راج مجھکو پہنائے تاجِ سخن | میں بھی ہو جاؤں رشکِ خاقانی
میری شہرت کو چار چاند لگیں | انوری بھی کرے ثنا خوانی
ہو نہ مدّاح کا بھی مثل کوئی | جیسے ممدوح کا نہیں ثانی
رہے یوہیں ریاضِ مدح طراز | رہے اس پر یوہیں زر افشانی
بھر دیا وہ جیب آستیں، دامن | یوں ہو زر پاشی و زر افشانی
موج اُٹھے موتیوں کے پانی سے | موج وہ موج ہو جو طوفانی
سیلِ آبِ گہر نصیبِ ریاض | کم سے کم ہو گلے گلے پانی
دے اُسے جنبشِ لبِ لعلین | لعلِ رومانی و بدخشانی
وقت ہے دل سے میں دُعائیں دوں | دے خدا عیش کو فراوانی
ہو فزوں جاہ و دولت و اقبال | ہو فزوں سطوتِ جہانبانی
چتر پرواز مہر و ماہ رہیں | [illegible] کیواں کرے نگہبانی

سایہ افگن رہے رعایا پر تا ابد یوں ہی تاجِ سلطانی

خوش ہمیشہ رہیں مہاراجہ

خوش ہمیشہ رہیں مہارانی

نظمِ تاریخی بتقریبِ ولادتِ دخترِ خان بہادر راجہ محمد امیر احمد خان بہادر دام اقبالہ

موسومہ

"رنگ و بو"

اے محمد امیر احمد خاں رتبہ دانِ ریاضِ خانہ زاد
آپ ہیں وجہِ نازشِ اب و جد نقشِ پا تاجِ سرِ بہرِ قباد
ذرّے خاکِ قدم کے اختر ہوں پیش آئے جو چرخ کو افتاد
آنکھ سے خاکِ آستاں جو لگائے ابھی بینا ہو کورِ مادر زاد
آج کیا ہے؟ کہ شادماں ہے خلق کون ہے؟ دل نہیں ہے جس کا شاد
درِ دولت سے ہو رہے ہیں بلند ہر طرف نغمۂ "مبارک باد"
ہر طرف کیوں جلیں نہ گھی کے چراغ کی عطا حق نے دخترِ نیک نہاد
مثلِ دستِ دعا ہیں آج بلند ہر طرف نعرہائے زندہ باد
آج پھیلا ہے ایسی شمع کا نور جس کی پروانہ شمعِ بزمِ قباد
مہر و مہ بھی ہیں جس کے پروانے پیش آئی انھیں نئی افتاد
بڑھ کے ہے لعلِ شب چراغ سے وہ لائی جو پھول آج شاخِ مراد
دن دکھایا خدا نے یہ مجھکو اپنے آقا کو دوں مبارک باد

ہم نوا ناتب و عزیز بھی ہوں | دونوں ہیں اپنے رنگ کے اُستاد
ناتواں میں ہوں دو رہ کر قصر | پیش آئے نہ راہ میں اُفتاد
دور ہی سے نکالوں حسرتِ دل | نکلے حسرت جو دوں مبارک باد
چاہتا ہوں کہ مجھ میں طاقت آئے | طاقت آئی تو جاؤں بادلِ شاد
بادہ پیمانہ بن ارے ناصح! | بادہ پیتا ہوں ہر جبہ بادہ باد
اُمڈی کالی گھٹا جو قبلے سے | آگئی بھول سسی گلابی یاد
میں ہوں اب اور میری کشتیٔ مے | کشتیٔ مے ہے اور بادِ مراد
محو ہیں عالمِ خیال میں ہوں | بے اثر پند گو کا ہر ارشاد
بند ہے آنکھ سب ہے پیش نظر | آئینہ ہر مقام کی روداد
بے پیئے اور ہی ہوا میں ہوں | ہر طرف میں فضا میں ہوں آزاد
مرکبِ آبی نہ مرکبِ بادی | کہیں طوفاں ہے نہ ابر نہ باد
سامنے سبزہ زار "بہار قصر" | سامنے قلعہ خلق سے آباد
درِ دولت کا دل کشادہ صحن | قصر ایسے کہ گردِ قصرِ قباد
چمن ایسے کہ جان تازہ آئے | چمن ایسے کہ آئے جنت یاد
خندۂ و نغمۂ گل و بلبل | سبزہ و سرو و قمری و شمشاد
لب گل پر زبانِ بلبل پر | نہ گلہ ہے نہ شکوۂ بے داد
کھلے جاتے ہیں یہ خوشی سے آج | وادہن ہے سپنے مبارک باد
نے غمِ دزد و نے غم کالا | غنچہ گلچیں نہ اب غمِ صیاد
گل چھوا کیوں! ہیں جو گلشن پہ | رگِ گل ہے کہ بازوِ بیداد

بن گیا لو خوشی میں خود بلبل — آگیا اپنے دام میں صیاد

کھلی باچھیں ہیں پتے پتے کی — تالیاں بج رہی ہیں بادلِ شاد

دوڑی رگ رگ میں ہے خوشی کی لہر — گدگداتی ہے ان کو موجِ باد

ہر طرف دھوم ہر طرف ہے ہجوم — گوشے گوشے میں اک جہان آباد

توپ پر توپ سرخوشی میں ہوئی — فیر کتنے ہوئے نہیں تعداد

اڑ گیا ابر بھی دھواں بن کر — فعلہ ابر ہو گیا برباد

رزم کے بعد رنگِ بزم ہے گرد — جشنِ جمشید اور جشنِ قباد

یہ اثر بادۂ نشاط کا ہے — تلخیِ غم کبھی نہ آئی یاد

میرے لب پر جو جھوٹ سے آئی — بن گئی نغمۂ طرب فریاد

مے عشرت سے مست ہے ہر ایک — ٹوٹے پڑتے ہیں شیشوں پر زہّاد

میں نے آنکھوں سے یہ سماں دیکھا — ہو گیا شاد یہ دلِ ناشاد

خوش ہوں فردوس میں مہاراجہ — مہارانی کو دوں مبارک باد

میرے سرکار امیر ابنِ امیر — رہے دل پر حضور کے مری یاد

مجھے گھر بیٹھے کچھ پہنچتی رہی — رہے ساقی کا خلدہ آباد

یا مجھے کوئی باغِ تاک ملے — ہو مرا مشغلہ خدا کی یاد

دانہ پانی جو تاک دے تو رہوں — کھانے پینے کی فکر سے آزاد

آبِ انگور دانۂ انگور — دونوں دلوائیں گے خدا کی یاد

ہو مبارک سلامتی کے ساتھ — ثمرِ اوّلین نخلِ مراد

نذر ہے یہ دعائیہ تاریخ — نذر ہے قطعۂ مبارک باد

آپ سے خاص اس کو نسبت ہے

رنگ لائے ہمیشہ باغِ مراد

۱۹ ء ۳۲

عرضِ حال و دعائے دولتِ اقبال

موسومہ بہ

دامنِ دعا

ہے نمایاں رفعت و اقبال و عز و جاہ سے
کم نہیں ہیں آپ دونوں بھائی مہر و ماہ سے

نام اب وحید کا ہو روشن ای امیر ابن امیر
شان و شوکت ہو فزوں ہر شاہ و شاہنشاہ سے

دیکھ کر نقشِ قدم کھل جائیں آنکھیں چرخ کی
آسماں تاروں بھرا شرمائے خاکِ راہ سے

خاکِ رہ کو نقشِ پا ایسے لگے چار چاند
کہکشاں کاہیدہ ہو کر منفعل ہو کاہ سے

چشمِ انجم میں بنے ہر خارِ رہ تارِ نگہ
ان کی جاروبِ مژہ کانٹے ہٹائے راہ سے

خلق کو ہو ابرِ رحمت سایۂ دستِ حضور
مانگتا ہوں یہ دعا دن رات میں اللہ سے

میں گدا ہوں نازش ہے اپنی گدائی پر مجھے
کم نہیں ہوں میں کسی کے رتبہ و جم جاہ سے

مانگتا ہے رات دن میری قدح کی خیر جم
کے ملائے آنکھ کیا مجھ بندۂ درگاہ سے

کس درِ دولت سے ہے مجھکو تعلق کیا کہوں
میں کبھی جامِ تہی بدلوں نہ تاجِ شاہ سے

میکدہ میرا سلامت ہے اُبلتی ہے جہاں
ہیں جو واقف میکدہ میں حوضِ مے کی تھاہ سے

سلسلہ تسنیم و کوثر سے ہے جس کا خم میں
واسطہ ہے خاص اسی مجھ مستِ حق آگاہ سے

مے ہے اک رازِ نہفتہ مجھ سے پوچھو اپنے
پوچھو رازِ ساقیِ کوثر حبیب اللہ سے

ہیں نقابِ جام میں کیا جلوہ ہائے رنگ رنگ
یہ نگاہ و برق کی ہے کس کی جولانگاہ سے

جم حشم کے مرتبت ہیں میکدے میں اور بھی
کم نہیں ہیں وہ بھی گویا شاہ شاہنشاہ سے

ہو مبارک میکدے کو اب نئے ساقی کا دَور
نور بنکر بادہ چھلکے جامِ مہر و ماہ سے

میکدہ میرا سلامت جس میں برسی رات دن
پھول لے ابرِ بہار اُٹھ اُٹھ کے گردِ راہ سے

تھوڑی سی پنشن یہ ہی پینے پلانے کو بہت
کام کیا مجھ کو؟ ترقی کن زرِ تنخواہ سے

کیا نہائے کیا نچوڑے جب ہو عریانی لباس
کام ہے جامِ تہی سے دامنِ کوتاہ سے

پی کے بھی تشنہ رہوں اللہ ری میرا ذوق شوق
مجھ میں ہیں گہرائیاں واقف ہوں اپنی تھاہ سے

مے گری نظروں سے خوش ہوں خواب میں مجھ کو ملے
موگرے کے پھول دستِ بہادر شاہ سے

دن پھرے عہدِ شباب آیا ملی تعبیرِ خواب
جام نکلا ڈوب کر خُم سے کہ یوسف چاہ سے

خضرِ راہِ میکدہ یوں ہی رہیں یارب حبیب
ان سا واقف کون ہے پست و بلندِ راہ سے

نائب ابنِ نائب و آقا امیر ابنِ امیر
کے کو نسبت ہی نہیں کچھ ایسے کیوں جاہ سے

ساقیٔ میخانہ! آقا ہے مرا، مالک مرا
میکدے میں پھول برسائے جو گردِ راہ سے

جامِ جم بختِ سکندر سطوتِ کے، عمرِ خضر
مل چکا سب کچھ اُسے اللہ کی درگاہ سے

اور کچھ باقی ہو تو مسجد کے گوشے کے عوض
میکدے میں شب کو ہٹ کر میکشوں کی راہ سے

قبلہ رہ ہو کر بس خُم اے ریاضؔ اس کے لئے
عادتاً اب بھی دعائیں مانگئے اللہ سے

سہرا

موسوم بہ قصیدۂ نوبہار

بہ تقریبِ شادیِ کتخدائیِ راجہ محمد امیر احمد خان بہادر ذوالقابہ والیِ محمود آباد دام اقبالہ

گزرانیدۂ ریاض

بحضور راجہ صاحب علی محمد خان بہادر کے سی ایس آئی اعلی اللہ مقامہ والیِ ریاست محمود آباد

ابرِ رحمت جو بن گیا سہرا
ظل ہے نوشہ کے سر پہ یا سہرا

ہو گئی شوخی سے دوسرا سہرا
زلف کھل کھیلی جب بندھا سہرا

رنگ ابرِ بہار سے ہے ہر تار
ہر طرف آج چھا گیا سہرا

نئے ساماں ہیں بزمِ عشرت کے
نئی دنیا دکھائے گا سہرا

جلوے جو ہیں حسنِ مایۂ ناز
آنکھوں کے آگے لائیگا سہرا

اس کی رگ رگ میں شوخیاں ہیں بھری
شوخیوں ایک چنچلا سہرا

ساتھ دے کن نکیلی پلکوں کا
چھیڑ پر ہے تلا ہوا سہرا

دل میں چبھتی ہے ہر ادا اس کی
شوخ کتنا ہے شوخ ادا سہرا

عجب انداز سے ہے چہرے پہ
لئے جوبن حیا کا نقرہ سہرا

کچھ یہ پھولا نہیں سماتا آج
ہے خوشی میں بھرا ہوا سہرا

گل دل کی نہ ہو دلی
کھل اٹھے پھول کھل اٹھا سہرا

تاش کی نہ رہ گیا
کچھ ہنسے پھول کچھ ہنسا سہرا

نہیں کہتا کچھ اپنے منہ سے
نہیں دیتا نہ دے دعا سہرا

کوئی کیسے ہو حسن کا ہے
واہ کیا دیکھوں بنا سہرا

کیوں نہ قوسِ قزح کو شرمائے — نئی سج دھج سے لئے نیا سہرا

شفق آئی جو صدقے ہونے کو — شفقی رنگ ہو گیا سہرا

افقِ چرخ پر شفق پھولی — رخ پر اس طرح چھا گیا سہرا

گلِ رخسار پر یہ بار نہ ہو — پھولوں میں آج خود تُلا سہرا

آنکھ پر لی جگہ پلک کی طرح — پنکھڑی پھول کی ہے یا سہرا

ملیں باہم نزاکتیں کیا کیا؟ — پھول سا چہرہ پھول سا سہرا

یہ نزاکت بھی اس کا حصہ ہے — رنگِ گلگونہ بن گیا سہرا

دیکھ کر چہرے پر شباب کا رنگ — کس ادا سے گلے ملا سہرا

نگہِ لطف اس پہ ڈالے نوشاہ — تارِ جوہر ہیں آئینہ سہرا

گل بکف کیا ہوا کی موجیں تھیں — بن گیا دامنِ صبا سہرا

بھر دئے کہکشاں نے دامن میں — تاروں سے ہی گندھا ہوا سہرا

تاجِ سر سایۂ خدا و رسول — سایۂ پنجتن ترا سہرا

سایہ سہرے کا تاج بخشِ جہاں — پر و بالِ ہما ہے کیا سہرا

حوریں جنت سے قاف سے پریاں — دیکھنے آئی ہیں ترا سہرا

نگہِ شوق اٹھا دے تو بڑھ کر — بار ہوگا نہ پھول سا سہرا

دیکھ کر آنکھ، دیکھنا وہ پلک — دیکھ کر چہرہ دیکھنا سہرا

برسے مے چشمِ مستِ نوشہ سے — ابر ادھر اور ادھر اٹھا سہرا

تار ٹوٹے نہ بارشِ مے کا — دامنِ دخترِ رز بنا سہرا

لڑی اس سے ہی اک جہاں کی نظر — ہے زمانے کا آسرا سہرا

گندھی اس میں دلوں کی کلیاں ہیں | چہرے پر آ کے کھل اٹھا سہرا

کج ادا زلف سے کہیں بڑھ کر | بانکپن کے لئے ادا سہرا

ایک سانچے کے ہیں ڈھلے دونوں | خوشنما زلف، خوشنما سہرا

ایک کانٹے کے ہیں تلے دونوں | شوخ ادا زلف شوخ ادا سہرا

زلف چھائی ہوئی تھی چہرے پر | زلف پر آج چھا گیا سہرا

قدِ نوشہ سے گھٹ گیا پھر بھی | تھا قیامت سے کچھ سوا سہرا

سہرے کی رات نے جو کھینچا طول | بن گیا صبح دلکشا سہرا

شوق سے اب گلے کا ہار بنے | کھائے دنیا کی اب ہوا سہرا

گنے جاتے ہیں دن اسی دن کے | یہی دن ہیں کہ دے مزا سہرا

چشمِ ظاہر میں ہے سراپا دام | ہو گا باطن میں بے ریا سہرا

دور اس سے ہے بہت نگاہِ بلند | دام میں لائے گا ہما سہرا

کوئی دیکھے تو سیدھا سادھا سا | ہے بہت ہی بنا ہوا سہرا

جانتے ہیں ادا شناس اسے | کرے ظاہر نہ مدعا سہرا

ہے غضب ڈورے ڈالنا اس کا | زلف سے بڑھ کے ہے رسا سہرا

راز رہتے ہیں پردے پردے میں | مُکھ سے کچھ ہے تہِ ردا سہرا

سن کے مجھ سے یہ چھیڑ کی باتیں | رخِ نوشہ ہے دیکھتا سہرا

نگہِ شرم بن گیا ہر تار | بن گیا سر بہ سر حیا سہرا

اس سے وابستہ میرے تارِ نفس | دردِ دل کی مرے دوا سہرا

کوئی مطلع سناؤں برجستہ | کہے خوش ہو کے "واہ وا" سہرا

پیروِ شرعِ مصطفیٰ سہرا
جلوۂ عرشِ کبریا سہرا

جادۂ راہِ ثواب کا ہر تار خضر کی طرح رہنما سہرا
پڑھے دامن پہ اس کے شیخ نماز پاک دامن ہے پارسا سہرا
صاف دل، صاف طبع، صاف نہاد صوفیِ باصفا ہے کیا سہرا
تارِ تسبیح تار تار اس کا حق سے رکھتا ہے سلسلا سہرا
سب کے آگے جھکا ہی رہتا ہے نہ ہے خود بیں نہ خود نما سہرا
چمن آرائے خلق اس کی بہار آفرینش کا واسطا سہرا
آنکھ کا نور ہے دلوں کا سرور مہر کی ضو ماہ کی ضیا سہرا
مرتبہ میں سوا یہ کیوں اس سے ہے ثریا سے بھی سوا سہرا
پاؤں رکھے نہ چرخِ اطلس پر جان کر نقشِ بوریا سہرا
ہے بہت ہی بجا اگر سمجھے عقد پرویں کو نقشِ پا سہرا
بند ہے دامن سے دولت و اقبال طرۂ شاہوں کے تاج کا سہرا
درِ مولا سے مرتبہ یہ ملا ہے بڑی ورکا جھبا سہرا
باغِ جنت کے پھول داغِ جبیں گلشنِ خلد کی فضا سہرا
زلفِ حور اس کی مرِ دحہ جنبان بخت رکھتا ہے کیا رسا سہرا
کیوں نہ لائیں لگا کے کشتی ہیں سب کی کشتی کا ناخدا سہرا
نام کشتی کا آگیا لب پر درِ مینا نہ کردے وا سہرا
اس کی لڑیوں سے اُٹھے موجِ شراب دستِ ساقی کا دے مزا سہرا

وقتِ آخر ہے پیرِ تائب ہوں — بوئے مے کا دے آسرا سہرا

ہلکی مے اپنے رنگ سے بڑھ کر — دستِ نازک سے دے ذرا سہرا

ہوگئی میری آرزو پوری — آرزو تھی کہ دیکھتا سہرا

کر دے مجھکو جواں بوئے بہشت — اپنے دامن کی دے ہوا سہرا

رنگ چھا جائے بزمِ عالم پر — رنگ دے جائے یہ نیا سہرا

پھلیں پھولیں ریاضؔ کے اشعار — پھلے پھولے یہ جانفزا سہرا

دھوم مچ جائے بزمِ نوشہ میں — شور اٹھے خوب ہی کہا سہرا

کہہ رہی ہے لطافتِ معنی — پھولوں میں ہے بسا ہوا سہرا

موجِ کوثر ہر ایک مصرعِ تر — سطحِ کوثر بنا ہوا سہرا

کیسے موتی پروئے ہیں انمول — کس قدر ہے گراں بہا سہرا

سہرے کا شعر شعر سلکِ گہر — موتیوں سے گندھا ہوا سہرا

پھولوں نے رنگ بدلے ہیں کیا کیا — ہے یہ باغِ طلسم کا سہرا

کہیں بیساختہ مہاراجہ — ہے نئی طرز کا نیا سہرا

سر محمد علی محمد خان — کہتے ہیں یہ سب سے بڑھ گیا سہرا

سن کے سہرے کو باچھیں کھل جائیں — سو زبانوں سے دے دعا سہرا

ہے یہ اعجازِ حضرتِ ساحرؔ — شور اٹھے کہ بول اٹھا سہرا

خود سخن دان و قدردانِ سخن — مدح میں جو سخن سرا سہرا

جانتا ہے یہ نقشِ پا کو تاج — جبہ سائی کو جھک گیا سہرا

کیا ٹھکانا ہے ان کی رفعت کا — جن کے سائے سے ہے ہما سہرا

کہے لیکر بلائیں نوشہ سے | ترے سہرے کے سر رہا سہرا
تھی تعلی سخن سرا یا نہ | ورنہ میں کیا ہوں کیا مرا سہرا
اور سہروں سے ہوگی کیا نسبت | کہیں گے سب سخن سرا سہرا
پنکھڑی سے بھی کم یہ سہرا ہے | خرمن گل ہر ایک کا سہرا
یہ بہت ہے کہ میرے آقا نے | لطف سے اپنے سن لیا سہرا
وقت یہ ہے کہ ہو سپے نوشاہ | اب مراد امن و دعا سہرا
اے محمد امیر احمد خان | ہو مبارک تجھے ترا سہرا
یونہی لہرائے پرچم اقبال | یونہی لہرائے یا خدا سہرا
تیری زلفوں سے یونہی اے نوشاہ! | کرے اٹکھیلیاں ترا سہرا
رہے یونہیں ہمیشہ تیرے سر | سایۂ والدین کا سہرا
سہرا تیرا اٹھائے یونہیں گہر | ابر نیساں سے ہو سوا سہرا

مصرع سال تار ابر کرم
کہ ہے ابر کرم ترا سہرا
۱۳ ھ ۴۵

سہرا
موسوم بہ
عقد ثریا

سخ آتے ہی بنا عرش کا تارا سہرا | نور اللہ کا اللہ کا سایا سہرا

آنکھ کا نور ہے یا نورِ نظر کا سہرا　　بن کے تا حشر رہے باپ کا سایا سہرا

دور سے اے نگہِ شوق بلائیں لے لے　　کس ادا سے ہو نقابِ رخِ زیبا سہرا

زجرِ دما کے لئے رخسار ہیں دونوں مہ و مہر　　موج ہے سالکِ گوہر حسن کا دریا سہرا

لگی آنکھیں ہیں حسینوں کی ادھر آ مالن　　خوب تو نے گلِ نرگس کا بنایا سہرا

رُخِ نوشہ کی طرف کیوں نہ بڑھاؤ سو ہاتھ　　ہے بہت شربتِ دیدار کا پیاسا سہرا

چھیڑنے کو نگہِ شوق کی بنتا ہے حجاب　　کوئی دیکھے تو ذرا شوخ ہے کتنا سہرا

آج پھولوں کی طرح تاروں کی حسرت نکلی　　خوش نشانی سے بنا عقدِ ثریا سہرا

تیرے چہرے کو یہ ہٹنے کا نہیں اے نوشاہ　　رہ گیا بن کے تری زلف کا سایا سہرا

دیکھنے بیں یہ قیامت کی سواہو دو باتھ　　ابھی ہٹے تو بنے آنکھ کا تارا سہرا

ہیں ہر اک تار سے سو تارِ نظر وابستہ　　حسن تزئیں کو بنا آج تماشا سہرا

پُر خمار آنکھ کا نوشاہ کے نظارہ ہو　　صبح ہوتے ہی رہنمٰا نہ کرے وا سہرا

لے بلائیں رخِ نوشہ کی الٰہی دن رات　　بن کے گیسو ہیں لہرائے خدایا سہرا

ایک وہ دیدہ نظر جس کے دھوکے میں نوشہ　　آج لایا ہے دکھانے نئی دنیا سہرا

نوشہ کی مست نگاہوں سے نہ لے کام ریاض
نہ بڑھانے اثرِ نشۂ صہبا سہرا

سہرا
موسوم بہ
عقدِ پروین

گھر سے اللہ کے لایا ہے مقدر سہرا
کیا ولی عہد بہادر کے رہا سر سہرا

کتنے اختر لئے دامن میں ہے پر زر سہرا
کہکشاں لائی ہے تاروں کا بنا کر سہرا

سادہ انداز ہیں سہری کے لئے مایۂ ناز
زیب و زینت کا رہے گیسوؤں کے سر سہرا

چاند سورج کے ہوئی تار شعاعی سب صرف
جب بنا ہے کہیں نوشاہ کا گز بھر سہرا

کوئی اس طرح بھی مستِ مئے دیدار نہ ہو
نظر آتا ہے بہت آپ سے باہر سہرا

خطِ ساغر ہو رگِ گل ہو کہ سورج کی کرن
سب سے بڑھکر مرے نوشاہ کا پُر زر سہرا

سہرے کی رات ذرا زلف نہ اُلجھے اس سے
نہیں رکھنے کا لگی بال برابر سہرا

تار دامانِ قیامت کے ہوئے ہیں سب صرف
جب بنا ہے قدِ نوشہ کے برابر سہرا

شب کے تاروں بھری یا موتی پروئی ہوئی زلف
ضو فشاں عقدِ ثریا ہے کہ پر زر سہرا

نیچی نظروں میں ہے نوشاہ کی چتون سہری کی
رُخِ ساغر کے لئے ہے خطِ ساغر سہرا

ہر لڑی آج رگِ لعلِ بدخشاں ہے بنی
کون کہتا ہے نہیں معدنِ جوہر سہرا

فرد و دونوں نگہِ شوق کے الجھانے میں
زلف سہری سے سوا زلف سی بڑھکر سہرا

چاہتی ہے کہ جو ہو ساقیِ کوثر کی نگاہ
اپنی موجوں کا بنائے مئے کوثر سہرا

سایۂ تاج ترا تاجِ ثریا کے لئے
اوج و رفعت کا ہے نوشاہ ترے سر سہرا

پنجتن کا رہے نوشاہ ترے سر سایہ
یونہی لہرائے ہمیشہ ترے سر پر سہرا

بزم میں دھوم مچی سہروں کی ہے آج ریاضؔ
میرے سہرے سے کہیں بڑھ کے رہا ہر سہرا

سہرا

نوطرز

۱

آسماں پہلے بچھا بزم میں سایا بن کر — جھکی تقدیر بنا فرش وہ دیبا بن کر
چاند سورج جھکے جیسے ہی بلائیں لینے — رہ گئے خود رخِ نوشاہ کا سہرا بن کر

۲

کس کا سہرا ہے نوشاہ کا یہ سہرا ہے — آسمان شرف و جاہ کا یہ سہرا ہے
[illegible] تاروں کی چمک جائیگی اٹھتے ہی حجاب — آنکھیں کھل جائیں گی کس شان کا یہ سہرا ہے

۳

دیکھ کر چاند تری چاندنی صورت دیکھی — صدقے نوشاہ کے اللہ کی قدرت دیکھی
سہرے کے عکس تو تسنیم کے چشمے ابلے — گوشے گوشے میں ترے بزم کی جنت دیکھی

۴

لڑیاں سہرے کی ہیں کیا کیا نظر خوبی میں — عکس نے لعل جڑے تاج سر طوبی میں
کھل رہی ہے رخ نوشہ پہ پھبن سہرے کی — نئی پھولی ہے یہ کونپل شجر طوبی میں

۵

کوئی دیکھے تو کئے کتنے سنگار آئی ہے — سرخ لالے کے مکانے میں سوار آئی ہے
غنچہ و گل میں سے [illegible] نکلی ہے برات — شاخ نوشہ میں نئی بن کے بہار آئی ہے

۶

سہرا بننے کو کسی شوخ کا آنچل اترے — بجلیاں شوق میں [illegible] کے بادل اترے

رند ادھر گاتے ملار آئیں سوئے بزم ریاض　　اس طرف کاگ اڑاتی ہوئی بوتل آئے

بہ سلسلہ تقریب جان ہارکورٹ بٹلر بموقع دعوت عید

۱

عید با عشرت جاوید مبارک ہو حضور　　اور جشن کے و جمشید مبارک ہو حضور

رات جو آئے وہ آئے سحر عید لئے　　ہم کہیں روز نئی عید مبارک ہو حضور

۲

روز تو رنگ نئے لائی مبارک تقریب　　تو نے ہر رنگ کی پلوائی مبارک تقریب

رسم دیرینہ بھی سرکار سے تو بعد ڈنر　　عید بھی کھنی ہوئی آئی مبارک تقریب

ایک خاص کام کے لئے

در پر سرکار کے ہے بستر اپنا　　پھر بھی نہیں جیتا یہ مقدر اپنا

سر رکھ تو دیا سنگ در دولت پہ　　اب پھوڑنے کو جاؤں کہاں سر اپنا

پوچھیں مجھکو یہ میری پرسش فرمائیں　　بگڑی بن جائے اتنی کوشش فرمائیں

سرکار کے لب میں ہے مسیحی اعجاز　　میرے لئے بھی ذرا سی جنبش فرمائیں

قصیدہ جو راجہ محمد امیر احمد خاں بہادر والی محمود آباد کے بیٹے کی تقریب بسم اللہ میں راجہ صاحب نے حضور اعلیٰ کے حضور میں پیش کیا گیا

بننے کو شمعِ بزم بنیں بے شمار چاند ساحر کی انجمن کو لگا نا ہیں چار چاند

اللہ رے یہ کس شہِ انجم خدم کی بزم بے گنتی اس میں تارے ہیں تو بے شمار چاند

ہے فرش اس میں تاروں بھری آسمان کا ٹوٹا طلسمِ چرخ، گیا سحر کار چاند

یہ دیکھ کر کہ ہے فلکِ اطلس آج فرش زرکار مسند آ کے بنا زرنگار چاند

کیواں جناب کون ہے رونق فزوزِ بزم کس آسمان چشمہ کا ہو آئینہ دار چاند

ہے کس ادب سے باندھے ہوئے ہاتھ کہکشاں مجرے کو جھک رہا ہے یہ کیوں بار بار چاند

یہ انجمن ہے یا کوئی باغِ طلسم ہے تارے کا جس میں پھول بنا داغدار چاند

پھولا ہوا ہے آج بہت اپنے حسن پر ہے باغ باغ دیکھ کر اپنی بہار چاند

گنتی تھی اس کی شعبدہ بازانِ چرخ میں سب تارے ان میں چاند تھا یہ سحر کار چاند

شمع و چراغ بن کے ہوئے بدرِ انجمن انجم شرارہ ریز ہیں اب شعلہ بار چاند

کیسی فروغِ بزم سے پھیلی ہے چاندنی گل ہے چراغِ صبح تو کھاتا ہے خار چاند

ہر ذرۂ زمیں کو وہ حاصل فروغ ہے شرمندہ آفتاب ہے تو شرمسار چاند

اب شوق ہے بنے شررِ شمعِ انجمن پھرتا ہے گردِ شمع کے پروانہ وار چاند

پر دیں سے نے پر نکالے کہ پروانہ وہ بنے ہالہ یہ کہہ رہا ہے کہ ہوگا نثار چاند

سیارے ہی ہیں گرد جو ایسی لگی ہے آج بیٹھی ہیں بیقرار جو ہے بیقرار چاند

پروانے کے وصال پہ آتا ہو رشک سے دیکھتے ہوئے ہے ہجر کے لیل و نہار چاند

سب جانیں دودِ شمع اسی انجمن کا ہے آیا ہے بن کے دامنِ ابرِ بہار چاند

شوخی سے دودِ شمع بھی دامن کشیدہ ہے ٹکرائے جا کے سر کو سرِ کوہسار چاند

دست شعاع قطع ہوں آئے اگر قریب لے کر بلائیں دور سے ہو لے نثار چاند

فانوسِ شمع، شمع کا دھوکا نہ کھائے گا | ایسے پڑے ہیں جیب میں ستر ہزار چاند

اس انجمن میں ہوا ہے در خور یہ دور ہے | آنے کو آئے روپ بدل کر ہزار چاند

آیا ہو فورِ شوق سے ہے بن کے بدر آج | کل تک ہلال تھا غمِ دوری سے زار چاند

نسبت اُسے ہی کیا درِ دولت کی خاک سے | ہوگا کسی حسیں کی گلی کا غبار چاند

کیوں اہلِ بزم نقشِ کفِ پا اسے بنائیں | آیا ہے آج بن کے بہت خاکسار چاند

اس پر نہیں ہے آبلہ پائی کا کچھ اثر | پھرتا ہے دشتِ چرخ میں دیوانہ وار چاند

اپنے پرائے کا نہیں ہوشِ جنوں میں ہوش | تاروں کو آسماں کے سمجھتا ہے خار چاند

دیوانگی میں طوق گلو بھی گراں نہیں | ہالے کو جانتا ہے گریباں کا تار چاند

دستِ جنوں بنائے نہ دستِ شعاع کو | دامن کو چاہتا ہے کرے تار تار چاند

دھوکا بڑا دیا اِسے تنویرِ عکس نے | جھک جھک کے دیکھتا ہے سوئے جوئبار چاند

زندانِ آسماں سے نکالا ہے اس نے پاؤں | لوٹے گا آج کھل کے چمن کی بہار چاند

آئینہ بندیاں ہیں جو تقریبِ جشن میں | یہ چاند کیا ہے ایسے سمائیں ہزار چاند

گردش میں عمر گزری ہے اس کے بھی دن پھریں | آئے جو انجمن میں لگیں اس کو چار چاند

آنکھوں میں راتیں کاٹی ہیں اس دن کے واسطے | برسوں سے کر رہا ہے یہی انتظار چاند

یہ دن بھی اُس نے دیکھ لیا اپنی آنکھ سے | کیوں بہرِ بزمِ جشن نہ ہو بیقرار چاند

وہ کون ہے جو کہہ نہ اُٹھے اہلِ بزم میں | ہاں وقت ہے ضرور ہو آکر نثار چاند

ہاں ہاں یہ بزمِ ساحرِ کیواں جناب ہے | جس کو مرے خدا نے دیا گلعذار چاند

اور آفتابِ دولت و اقبال ہو بلند | وجہِ فروغ اور ہو یہ ہونہار چاند

قربان جم بھی جام بھی اس بزمِ جشن پر | ساقی اب اُٹھ بھی تو، تری صدقے ہزار چاند

اُترے کبھی آسمان سے مینا مے آفتاب   آئے کبھی بن کے ساغرِ مے زرنگار چاند

گلگوں شفق ہو ساتھ گلابی لئے ہوئے   خود مہر ہو سرِ خُمِ ابرِ بہار چاند

آغوش جس کے واسطے موجِ مئے نشاط   آئے ہیں دیکھنے وہ نیا بادہ خوار چاند

گہوارہ جس کے واسطے کشتی ہلال کی   وہ چاند جس کو گود میں لے بار بار چاند

کھیلے گا کل یہ چاند سی شب کو اٹھا کے ہاتھ   اٹھیں گی انگلیاں کہ ہے بچپن کا یار چاند

دیکھا تھا ایسا کاہے کو منہ چاند نے کبھی   کس کس ادا سے چاند کو کرتا ہے پیار چاند

دستِ شعاع سے نہ بہت اس کو گدگدائے   نادان ہے یہ چاند وہ ہے ہوشیار چاند

منہ پر ہنسی ہے دونوں کے اللہ رے ذوق شوق   یہ اس کو دیکھتا ہے لئے بار بار چاند

نوں سے آنکھ مل کے بنا بدر ماہِ نو   ہے چودھویں کا چاند لگے اس کو چار چاند

اے چاند! تو بھی ساتھ تھا بیٹے کے غسل میں   نکھری ہے تو چاندنی یہ غضب کا نکھار چاند

شوقِ ادائے رسم تو دیکھے ذرا کوئی   کرتا شفق سے کلہ زرنگار چاند

اب ہے ہوا ن جشن روز مبارک حضور کو   دیکھے بہار روز نئی گلعذار چاند

پائے یہ والدین کے سائے میں عمرِ خضر   دیکھے یہ چاند میرے خدا سو ہزار چاند

جو دیکھے چاند چاند وہ ہو عید کا نشاں   ہر سال دیکھے عید کے یہ بار بار چاند

تاریخ ہے یہ نور کی اس چاند کے لئے   مہ روئے رشکِ ماہ کے صدقے ہزار چاند

۱۳۰   ۵۵   ۳۳۲

منہ دیکھ کر یہ میں نے کہا بہرِ سالِ جشن

سب اپنے اپنے چاند سے منہ پر نثار چاند

۱۳   ۵۱   ۳۲

قطعۂ تاریخ تولد فرزند ارجمند حضور پُرنور آنریبل

سر راجہ محمد علی محمد خان بہادر والی ریاست عالیہ

محمود آباد دام اقبالہ

ساحر کیواں حشم پر کیوں نہ کے کو رشک ہو — مرتبہ کیسا دیا اس کو خدائے پاک نے
نعمتیں کیا کیا عطا کی دین و دنیا کی اُسے — کیا کہوں کیا کیا دیا اُس کو خدائے پاک نے
بھر دیا مینائے دل میں بادۂ گلرنگ عشق — کیا مئے و مینا دیا اس کو خدائے پاک نے
ساتھ جس کے کارفرما ساقیٔ کوثر کا ہاتھ — وہ خم صہبا دیا اس کو خدائے پاک نے
گو لٹائے گنج قارون لاکھ اس کا دست جود — کم نہ ہو اتنا دیا اس کو خدائے پاک نے
حق و باطل کے لئے بخشی نگاہ امتیاز — دیدۂ بینا دیا اُس کو خدائے پاک نے
طبع عالی کی رسائی دور از وہم و قیاس — ذہن بھی کیسا دیا اس کو خدائے پاک نے
قوم کے دُکھ درد پر آنکھوں میں آجاتے ہیں اشک — درد دل کتنا دیا اس کو خدائے پاک نے
ہو گیا حصہ وہ ہو صورت کا یا سیرت کا حسن — حسن جو ملنا تھا دیا اس کو خدائے پاک نے
آفتاب آئینہ بن جاتا ہے جس کے عکس سے — وہ رُخ زیبا دیا اس کو خدائے پاک نے
کچھ نہ پوچھو اور کیا دیگا اسے رب کریم — کچھ نہ پوچھو کیا دیا اس کو خدائے پاک نے
رحمت حق سے ملا فرزند مہ پارہ بھی اب — آنکھ کا تارا دیا اس کو خدائے پاک نے

نام ہوگا اور روشن میرے آقا کا ریاضؔ
چاند سا بیٹا دیا اس کو خدائے پاک نے
۱۳۳۲ھ

تقریب مسند نشینی مہاراجہ محمد علی محمد خان بہادر اعلی اللہ مقامہ

یہ کیسی بزم ہے کیسی خوشی کیسی مسرت ہے
یہ کیسا جشن ہے کیسا یہ ہے دربار شاہانہ

یہ کیسی حسن آرائش نے پیدا کی نئی صورت
یہ کیسا عالم ہے ہر ذرہ بنا ہے آئینہ خانہ

یہ بزم آرائیاں کیسی چمن پیرائیاں کیسی
جہاں پروانہ بلبل ہے جہاں بلبل ہے پروانہ

یہ ہے دود چراغ بزم یا ہے حور کا گیسو
یہ شمع نور ہے یا حور وہ جس کی ہے مستانہ

یہ پرواز ہر برگ گل تر نے کئے پیدا
یہ کلیاں ہیں کہ پریاں ہیں چمن ہے یا پریخانہ

یہ ہے وہ انجمن چھایا ہوا رنگ چمن جس پر
چمن بھی وہ کہ بھولے جس میں بلبل غم کا افسانہ

یہ ہے وہ انجمن ہر بات ہے جس میں سلیقے کی
ادب آموزیاں کرتی ہے ہائے و ہوئے مستانہ

یہ ہے وہ انجمن جو آئے یہ کہتا ہوا جائے
رہے لاکھوں برس ساقی ترا آباد میخانہ

یہاں تک بڑھ گیا ہے دور دور بادہ و عشرت
بنا لی شیخ و زاہد نے بھی اپنی وضع رندانہ

یہ کیسی انجمن ہے کیسے کیسے لوگ آئے ہیں یاں
کوئی ایسا نہیں ہے جو نہ ہو مہمان کاشانہ

ترے صدقے مرے ساقی اٹھے بوتل چلے ساغر
بہار آئی گھٹا چھائی کھلے در ہائے میخانہ

مزا ہو موج مے جھولے تنکے بزم ساقی میں
پری شیشے کی زاہد کو بنائے آج دیوانہ

دم طاؤس مینا ہو عمامہ آج واعظ کا
جو آئے بزم عشرت میں دکھائی رقص مستانہ

بھرے ہیں کس قدر اے ظرف کھاتا نہیں ساقی
یہ لٹکے ابر کے ہیں میکشو یا ظرف میخانہ

زبان موج دیتی ہے دعا سرکار عالی کو
لب ساغر یہ کہتا ہے مبارک جشن شاہانہ

صدائے قلقل مینا یہ ہے نالے کرے دشمن
پری شیشے کی کہتی ہے عدو ہو جائے دیوانہ

مبارک ہو مرے سرکار کو یہ جشن جمشیدی
مبارک ہو مرے سرکار کو یہ جشن شاہانہ

بہ تقریب یوم مہری

آفتاب فلک ہے پُر زر تاج | عرش پر طُرّۂ آسماں پر تاج
جستجو ہے اسے کسی کی ضرور | صبح سے کھا رہا ہے چکر تاج
کچھ اِسے ہے تلاش موقع کی | پھر رہا ہے جو اوپر اوپر تاج
نہیں یہ تو شعاعِ مہر نہیں | ڈالتا ہے نگاہ سب پر تاج
بھاتا کچھ ہے دور دور سے یہ | نہیں آتا قریب جھک کر تاج
چاہتا ہے یہ زیبِ سر ہونا | اسی کوشش میں ہے برابر تاج
شکل ہے تاج کی یہ تاج نہیں | نہ پھرے بن کے مہر انور تاج
کہو جائے بھی اب تو شام ہوئی | آگیا ماہتاب بن کر تاج
نہیں گرد اس کے انجم و اختر | ہے لئے ساتھ لعل و گوہر تاج
تارے کیا کیا ابھر کے آتے ہیں | شوق یہ ہے بنے ہر اختر تاج
اے فلک رُتبہ حضرتِ سرکار | سایہ اللہ کا ہو سر پر تاج
تہِ پا ہو ہمیشہ پر زر تخت | زیبِ سر ہو ہمیشہ پر زر تاج
ذرۂ خاکِ پا بھی تو یہ نہیں | بنتے ہیں مہر و ماہ و اختر تاج
خاکِ در تک یہ جھک کے آئیں تو | سو کو دے ایک ذرّۂ در تاج
یوں سوار اج آسماں کو ملے | ہو برج فلک میں گھر گھر تاج
تیرے در پر رہوں سر افگندہ | میرے سر کو ہو تیری ٹھوکر تاج
لطف تیرا مرے لئے خلعت | سایہ تیرا ہو میرے سر پہ تاج

سر محمد علی محمد خان — وہ بھی دن ہو کہ رکھیں سر پہ تاج

آئے اس طرح حکم شاہنشاہ — کہ پہنائیں انھیں گورنر تاج

فرقِ اقدس پہ اپنے ہاتھوں سے — رکھیں سرکار کورٹ ہلر تاج

ہوم ممبر ہوں پھر گورنر ہوں — یوں ہیں پھر دے خدائے برتر تاج

پیش کرتا ہوں مصرعِ تاریخ — دیں صلہ مجھکو خلق کے سرتاج

تھا مقدر ریاض یہ سپے سال

رکن کونسل ہوں خلق کے سرتاج

تہنیت دربارہ حکم ضرب سلامی وزرا

نوٹ :- غلط طور پر یہ افواہ تھی کہ حضور گورنر کے لئے سترہ ضرب توپ سلامی اور وزرا کے لئے ۲۱ شلک تجویز ہوئی۔ تاریخ کہنے پر معلوم ہوا وزرا کے لئے شلک سلامی غلط۔ تاریخ صحیح خبر غلط تھی اس لئے بطور یادگار سلامی کے فیر کی طرح مندرجہ ذیل اشعار ضائع نہیں کئے گئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آیندہ کسی زمانے میں ایسا موقع آئے

ادب سے سب سرکو بستا جھڑ نیں نفس — سلامی کی توپوں نے پھونکا ہے صور

ہوئے زندہ ہم سے بھی اب مردہ دل — ہوا روح افزا طرب کا وفور

رعایا کے سرتاج یوں ہیں تھے آپ — بنے آج بھی رکنِ کونسل حضور

جو ہر اکسلنسی ہیں وہ آپ ہیں — کہ یک جان دو قالب ہیں دونوں حضور

رعایا کو یکساں ہیں دو نوں عزیز — یہ ہے دونوں پر فضلِ ربِّ غفور
شلک کی سنی گنتی میں نے ریاضؔ — یہ آواز جائے گی نزدیک و دور
کھلا سترہ اور بارہ کا فرق — کمی پانچ کی ہیں نے پائی ضرور

اضافہ اسی کا ہے تاریخ میں
سلامی کی توپیں مبارک حضور

قطعہ تہنیت خطاب راجہ سر محمد علی محمد خاں بہادر دام اقبالہٗ والیٔ محمود آباد

[میری جرأت دیکھیے کہ آفتاب کو آئینہ دکھانے اور دریا کے سامنے قطراتِ ابر و لولوئے شاہوار کی حقیقت بیان کرنے کی کوشش کر رہا ہوں یعنی میں چاہتا ہوں کہ حضرت ریاضؔ کے اشعار شاہوار روکشِ سحر و اعجاز کی توصیف کروں۔

آج اردو کی دنیائے شاعری میں جتنے قصر و ایوان ہیں وہ اس آفتاب کمال کی جلوہ آرائی سے مستغنی نہیں ہو سکتے آج ادب کی کوئی بزم سخن ایسی نہیں جو اس جگمگاتے ہوئے فانوس روشن کی محتاج نہ ہو آج جذبات و انشار کا کوئی باغ ایسا نہیں جس میں اس بہار روح پرور کی حاجت نہ ہو اسی طرح ملک کا ہر شخص ادب و انشا کا ہر شیدائی شعر و شاعری کا ہر دلدادہ لسان الملک حضرتِ ریاضؔ کی جنبشِ دست و قلم کے اعجاز کا معترف ہے۔

مجھے یہ کہنے میں کچھ بھی پس و پیش نہیں ہے کہ صہبائے مینائی کے متوالے تو بہت ہیں لیکن اس پیمانہ کشِ بلانوشِ مست و سرشارِ جذبات کا کوئی ہمسر نہیں، ساقی کی نگاہیں پہنچانے میں اسی طرف جاتی ہیں جو پینے سے پہلے جھومتا ہے جس کا اعتراف ایک موقع پر خود حضرتِ ریاضؔ کی

زبان سے سن لیجیے ؎

ہے سہا یاص اک جوانِ مست خرام — نہ پیئے اور جھومتا جائے

آج تغزل میں جو مستی اور جوش و رنگ پیدا ہو گیا ہے وہ اسی "حافظ ہند" کی للچائی ہوئی نگاہ اور جذبات کی موجوں سے بھری ہوئی طبیعت کا نتیجہ ہے۔ افسوس ہے کہ مجھکو حضرت سہا یاص کی شاعری پر تفصیل بحث کرنا نہیں ہے ورنہ خدا جانے مبالغے سے دور بیجا مدح وستائش سے علیحدہ صرف حقیقت کے اظہار میں قلم کتنی جولانیاں دکھاتا۔

اس وقت جس قطعۂ تاریخ پر میں اظہار خیال کر رہا ہوں اس کا تجزیہ کر لیجیے تو تشبیب، استعارات، تشبیہات، تلمیحات، تخییل، محاکات و دیگر اصناف شاعری کے پھولوں کا غیر فانی لہلہاتا ہوا باغ نظر آئے گا، حضرت سہا یاص کا یہ بے بدل کمال ہے کہ اس قطعے میں نازک جدت پیدا کر دی ہے۔ اگر بیان حقیقت منظور ہوا ہے تو شعروں کے ذریعے متحرک تصویر کھینچ دی ہے اور اگر ممدوح کے تعریف کی باری آگئی ہے تو شان و شوکت کا ایک طلسم باندھ دیا ہے۔ قطعہ کیا ہے کرشمہ ہائے لطف فن کا طلسم کدہ ہے یا بولتی تصویروں کا ایک مرقع دلکش ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ اشیا کی عزت کسی نسبت کی وجہ سے بلند ہو کر آسمان پر پہنچ جاتی ہے، اگر یہ صحیح ہے اور بالکل صحیح ہے تو سراپا حسنا بہادر والی محمود آباد سے ایسے گوہر شناس قدردان علم و فن کی ہمت افزائی کا انتساب اس قطعے میں چار چاند لگا دے گا۔

حضرت سہا یاص نے اس قطعے میں جو کچھ کہا ہے وہ عام طور پر شاعرانہ حسن طلب سے بہت بلند ایک چیز ہے جس کا نام اظہار حقیقت ہے، بس اسی سے سمجھ لیجیے کہ حضرت سہا یاص کا قطعۂ تاریخ ایسے باکمال ممدوح کی نسبت کی وجہ سے کہاں سے کہاں پہنچ گیا اور خود حضرت ممدوح کی شان اس انداز بیان میں کیا حیثیت رکھتی ہے۔

ان آنکھوں نے بہت سی نظمیں اس موقع پر دیکھی ہیں، لیکن اثر و حقیقت کو ملا لیجئے تو اس قطعے کے مدمقابل شاید ہی کوئی نظم ٹھہر سکے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خدا کرے حضرت ریاض قدر و قیمت کے ساتھ جولانی طبع کا جوہر دکھانے کے لئے عرصے تک دنیا میں اپنے ممدوح کے زیر سایۂ عاطفت رہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت ریاض کی بڑی بڑی ریاستوں کو تمنا ہے مگر وہ اعلیٰحضرت سر مہاراجہ صاحب بہادر کی آستانے کی جبیں سائی کے فخر کو ترک کرنا نہیں چاہتے اور سر راجہ صاحب بہادر کی مدح سرائی کو حاصلِ زندگی تصور کرتے ہیں۔

[حکیم برہم ایڈیٹر "مشرق" گورکھپور۔ ۲۷۔ جولائی ۱۹۲۲ء]

آج کیوں روشن ستارے قمقمے ہیں عرش کے   جگمگا اٹھی ہے کیسی نیلگوں گردوں کی چھت

آج کیوں جوشِ کواکب میں ہے جوشِ انبساط   وجد میں آئے فرشتے مشتری ناچی وہ گت

دے گیا سو لطف، وقتِ رقص، دورِ پیشواز   کہکشاں جس میں بجی تھی گھونگھرو جیسی بنت

دیکھ کر یہ رنگ، ساقی بھی اٹھا ساغر بکف   اور ہی کچھ ہو گئی اب ہم سے متوالوں کی مت

میکدے سے شوق کوثر آسماں پر لے چلا   جو نتیجہ ہو، بری ہوتی ہے مے نوشی کی لت

رہنے دے نقش و نگارِ قصرِ جنت کا بیان   جا بھی اے واعظ یہاں سے ہے یہ سب بے کی گرہت

دور ایسے کیا ہیں یہ انگور شاخِ تاک پہ   عرش کے ہم تارے توڑیں اور وہ بھی ان گنت

آئے تھے سمجھانے کچھ رندانِ میکش کو جناب   سر سے ناصح کے گری دستار کھائی وہ چپت

خوف تھا چادر نہ اترے سر سے محفل میں کہیں   میکدے والے دعا کرنے لگے رہ جائے پت

موجِ مے نے پینے والوں کی بلائیں بڑھ کے لیں   جامِ ساقی نے کیا دستِ کرم سے مرحمت

آسمان سے بادۂ گلرنگ لائی ہے بہار
ابر سے شکر آ رہی ہے آج کاشانے کی چھت

ہم بغل مینا سے کیسی ہو رہی ہیں عید ہے
آئیں واعظ کے فرشتے تو ابھی بنجائے گت

پھول ہو نکھرا ہوئے لندن کی ہو کوثر کی بو
کوئی بھی ہو اس خوشی میں آج سب کی ہے کھپت

ہے خوشی رتبہ بڑھا سرکار سے سرکار کا
کے سی ایس آئی ہوئے آقائے عالی منزلت

اے مرے آقا ترے سب غاشیہ بردار ہیں
مال و دولت ہو کہ ہوں اقبال و عز و مرتبت

آئینہ بردار تیرے سطوت و جاہ و جلال
اے فریدوں فر سکندر رتبہ دارا منزلت

لیں بلائیں مہر و مہ گردوں بلاگردان ہے
اختر افشاں کوکب افشاں ذرۂ خاک درت

از کف پائے تو باشد مہر و گردوں استیز
لعل افشاں باد سنگ آستان درگہت

بٹلر ریڈنگ کے بازو کی قوت تو ہے آج
تیرے سر پر سایہ افگن آج تاج سلطنت

ناخن تدبیر سے سلجھائیں کیا کیا گتھیاں
ہو گئے آسان مشکل کارہائے مملکت

عہد میں تیرے نظر آتے ہیں کیسے کامیاب
صیغہائے انتظام و صیغہائے معدلت

پست میرا بخت بدبن کر مری فکر بلند
ہو نہیں سکتی ادا مجھ سے کوئی ادنی صفت

اس کمی پر کیا ہوں میں طالب صلے کا داد کا
منفعل ہوں جانتا ہوں اپنی قدر و منزلت

گھر بھی رہنے کو نہیں سرکار کے در کے سوا
اور نہ جاگیریں ہیں میرے سخن کی مملکت

ڈھونڈھتا ہوں اب لغت میں بھی مجھے ملتا نہیں
میری قسمت کا جو اسعد ہو لفظ منفعت

اور بھی الفاظ ایسے ہیں مجھے ملتے نہیں
دیکھ ڈالے چھان ڈالے ہیں نے جتنے تھے لغت

زر کہاں کیونکر [illegible] بھی تو نہیں
اس گرانی نے مٹا دی تھی جو کچھ بھی تھی مقدرت

ذات بھی کیا کہوں میں رات بھی برسات کی
ابر باراں بن گیا ہے جھانک کے میرے گھر کی چھت

عمر آخر میں ہے ذمہ دو بھر پرورش اولاد کی
ہو سکے تعلیم کیونکر اور کس طرح ہو تربیت

بھول بیٹھے مفلسی میں ہم مے و معشوق کو
شوقِ عصیاں کے عوض دل میں ہے خوفِ معصیت

ایک دن زاہد کی دعوت کر کے پچھتانا پڑا
وقت پر کرنا پڑی بے مائگی سے معذرت

سوئیاں کچھ میں نکل جائیں مری آنکھوں سے کاش
ہیں یہ زدیدہ نگاہیں اب بھی نذرِ معصیت

جان کر مردہ مجھے مجھ سے کوئی ملتا نہیں
میرے گھر آتا نہیں کوئی بہ رسمِ تعزیت

شکر ہے ورد و وظائف میں بسر ہوتی ہے خوب
شکر ہے گھر بیٹھے ہوتا ہے وظیفہ مرحمت

یہ وظائف ہیں وظیفے کی ترقی کے لئے
کچھ وظیفہ اب بڑھے اے شاہِ عالی مرتبت

چھوٹے بچے دیں دعا تھم جائے گھر گرتا ہوا
ہاں ذرا میری طرف اٹھ جائے دستِ مکرمت

پاؤں لٹکائے ہوئے ہوں قبر میں پروا نہیں
کیسی دنیا فکر ہے بن جائے میری آخرت

مست ہوں پی کر پیالہ ساقیٔ کوثر کا میں
جوش زن ہے مے کے ہر قطرے میں بحرِ معرفت

دورِ جامِ سلسبیل و کوثر و تسنیم ہے
اب زباں پر رات دن ہے حمد و نعت و منقبت

چاہتا ہوں اہلِ فن سے میں سخن کی داد آج
واقعی میرے لئے ہے یہ خراجِ سلطنت

آسماں پر غل ہو جاگا طالعِ خفتہ مرا
کم سے کم ہو شورِ تحسیں اس قدر اڑ جائے چھت

یہ ہے ناممکن نہ چمکے اب مری تقدیر بھی
کے سی ایس آئی ہوئے سرکارِ عالی منزلت

ہے بجا بالیدہ ہو اعزاز پر اپنے خطاب
آسماں پر اس کو لے جائے غرور و تمکنت

نام نے سرکار کے اس کو لگائے چار چاند
چار حرفوں کی نہ تھی کچھ ورنہ قدر و منزلت

زر سے دامن جو بھری ذرے کو کر دی آفتاب
یہ مرے سرکار کے خاکِ قدم کی ہے صفت

ابرِ نیساں سے سوا دستِ کرم سرکار کا
سب لکیریں ہاتھ کی ہیں جوئے جود و مکرمت

مصرعِ تاریخ یہ ہے بہر القابِ حضور
کے سی ایس آئی لقب مہاراجہ کیواں مرتبت

تاریخ تہنیت

ممبری کونسل آف اسٹیٹ وسرائے ہند مہاراجہ محمد علی محمد خاں بہادر

والی محمود آباد کے سی ایس آئی بالقابہ اعلی اللہ مقامہ

کونسل آف اسٹیٹ کے ممبر مہاراجہ ہوئے
اور بھی اب ممبری کی ملک میں وقعت ہوئی

نبض جو پہچانتے ہیں ملک کی ہیں جیسے
آپ کی شرکت سے اُن کو کس قدر راحت ہوئی

آپ کا کونسل میں آنا اقتضائے وقت تھا
آپ کے آنے سے حاصل قوم کو عزت ہوئی

آپ کے دورِ گزشتہ کا دلوں پر نقش ہے
دورِ حاضر کو میسر خیر کی دولت ہوئی

ایسی شخصیت حکومت کو بھی جس پر اعتماد
ایسی وقعت اعتبارِ قوم کو وقعت ہوئی

عہدِ والا میں وہ آئی وقت سن لیں کان بھی
اختیارات و حقوقِ ملک کو وسعت ہوئی

دے یہ مژدہ انتخابِ نو مٹا کر اختلاف
اب میں ہندوستاں کی آسماں رفعت ہوئی

یہ بھی نظارہ دکھائے آنکھ سے دورِ جدید
مٹ گئی تفریق قوم ایسی بہم الفت ہوئی

قوم پر شرکت سے اپنی آپ نے احساں کیا
قوم کو راحت ہوئی گو آپ کو زحمت ہوئی

ہوں گے آساں آپ کے آنے سے اب دشوار کام
آپ آئے یہ بڑی اللہ کی رحمت ہوئی

آپ سا اب مل گیا یاران کونسل کو رفیق
جو نہ تھی پہلے وہ حاصل اب طمانیت ہوئی

مصرع تاریخ برجستہ کہا یوں نے ریاض
کونسل آف اسٹیٹ کی اب آپ سے زینت ہوئی

۲۶ ۶ ۱۹

بتقریب غسل صحت مہاراجہ بہادر محمود آباد اعلی اللہ مقامہٗ

مہاراجہ سر آنریبل بہادر ‏ ‏ مبارک ہو یہ غسل صحت مبارک
یہی ہر طرف سے صدا آرہی ہے ‏ ‏ یہ صحت ہو اب تا قیامت مبارک
ہمیشہ ترقی کرے شادمانی ‏ ‏ فراوانیٔ عیش و عشرت مبارک
وقار و جلال و حشم روز افزوں ‏ ‏ زر و مال و اقبال و دولت مبارک
بڑی چیز ہے تندرستی کی نعمت ‏ ‏ یہ نعمت خداوند نعمت مبارک
مرا مصرع سال کہتا ہے مجھ سے ‏ ‏ ریاض آج تجھ کو بھی خلعت مبارک
فدا ہو کر آقا پر آقا سے کہدوں ‏ ‏ مجھے اپنے آقا کی خدمت مبارک

جناب آج یہ دن خدا نے دکھایا
جناب آج یہ غسل صحت مبارک

۱۹ ‏ ۶ ‏ ۲۶

قطعۂ تاریخ تہنیت ممبری اکزیکیٹیو کونسل ممالک آگرہ و اودھ بجناب

او، بی، ای شیخ حبیب اللہ صاحب مدار المہام ریاست عالیہ محمود آباد دام اقبالہٗ

حسب فرمائش مہاراجہ بہادر اعلی اللہ مقامہٗ

بلا مقابلہ کونسل کے ہو گئے ممبر ‏ ‏ مجال کیا تھی جو بنتا کوئی جواب حبیب
اُسی شراب کا یاران انجمن میں ہو دور ‏ ‏ کہ ر راستی و وفا ہے شراب ناب حبیب

چمن نئے نظر آئیں گے زیر دوش ایسی — بنے گا کوئی نہ خار رہ صواب حبیب

انھیں کے سر ہو کونسل کے کام کا سہرا — بڑا مزا ہو بڑھا پائے شباب حبیب

عجیب رنگ طبیعت ہو آپ نے پایا — عجیب چیز زمانے میں ہے جناب حبیب

رہیں ہمیشہ مہاراجہ کے حبیب جناب — رہیں حبیب مہاراجہ کے جناب حبیب

حبیب قوم ہوں پائیں حبیب ملک خطاب — اب او بی ای کے سوا اور ہو خطاب حبیب

نگاہ لطف و کرم میرے کارساز رہے — نہ اپنی آنکھ سے دیکھوں کبھی عتاب حبیب

یہ فرض میں کبھی پاؤں جواب تلخ اگر — مزا شراب کا دے تلخی جواب حبیب

ہمیشہ میرے لئے بارش سحاب کرم — ہمیشہ میرے لئے لطف بے حساب حبیب

ہمیشہ غاشیہ بردار عز و جاہ و جلال — ہمیشہ دولت و اقبال ہمرکاب حبیب

کہا ریاض نے کیا خوب انتخاب کا سال

بلا مقابلہ کیا خوب انتخاب حبیب

۲۵ ۲ ۱۵

(سالہا [illegible] فرمایا)

غلام کا پیام

آقا کے قریب سے

امام ہو دوسرا کو سلام دیتا جا — پیام بر ترے صدقے پیام لیتا جا

تو انتخاب دل تشنہ کام لیتا جا — ملے جواب سے لالہ فام لیتا جا

مجھے بھی تو [illegible] — دل شکستہ کا ٹوٹا سا جام لیتا جا

مجھے ہی شوق کہ تیری ہی ہاتھ سے پہنچے   یہ جان تو پئے نذرِ امام لیتا جا
نہیں ہوں ساتھ تو میرا خیال اپنے ساتھ   سوئے حسین علیہ السلام لیتا جا
بنا کے لا اِسے صبح وطن ترے صدقے   حضور میں مری غربت کی شام لیتا جا
علیؑ کے نام سے ہوتی ہیں مشکلیں آساں   قدم قدم پہ انھیں کا تو نام لیتا جا
ازل کے روز سے پایا ہے جس نے حسنِ قبول   وہ پیش کرنے کو اپنا کلام لیتا جا
نسیمِ فکر نے تیری کھلائے ہیں جو پھول   حضورِ سرورِ عالی مقام لیتا جا
بلند عرشِ بریں تک ہے غلغلہ جن کا   مراثی اپنے وہ اپنے سلام لیتا جا
ضرور روضۂ اقدس سے آئیگی آواز   یہ بے بہا ترے موتی ہیں دام لیتا جا
صلہ ہے مدحِ شہیدانِ کربلا کا یہی   یہاں سے صحت و عمرِ دوام لیتا جا
پئیں جو لاکھ تو ہو گا کبھی نہ یہ خالی   جو آ گیا ہے تو کوثر کا جام لیتا جا
مبارک اے مرے آقا ہو یہ سفر تجھ کو   غلام کا دمِ رخصت سلام لیتا جا

ریاض ہاتھ اٹھائے ہیں آسماں کی طرف
دعائے بندۂ شاہِ انام لیتا جا

رباعی بسلسلۂ سلام و پیام

فارسی مصرع ہے۔ ع اسپ و زن و شمشیر وفادار کہ دید۔ رباعی مندرجۂ ذیل میں باعتبار تشنگی وفائے شمشیر کا ثبوت دیا گیا ہے۔

رباعی

وہ دھوپ کہ سبزہ لب جو خشک ہوا   وہ لو کہ نہال آرزو خشک ہوا
پیاسی رہی تیغ بھی بہ رنگِ شبیر   ہر وار پہ اعدا کا لہو خشک ہوا

نظم متعلق اخبارِ برہم

بسلسلۂ وابستگانِ مہاراجہ بہادر محمود آباد اعلی اللہ مقامہ

دھوم ہے برہم بدایوں کی
ہے ابھی تو یہ ہفتہ وار اخبار

منظرِ لطف سر عزیز الدین
بنے برہم ہوئی ہے وجہ وقار

رنگ لائے یہ نو دمیدہ گل
دیکھیں مزمل اللہ خاں بھی بہار

قدرداں اس کے ثانیٔ بھوپال
قدرداں رام پور کی سرکار

باغ گھر کا ہے باغباں گھر کا
ہوں زمیندار یا تعلقہ دار

دیکھ لو پیار کی نگاہوں سے
کہ سنبھل جائے یہ دلِ بیمار

خضرِ رہ کا کشش کوئی پیدا ہو
وقت نازک ہے مرحلہ دشوار

قدردانوں سے ہے امید یہی
سہل فرمائیں عقدۂ دشوار

جلد روزانہ ہو دعا ہے یہی
بلکہ ہر روز یہ چھپے دو بار

شفقِ صبح بن کے نکلے صبح
شفقِ شام شام کا اخبار

شام کو یہ بنائے شامِ وصال
صبح کو یہ بنائے صبحِ بہار

اس کے ایجنٹ ہوں بہار فروش
بنے خود اس کی گلفروش بہار

اب بھی کوزے میں بند ہے دریا
ہر ورق اب بھی ہے ارم بکنار

اشک خونیں سے سرخیاں ہیں لکھی
حرف ہر ایک زخم دامن دار

خود ایڈیٹر ہیں خود ہی مالک ہیں
قاضیٔ جرنلسٹ سحر نگار

نام مقبول ہے حسین کے ساتھ　　قوم کے ہیں یہی علم بردار
دل میں ان کے ہے اپنے ملک کا درد　　قوموں کا اتحاد اِن کا شعار
کعبۂ دل میں ہے بتوں کی جگہ　　اُن کے سُبحے میں رشتۂ زنار
خالِ ہندو ہو زلف کا فر ہو　　دونوں پر جان و دل سہی ہیں نثار
سخت کا فر یہ حق پرستی میں　　حق ہی نکلے گا منہ سے بر سرِ دار
ایک ہیں سب نگاہ میں اُن کی　　گبرو ترسا و کافر و دیندار
سب ہیں اعضائے یکد گر باہم　　درد مندی اگر ہو سب کا شعار
استخوان کتنے ایک رشتۂ جاں　　رشتۂ سُبحہ ایک دانے ہزار
نیک دل ہو ہر ایک نیک روش　　دور از کبر و نخوت و پندار
گاندھی، آزاد، شوکت و حسرت۔　　چاہتا ہے کہ حق ہو ان کا اشعار
نہ ریا ہو نہ زور ہو نہ فریب　　سیدھی رفتار سیدھی ہو گفتار
امتحاں پہلے میل جول کا ہو　　نہ رہے انتخاب میں تکرار
نہیں یاروں کے دل میں چور اگر　　کیوں بناتے ہیں سہل کو دشوار
اس میں رازِ نہاں جو ہو کوئی　　کاش چپکے سے اُس کا ہو اظہار
غیر شوکت نہ غیر حسرت ہیں　　ایک ہیں سب مہاجر و انصار
کچھ کہے کوئی یوں نہ ہونگے کبھی　　ظفر ایسی شکست پر تیار
ہو تحفظ پئے کثیر و قلیل　　صاف دستور پہلے ہو تیار
رنگ بدلے نہ دھوپ چھاؤں کی طرح　　ابھی اقرار تھا ابھی انکار
راستی موجبِ رضائے خداست　　بند اب ہر طرف ہے راہِ فرار

اثر انداز ہو نہیں سکتے — نہ لنگوٹی نہ طرّۂ دستار

باتیں قاضی کی ہیں خدا لگتی — جن سے ممکن نہیں کبھی انکار

اپنی ڈفلی ہو اپنا اپنا راگ — ہے بجا انتخاب پر اصرار

ہے بہت ہم کو قلقلِ مینا — ہم کو واعظ سے کچھ نہیں سروکار

فکر پینے کی فکر جینے کی — اب اسی پر ہے زندگی کا مدار

بہکی باتیں ریاض اب نہ کرو — عمر آخر ہے نشّے کا ہے اُتار

رند تم اور رسم قاضی سے — یہ نہ ہوں گے کبھی تمہارے یار

تم تو اپنے قدح کی خیر مناؤ — کہ ملیں روز بوتلیں دو چار

خود پیو دوستوں کو پلواؤ — جو پیے گا وہ ہوگا شکر گزار

ثاقب و محشر و عزیز و ریاض — ایک ہی میکدے کے ہیں میخوار

ابرِ میخانہ رحمتِ باری — ساقیٔ میکدہ مری سرکار

وہ سلامت رہیں ہزار برس — ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

صبح پر صدقے روزِ شامِ اودھ — شام پر روزِ صبحِ عید نثار

تاریخِ انتقال راجہ محمد علی احمد خاں بہادر برادرِ خورد مہاراجہ بہادر

اعلیٰ اللہ مقامہٗ والیِ ریاستِ محمود آباد

چھوٹے راجہ نے دیا داغ جوانی میں ریاض — جب بہار آنے کے دن آئے بجز برگِ خزاں

ہائے نکلے گی نہ اب خاک سے وہ چاند سی شکل — چاند سو بار نکلتا ہی جو ہوتا ہے نہاں

کوئی سرکار سے پوچھے کہ وہ کیوں ہیں خاموش — نہ تڑپنا ہے نہ فریاد نہ آہیں نہ فغاں

دیکھنے والوں کا منہ دیکھ کے رہ جاتے ہیں — وہ سکت ہی نہ وہ طاقت ہی نہ وہ تاب و تواں

بھائی کے واسطے ہی قوت بازو بھائی — راجہ صاحب تو سمجھتے تھے انہیں روح رواں

زور بازو تھے نہ ہونا تھا جدا بھائی سے — ڈھونڈھنے جائیں کہ اب قوت بازو کو کہاں

گھر میں یہ کہہ کر نہ بڑھانا تھی محبت ان کو — گو وہ ان کے الگ رہتے تھے جو مرنا تھا جواں

صبر کیسا نہ رہا صبر کا دینے والا — واقعہ سخت ہے دے صبر خداوند جہاں

دست ماتم سے صدا یہ ہے تاریخ آئی

جان گسل ہے الم مرگ علی احمد خاں

۱۳ ھ ۲۲

تاریخ انتقال جناب والدہ محترمہ حضور سر راجہ محمد علی محمد خاں بہادر کے سی ایس آئی

بالقابہ والی ریاست عالیہ محمود آباد دام اقبالہ

بھلایا تھا غم مرگ پدر ماں کی محبت نے — جدا سرکار کے سر سے ہوا اب ماں کا بھی سایا

الٰہی آسماں نے کیوں نئی سر پر اٹھائی ہے — ستم تو ڈھا چکا تھا اب پھر اس نے کیوں ستم ڈھایا

ہزاروں پرورش پاتے تھے دست جود سے ان کے — یہ ایسا حادثہ ہے جس نے اک عالم کو تڑپایا

فغان بیوگاں نالے یتیموں کے غریبوں کے — اجل نے ایسے دامن کو کہاں کانٹوں میں الجھایا

وہی نالے اجل کے دل میں ناوک بن کے جب بیٹھے — تو دل کے گھر کو گھر ذرا غم ہوئے ہم نے بھر پایا

یہ وہ غم ہے پڑے ناسور جس سے وہ تک دل میں — یہ وہ غم ہے اجل کا بھی کلیجا منہ کو اب آیا

خلش دل سے اجل کی مٹ نہیں سکتی قیامت تک — یہ کیوں آئی کہاں آئی یہ اس کے جی میں کیا آیا

ادائے شکر کی توفیق دی سرکار کو حق نے — لیا صبر و سکوں سے کام غم کو ضبط فرمایا

اُٹھایا داغ ماں کا باپ کا بھائی کا سینے پر — کیا نذرِ غمِ مولا سرِ مژگاں جو اشک آیا

بہا کر اشک سچے موتیوں سے آستیں بھر لی — گہرباری بڑھی حد سے تو بھر دامن بھی پھیلایا

اُٹھا جب دردِ دل تو سینہ کوبی کی مجالس میں — بڑھا جب جوشِ غم تو کربلا کا ذکر فرمایا

عجب کیا آستیں ابرِ شفق گوں کا بنے ٹکڑا — عجب کیا انجمن والوں کا دامن رنگ اگر لایا

دکھایا صبرِ ایوبی ہمیشہ راجہ صاحب نے — جب آیا شکر بن کر نالۂ دل ہونٹھ پر آیا

یہ ہے وہ حادثہ ٹکڑے کئے جس نے کلیجے کے — نہ تھا ممکن کہ صبر آ جائے لیکن صبر فرمایا

لٹائے گنج زر جس نے اُسی ہاتھوں سے مٹی دی — ملے تھے گو دہن جس کی اُسے ہاتھوں سے دفنایا

پکار اُٹھی زمینِ قبر میں ٹکڑا ہوں جنت کا — اُگا اُگتے ہی سبزہ بن کے زلفِ حور لہرایا

بلائیں بڑھ کے لیں حور کے گیسوئے سبزی کی — جب اتراتا ہوا جھونکا ہوائے خلد کا آیا

ہوئی موجِ ہوائے خلد صدقے لوٹ سبزی پر — زمیں پر بچھ کے سبزہ نخلِ طوبیٰ کا بنا سایا

لٹانے پھول اُٹھلاتی سرِ مدفن بہار آئی — ادھر برسانے موتی جھوم کر ابرِ کرم آیا

قصورِ خلد و طوبیٰ سلسبیل و چشمۂ کوثر — اُترتے ہی لحد میں کچھ عجب عالم نظر آیا

کفِ پا مہر و مہ تھے گوشہ گوشہ ہو گیا روشن — زمیں کے اخترِ قسمت کو ہر ذرّے نے چمکایا

ہزاروں آسمانِ نور میں فرقوں کی وسعت میں — یہ عالم دیکھ کر نیلوفری چرخ اور چکرایا

غمِ سبطِ نبیؐ کا داغ چمکا خوب مدفن میں — چراغِ نور اُتر کر عرش کی قندیل سے آیا

ہوئی طوبیٰ نشیمن روح کے پرواز کرتے ہی — کنیزِ فاطمہ زہراؑ نے کیسا مرتبہ پایا

رہے اللہ کا سایہ میرے سرکار کے سر پہ — طبیعت کو غمِ سبطِ نبیؐ نے خوب بہلایا

ریاضؔ اس حادثے کی ہے یہی تاریخ تم کہدو
سر اقدس سے اب دامانِ مادر کا اٹھا سایا

۱۳ ھ ۳۹

غمِ ہاتفؔ

تاریخ انتقال جناب سید احمد حسین صاحب ہاتفؔ بی۔ اے ایل ایل بی ہوم اسسٹنٹ منیجر ریاست عالیہ محمود آباد برادر زادہ میر مظفر حسین مرحوم نامور وکیل سیتاپور

کھا گئی تم کو آہ کس کی نظر
سید احمد حسین ہاتفؔ ہائے

تم میں تھے سب خصائل سادات
یاد کے ساتھ کیوں نہ رونا آئے

نیک دل نیک طبع نیک نہاد
کس طرح دل کوئی تم کو بھلائے

درد دل پر ہزار پھیرے دل
نہیں ممکن تمہاری یاد نہ آئے

قبر کو ہم لگائیں آنکھوں سے
آنکھ کی پتلی قبر تم کو بنائے

اپنے پیارے چچا کی جان تھے تم
رنج سے کیوں نہ جان لب پر آئے

کیوں نہ جان ان کی کشمکش میں پڑے
جان تو جائے اور جان نہ جائے

اب مظفر حسین ہی وہ نہیں
کیا ہوئی وہ شگفتہ صحبت ہائے

مشکل آنکھوں آکے کیوں نہ بنے تھی
دل سے بڑھ کر تم آنکھ میں سمائے

دن نہ تھے یہ تمہارے مرنے کے
دن یہ دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے

بچیوں کو بلکتے دیکھے کون
بی بی آنکھوں سے کیوں نہ خون بہائے

غم زدہ ہے تمام سیتاپور / میر صاحب کو کیا کوئی سمجھائے

متاثر ہوئے مہاراجہ / کتنے محزون حضور خود نظر آئے

ایسے استادزادے کا مرنا / تربیت ظلِ عاطفت میں جو پائے

پاس بی اے کے ساتھ ایل ایل بی / قابلیت نے چار چاند لگائے

کیا قیامت ہے ایسے چاند کا داغ / چاند سینے سے اس کو کیوں نہ لگائے

کیوں نہ افسوس ہو ریاست کو / کام کے جب ہوئے تو کام نہ آئے

لا رہا تھا شگوفے نخلِ مراد / ہم سمجھتے تھے دن بہار کے آئے

ہو نہ اہلِ چمن کو کچھ بھی عجب / آگ ابرِ بہار اگر برسائے

سیرِ گلشن میں احتیاط یہ تھی / کبھی نرگس ادھر نہ آنکھ اٹھائے

وقم گل گشت اہتمام یہ تھا / آتشِ گل جو بھڑکے آنچ نہ آئے

گھنا تھا سایۂ مہاراجہ / گھنے پتوں سی چھن کو دھوپ آئے

نہ دکھائے اثر تمازتِ مہر / رنگِ ہاتف نہ دھوپ سے سنولائے

کم ہے جتنا اثر ہو آغا پر / یوں الٰہی کسی کو موت نہ آئے

ایک دانے نے زہر یہ بویا / کہ زمانے نے اشکِ تلخ بہائے

رونے والوں میں ایک ہم بھی ہیں / بیٹھے ہیں دل پر اپنے داغ اٹھائے

مٹ گئی اب بہارِ باغِ سخن / رونقِ بزمِ شعر کون بڑھائے

آج آزاد ہیں نہ ہاتف ہیں / جا کے کس کو کوئی کلام سنائے

داغِ آزاد ہو گیا تازہ / ساتھ ہاتف کے یاد وہ بھی آئے

مجھ سے کتنا تھا لطف ہاتف کو / مجھ سے تھی کس قدر عقیدت ہائے

مضطرب تھے چھپے مرا دیوان   یہ تقاضہ نہ دیر ہونے پائے
سہرے دیکھے تو ہنس کے بول اٹھے   کوئی کچھ کہہ کے خاک لگ جائے
رتبہ دانِ ریاض قدرشناس   اس طرح ہائے آنکھ سی چھپ جائے
فاتحہ پڑھ کے بار بار کہوں   ہاتف اللہ مغفرت فرمائے

خوب مصرع یہ ہے پئے تاریخ
گل ہوا اب چراغِ بزم اے وائے

۴۶ ھ ۱۲

تاریخِ وصالِ عالی جناب مہاراجہ محمد علی محمد خان بہادر بالقابہ اعلی اللہ مقامہٗ

نظم

بہ عالی جناب خان بہادر محمد امیر احمد خان بہادر بالقابہ والی محمود آباد (اودھ)

عاشقِ صادقِ نبیؐ و علیؑ   اے محمد علی محمد خان
آپ کی ذات رازِ قدرت تھی   آپ کی ذات میں تھے راز نہاں
ہے یہ قدرت کی کارفرمائی   وہ پسِ پردہ آج بھی ہے عیاں
مظہرِ ذاتِ حق ہوں جس کے صفات   کیوں رہیگا حجاب میں وہ نہاں
چھپنے پر بھی ہے دیدہ و دل میں   کیا ہو اس کا بیاں جو شی ہو عیاں
چشمِ تربت میں جلوۂ رنگیں   سرِ تربت بہارِ باغِ جناں
جان دی عشرۂ محرم میں   کھلے سربستہ راز ہائے نہاں
عشق کے واسطے ہوں مایۂ ناز   ایسے اب عاشقِ امام کہاں

دردِ اسلام خونچکاں دل میں — اثرات اس کے رنگِ رخ سے عیاں

دل کی گہرائیاں وہ کیا ہوں گی — جن میں ہو اک جہاں کا درد نہاں

کیوں نہ دل کو جہانِ درد کہوں — اس قدر ہو ہجومِ دردِ جہاں

قوم کے واسطے سراپا درد — ہمہ تن ملک کے لئے رگِ جاں

ہائے وہ آنکھ اشک سے لبریز — موج در موج جیسے بحرِ رواں

دل وہ دل بہرِ چشم باعثِ فخر — جس کا حصہ ہو صبر و ضبطِ فغاں

ہائے وہ شیوۂ رضا جوئی — ہائے وہ خوئے عجزِ بے پایاں

جس کا سایہ ہو تیرگی میں نور — جس کے پرتو سے کفر ہو ایماں

خاکساری میں وہ عروج وہ اوج — لیں قدم طرہ ہائے تاجِ کیاں

کھل کے داد و دہش میں حاتم طے — اور پوشیدہ دستِ رزق رساں

ہاتھ کی ہاتھ کو نہ کچھ ہو خبر — دسترس تک وہ دستگیرِ جہاں

موجِ آبِ گہر اُٹھے جس سے — ہاتھ کی ہر لکیر جوئے رواں

وہ تدبر جو فہم سے باہر — وہ فراست کہ عقل ہو حیراں

وہ سیاست ملے نہ جس کی مثال — وہ ذہانت نہ پہنچے وہم و گماں

کہیئے قوت انھیں حکومت کی — کہیئے پبلک کی ان کو روحِ رواں

تھے سراپا وہ لطف و مہر و کرم — حصہ اُن کا تھا لطفِ بے پایاں

عجب انسان باعتبارِ شرف — یا فرشتہ بصورتِ انساں

تھا یہ ادنیٰ سا فیضِ مدحِ امام — کہ نہ تھا ان سا شاعرِ ہمہ داں

ہمہ داں ایسے دیکھے ان کو اگر — تہ کرے زانوئے ادب سحباں

مرثیہ پڑھنے میں خود اپنی نظیر — اور کہنے میں ہے عدیلِ جہاں
نازشِ خاندانِ میر انیس — قابلِ رشک ان کی شستہ زباں
نور افزائے دیدۂ عارف — نور افزائے دیدۂ عرفاں
صاحبِ علم ان کے رتبہ شناس — فن کے نقاد ان کے مرتبہ داں
کم ہے تعریف جس قدر کیجیے — اف رے تاثیرِ مدحِ شاہِ زماں
لا کلام آپ کا کلامِ نفیس — ایسے اب صاحبِ کلام کہاں
آفریں ناخدائے خلقِ خدا — حبذا بندۂ شہِ مرداں
کیسے سکے جمے تھے عالم میں — اک خدائی تھی تابعِ فرماں
کشتیٔ قوم کے محافظ تھے — ملک کا تھا سفینہ اُن پہ رواں
قبر پر نور کا وفور ہے آج — ذرہ ذرہ ہے نیّرِ تاباں
سایہ گستر ہے دامنِ زہرا — کہہ رہی ہے یہ پاکیٔ داماں
ہر طرف عشرۂ محرم ہے — ایک عالم ہے آج نوحہ کناں
بعدِ رحلت بھی زندۂ جاوید — چھپ کے زیرِ زمیں بھی جلوہ عیاں
پائے جو زندگانیٔ جاوید — زندگی اس کی موت پر قرباں
نسبتاً خلد کربلا کی زمیں — نسبتاً گورِ چشمِ حورِ جناں
نہ رہا قدرداں مرا نہ رہا — اے ریاض آمدِ ہوائے خزاں
عمرِ رفتہ کو کون واپس لائے — اپنے آقا کو پاؤں آج کہاں
کون آقا ریاض کے حامی — اور جس پر ریاض تھا نازاں
زندگی تھی ریاض کی جس سے — بعد اس کے ریاض آزردہ جاں

نہیں ہے کچھ ریاض پر موقوف | ایک عالم کے ہے یہ وردِ زباں
مٹ گئیں جو اُمیدیں باقی تھیں | رہ گئے دل کے دل میں سب ارماں
لکھنؤ ہائے لکھنؤ نہ رہا | اب وہ صحبت کہاں وہ لطف کہاں
قدر افزائی ہنر نہ رہی | نہ رہا کوئی باکمال انسان
وضعداری اُٹھی زمانے سے | وضعداری کا نام ہے نہ نشاں
جود و بخشش کا سلسلہ نہ رہا | اب کہاں کوئی حاتمِ دوراں
بیکسوں کا ہی چارہ ساز اب کون | اب غریبوں کا دل نواز کہاں
اک جہاں مبتلائے ماتم ہے | قوم کیا اک جہاں ہے گریہ کناں
وہ رئیسانہ شان ہی نہ رہی | اب نہیں کوئی شان کے شایاں
مردمِ دیدہ دستِ مژگاں سے | کریں ماتم بہ ضبطِ آہ و فغاں
اپنے ہاتھوں سے اپنا ماتم ہے | دل کے غم میں جگر ہے نوحہ کناں
انقلابوں کے دیکھنے والو | یوں بھی دیکھا تھا انقلابِ جہاں
ایک زمانہ مرقعِ غم ہے | کیا ہوا تھا جو سب کی روحِ رواں
کون ہے جو کرے مسیحائی | جاں کی طرح لب پہ آئی فغاں
کیا کہوں آہ اپنے دل سے میں | دل ہے خود آج خانۂ ویراں
آہ، جیسے کسی میں جان نہیں | جس کو دیکھو وہ ہے تنِ بیجاں
خاک ہوں گے شگفتگی کا سبب | دامنِ دل ہیں غنچۂ پیکاں
مضمحل ہیں دل و دماغ و جگر | اب وہ بالیدگئ روح کہاں
یادِ ایامِ لطفِ شعر و سخن | اب وہ ساحر کہاں ریاض کہاں

آسماں دور ہے زمیں ہے سخت — قرب سے بدلے خاک بعد مکاں
کس طرح جاؤں کس طرح پہنچوں — ہیں بہت دور عیسیٔ دوراں
دے خدا صبر سب کو آپ کے ساتھ — اے محمد امیر احمد خان
اے فلک مرتبت فلک شوکت — ناخدائے حوادث و طوفاں
میرے راجہ امیر ابن امیر — میرے راجہ وحید و فخر جہاں
میرے آقا کی ہو بہو تصویر — میرے آقا کی جس سے شان عیاں
آپ پر آج مرتبت صدقے — آپ پر آج شوکتیں قرباں
آپ کے خلق پر فدا عالم — اور ایثار پر نثار جہاں
اختر بخت اوج پر دن رات — اور اقبال نیر تاباں
ناتوانوں کی آپ قوت ہیں — ناتوانوں کی آپ تاب و تواں
کشتیٔ قوم کو ہے باد مراد — ایک ادنیٰ سی جنبش داماں
دے خدا زور دست و بازو میں — بار کشتی ہے آج کوہ گراں
میں ہوں اب اور حلقۂ گرداب — بحر غم اور شدت طوفاں
جمے لنگر جو پائے استقلال — ابھی ہو جائیں مشکلیں آساں
بے ساماں خدا ہے خود ان کا — جو توکل پر اپنے ہیں شاداں
آپ کی ذات پر مدار ان کا — آپ کی ذات پر وہ ہیں نازاں
آپ کی ذات پر جہان کو ناز — آپ کی ذات افتخار جہاں
روز افزوں ہو آپ کا اقبال — روز افزوں ہو دولت ایماں
نور ایماں کی طرح عمر بڑھے — دے بزرگی خدا بہ عمر جواں

دستگیر آپ کے رسولِ خدا　　دستگیر آپ کے شہِ مرداں

سایہ افگن رہیں مہارانی　　جن کا سایہ ہے رحمتِ یزداں

وہ مہارانی صاحبہ ذی جاہ　　وہ مہارانی صاحبہ ذی شاں

جن کا ثانی نہیں زمانے میں　　جن کے اوصاف بیحد و پایاں

ساتھ دیں آپ کا صدوسی سال　　آپ کے بھائی مثلِ روحِ رواں

کفِ پاچو میں رفعت و اجلال　　کفِ پاچو میں جاہ و شوکت و شاں

جان ہیں آپ ایک زمانے کے　　آپ ہیں اک جہاں کے روحِ رواں

ثاقب و محشر و عزیز و ریاض　　اور کتنے ہیں بستۂ داماں

چھپ گیا ہے جو چشمِ ظاہر سے　　ہیں اُسی کے یہ جلوہائے عیاں

زندہ نامِ نکو کے ساتھ مدام　　ہیں محمد علی محمد خاں

کہوں ہجری میں کیا سنینِ وصال　　نہیں کھلتے ہیں لب اور دہاں

کچھ شگافیدہ کچھ تراشیدہ　　پہلے سے ہے مری قلم کی زباں

ہاں مگر وہ ہے واقفِ اسرار　　ہاتفِ غیب کھولے اپنی زباں

بڑھ کے روح القدس نے مجھ سے کہا　　ہے یہ فیضِ مدیحِ شاہِ زماں

کہیں ہوتی ہے ایسی بھی تاریخ　　کہ جناں میں ہے سب کے ورد زباں

سرِ تربت بہ صنعتِ منقوط　　ہے یہ شعرِ شمیمِ نور افشاں

دھوم ہے دھوم ہے خلد میں آئے

سر محمد علی محمد خان

۱۳ ۵۵ ۵۰

قطعۂ تاریخ طبع دیوان تصنیفِ امیر الحرم نصیر الملت الدین

دی آنریبل امیر الدولہ سعید الملک خان بہادر راجہ محمد امیر حسن خان

ممتاز جنگ کے سی آئی ای کے سی وی ای

اعلی اللہ مقامہ والی محمود آباد

سحر کا دیوان ہے باغِ طلسم | سحر کا گلزار ہے گلزارِ سحر
خالِ رخ ہر نکتہ حسنِ طبع سے | سطرِ زلفِ شاہدِ گفتارِ سحر
شاعری ہے سحر کی یا ساحری | کس قدر ہیں سحر کار افکارِ سحر
نقطہ نقطہ گوہرِ شہوار ہے | صفحہ صفحہ دامنِ زر بارِ سحر
نکتہ چینی کیا کرے گا اب کوئی | کیسی جدول کھنچ گئی دیوارِ سحر
سحر کی ہر بات ہے جادو بھری | کرتی ہے ہر بات گویا کارِ سحر
بات وہ کافر نواں میں اب کہاں | بت بنے ہیں سن کے سب گفتارِ سحر
ساحری فن میں جو کاٹے ہیں ہاں | کچھ عجب سرکار ہے سرکارِ سحر
سینکڑوں کافر کے جیتے تیغ میں | کچھ عجب دربار ہے دربارِ سحر
سب سے بالا سحر کی فکرِ بلند | اس سے بالا طرۂ دستارِ سحر
کٹ گئے دشمن طبیعت جب لڑی | کہیے اس کو تیغ جوہر دارِ سحر
برق سے طبعِ رواں کی کیا مثال | برق ہے نعلِ سمِ رہوارِ سحر

روشنی پھیلی ہوئی ہے ہر طرف — مٹ گئی ظلمت زہے انوارِ سحر

عرش کے تارے ستارے تاج کے — چاند سورج دامنِ زرنارِ سحر

دامنِ دولت سے وابستہ تھی خلق — رشکِ دامن تھے کفِ دربارِ سحر

در تک آ کر گھر کوئی جاتا نہیں — ہے عجب حاجت روا دربارِ سحر

کیا مری تاریخ کیا میں ای ریاضؔ — قدر دانی جو کرے سرکارِ سحر

پیشکش یہ مصرعِ تاریخ ہے — سحر ہیں اعجاز ہیں اشعارِ سحر

دوستوں کو ہو مبارک ای ریاضؔ — چھپ گیا[۲۰] دیوانِ گوہر[۱۳] بارِ سحر

دشمنوں کے آنکھ میں کانٹے چبھے — کی جو سیرِ گلشنِ افکارِ سحر

بن کے نکلے خار الف اشعار کے

سحر ہیں اعجاز ہیں اشعارِ سحر

۲۰ ھ ۱۳

ایضاً

طبع کا سحر کے دیوان نے پہنا ہی لباس — دخترِ رز کی نہیں جلوہ گری شیشے ہیں

میں نے برجستہ کہا مصرعِ تاریخ ریاضؔ — دیکھ تو سحرؔ اتاری ہے پری شیشے ہیں

۲۰ ھ ۱۳

(غزل نہیں ملی صرف ایک شعر منقبت ملا جو خاص طور پر حضور سحر میں بھیجا گیا تھا)

ہند! گر بندۂ در پر درِ توبہ ہو جائے

توڑ ڈالیں ابھی مثلِ درِ خیبر حیدر

بیل کی سرگزشت

[بیل کی سرگزشت جناب نواب خان بہادر سر عزیز الدین احمد بالقابہ دیوان دتیا کے اسم گرامی سے معنون ہو کر ممدوح کی تصویر کے ساتھ کافی تعداد میں بخط جلی و واضح کتابی تقطیع پر شائع ہو چکی ہے۔ اب ترتیب دیوان کے موافق ذیل میں درج ہے۔ اور اسی کے ساتھ کی دو نظمیں جن کا تعلق قاضی صاحب رعزیزان قاضی صاحب سے ہے افسوس ایسی زیادہ نظمیں محفوظ نہ رہ سکیں۔]

بیل بن کر کس مصیبت میں پھنسے ہم بے زباں
سرگزشت اپنی بیاں کس سے کریں ہم جاں ہار

دودھ میں ماں کے ہوئے ہر قوم کے بھائی شریک
بھائی بن کر بھی نہ سمجھے کہ ہیں ہم شیر خوار

رکھ کے بھوکا ہم کو اپنا پیٹ سب بھرتے رہے
کہہ کے ماتا دھوکے دیتے تھے اسی بھی بار بار

کس کو آتی تھی محبت منہ ہمارا دیکھ کر
چاٹتی تھی پیار سے کس طرح وہ الفت شعار

دودھ اترے ماں کا دو منہ ہم نے مارا اس لیے
ورنہ یہ منہ تھا ہمارا دودھ کرتے زہر مار

بال بندھے تھے ہمیشہ تھن کبھی ماں کے پاؤں سے
منہ کے بدلے اب کھلی رہتی تھی چشم انتظار

دور تھا منہ سے ہمارے تھن کبھی ظرف شیر بھی
ظرف کا باہر نہ جانے پاتی لیکن کوئی دھار

ساتھ ماں کے جب چلے منہ پہ چھینکی جالی بھری
اب ترس آتا ہے کس کو لاکھ ہوں ہم بیقرار

بعض کو آیا ترس بھی کچھ تو آیا اس طرح
پی چکے تھے دودھ ماں کا دم دیا ان کو تھا عار

پھر بھی دونوں ایک تھے گو بید تھی پھر بید بھی
کام لیتے ہیں سو ہیں بید ریاں سب کا شعار

آنکھ پر سب کے پڑے جب کچھ کٹے ہاتھ پاؤں
سینگ بھی آنے نہ پائے ہو گئے نظروں میں خار

نوجوانی رنگ بھی لائی تو کس آفت کا رنگ
کیا کہیں اپنی خزاں ہم کیا کہیں اپنی بہار

ایک آفت جوتنے کو ہل میں ہم جوتے گئے ہر طرف ہل چل گئے کیا ہو گئے وہ سبزہ زار

کھینچنا وہ ہل جو چلنے ہوں زمیں کو پھاڑ کر گو زمیں پتھر سی بھی ہو سخت ایسے نوکدار

ایک حالت پر گزر جانے لگے دودھ بھر ماں کے تھن کا دودھ آیا ہو ٹھہ بر افئی نثار

آگیا بھاری جو اگاڑی کا گردن پر کبھی ہم نے گو میدان جیتے پھر بھی سمجھے اپنی ہار

چھکڑے کیسی یہ ہم نے کھینچے دلدل کے بیچ نے بوجھ ہم نے یوں اٹھایا جس طرح عصیاں کا بار

کھانے پینے کا نہ کوئی وقت تھا آرام کا ٹھوکریں کھا کھا کے گرنا اور چلنا بار بار

موسم گرما میں دن کی دھوپ کیسی سخت و تیز موسم سرما میں شب کی اوس کیسی ناگوار

ہم اگر تھک کر کبھی بیٹھے تو منہ چلتا رہا تھا ہماری زندگانی کا جگالی پر مدار

خون سوکھے دیکھکر کھانے کو ایسی خشک گھانس جس کو پی کر خون پانی ہو وہ آبِ ناگوار

جیتے جی گویا بھرا جاتا تھا بھوسا کھال میں سوکھے ڈنٹھل بھوک کی شدت میں کرنا زہر مار

اپنی چربی سی جو نکلا ہو کھلی اس تیل کی وہ بھی قسمت سی مہینے میں کبھی دو چار بار

دانہ بن جائیں تو بن جائیں اُن کی پھبتیاں اس کا بدلہ بھی بھگتنا ہم کو تا روز شمار

آندھی آئے پانی برسے ہم کو چلنا رات دن ساتھ دی تو اس طرح دی گردش لیل و نہار

ہائے وہ سوجے ہوئے پھوڑے ہوئے کاندھو کا زخم بوجھ بھاری سخت منزل اونچی نیچی رہگزار

بے سکت پا لنگ لاغر ناتوان زار و نحیف بھوکے پیاسے زخم خوردہ سینہ ریش و دلفگار

رفتہ رفتہ دیدیا طاقت نے بھی بالکل جواب بیٹھ کر اٹھنا ہوا مشکل ہیں انجام کار

جان بچنے کے ذریعے جس قدر تھے سب مٹے رحم کے قابل نہیں اب بھی ہمارا حال زار

باندھ کر بیچ ہی کھلائے کون بوڑھے بیل کو کون پالے ہم کو اس حالت میں ای پروردگار

وقت نازک عمر آخر جان دو بھر حال غیر سر پر اب قصاب پہنچے لے کے چھریاں آبدار

بات کہتے کردئے ہر عضو کے ٹکڑے جدا	قیمہ قیمہ کردیا بیدرد یوں جب جسم زار
ریشے ریشے پر ہماری دانت تھا ہر ایک کا	آدمی کیا چیل کوے ٹوٹے ہم پر بے شمار
حصے بخرے ہوگئے کچھ بٹ گیا کچھ لٹ گیا	گوشت اپنا تکے بوٹی ہوگیا انجام کار
کھال باقی رہ گئی تھی اس کے نقارے منڈھے	شامت اعمال سے پڑتی اب ہے اس پر بھی مار
ایک ناکردہ گنہ کا حال یہ ہے اے ریاض	وہ بھی اک بے عقل بے بس بے زباں بے اختیار
دیکھئے ہوتا ہے کیا ہم سے گنہگاروں کا حشر	دیکھئے پاتے ہیں کیا پاداش ہم سے زشت کار

تاریخِ وفات اہلیہ قاضی خلیل الدین احمد بہادر وزیر ریاست پنا بندیلکھنڈ مرحوم

تیسیں سن الی ودھ

چھوڑ کر کاشانہ تربت میں گئی افسوس آج	بانوئے عصمت مآب پاک دامان خلیل
پاک دامن پاک باطن نیک طینت نیک دل	گھر کا گھر صدقے تھا اس پر تھی وہ قربان خلیل
کیا خوشی تھی جس خوشی میں غم یہ پنہاں تھا ریاض	دودھ بھی پینے نہ پایا طفل نادان خلیل
ہے لہو کی بوند جوشِ خندۂ شادی کا اشک	پھول دامن کا بنا ہے داغ دامانِ خلیل
چشمِ تر کے حافظے زیریں ہیں تو اب نسبت نہیں	تھا بہار عید سے بڑھ کر گریبان خلیل
رنج و غم تو دست حسرت رات دن سینہ کوب	خوں فشاں تر خوں چکاں ہر چشم مژگان خلیل
دست ماتم خوں فشاں میں دست ماتم خوں چکاں	بڑھ کے دونوں سے ز رنگت چشم و مژگانِ خلیل
بجلیاں آ کر رگ گل میں تھیں ہمارے باغ میں	آتش گل بن گئی کیوں برق بستان خلیل
مرنے والی تجھکو زیر خاک جاتے دیکھ کر	خاک میں کیا کیا ملے ہیں آج ارمان خلیل
تیرے جانے کا اثر دل پہ جو ہو وہ کب آج	جانتے تھے جانے والے تجھے جانِ خلیل

جان کیسی؟ جان سے بڑھ کر تعلق تھا ترا — جانتی تھی تجھ کو دنیا دین و ایمانِ خلیل

کون دیکھے؟ دیکھنے سے یاد آتا ہے کوئی — غم فزا ہے عیش افزا ساز و سامانِ خلیل

ایسے غم میں خوب ہی مصرع کہا تاریخ کا — مصرعِ تاریخ سُن کر ہوں میں قربانِ خلیل

اس سے بہتر اور ہو سکتا نہیں سالِ وفات

گُل ہوئی بادِ اجل سے شمعِ ایوانِ خلیل

۱۳ ھ ۳۰

قطعہ تاریخ عطائے خطاب او۔بی۔ای بجناب خان بہادر قاضی

خلیل الدین احمد صاحب وزیر سلطنت بجاور دام اقبالہٗ

خوش رعایا در بجاور حق بحقدارش رسید — یافتہ قاضی خلیل الدین او بی ای خطاب

آں خلیل الدیں کہ در دورش بجاور را فروغ — آں خلیل الدیں کہ از دانش وزارت کامیاب

آں خلیل الدیں کہ در عقل و فراست بے عدیل — آں خلیل الدیں کہ در فکر و تدبّر لاجواب

آں چناں روشن دماغ آں چناں روشن خیال — گو نیا خود آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

قابلیت آں چناں پیشش حکومت معترف — حسنِ خدمت آں چناں ممتاز گشتہ از خطاب

کارہائے سخت آساں نمودن کارِ اوست — در کشود کارِ تدبیرش ہمیشہ کامیاب

ذاتِ والا در نظامِ کارہا ضرب المثل — فکرِ عالی بر فتن ہنگامہا را سدّ باب

ایں قدر آسودگیہا ایں قدر امن و اماں — درد درماں شد بہ عہد او سکوں شد اضطراب

عقدہائے زلف در دلہا گرہ نگذاشتند — حسنِ گیسوئے بتاں بردہ ز دلہا پیچ و تاب

ز چشمِ لطفِ مہاراجہ صرف تم پر تھی | گورنروں کی بھی تم پر وہی نگاہ خلیل
دیا حکومتِ انگلش نے تمغہ "قیصر ہند" | ملے خطاب بھی کیا کیا بعزّ و جاہ خلیل
خطاب "خان بہادر" سے "ای بی او" سے کھلا | کہاں میں تم سے حکومت کے خیر خواہ خلیل
دعائیں خلق سے لیں تو صلہ حکومت سے | تمہارے دم سے کھلا تھا درِ رفاہ خلیل
نہ تم ملو گے نہ تم سا ملے گا دنیا میں | چراغ لے کے جو ڈھونڈیں گے مہر و ماہ خلیل
چمن میں پھولوں کی ہنسنا تمہیں سے سیکھا تھا | تمہیں سے سیکھا ہی بینا نے قاہ قاہ خلیل
نہ جانتے تھے ہنسا کر ہمیں رلاؤ گے | تمہارے بحرِ الم کی نہیں ہے تھاہ خلیل
یہ دن ہر ایک کو افسوس پیش آتا ہے | رہِ عدم میں ہیں یکساں گدا و شاہ خلیل
خدا کے خوف کے دریا بہائے ہیں تم نے | تمہارے اشکوں نے رکھے نہ سنگ راہ خلیل
عدم کی بھی رہِ دشوار تم نے آساں کی | جو کوہ تھے نظر آئے وہ تم کو کاہ خلیل
رہیں وہ حوروں کے جھمگٹ میں لالہ و گل میں | جناں میں جا کے مزے تو نے یا الٰہ خلیل
تمہاری اشکوں نے دھوئے تمہارے عصیاں بھی | تمہاری فردِ عمل میں نہیں گناہ خلیل

ریاضؔ تھی غمِ فرقت میں فکرِ سالِ وفات
صدا یہ کانوں میں آئی "خلیل آہ خلیل"

۱۳۴۶ھ

قطعۂ تاریخ تقرر جناب قاضی "امیر الدین" احمد صاحب خلف عالی جناب خان بہادر او بی ای قاضی عزیز الدین احمد صاحب وزیر دتیا اسٹیٹ بالقابہ

مستحق تھے خوب ہی "نائٹ" "ملاان" کو خطاب ۔۔۔ پوچھنا ہی یہ عبث ہی کیا ہوا؟ کیونکر ہوئے

ہے اثر اتنا چڑھائے خم کے خم جیسے کوئی ۔۔۔ وہ خوشی ہے بے پئے ہم آپ سے باہر ہوئے

تھی نگہ تشنہ مری اللہ ری اسکا جذبِ شوق ۔۔۔ جذبِ نظر کی بزمِ ساقی میں تھی ساغر ہوئے

تھا جو دریا دل مے ساقی نے توڑی مُہرِ خم ۔۔۔ میکدے میں پے بہ پے دورِ مئے احمر ہوئے

میکدہ کس کا تھا؟ ساقی کا ہوئی سب کو حلال ۔۔۔ زاہدانِ خشک کے بھی آج دامن تر ہوئے

ہاں اسی دن کے لئے "نواب" "بخشا تھا خطاب ۔۔۔ خوش مہاراجہ بھی ہیں دیوانِ دنیا سر ہوئے

شاہ ہو راعی تو پھر شاداں رعایا کیوں نہ ہو؟ ۔۔۔ تھا چراغاں جس سے روشن آج کتنے گھر ہوئے

اس خوشی سے آج دنیا میں جلے گھر گھر چراغ ۔۔۔ تارے بھی شرمائے چشمک زن جو بام و در ہوئے

آسماں گویا زمیں تھی کہکشاں ہر رہگذر ۔۔۔ ذرے ذرے خاکِ رہ کے کوکب و اختر ہوئے

تاجِ دنیا کو نئے سر سے لگائے چار چاند ۔۔۔ چاند سورج جھک کے مہاراجہ کے چترِ زر ہوئے

سر عزیز الدین احمد نائبِ روشن دماغ ۔۔۔ شمعیں روشن ہو گئیں جس بزم کے ممبر ہوئے

ہر جگہ ہی ہمسروں میں بھی ستائش آپ کی ۔۔۔ تر زباں اس شکر میں سب آپ کے ہمسر ہوئے

آرزو کیا؟ ہیں معترف آپ کے شاہِ دکن ۔۔۔ قابلیت کے نمایاں ہر جگہ جوہر ہوئے

رنگ لائیگا ابھی تو اور نائٹ کا خطاب ۔۔۔ اور کیا کچھ ہوں گے اس کے بعد ابھی تو سر ہوئے

آج ہے ضرب المثل عالی دماغی آپ کی ۔۔۔ وہ تدبر اہلِ حس کے خلق میں کمتر ہوئے

کیوں نہ اس انداز کی تاریخ میں لکھوں یا قیص

بے سر و ساماں تھا وہ قسمت سے میری سر ہوئے

قطعۂ تاریخ غسلِ صحت نواب قاضی سر عزیز الدین احمد خان بہادر

دیوان دتیا بندیلکھنڈ بالقا

سلامت سر عزیز الدین احمد — صدوں سال ہو جینا مبارک

مبارک رات دن دور مئے عیش — چھلکتے ساغر صہبا مبارک

خوشی ہے غسل صحت کی خوشی ہے — مبارک یہ شفا پانا مبارک

مبارک صحت دیوان دتیا — مبارک لے بہارا جا مبارک

غریبوں کی دعائیں کام آئیں — غریبوں کا دعا دینا مبارک

وہ دتیا جس کے ہیں نواب غنی — وہ دتیا کو انھیں دتیا مبارک

عنادل چہچہائیں شاخ گل پر — چمن کو ہو گل کھلنا مبارک

لب گل کہہ اٹھے قاضی سلامت — پکارے قلقل مینا مبارک

ریاض آئیں مسرت سے یہ کہتے
جناب اب غسل صحت کا مبارک

سرچشمۂ تہنیت

بہ تہنیت خاقانی جناب نواب حاجی عزیز الدین احمد خاں صاحب دیوان ریاست دتیا

[illegible] — [illegible] آفتاب کو

[illegible] — [illegible] جناب کو

[illegible] — [illegible] کو

ہر دل عزیز آپ تھے سب ٹوٹ کر ملے — ٹوٹے حسین وا کیئے بندِ نقاب کو

شاہانہ دعوتیں وہ امیرانہ دعوتیں — جنت میں جاکے دخل دیا اجتناب کو

تقوے کا بھی لحاظ تھا صحت کا بھی لحاظ — کیسی شراب؟ منہ نہ لگایا کباب کو

حسرت نصیب دور سے مُنہ دیکھتے رہے — کھاتے کباب آپ نہ چھوتے شراب کو

میں اے ریاض ساتھ نہ پیتا تھا پیتے کیوں؟ — قاضی پسند کرتے ہیں میری شراب کو

موجِ مئے سخن نے لگائے ہیں چار چاند — اُٹھ اُٹھ کے آج ہر قدحِ آفتاب کو

ہر طرح لطف اُٹھاتے شراب و کباب کا — سنتے وہ میرے شعر نہ چھوتے شراب کو

صحت خریدنے وہ گئے تھے خرید لائے — بازارِ مصر سے لئے آئے شباب کو

پیری میں اور اُن سا جوان بخت کون ہے — رہنا ہے اِن کے ساتھ ہمیشہ شباب کو

دنیا کا جشنِ جوبلی رہ جائے یادگار — اتنی ملے نہیں کبھی ترسوں شباب کو

ہز ہائینس کے واسطے آبِ بقا کا جام — اتنے ہوں جشنِ جوبلی بھولیں حساب کو

پی پی کے دے رہا ہوں مہاراج کو دعا — پی پی کے دے رہا ہوں دعائیں جناب کو

ہوگی نہ رائیگاں یہ شرابِ سخن ریاض
قاضی سے واسطہ ہے ہماری شراب کو

تاریخ تعمیرِ مسجد بنا کردہ سرتاج دنیا

حسب ارشاد وزارت پناہ نواب خان بہادر سر قاضی عزیز الدین احمد بالقابہ

کرم داتا کا دنیا پر ہمیشہ — کہ ان داتا بنے مسجد کے بانی

میں منہ میں لے کے یہ کہوں اس کی زبان کو — جب وصل ہو نصیب کسی خستہ جان کو
اس شب کی تا قیامت الٰہی سحر نہ ہو

ڈر ہے شریک رحم نہ ہوں دشمن حزیں — تاثیر میں بلا ہے مری آہ آتشیں
دل موم بن کے جائے پگھل یہ بھی کچھ نہیں — آئے نہ فرق سنگ دلی میں تری کہیں
نالے بھی کیجیے وہ کہ جن میں اثر نہ ہو

کس کا شہید ناز چلا تشنہ کام آج — فردوسیوں کو ہے مئے کوثر حرام آج
غلمان و حور کرتے ہیں سب اہتمام آج — سنتے ہیں خلد میں ہی بہت دھوم دھام آج
بسمل کا تیرے دہر سے عزم سفر نہ ہو

میں وہ کہ میرے نالے کلیجے نکال لیں — تو وہ کہ تیری باتیں سنیں سب تو جان دیں
دونوں بلائے جان ہیں علاج اس کا کیا کریں — رونے سے میرے تیری اداؤں سے بزم میں
کوئی نہیں جو ہاتھوں سے تھامے جگر نہ ہو

جب دیکھتا ہے لطف ترا جانب عدو — تصویر یاس پھرتی ہے آنکھوں کے روبرو
بہتا ہے چشم تر سے مرے خون آرزو — افسوس اپنے جی سے بھلائے اسی کو تو
جس دل کو تیری یاد میں اپنی خبر نہ ہو

مرجھا کے رہ نہ جائے کہیں تو مجھے ہے ڈر — نازک ہے دل ترا کہیں اس پر نہ ہو اثر
برپا ہو حشر آئیں تلاطم میں بحر و بر — ساتوں فلک کے ٹکڑے اڑیں تو اڑیں مگر
فریاد غیر دل میں ترے کارگر نہ ہو

آفت ہے اضطراب تو بیتابیاں ستم — آنکھیں بچھا رہا ہوں سر رہ قدم قدم
ہمدم تو ہی بتا مرے سر کی تجھے قسم — دل کو نہیں قرار جو بیٹھا ہوں ایک دم

پلٹا کہیں اُدھر سے مرا نامہ بر نہ ہو

بیجا امید کی ہو کبھی تو اُسے سزا — تڑپے تمام رات نہ پائے ترا پتا
تو میرے ساتھ صرف تماشا ہو جا بجا — کیا سیر ہو جو غیر سے وعدہ ہو وصل کا
ڈھونڈے وہ صبح تک تجھے تو اپنے گھر نہ ہو

آئے نظر میں بڑھ کے وفا سے جفائے یار — کرتے ہیں خواہشوں سے تمنائے بے شمار
مطلب کی ہے یہ بات بتا تو ہی غمگسار — جور و عتاب کیوں نہ سہیں ہم ہزار بار
لطف و کرم سے بھی جو اُسے درگزر نہ ہو

اک رکے نگاہ میں نظر جاں گداز سے — آنسو بہائے دیدۂ جادو طراز سے
دکھلائے اک ادا نگہ فتنہ ساز سے — مجھ کو سب یاد وصل میں دور کنارے
کہتا ترا کہ دیکھ کسی کو خبر نہ ہو

محشر کو طرز ناز سے [illegible] سمجھتے ہیں — فتنوں کو اس کے شوخی دلبر سمجھتے ہیں
[illegible] اُس کو مجھ سے بدیاں خطر سمجھتے ہیں — سب لوگ جس کو فتنۂ محشر سمجھتے ہیں
مجھ کو یہ خوف ہے کہ وہی فتنہ گر نہ ہو

پیدا نہیں جگر میں اپنے جیسے ہوا نوک نشتر — ہر وقت کاوشیں ہوں دل میں جو ایذا دہی مگر
ہوتا ہو [illegible] لذت کی کیا خبر — ذوق خلش سے چین کہاں دل کو چارہ گر
جب تک کہ سینے میں خلش نیشتر نہ ہو

[illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]
[illegible] نہ ہو [illegible] جان بر نہ ہو

یہ بھی ہے خوف وہ نہ دل آزردہ ہو کہیں — فرق آئے اپنی بات میں تو یہ بھی کچھ نہیں
کچھ پاسِ وضعِ دوست تو کچھ پاسِ رنج و کیں — رکھا ہے اُس نے سوگ عدو کا تو ہمنشیں
اس ڈھب سے روئے کہ پلک تک بھی تر نہ ہو

کرتا ہوں حال پر جو ذرا اُن کے غور میں — پہلے سے دیکھتا نہیں اب اُن کے طور میں
کرتے ہیں وہ کرم تو سمجھتا ہوں جور میں — وہ دیکھتے ہیں بیٹھے نگاہوں سے اور میں
ڈرتا ہوں کوئی فتنہ تو مدِّ نظر نہ ہو

دزدیدہ اک نظر ہو لگاوٹ کی آنکھ سے — چوری چھپے کی بات ہے دل میں چھپی رہے
تکلیفِ دست و تیغ سے ہے خوف اس لئے — دشمن کہیں نہ رشکِ شہادت سے جان دے
یوں قتل ہوں کہ قتل مرا اشتہار نہ ہو

کھٹکے ہر ایک آنکھ میں وہ بڑھ کے خار سے — یہ کچھ نہیں کہ ہاتھ کسی کے نہ آ سکے
مٹ جانے پر بھی چرخ اُسی پیچ و تاب دے — گھل گھل کے غیر خواہشِ غم سے خدا کرے
تارِ نگاہ ہو مگر اس کی کمر نہ ہو

لذت نصیبِ موت کی ہو مجھکو کس طرح — بر آئے میری حسرتِ دل کہہ دو کس طرح
رسوائی اپنے عشق کی ہو بولو کس طرح — شہرت تمہارے جور و ستم کی ہو کس طرح
تشہیر میری لاش اگر در بدر نہ ہو

یہ تو مجال کیا ہے کہ الزام اُن کو دیں — اتنا کہیں کہ آصفؔ ہماری جو کچھ سنیں
کیا آ گئی ہے آج یہ حضرت کے ذہن میں — نواب روزِ حشر خدا سے شکایتیں
اتنا بھی کوئی عشقِ بتاں میں نڈر نہ ہو

تضمین مصرع طرح مشاعرہ احمد آباد بہ زمانہ کانگرس

جس میں مصرع طرح کی لغویت ثابت کی گئی ہے

ہو منجم کوئی وقعت کیا غلط گفتار کی   خفتہ بختی کیوں جگائے طالع بیدار کی
پیشین گوئی اور اشاعت تھی سے زنہار کی   ایک اُڑتی سی خبر ہے یہ سمندر پار کی
کوئی دن میں ڈوبتی ہے آبرو سرکار کی

خمسہ بر مقطع غزل خود مشاعرہ احمد آباد کانگریس

کانگرس والوں سے کچھ آنکھیں ملا کر آئی شرم   وحشت نزدیک ہے مختلف ساتھ لا کر آئی شرم
رہ گیا کچھ بھی تو بس اٹھا کر آئی شرم   اے ریاض اس شرم میں گل مدعی کو جا کر آئی شرم
پھینک دی دریا میں جتنی تھی سمندر پار کی

مسدس

از دسمبر ۱۹۱۹ء

نہیں آتی سمجھ میں یہ کیسی تعب ہے   [illegible] ہوئی گل سے مرا [illegible] بگڑ رہے
[illegible] کچھ [illegible] پر [illegible]   [illegible] کرشمہ سا پیش نظر ہے
[illegible] آتی [illegible] سے [illegible] کوئی
[illegible] کوئی

سہانی سحر ہم نے دیکھی ہے سو بار رہے عمر بھر محوِ سیرِ چمن زار
وہ کلیوں کا کھلنا وہ چڑیوں کی چہکار وہ سبزے کا دامن وہ شبنم گہر بار

ہوا سے ستم جھومنا ہر شجر کا
پپیہے کی بولی سے کھچنا جگر کا

بھرا لالہ و گل سے دامان کہسار رواں موج در موجِ دریائے زخار
گھنی جھاڑیاں اور صحرائے پرخار بھری بستیاں اور خاموش بازار

ہوئی شمع ٹھنڈی ادھر جھلملا کے
اُدھر سے چلے ہم کو جھونکے ہوا کے

کہیں ہیں نوا سنج مرغانِ گلشن کہیں ہیں بھرے اور خالی نشیمن
چلے جھونکے ٹھنڈی ہواؤں کے سن سن خراماں روش پر حسینانِ لندن

ہنسی سے کلی کھلکھلاتی ہے کیا کیا
نسیمِ چمن گدگداتی ہے کیا کیا

کہیں بتکدوں میں ہیں ناقوس بجتے کہیں مندروں میں ٹھنکتے ہیں گھنٹے
بھری مسجدوں میں عبادت کے چرچے کلیسا میں پہنچے ہیں نعرے اذاں کے

یہ غل ہے کہ کانوں کے پردے پھٹے ہیں
کلیسا و دیر و حرم گونجتے ہیں

رواں سوئے میخانہ رندانِ میخوار یہ ہے فکر پی آئیں ہم جام دو چار
غرض شیخ سے ہے نہ کچھ فکرِ دستار لئے جاتی ہے مضطرب عجلتِ کار

نہیں شوق میں پاؤں پڑتا زمیں پر

اڑے جاتے ہیں کاگ بوتل کا بن کر

کوئی خوابگہ میں پڑا سو رہا ہے — جوانی کی نیندوں کا لیتا مزا ہے
نہیں ہوش اس کا کدھر کا ہوا ہے — خبر کیا ہو غفلت کا پردا پڑا ہے

مزا خواب کا اور سرمستیاں ہیں
جوانی کی نیندیں ہیں انگڑائیاں ہیں

کوئی نور کے تڑکے چپکے اٹھا ہے — پریشان گیسو ہیں جوڑا کھلا ہے
وہ بھولا سا چہرہ کچھ اترا ہوا ہے — چھپائے ہوئے روئے زیبا چلا ہے

یہ ذرے ستائیں گے جھونکے ہوا کے
کریں گے پریشان آنچل اڑا کے

سہانا سماں صبح روشن کا دیکھا — نکھرتا ہوا رنگ گلشن کا دیکھا
ہے پھیلا ہوا دریا کے دامن کا دیکھا — تماشا بھی وسعت زمین کا دیکھا

زمانے کی رفتار دیکھی ہے ہم نے
سحر یوں تو سو بار دیکھی ہے ہم نے

مگر آج کیا ہے کہ عالم نیا ہے — زمانے میں چاروں طرف غل مچا ہے
ہر اک سمت میں [illegible] نیا ہے — [illegible] کچھ عجب ماجرا ہے

[illegible]
[illegible]

[illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]

جوانانہ دل میں اُمنگ آ گئی ہے

خدا جانے کیسی ترنگ آ گئی ہے

زمانے کا سب طور بدلا ہوا ہے	چلی باغ میں اور ہی کچھ ہوا ہے

جدھر دیکھئے اک شگوفہ کھلا ہے	یہ دھومیں ہیں ہر سو قیامت بپا ہے

کبھی اس طرح رنگ لائی نہیں تھی

بہار ایسی گلشن میں آئی نہیں تھی

چمن زار میں آگ بھڑکی ہے ایسی	لپٹ اُٹھی گردوں کی گردوں سے اونچی

بہت دور پہنچی ایک ہر شرر کی	دھوئیں نے وبالی ہے طوبیٰ کی چوٹی

بہت ہے کثیف اس کی جو تیرگی ہے

فلک پر شفق بن کے پھولی ہوئی ہے

گل افشاں نہیں ہر لچک شاخِ گل کی	شرر اُڑ رہے ہیں چمکتی ہے بجلی

نظر کو چکا چوند ہوتی ہے کیسی	چمن وشتِ ایمن وہ برقِ تجلی

جو چوٹی میں کوئی شگفتہ کلی ہے

وہ قندیلِ عرشِ مُعَلّیٰ بنی ہے

ہر اک خار کی آج صورت نئی ہے	نزاکت رگِ گل کی اس میں بھری ہے

زمینِ چمن میں عجب تازگی ہے	جو پتّی ہے وہ پھول کی پنکھڑی ہے

عروسِ چمن کی بنی لاڈلی آج

خزاں آئے تو جائے بھولی بھلی آج

سحر کی سپیدی کی ہے اور صورت	بیاضِ گلوئے حسیں سے ہے نسبت

کہوں آئینہ تو ہو پیدا کدورت — کہوں دامن حور تو آئے شامت

اندھیرا نہ ہوتا تھا کا نور ایسا

جھما جھم برستا نہ تھا نور ایسا

وہ چھپتے میں سورج کا صورت دکھانا — وہ شرما کے گھونگھٹ کا رخ سے اٹھانا

دکھانا وہ کندن سا چہرہ سہانا — وہ رنگین بادل میں پھر منہ چھپانا

درخشندہ چہرہ ہے سب کی نظر ہے

شعاعوں کی جھرمٹ میں اچھی نظر ہے

نہ دیکھی تھی ایسی کبھی صبح روشن — عروس چمن پہ نہ ایسا تھا جوبن

جدھر دیکھو میں ڈھیر گلہائے روشن — نہیں ایسے گلہائے انجم کے خرمن

نگاہوں میں چھایا سماں نور کا ہے

زمیں نور کی آسماں نور کا ہے

نہیں خاک چھینٹوں سے شبنم کے تر ہے — کہ چشمہ کا موتی صرف آب گہر ہے

صفائی میں آئینہ ہر رہگزر ہے — جو صورت ادھر ہے وہ صورت ادھر ہے

[illegible] کی گردش ہے چہرہ تو گلگونہ بن کر

بہار [illegible] نہ نہیں [illegible] دلبر

جسے دیکھئے سب وہ ہوتا تھا خوش — جدھر دیکھئے ایک ہنگامہ پیدا

وہ مچھلی پڑی سب کو حسرت ہے دریا — زمانہ ہوا سب زندہ رفت گویا

[illegible]

[illegible]

پہر دن چڑھے تک جو سوئے تھے غافل　　کہاں نیند اب اُن کو بچین ہے دل
اُٹھے ہیں کہ بے ان کے سونی ہے محفل　　کسی طرح اب یہ بھی ہو جائیں شامل
کہاں وقت باقی کہ بن ٹھن کے نکلیں
وہ بن بن کے منوالے جوبن کے نکلیں

کلیسا سے پیرِ کلیسا چلا ہے　　وہ شیخِ حرم ہے جو تھامے عصا ہے
بزرگانِ نیچر سے اک آ رہا ہے　　وہ بوڑھا سا راہب بڑی دیر کا ہے
کہاں کے صنم خانے، کیسے شوالے
پوجاری نکل کر چلے مندروں سے

کھلا نور کے تڑکے درِ میکدے کا　　نظر آیا پیرِ مغاں گام فرسا
بھلا ذکر رندانِ میکش کا ہے کیا؟　　پرا باندھ کر غول کا غول نکلا
نہ ساغر کی خواہش نہ فکرِ صبوحی
چلیں کس طرح ٹکڑیاں میکشوں کی

خراماں خراماں حسیں جا رہے ہیں　　وہ جھرمٹ کئے نازنیں جا رہے ہیں
وہ اٹھلاتے کچھ مہ جبیں جا رہے ہیں　　وہ شرماتے پردہ نشیں جا رہے ہیں
قیامت ہیں آفت ہیں انداز اُن کے
اُٹھائے نہ دشمن کبھی ناز اُن کے

تقاضا یہ بے تابیِ شوق کا ہے　　جو اس طرح اُن کا قدم اُٹھ رہا ہے
پھر اس پر بھی نخوت بھری ہر ادا ہے　　زخود رفتگی بھی تبختر نما ہے
یہ ایسے نہیں ہیں کہ بے تاب جائیں

خرام ادا پر کبھی حرف لائیں

جدھر دیکھیے شورِ دیوانگی ہے جدھر دیکھیے دھوم سی اک مچی ہے
جدھر دیکھیے بزمِ عشرت رچی ہے جدھر دیکھیے خلق اُمڈی پڑی ہے

ادھر غول کوئی اُدھر کوئی صف ہے

ہجوم تماشائیاں ہر طرف ہے

زمانے کی ہر بات گویا نئی ہے نئی ہے صدی اور نیا سال بھی ہے
فلک کی بھی صورت تو بدلی ہوئی ہے بڑھاپے میں اس کو جوانی ملی ہے

لئے سو جوانی شفق کی پھبن ہے

کہے کون اس کو کہ چرخِ کہن ہے

قیامت کو تفویض ہے اہتمام آج حسینوں کو ہے خدمتِ انتظام آج
خدا جانے کیسی یہ ہے دھوم دھام آج جو کرنا پڑا نازنینوں کو کام آج

وہ بیٹھے تو یہ اُٹھ کے کچھ رنگ دکھلائیں

قیامت جو تھک جائے یہ ہاتھ بٹوائیں

مبارک زمانے کی نیرنگیوں کو مبارک فلک کی ستم زائیوں کو
مبارک بتوں کی جفاکاریوں کو مبارک شرارت بھری شوخیوں کو

حسینوں کا کچھ چھیڑنا رنگ لایا

کہ خوابیدہ فتنے نے پھر سر اُٹھایا

دربار دہلی کے جلوس بم کا واقعہ

کیوں نہ ہو سب کو عجب واقعۂ دہلی سے　　کیوں نہ ہو رنج و تعب واقعۂ دہلی سے

خلق انگشت بہ لب واقعۂ دہلی سے　　دل میں دہلے ہوں سب واقعۂ دہلی سے

کسی کم بخت نے کیوں بم کا شگوفہ چھوڑا

چمنِ عیش میں کیوں غم کا شگوفہ چھوڑا

ہائے کیا وقت تھا کیا دھوم تھی کیا دربار　　ہارڈنگ آئے تھے بن کر چمنستاں کی بہار

خود بہار آئی تھی پھولوں کے پہنانے انہیں ہار　　پھولے نہ سماتے تھے کہ ہم ہوں گے نثار

تھیں رواں باغِ مسرت میں خوشی کی نہریں

اور نہروں میں خوشی کی وہ خوشی کی لہریں

اہلِ اسلام تھے بھولے ہوئے ایراں کا غم　　اہلِ اسلام تھے بھولے ہوئے سلطان کا غم

اہلِ اسلام تھے بھولے ہوئے بلقاں کا غم　　زخمیوں کا نہ الم تھا نہ کسی جاں کا غم

تھی اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی کل قومِ ہنود

ایک تھے آج مسلمان و مسیحی و یہود

نظر آتا تھا ہر اک بندِ الم سے آزاد　　نہ گلہ کوئی نہ شکوہ نہ لبوں پر فریاد

شادماں ملک تھا ہر قوم تھی اس ملک کی شاد　　جس کی امید نہ تھی وہ بھی بر آئی تھی مراد

ہر طرف بزم میں چلتا تھا مئے عیش کا دور

اور کہتے تھے بلانوش کہ ساغر کوئی اور

صوبے صوبے نے مراعات سے پائی معراج　　حکمِ تنسیخ سے بنگال کو حاصل تھا سوراج

تر زباں شکر سے ہر ایک سبھا اور سماج　　سایۂ ابرِ کرم بن کے رہا سایۂ تاج

شاہ کے لطف سے دہلی ہی بنی صدر مقام

ساتھ ہم بازکے ممکن نہیں ہم راز نہ ہوں
پردہ پوشی کے لئے اور بھی دمساز نہ ہوں

قوم و مذہب ہو کوئی غم میں ہے شرکت سب کی — ناسزا پائے سزا ہے یہی نیت سب کی
نائب شاہ سے یکساں ہے محبت سب کی — کیسی تیرہ ہوئی چمکی ہوئی قسمت سب کی

لاکھ ٹپکے عرق شرم بھی پیشانی سے
داغ جانے کا نہیں ملک کی پیشانی سے

خیر آباد کا دربار نمائش

اے زہے عہد شہ عالی ہمم عالم پناہ — اے خوشا عہد شہ کیواں حشم انجم سپاہ
اے خوشا عہد شہ انجم سپہ خورشید جاہ — اے خوشا عہد شہ ذی جاہ گردوں بارگاہ

امن دنیا مٹ نہیں سکتا یہ جب تک عہد ہے
کیا مبارک ہے زمانہ، کیا مبارک عہد ہے

ہارڈنگ ابر کرم ہیں ویسرائے ہند ہیں — ویسرائے ہند ہیں وہ رہنمائے ہند ہیں
رہنمائے ہند ہیں حاجت روائے ہند ہیں — ہند کے ہمدرد ہیں عقدہ کشائے ہند ہیں

گتھیاں کھولی ہیں کیا کیا ناخن تدبیر سے
عقدہ مشکل کئے وا ناخن تدبیر سے

سلطنت کے صوبے صوبے ہیں بہت کیا کیا حکمراں — سلطنت کے گوشے گوشے میں ہیں افسر مہرباں
سلطنت کے چپے چپے میں نگہبان پاسباں — سلطنت کے قریے قریے میں عجب امن و اماں

کیا قوانین و ضوابط میں ہیں سب جکڑے ہوئے

دانہ دانہ رات کو چنتا ہے دستِ کہکشاں   ڈھیر پیداوار کے ہیں خرمنِ انجم کہاں

فرش سونے کا بچھا جاتی ہے شب کو چاندنی

کھیت کرنے رات کو آتی ہے دیکھو چاندنی

کیسے کیسے فیضِ برٹش سے بنے دار الشفا   بے دوا جاتے ہی صحت جنمیں ہو کیسی دوا

ہر دوا وہ تیز اثر کہئے جسے معجز نما   پھر اثر کیسا کہ جو دے قم باذنی کی صدا

موت باقی رہ گئی تھی صرف دشمن کے لئے

ملک سے وہ بھی گئی اب فوجِ جرمن کے لئے

شوقِ تعلیم اور بھی اب بڑھ گیا حد سے سوا   ساتھ ہی پھیلا ہے چرچا کس طرح سائنس کا

مال و زر تعلیم پر کرنے لگیں قومیں فدا   پُر اثر کس کی صدا تھی قریہ قریہ جاگ اُٹھا

اے بنارس وہ ترا دربارِ یونیورسٹی

شعلہ زن ہے گرمیٔ بازارِ یونیورسٹی

جنگ میں یہ رنگ ہے تو جنگ کی ہستی ہی کیا   دشمنانِ ملک نے دنیا ابھی دیکھی ہی کیا

برق بن کر تیغ چمکے گی ابھی چمکی ہی کیا   چشمِ خیرہ کہہ اُٹھے گی تیغ یہ بجلی ہی کیا

چھیڑ یہ بہرِ ترقی ہمت افزا ہو گئی

جنگِ جرمن اور سونے میں سہاگا ہو گئی

حرفت و صنعت کا پھیلا اور بھی سب کاروبار   کارخانے ہر طرف کھلنے لگے اب بے شمار

کیسے کیسے کارفرما رات دن مصروفِ کار   واقفاتِ دہر سے سب ہو گئے ہیں ہوشیار

ہوں نئے انگارے دشمن کو جلانے کے لئے

ہاتھ اُٹھ جاتے ہیں تارے توڑ لانے کے لئے

چھٹ رہے ہیں جو گھرے تھے کالے بادل آج کل   شل کہاں میں بازوئے دشمن بھی ہے شل آج کل

رنگ رلیاں ہیں یہاں جس من میں ہل چل آج کل   میلے ٹھیلے رات دن جنگل میں منگل آج کل

خوش رعایا شاہ کی پامال دشمن شاہ کے

خوب سلامت رات دن میلے نمائش گاہ کے

جلسۂ دستار بندی مدرسہ نیازیہ خیرآباد

صدقے اس بزم کے کیا بزم ہے اللہ اللہ   نور ایسا کہیں ملتی نہیں ظلمت کو پناہ

روشن اس سے رہ دنیا کے سوا دین کی راہ   چشم حق بیں کے لئے اس کی ضیا نور نگاہ

نام کس شخص کا ہے نقش نگین محفل

آج یہ کون ہوا صدر نشین محفل

ہیں عجب بادہ عجب رنگ عجب متوالے   ہے غضب نشہ غضب کیف غضب متوالے

بھولنے کے نہیں دستور ادب متوالے   بادۂ علم کے ہیں بزم میں سب متوالے

دیکھنے والے یہ سب جلوہ گہ طور کے ہیں

روشن سب نور کا سب فرش نشیں نور کے ہیں

گو زمانے نے مٹائے بہت اسباب کمال   گو زمانے میں نہیں پہلے سے اصحاب کمال

دست ساقی میں مگر جیتی ہے مے ناب کمال   فیض بخش آج بھی ہے صورت ارباب کمال

قوم میں ڈالنے کو جان یہ دم باقی ہیں

جن سے کچھ نقش قدم باقی ہیں

جو ہیں ان کو وہ نہیں اللہ سلامت رکھے   قوم میں تا ابد اس علم کی دولت رکھے

قوم کے نام کی اسلام کی عزت رکھے   منبع فیض انھیں تا روز قیامت رکھے

منعقد قوم میں ہو بزم مسرت ہر روز
طلبا کے بندھے دستار فضیلت ہر روز

مسدس

بہ تقریب افتتاح شیرف گنج ازدست مبارک مسٹر ایف سی ایم

کرک نشانک بہادر آئی سی ایس ڈپٹی کمشنر سیتاپور

پیش کردہ منشی ظہیر احمد زبیری مجسٹریٹ و ممبر میونسپلٹی

خلف نواب بشیر احمد صاحب رئیس خیرآباد

وخویش پرنس آف ارکاٹ

یہ ویرانہ کیسا چمن زار ہے آج   رگِ گل سے بڑھکر ہر اک خار ہے آج
ہر اک شاخ گل دست زردار ہے آج   یہاں مصر کا گرم بازار ہے آج
مسرت کی دوڑی ہے لہر آج کیسی
ہے ویرانے میں کھہر آج کیسی

پریخانہ کیوں ہر دکاں ہو رہی ہے   پری شیشے کی گلفشاں ہو رہی ہے
ہر اک راہ کیوں کہکشاں ہو رہی ہے   زمیں آج کیوں آسماں ہو رہی ہے
نیا ڈھنگ بھی ہے نیا طور بھی ہے
نیا رنگ بھی ہے نیا دور بھی ہے

مسرت کے نغموں کی بڑھ جائے لے آج — ترنم سرائی کریں نامے و نے آج
جمے بزم خسرو رہے بزم کے آج — ریاض افتتاح شیرف گنج ہے آج

یہ ساعت مبارک زمانہ مبارک
کرک شنک صاحب کا آنا مبارک

یہی تو شیرف کے ہیں نعم البدل ہاں — ہماری ترقی کے ہر طرح خواہاں
اسی قوم کے آپ دونوں ہیں ارکاں — کئے ہیں ترقی کے سبز جس نے میداں

شیرف سے شرف جس کو آغاز کا ہے
یہ موقع کرک شنک پر ناز کا ہے

رہے گا ہمیشہ کرک شنک کا نام — نہ جائیگی دل سے کبھی یاد ایام
شیرف کو حضور اب یہ پہنچائیں پیغام — دلاتے ہیں یاد آپ کی یہ در و بام

ہر اک آپ کے نام سے شاد دل ہیں
رہے گی مدام آپ کی یاد دل میں

بڑھائیں حضور اب تجارت کو اس کی — سنبھالیں توجہ سے حرفت کو اس کی
ذرا تقویت دے دیں صنعت کو اس کی — ذرائع بڑھائیں گے دولت کو اس کی

رواں اس طرف لطف کی نہر ہو جائے
یہ اجڑا ہوا شہر پھر شہر ہو جائے

توجہ جو فرمائیں سرکار کی ادھر ہو — صفائی سے آئینہ ہر رہ گزر ہو
شیرف گنج گنجینۂ سیم و زر ہو — ابھی معدن لعل و کان گہر ہو

مدد دیں ہر اک وقت زردار ہیں آپ

مدد اس کو دلوائیں سرکار سے آپ

یہ سکرٹیری اور ممبر بھی اچھے　　چیرمین ڈپٹی کمشنر بھی اچھے
کمشنر بھی اچھے گورنر بھی اچھے　　جو دیں ہم کو وہ صاحب نر بھی اچھے
یہ سچ ہے کہ دیگی نہ سرکار لاکھوں
جو لیں آپ تو دستِ زردار لاکھوں

نہ تھا کچھ بھی کل آج کیا کچھ یہاں ہے　　لئے ساتھ بازار گنجِ نہاں ہے
ملی یہ وہ دولت کہ دل شادماں ہے　　ہوئی دور پستی زمیں آسماں ہے
زمیں آسماں ہو جو سب ایک دل ہوں
مدد پر مگر حاکمِ نیک دل ہوں

بہت کچھ ہوا یہ بھی جو کچھ ہوا ہے　　مگر دور ابھی منزلِ ارتقا ہے
بڑھے گا قدم کچھ جو آگے بڑھا ہے　　کُرک شنک سا ناؤ کا ناخدا ہے
نہ تیر اک سو جہیں تھپیڑے ہیں کیا کیا
ہوئے پار ہمت سے بیڑے ہیں کیا کیا

بنا پارک ایسا کہ دل شاد جس سے　　کرک شنک کے نام کی یاد جس سے
بنے نغمہ بلبل کی فریاد جس سے　　رہیں دور گلچیں و صیاد جس سے
نہ دنیا کی فکریں نہ دنیا کے غم ہوں
سرِ شاخ گل ہوں۔ عنادل ہوں ہم ہوں

الٰہی دعائیں اثر اب دکھائیں　　الٰہی اثر اب دکھائیں دعائیں
وہ پھل پھول لائیں جو پودے لگائیں　　جو پودے لگے ہیں وہ پھل پھول لائیں

رہیں حاکم خلق پرور سلامت

گرک شنک ڈپٹی کمشنر سلامت

بہ تقریب جلسۂ دعوت حکام منجانب خان بہادر مولوی سید احمد الحسن خاں صاحب

میونسپل بورڈ خیرآباد پیشکردہ مولوی ظہیر احمد زیدی مجسٹریٹ و ممبر میونسپل بورڈ خیرآباد

حکمراں صدر سے باجاہ و حشم آئے ہیں — گرک شنک شرف خسرو جم آئے ہیں

اے شریف گنج شرف نیاز شیم آئے ہیں — تیری قسمت تیرے بانی کے قدم آئے ہیں

ہے تیری سالگرہ دن یہ تیرے یاد رہیں

تو جو آباد تو بانی ترے شاد رہیں

افتتاحی تری تقریب کو گزرا اک سال — پاک اس طرح بنا آج ہیں سرسبز نہال

حسرت بڑھ کے ہو بدر اترا بالا مال — یہ گئی تقدیر تری بدر بنا بڑھ کے ہلال

تجھ کو اللہ نے چمکی ہوئی قسمت دی ہے

کہ ترے بانی نے حکام کو دعوت دی ہے

جام پر جام چلے بزم میں بوتل آئے — اس کی ہمت سے امنڈتے ہوئے بادل آئے

شجر خشک جو ہو اس میں بھی کونپل آئے — آن بے موسم گل پھول کھلیں پھل آئے

میرے دل سے کرشمہ کی جوش ہے ارمانوں کا

جام صحت پئیں سب شوق سے مہمانوں کا

ے: ...

تیز سے تیز ہو یا ہلکی سے ہلکی آئے | نہ کہے شیخ برا اچھی سے اچھی آئے
نشہ الفت کا ہو جس میں وہ برانڈی آئے | جو نہ پیتا ہو کہے ہم بھی گئے پی آئے

توبہ کا لاکھ تقاضا ہو کہ شیشہ ٹوٹے
ٹوٹے سو بار بھری بزم میں توبہ ٹوٹے

لطف صحبت ہے نہ ہندو نہ مسلمان کوئی | لطف دعوت ہے نہ ہندو نہ مسلمان کوئی
کیا مسرت ہے نہ ہندو نہ مسلمان کوئی | جام صحبت ہے نہ ہندو نہ مسلمان کوئی

رنگ پر روز یونہی محفل احباب رہے
دور میں روز یونہی جام مئے ناب رہے

طرف صومعہ جائیں کہ سو دیر آئیں | دل احباب میں بن کر نہ کبھی غیر آئیں
فرش رہ آنکھیں رہیں وہ جو پئے سیر آئیں | خیر آباد شرف پھر بھی مع الخیر آئیں

اے شرف گنج شرف سے تجھے حاصل ہے شرف
تو ہمیشہ رہے یونہی گل مقصود بہ کف

پارک آباد رہے اور کرک ٹنک دل شاد | نام سے جن کے ہے منسوب ہے اُن کی یاد
باغ کا ان کے رہے سرو ہمیشہ آزاد | خیر آباد کا ہر باغ ہو باغ بغداد

کیوں ہر اک جنس وفا کا نہ خریدار رہے
یارب آباد شرف گنج کا بازار رہے

ترانۂ خلافت

یہ لہرائے سائے میں عرش بریں کے

خلافت کے جھنڈے نے پورے جلوس کے ساتھ شہر میں گشت کیا اور
تمام روسائے خیرآباد ہمراہ تھے۔ نشان کے ساتھ ذیل کا ترانۂ خلافت
ہر قدم پر خاص اثر رکھتا تھا

مبارک سیادت کا جھنڈا مبارک   مبارک امامت کا جھنڈا مبارک
مبارک امارت کا جھنڈا مبارک   مبارک خلافت کا جھنڈا مبارک

یہ گاڑا گیا دل پر اعدائے دیں کے
یہ لہرائے سائے ہیں عرش بریں کے

نشان سیادت نشانی ہے کس کی   نشان امامت نشانی ہے کس کی
نشان امارت نشانی ہے کس کی   نشان خلافت نشانی ہے کس کی

یہ بادل نہیں ہیں جو سایہ کئے ہیں
فرشتوں نے پر اپنے پھیلا دئے ہیں

ہلال آج چمکا وہ بالائے پرچم   صلیب اس کے آگے [illegible]
صلیب اس کے آگے ہوئی [illegible]   عدو کے لئے طوق گردن ہیں ہم

نیا طوق پہنے ہی کیسا جھکا سر
[illegible] پڑے بول کا سر

منقش وہ رحمت کا یارب نشاں ہو   منقش وہ آفت کا یارب نشاں ہو
منقش قیامت کا یارب نشاں ہو   بنا وہ مسرت کا یارب نشاں ہو

یہ کیوں خندہ زن سب ہلال آج سب پر
[illegible] سب پر

تکلم وہ عصمت کا یارب تکلم   تکلم وہ آفت کا یارب تکلم
تکلم قیامت کا یارب تکلم   وہ وقت مسرت کا یارب تکلم
تکلم سے بڑھ کر تبسم کسی کا
تبسم سے بڑھ کر تکلم کسی کا

اثر خیز نرمی اثر خیز گرمی   وہ گل ریز نرمی شرر ریز گرمی
یہ کرزن نے کی کیوں کر انگیز گرمی   سہے اس طرح ایک انگریز گرمی
نہ سمجھے گئے واپس آنے کے قابل
رہے اب نہ وہ منہ دکھانے کے قابل

سلامت روی تھی یہ برطانیہ کی   سنا جس نے جمہوریت کو دعا دی
چلیں شوخیاں کچھ نہ موج ہوا کی   بگڑنے میں بھی زلف پیچاں بنا کی
مٹیں دشمنوں کی جو عیاریاں تھیں
یہ عیاریاں سب غلط کاریاں تھیں

بری طرح کرزن نے غصہ اتارا   ہٹے وہ ہوے اور ساحر صف آرا
پڑھے جن کو شیشے میں کس نے اتارا   قیامت کا عصمت نے میدان مارا
ہرن چوکڑی بھول کر زد میں آئے
کر سب جنگ جو امن کی حد میں آئے۔

یہ فرزانگی اہل برطانیہ کی   جو تیور بری دیکھے صورت بدل دی
اثر خیز آواز تھی ہند کی بھی   ادھر ہو رہے تھے بہت تلخ مصری
پسند آئی لاسیں کی پھر سیر سب کو

نہ ہوگا اگر یہ تو گاڑھی سے چھنے گی
بنائے نہ پھر بات ہرگز بنے گی

مخالف کروروں مسلمان ہوں گے ہزاروں کو مرنے کے ارمان ہوں گے
نہ بدلیں گے وہ جن میں ایمان ہوں گے ہتیلی پر اپنی لئے جان ہوں گے

یہ جتنے ہیں سب ہیں اسی ایک گھر کے
ملے گا انھیں کیا تہ تیغ کرکے

نبی کی وصیت پہ ایمان اُن کے خطا ہوں گے ڈر سے نہ اوسان اُن کے
سنیں گے کسی کی نہ کچھ کان اُن کے شہادت ملے ہیں یہ ارمان اُن کے

گوارا کریں گے نہ ایمان دینا
گوارا کریں گے یہ سب جان دینا

عراق و حجاز و فلسطین و شام آج ہیں محکوم اغیار ان کے ہیں سرتاج
نہ پاسِ زباں ہو نہ کچھ بات کی لاج ہمیں بھی انھیں بھی ملے کیوں نہ سوراج

پریشان کرنا، پریشان ہونا
مناسب ہے کچھ تو پشیمان ہونا

چلے گا نہ اب کام عیاریوں سے نہ غدارِ مکہ کی غداریوں سے
نہ زرپاشیوں سے نہ زرباریوں سے حذر چاہئے ہے ریاکاریوں سے

عراق و عرب کی بھی ہو واگزاری
ذرا ان میں موصل کی ہو چوٹ بھاری

ہے عاجز جہاں حکم برداریوں سے بچائے خدا ایسی بیماریوں سے

ملے گا نہ کچھ بھی دل آزاریوں سے پشیمانی اچھی خطا کاریوں سے

نجات اب ہو پیاری جانگسل سے

ملا ہاتھ اب دل بھی مل جائے دل سے

رہے دوستی اب عرب سے عجم سے ذرا لیجیے کام چشم کرم سے

کلیجے ہوئے پیپ کتنے الم سے نہ بن بن کے شمشیر اب کھنچیے ہم سے

مسلمان دنیا کے داد وفا دیں

مسلمان دنیا کے دل سے دعا دیں

رہو یوں دلوں میں کہ ہو جان جیسے رہو اس طرح ہم ہیں انسان جیسے

ہیں آپس میں ہندو مسلمان جیسے بنیں ترک ایران دوست افغان جیسے

تشدد ہو جس میں نہ وہ سلطنت ہو

ہر اک ملک میں فیض جمہوریت ہو

اب آجائے گریاں کو بھی مسکرانا سکھانے تبسم انھیں بھی زمانا

مٹے روز کا اب یہ رونا رولانا مبارک انھیں اپنی خفت مٹانا

یہاں اب نہ شکوہ کبھی آئے لب پر

جب آئے الٰہی ہنسی آئے لب پر

جہاں آج کس سے گلے مل رہا ہے یہ عصمت کا نازک گریباں بنا ہے

یہ جوش طرب بس اسے کیا ہوا ہے گریباں کی صورت گلے سے لگا ہے

نگہ حسن کی ہے یہاں بھی سینے پر ان کے

گرا اب جو یہ پسینہ پر ان کے

نہ ہو عہد نامے کی اب پائمالی کہ ہے امن کی اس نے بنیاد ڈالی
سلامت کمال اور فوجِ کمالی سلامت ہلال اور تیغ ہلالی

سلامت رہے یہ نشانِ خلافت
بڑھے اے ریاضؔ اور شانِ خلافت

پارہ پارہ نظم ور مظالم مشہد وغیرہ

بڑے سج حشر کے دن قاتلِ عثمانؓ نکلا آج بھی خون سے نم صفحۂ قرآں نکلا
اولیت کا شرف حضرتِ صدیقؓ کو ہے عارف ایسا نہ کوئی صاحبِ ایقاں نکلا
حبذا صولتِ فاروقؓ سیاست آئیں کہ جہاں دورِ خلافت کا ثنا خواں نکلا
بعد فاروقؓ کے ترتیبِ خلافت کے لئے آپ سا کوئی نہ اے جامعِ قرآں نکلا
ہوئی تکمیلِ خلافت جو نبوت کی طرح یا علیؓ مرتبہ یہ آپ کے شایاں نکلا
نہیں ممکن جو لکھے کوئی ید اللہ کے وصف دست و بازوئے نبی قوتِ ایماں نکلا
عظمت اس نامِ مبارک کی نہیں کس دل میں جس کو دیکھا وہ غلام شہِ مرداںؓ نکلا
جتنے سورے ہیں وہ ہیں نامِ علیؓ کی تفسیر وہی قرآن وہی معنیٔ قرآں نکلا
لب پر آیا کبھی بوبکرؓ کبھی نامِ عمرؓ منہ سے حیدرؓ کبھی نکلا کبھی عثمانؓ نکلا
چار چاند ایسے خلافت کے زمانے کو لگے ید بیضا کبھی چراغ تہِ داماں نکلا
نور پھیلا چار طرف روئے زمیں پر پھیلا کہ چھپا چاند تو خورشید درخشاں نکلا
چرخ پر تارے اُبھر آئے جو سورج بیٹھا شام ہونے بھی نہ پائی مہِ تاباں نکلا
وسعتِ ارض میں اسلام نے جھنڈے گاڑے بن کے پرچم شفقِ سرخ کا داماں نکلا

گنبدِ روضۂ اطہر پہ اُتارے گولے   چرخ پر خوف سے خورشید بھی لرزاں نکلا

۴

چونک اُٹھے عدم آباد کے رہنے والے   قبر سے رستم و دستاں بھی ہراساں نکلا
گنبدِ سبز کو مسجد کے بھی پہنچا نقصان   در و دیوار کا اللہ نگہباں نکلا
دامنِ ابر میں چھپ چھپ گئی بجلی ڈر کر   منھ سے توپوں کے وہ دودِ شرر افشاں نکلا
میکسمِ توپ کو گردش تھی حرم کے اندر   گوشے گوشے سے ہر اک شخص ہراساں نکلا
نذرِ دشمن ہوئے مشہد کے ہدایا کیا کیا   گنجِ زر گنجِ گہر بے حد و پایاں نکلا
لئے دامن میں چلا گوہرِ یکتا کوئی   لئے دامن میں کوئی لعلِ بدخشاں نکلا
کھل کے بازارِ تجارت کی دکانیں لوٹیں   لے لیا جس کے یہاں جو سر و ساماں نکلا
روس کے ظلم سے شرم آئی نہ کچھ یورپ کو   ہاں ہیں ٹیمن مگر سر بگریباں نکلا
غل ہے مشہد میں، مراکو میں، ٹریپولی میں   کام یاروں کا بقدرِ لب و دنداں نکلا
ہے یہی حال تو اب جلد سنے گی دنیا   عَلَمِ سبز لیئے روم کا سلطاں نکلا
اے شہنشاہِ جہاں ای شہِ انگلینڈ ای جارج   حیف اگر تیری رعایا کا نہ ارماں نکلا

۵

لاکھوں والینٹر آئیں گے نظر دشمن کو   گھر سے ایک ایک اگر ہونے کو قرباں نکلا
جلد مل جائے فنِ جنگ کی تعلیم ہمیں   شور ہو ہند بھی تیرا عربستاں نکلا
جاتے جاتے سوِ ایراں نظر آجائے گا   ہم سے بھی چار قدم آگے ہر افغاں نکلا
اپنی سرحد سے ہر اک ترک بڑھے گا فوراً   شور مچ جائیگا وہ شیرِ نیستاں نکلا
مایۂ ناز ہمیں ہوگی ہماری قوت   ہمت افزا جو شہنشاہ کا فرماں نکلا

کیا جلد ہوئے ہیں ایک دو تین
ٹرکی نیلام ہو گئی ہے

کمزور کی ہر طرح حمایت
اب لیگ کا کام ہو گئی ہے

بیجا و بجا ہر اک شکایت
گویا دشنام ہو گئی ہے

ہر بات ان اتحادیوں کی
الفت کا پیام ہو گئی ہے

معشوق کا عہد۔ وعدے ان کے
کیا طرزِ کلام ہو گئی ہے

کھُل کھیلے ہیں حلقے حلقے اُس کے
کاکل اب دام ہو گئی ہے

پیچیدگی و دروغ بافی
کچھ حسنِ کلام ہو گئی ہے

کیوں صلح کا رنگ خونچکاں ہے
جب جنگ تمام ہو گئی ہے

اس صلح کی اب تو کامیابی
بوسہ بہ پیام ہو گئی ہے

کیا امن و اماں کو ہے ترقی
کیا جنگ تمام ہو گئی ہے

اُٹھتے ہیں شرر دھوئیں کے بدلے
تیز آتشِ خام ہو گئی ہے

یوں مردہی ہے قوم اپنی
لونڈی سے غلام ہو گئی ہے

آثار یہ ہیں ترقیوں کے
اب رحمتِ عام ہو گئی ہے

کہتے ہیں کچھ اور اس کے تیور
ترکی جو تمام ہو گئی ہے

کیا ابر میں کچھ ہلال کی شکل
خنجر بہ نیام ہو گئی ہے

طاقت نہیں بازوؤں میں پھر بھی
بیرونِ نیام ہو گئی ہے

بجلی کی چمک سے خیرہ ہے آنکھ
عریاں جو حسام ہو گئی ہے

خونیں شفقِ فلک بھی جھک کر
اب آتشِ بام ہو گئی ہے

اقوام کی لیگ تھی جو آسان
دشوار سا کام ہو گئی ہے

سلجھی ہوئی گفتگو ہے طرزی   دلکش پیغام ہو گئی ہے

معنی ہوں سخن کے اختیاری   اب بات یہ عام ہو گئی ہے

سنا ہیں فسانہ ہائے رنگیں   کیا بات تمام ہو گئی ہے

بے حس تصویر میں پڑی جان   مصروفِ خرام ہو گئی ہے

فرہاد کا کاٹ دیکھنا ہے   صمصام و حسام ہو گئی ہے

رکتی نہیں روکے آہ کی تیغ   بیروں ز نیام ہو گئی ہے

ہو گی وہ عدو کی صبحِ اُمید   جس صبح کی شام ہو گئی ہے

کہتے ہیں کہ سعئ ولسن وچارج   بے نیلِ مرام ہو گئی ہے

کچھ فہم اگر ہو تو وزارت   اب عقل کا کام ہو گئی ہے

سمجھے ہوئے تھے جسے وہ سرجوش   دُردِ تہِ جام ہو گئی ہے

اترے گی نہ حلق سے کسی کے   پکی ہوئی خام ہو گئی ہے

کہنے کو نہ ہو کہا نہ ہم سے   حجت بھی تمام ہو گئی ہے

خود بھی وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا   پامالِ خرام ہو گئی ہے

بے وجہ بھی حال پر توجہ   حکام کا کام ہو گئی ہے

کچھ بولوں تو کہتے ہیں کہ "چپ چپ"   "چپ" تکیہ کلام ہو گئی ہے

مکّا مسجد میں شورِ ناقوس   آوازِ امام ہو گئی ہے

پردے پردے میں دور کی بات   پیغامِ سلام ہو گئی ہے

پڑتی ہے دکن سے شملے پرتاپ   ڈھیلی جو لگام ہو گئی ہے

اونچے اونچوں کی جھوٹ کی بات   اب طشت ز بام ہو گئی ہے

ہو گئی کبھی صبح شام کی بھی جب صبح کی شام ہو گئی ہے

آثار ہیں صبح کے نمایاں

اب رات تمام ہو گئی ہے

ساقی نامہ

از

فتنہ ۱۸۸۲ء

ساقی! مجھے ایک جام دینا بھر کر مئے لالہ فام دینا

رنگت کا نکھار یہ کرے کام یاقوت کا ایک ڈال ہو جام

دھانی چوڑی کا عکس پڑ جائے تحریر زمردیں نظر آئے

رنگ اور لگائے آگ بڑھ کر منہدی لگے ہاتھوں میں ہو ساغر

مستانہ ادا نہ آس توڑے لغزش نہ کہیں گلاس توڑے

حجلے سے ابھی نکل کے آئے شیشے سے پری نکل کے آئے

سو رنگ سے بن سنور کے نکلے نکلے نکلے نکھر کے نکلے

ہو رقص فزائے صحن ساغر ہو موج کا ہاتھ بھی کمر پر

نظارے کے ساتھ سب ہوں بیہوش ہر بزم نشیں زخود فراموش

محفل میں وہ رنگ آج چھا جائے بے ساغر و مے مجھے مزا آئے

لغزش نہ مری زبان میں ہو اُلجھاؤ نہ کچھ بیان میں ہو

لو منتظرو! ذرا سنبھل جاؤ! آنکھوں میں ہو بند ہوش میں آؤ

کیا سہل ہے جو نقاب اُٹھے؟
شرمیلے ہیں کیوں؟ حجاب اُٹھے

کیونکر یہ کہیں زباں سے "اُف اُف"
ہم بزم میں آئیں بے تکلف

آجائیں تو شوخیٔ ادا سے
کیا آنکھ ملائیں گے حیا سے

یہ دن ہیں بہارِ زندگانی
بچپن کچھ ہے تو کچھ جوانی

گلچیں کہیں دسترس نہ پائے
ڈرتے ہیں بہار اُلٹ نہ جائے

کمسن، نادان، بھولے بھالے
جو چاہے وہ راہ پر لگالے

جب اتنی سمجھ نہ ہو، کہا کیا؟
تو فتنہ طرازیٔ ادا کیا؟

دشوار نہیں ہے ہاتھ آنا
بچپن کی سمجھ کا کیا ٹھکانا

چٹخارے نئے زبان کے ہیں
آفت ہے کہ دن اُٹھان کے ہیں

ہوجاتی ہیں آرزوئیں بیباک
اس عمر میں سوجھتا نہیں خاک

ہر وقت ہجوم ولولوں کا
ہر وقت ہجوم حوصلوں کا

بھاجاتی ہے سیرِ گلشنوں کی
پروا نہیں رہتی رہزنوں کی

خودداریٔ حسن محوِ انداز
سرمست مئے تبختر و ناز

زلفوں کا سنوارنا وہ دن بھر
ہر وقت نگاہ آئینے پر

عادت وہ گھڑی گھڑی کا بننا
ہر روز نئی نئی تمنا

پھر دیدہ دلیریاں اک آفت
بیباکیٔ آرزو قیامت

اچھا نہیں شام کا نکلنا
اچھا نہیں نام کا نکلنا

وہ ہے جو ذرا سنبھال لے جائے
جو دل کہے اُس کو ٹال لے جائے

بنتا ہے شوق جی کا جنجال
کیا قہر بھرا ہے یہ سن و سال

نہ کچھ ہو ہستیٔ معشوقِ نوخیز	بھری ہو مستیٔ معشوقِ نوخیز
ارے ساقی! وہ تیرے جام کی ہو	ارے ساقی! وہ میرے کام کی ہو
کسی سے بھی نہ اُس نے بات کی ہو	دلہن گویا وہ پہلی رات کی ہو
رہی ہو سایۂ پیرِ مغاں میں	پلی ہو سایۂ پیرِ مغاں میں
حسیں ہو نازنیں ہو نوجواں ہو	چراغِ خانۂ پیرِ مغاں ہو
وہ نازک کچھ نزاکت کی نہ ہو حد	جو گل سی شکل ہو لوٹا سا ہو قد
قدم آنکھوں سے ہر ساغر لگائے	جو دیکھے سروِ مینا سر جھکائے
بدن میں ہو لباسِ ارغوانی	پھٹی پڑتی ہو اس پر نوجوانی
پری اُڑ کر بنے طاؤس تن کر	وہ چلنے میں تنے طاؤس بن کر
بنے ہر موجِ مے چوٹی کا موباف	کہے ہر ایک ہے چوٹی کا موباف
ہوا دامن اگر چھو لے لڑے وہ	ادائے مست سی جھُک جھُک پڑے وہ
اسے خلوت میں پا کر دل میں رکھ لوں	نگاہوں سے اُٹھا کر دل میں رکھ لوں
کرشموں میں بھری ہو دلربائی	مزا دی جیسے کوئی کھیلی کھائی
مرے گھر آنے والی جانے والی	ارے ساقی وہی میخانے والی
اُسی کو تو مرے قابو میں دیدے	مرے دل کو مرے پہلو میں دیدے
کہیں پیرِ مغاں کے خانہ داماد	الٰہی خانۂ احساں ہو آباد

مبارک تجھکو اے فتنے نیا سال

مبارک تجھکو اے فتنے نیا مال

انجمن کا نومبر ۹ سے ہے آغاز خدمتِ بزم مجھکو باعثِ ناز
اس کو پہنچے گی کیا کوئی محفل نور کے جام نور کی محفل
ہر طرف ہے نویدِ رخصتِ ہوش نورِ محفل ہے حسن جلوہ فروش
دلِ عاشق کے داغ روشن ہیں سنئے کیسے چراغ روشن ہیں
شمع افروز نالۂ دل ہیں آتشیں آہیں شمعِ محفل ہیں
آکے اٹھتا ہے آنکھ سے پردہ نظر آتا ہے حسن بے پردہ
آکے اس بزم میں شریک ہوں سب اس کی شرکت نجات کا ہے سبب

کوا چلا ہنس کی چال

نوٹ۔ یہ نظم پچیس تیس سال ہوے ایک زنانہ جلسے کے متعلق لکھی گئی تھی اب

تعلیم بھی ترقی کر گئی اور بے پردگی بھی

ع

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

انگلش مخدرات سے بڑھتا ہے اختلاط کھل کھیلنے کو ہے نگہِ شرمگیں کہاں
یہ حسن یہ خیال یہ پاکیزہ صحبتیں اس طرح کے ندیم کہاں ہمنشیں کہاں
وہ باتیں نرم نرم وہ آواز کی مٹھاس سننے کو ملتے یوں سخنِ دلنشیں کہاں
ان کے قدم کے فیض نے رنگیں بنا دیا تھی سرخ سرخ لالہ و گل سے زمیں کہاں
رہتے تھے ہم پھنسے ہوئی زنجیر و طوق میں دیکھی تھی ہم نے وضع ادا آفریں کہاں
تھیں بالیاں جو کان میں پھلیوں کے ساتھ ہم اس طرح بنے تھے کبھی خوشہ چیں کہاں

جانِ پدر نہ دیدۂ از ما گریستن　　چوں موجِ جو تپیدن و دریا گریستن

قہر است در فراقِ تو ہر جا گریستن　　حشر است بر مزارِ تو تنہا گریستن

این است بس دو کارِ مرا در غمِ فراق　　نگریستن بہ سوئے فلک یا گریستن

بزمے نہ صحبتے من و دیوانگیٔ من　　تنہا تبسمے گہ تنہا گریستن

صبح است ہم سیاہ بہ چشمِ سپیدِ ما　　بے نور گشت دیدہ ز شبہا گریستن

غم آنچناں فزود اجلِ ناگہانِ تو　　خواہند مردمان ہمہ با ما گریستن

رفتی و بعد فاتحہ باز آمدی بجو　　اے وا گریستن بہ تو لے وا گریستن

بہرِ عبور تا بہ سرِ آب قعرِ دور　　از ہر گہر تو خندۂ و از ما گریستن

احباب و لطفِ غسل و بہم باختن بآب　　چشمِ آشنا نہ بود کسے با گریستن

آساں نہ بود دست گرفتن بدوستاں　　دشوار ہم نہ بود بہ غوغا گریستن

روزِ ہجومِ خلق و ہمہ بے خبر ز تو　　تقدیر بود بہرِ تو مارا گریستن

باید مرا بہ یادِ تو اے تہ نشینِ آب　　دریا گریستن لبِ دریا گریستن

صد جوئے آب روز رواں از دو دیدہ باد　　وارد سکوں گریستن از نا گریستن

کارِ من از دو دیدہ بہ پایاں نمی رسد　　خواہم ز درد از ہمہ اعضا گریستن

الطاف در مزار چساں یافتی قرار　　جانِ پدر نہ دیدۂ از ما گریستن

چشمم گلے نہ چید ز باغِ شبابِ تو　　آغاز کرد خونِ تمنا گریستن

چشمم چو قطرہ خوں بدہد آرزو کنم　　از بلبلاں پئے گلِ رعنا گریستن

باید ترا بہ فصلِ گل اے ابرِ نو بہار　　بر ما گریستن بہ سرِ ما گریستن

لرزد شرارِ آتشِ دوزخ ز موجِ اشک　　مارا نصیب باد خدایا گریستن

خواہم بجاے خاک فروم آب شکل اشک — خواہم براے توبہ تمنا گریستن
از ضبط اشک فائدہ دل میرود ز دست — خوب است این گریستن از ناگریستن

او رفت و یاد او نہ رود از دلم ریاض
بادا نصیب زیستنم با گریستن

بتقریب جشن ہشتاد سالہ

۲۴ مئی ۱۸۹۹ء

عمر میں قیصرہ کے اور نیا سال بڑھے — یا خدا عمر بڑھے دولت و اقبال بڑھے
رشتۂ سالگرہ میں بڑھے ہر سال گرہ — عمر ہر سال بڑھے عمر میں ہر سال بڑھے
ملک بڑھنے پہ تجارت کی کھلیں گی راہیں — نئے بازار کھلیں روز نیا مال بڑھے
راہ آہن کو اگر بڑھنا ہے یوں بڑھ لے — ہر طرف ریل کا جال بچھے جال بڑھے
ہر طرف ہند میں گلگونہ میں سونا نکلے — سکۂ زر بھی تعداد میں یکسال بڑھے
چہرۂ پرنور ترا عہد سے مشہور ترا — حسن صورت کی طرح نیکی اعمال بڑھے

قیصرۂ وقت ہے ہر دم یہ دعائے [illegible]
کہ تری عمر بڑھے دولت و اقبال بڑھے

تاریخ

وکٹوریہ قیصرۂ ہند کا جشن ہشتاد مبارک

۱ ۶ ۰ ۵ ۰

مبارک ہو یہ جشنِ ڈائمنڈ جبلی | رہے قیصرہ تا قیامت سلامت
یہ حاصل ہوئی بات شاہوں میں کس کو | یہ قسمت کی ہے بات حضرت سلامت
وہ دن ہے کہ ہے آج جنگل میں منگل | جدھر جاؤ سن لو سلامت سلامت
رعایا کو کس درجہ آزادیاں ہیں | یہ حاکم سلامت حکومت سلامت
ملیں برکتیں کیسی ہندوستاں کو | الٰہی یہ برٹش حکومت سلامت
دے ہند کو حاکم عدل گستر | رہے ہند کی بادشاہت سلامت
بڑے چین سے رات دن کٹ رہے ہیں | الٰہی یہ دورِ حکومت سلامت
مبارک یہ جبلی مبارک یہ جلسہ | مبارک مبارک سلامت سلامت

ریاض اپنی سرکار کو دو دعائیں
کرو جشن دن رات حضرت سلامت

ڈسپنسری حکیم برہم اور سر جیمس مسٹن

ہز آنر کے فیضِ قدم سے | گورکھپور ہے رشکِ گلشن
پھولے پھول مسرت کے ہیں | گلشن گلشن، خرمن خرمن
سایۂ دامن ابرِ کرم ہے | ابرِ کرم ہے سایۂ دامن
آپ جو چاہیں فصلِ خزاں میں | نکھرے رنگِ بہارِ گلشن
برق کے شعلے گل کی رگیں ہوں | آتشِ گل ہو آتشِ گلخن
ڈسپنسری برہم کی نہیں ہے | فرشِ زمیں پھولوں کا دامن
دھوم مچی ہے، آئے آئے! | ہز آنر سر جیمس مسٹن

جب آئیں گھر دلوں میں بنائیں حضور بھی ہر چند ہے دلوں میں جگہ دیسر لے کی

مسجد ہے ہم ہوا میں معلق، یہ کچھ نہیں تا عرش اب نہ جائے صدا ہائے ہائے کی

شیر و شکر ہوں حاکم و محکوم اور بھی دونوں جگہ نکالیں بیالی ہر چائے کی

بٹلر کو ہم عزیز ہوں، بٹلر ہمیں عزیز
کچھ دودھ دے تو لات بھی اچھی ہے گائے کی

تبصرہ

رسالہ "مساوات"

مصنفہ قاضی مقبول حسین صاحب جرنلسٹ سہارنپور مدیر اعزازی "مشرق"

مساواتِ مقبول مقبولِ عالم خیالاتِ مقبول، مقبولِ عالم

زمانے میں کیوں ہو نہ مقبول ہر بات پسندیدہ، سنجیدہ، معقول ہر بات

سراپا خلوص و سراپا صداقت جدا جو نہ مذہب سے ہو وہ سیاست

لئے ساتھ اپنے وہ دنیا و دیں کو کہ ہے جان دینا جہاں آفریں کو

مودت کا ہے ولولا ان کے دل میں کہ ہے درد ہر قوم کا ان کے دل میں

یہ خواہش بجا لائیں ہم ایسی خدمت کہ ہو ملک کی غیر ملکوں میں عزت

رہیں ملک میں متحد ہو کے قومیں بہیں ایک ہو کر ترقی کی رَو میں

نہ عالم کے اقوام میں تفرقہ ہو نہ اقوامِ اسلام میں تفرقہ ہو

نہ قلت کو کثرت سے شکوہ ہو کوئی نہ کثرت کو قلت سے شکوہ ہو کوئی

ہمیں میداں ہیں گو یہ کہیں گی مرد میداں ہے | سبک ہو کر نگاہوں میں رواں ہونگی دواں ہونگی

جو آئیگا جگہ دینگی یہ اپنے چشم ابرو پر | کوئی جب میہماں ہوگا یہ اُسکی میزباں ہونگی

میاں سایہ بنے ہوں ساتھ پابندی نہیں اسکی | کبھی خود میزباں ہونگی کبھی خود میہماں ہونگی

یہی چھائی رہنگی محفلوں میں رات ہو دن ہو | نصیب دوستاں ہونگی نصیب دشمناں ہونگی

بگلگشت چمن میں پاؤں اُٹھ جائیں کہیں انکے | ہوا میں بکھرے سایان کی ناز سایہ باں ہونگی

پئے تعلیم گھر سے کمسنی میں پاؤں نکلیں گے | قیامت ڈھائیں گی باہر نکل کر جب جواں ہونگی

درون پردہ یہ کیا تھیں برون پردہ کیا ہوگا | نہاں تھیں تو نہاں رہتیں یہ کھل کھل کر عیاں ہونگی

من انداز قدت را می شناسم ہو جگہ کوئی | اُٹھینگی انگلیاں کھل کھیلنے پر یہ جہاں ہونگی

نمائش حسن خوباں کی ہے شوق خود نمائی ہے | نمایاں داغ بن کر ان کی اب گل کاریاں ہونگی

نظر آئیں گے ذرے خاک کے جب کوکب اختر | ترقی پر ہے جلوے تو راہیں کہکشاں ہونگی

مطیع حکم ہوں گے ان کے شوہر کس طرح کتنے | کرے گا حکم برداری ہر اک یہ حکمراں ہونگی

واقعہ

نقاب رخ اسی امید نے یورپ میں اُلٹی تھی | ثریا مشعل راہ امان اللہ خاں ہونگی

مزا بے پردگی کا ہو گیا معلوم طفلس میں | خبر کیا تھی ہمسر دربار بے عنوانیاں ہونگی

بڑھے گا دخت رز کو منہ لگا کر فوج کا افسر | دم تقریر سرزد اُس سے بے عنوانیاں ہونگی

ہوا بدمست کیوں نشہ سے اجازت خواہ ہو کہ | یہ ہیں تہذیب کی باتیں جو زیب داستاں ہونگی

جھکا وہ عاجزی کی بعد نشہ سوی ثریا تھی | سمجھتا تھا نظر انداز یہ بے باکیاں ہونگی

عتاب آمیز ادائے نشہ نے سب پر سخت اثر ڈالا | وہ کچھ بھی ہو جو باتیں ہو چکیں سرزد بیاں ہونگی

رونق افروز بزم ہے آج | شیرف سا شریف سایۂ تاج
ہو گی نہ کبھی شریف گردی | اس طرح گئی شریف گردی
دل میں شیرف کے آگئی لہر | یہ شہر بنا شریفوں کا گھر
شاہی جو گئی تباہی آئی | آئے شیرف تو شاہی آئی
برسوں کے بعد اب پھرے دن | اوجھل ہوئے آنکھ سے برے دن
شاہی میں کمال کو یہ پہنچا | پھر حد زوال کو یہ پہنچا
ایسی اُڑی ہر طرف یہاں خاک | پہنچی بالائے آسماں خاک
ہمسایہ مقام سب ہیں آباد | ان سب کا عروج اس کی اُفتاد
وہ علم و فضل ہے کہاں اب | ہمراہِ امام وحق گئے سب
اربابِ سخن متاعِ ناز آہ | شوخی و نوازش و نیاز آہ
اب خلد میں ہیں جنابِ کوثر | پیتے ہیں وہیں شرابِ کوثر
کامل ہر فن میں لوگ کیسے | تھے اجڑے وطن میں لوگ کیسے
کیا کہتی ہے آج اس کی اُفتاد | سرکار لقب تھا خیر آباد
آخر یہ ہوا تنزل اس کو | خارِ دامن ہوئے گل اس کو
حالت ہوئی ناگوار اس کی | جا کر نہ پھری بہار اس کی
دربار نہ پھر گھٹائیں آئیں | گل ریز نہ پھر ہوائیں آئیں
آنسو کچھ پونچھے ٹامسن نے | موتی یوں پروئے ٹامسن نے
پیدا ہوئی فصل کال کے بعد | ٹھہری میلے کی سال کے بعد
دس دن کے لئے بہار آئی | گل ریز و شگوفہ کار آئی

ہاں میونسپلٹی سے تھی کچھ آس | وہ کیا کرے جب نہ ہو ٹکا پاس
کیوں کر کرے صرف گن کے توڑے | کیا ننگی نہائے کیا نچوڑے
آنکھیں نہ کسی سے جھپکیں اس کی | روشن رہیں لالٹینیں اس کی
منہ اور اندھیرے کا ہو کالا | تھوڑا ابھی بہت ہے یہ اُجالا
سڑکوں کے لئے کہاں سے زر آئے | اتنا بھی نہیں جو پل وہ بنوائے
تعمیر کا پھر بھی ڈھنگ ڈالا | اپنے لئے راستہ نکالا
یہ ہو گی نہ اب کسی کی محتاج | شیرف سا ملا ہے اس کو سرتاج
شیرف کا یہ گنج، گنج زر ہو | شیرف کا سب کے دل میں گھر ہو
پیدا کرے لعل سنگِ بنیاد | ہو اور سے اور خیر آباد
ہوتے رہیں روز میلے اس میں | میلوں کے رہیں جھمیلے اس میں
ہو گنج مراد یہ نیا گنج | ہو باعثِ فیض یا خدا گنج

رقعہ

بہ تقریب عقد جناب عبدالمجید خاں صاحب خلف جناب محمد کریم خاں صاحب مرحوم وکیل و رئیس گورکھپور از طرف عبدالحمید خاں صاحب مرحوم برادر کلاں

ہم سے آنکھیں ذرا ملا ساقی | ہاتھ تو لا ادھر ذرا ساقی
دے رہے ہیں مزا حنائی ہاتھ | چوم لیں ہم ذرا حنائی ہاتھ
یہ نگاہیں بری طرح ہیں گڑی | یہ لکیریں بنیں ہتھیلی کی

رقعہ

نوید عقدِ سید سعید احمد سعید برادر زادۂ سید نیاز احمد نیاز آنریری انسپکٹر پولیس مقام مراد آباد حسب فرمائش نیاز

عرض ہے خدمتِ عالی میں بصد عجز و نیاز ملتمس بندۂ در ہے بہ ادب بندہ نواز

کیجیے بندہ نوازی ذرۂ لطف و کرم باعثِ فخر مجھے ہونگے لطف و کرم

شامِ غربت میں مزا صبحِ وطن کا آئے جس طرف جائے نظر لطفِ چمن کا آئے

عشرت افزا ہوے واسطے ہر شام و سحر روزِ غربت ہو مرا عیدِ وطن سے بڑھ کر

نہ رہے مجھ کو گلا بے سر و سامانی کا سر و سامان ہو عشرت کی فراوانی کا

در و دیوار پکاریں یہ خوشی کا گھر ہے طرب و عیش کہیں بڑھ کے ہمارا گھر ہے

انجم و کاہکشاں گھر کی زمیں پر صدقے جیسے افشاں ہو حسینوں کی جبیں پر صدقے

اور ہی رنگ ہے اب اور ہی ساماں ہے آج خود بہار آئے مرا گھر بھی گلستاں ہے آج

کیا کہوں میں در و دیوار کا کیا عالم ہے نئی صورت ہے نیا رنگ نیا عالم ہے

شمع گل ہو بھی تو چھوٹے شجرِ گل ہو کر تا کہ پروانہ اڑے صبح کو بلبل ہو کر

جم کے رہ جائیں نگاہیں یہ ہو گھر کی صورت گرد اٹھے بھی تو اٹھے گردِ نظر کی صورت

خود بنے آئینہ و آئینہ گر ہر ذرہ آئینہ خانہ کرے پیشِ نظر ہر ذرہ

نذرِ ساغر خطِ ساغر کی طرح تارِ نظر بزم پیراستہ بزمِ کے و جم سے بڑھ کر

ہو جو گلگیر تو محفل میں ہو تزئیں کے لئے شمع کا پھول رہے دامنِ گلچیں کے لئے

شمع کے سائے میں شاخیں نہ نکالے بلبل نخلِ گل سایہ ہو شاخ میں ہوں غنچہ و گل

چمن در چمن غنچہ در انجمن
بہ نوعے کہ باشد گل اندر چمن

سرِ شاخہا گل ہجوم آورند
ز ہر گوشہ بلبل ہجوم آورند

نوید شرکت

عقد مولوی بارک اللہ صاحب از طرف مولوی سبحان اللہ خاں صاحب
عظیم تخلص رئیس اعظم گورکھپور

اللہ کی پہلے حمد ادا ہو
سجدے میں قلم کا سر جھکا ہو

یوں نعت میں وہ زبان کھولے
سب کچھ کہے منہ سے کچھ نہ بولے

پھر کام لے دل کے مدعا سے
یوں عرض کرے وہ التجا سے

فرمایئے شرکت مسرت
ہو جائیں ادا رسوم رخصت

کافی جو نہ ہو بیان خامہ
میں خود بنوں ہمزبان خامہ

یہ انجمن نشاط کیا ہے
میں کیا ہوں مری بساط کیا ہے

ارمان یہ ہے جناب آئیں
خوشیاں سبھی ہمرکاب آئیں

گو شرم سے آب آب ہوں میں
نقش قدم جناب ہوں میں

میں خاک ہوں زیر پا فتادہ
ظاہر ہیں ادب سے ایستادہ

فرصت ہی نہیں ہے سانس کیا لوں
نازک ہے یہ وقت اور میں ہوں

ہوں دل سے جو صرف التجا آج
رسم رخصت بھی ہو ادا آج

آنکھوں میں ہے انقلاب ہر وقت
ہے نقش فنا حباب ہر وقت

یہ سچ ہے کہ جان ہو تو سب کچھ — لیکن ایمان ہے تو سب کچھ

حاصل مرے دل کا مدعا ہو — پتلی کا نور خاک پا ہو

بادہ چھلکے ایاغ میں آج — آجائے بہار باغ میں آج

بے بادہ پیے سرور آجائے — اللہ کا دل میں نور آجائے

پھیلی ہو روشنی اسی کی — ہر بات یہاں ہو طور ہی کی

ہر بات ہو ارغنون خدا ساز — پتے پتے سے آئے آواز

میرے احباب کو مبارک — بارک کا عقد ہو مبارک

چھائی ہوئی ہر طرف خوشی ہو — دن دونی ہو رات چوگنی ہو

بیگانہ یگانہ یار جوں غیر — دنیا کی خیر دین کی خیر

تقریب میں یہ بہت خوشی کی — رہ جائے نہ میرے جی میں جی کی

میں کون ہوں؟ اور اتنا دم تک
سبحان اللہ نہ دم تک

نوید

تقریب عقیقۂ شوق احمد خلف حشمت علی صاحب مرحوم [illegible] حیدر لکھنؤ

شاخ قدرت نے رنگ لائے — سوکھی [illegible] شاخ گل کھلائے

میدان فضل سے چمن زار — اس باغ کا گل شگفتہ ہر بار

گل کیسے [illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible] کے ہاتھ

کیوں سحر بیاں اسے نہ مانیں | چلتی ہوئی پائیں دو زبانیں
حصہ اس کا ہے سحر اثر بات | کانٹے کی تلی ہوئی ہے ہر بات
منقارِ عنادل اس کے قرباں | ہو جان فدا دل اس کے قرباں
کہتا ہی نہیں یہ بے اثر بات | کیوں ہو نہ قبول اس کی ہر بات
جو کچھ کہتا ہے سجدہ کرکے | چپ بھی رہتا ہے سجدہ کرکے
ڈرتا ہے کہیں نہ حرف آئے | سر جائے مگر نہ بات جائے
منظور ہے اب نگارشِ حال | منظور ہے کچھ گزارشِ حال
کام آئے مرے یہ بے زبانی | حاصل مجھ کو ہو شادمانی
فرزند کے عقد کی ہے تقریب | ہوگی بزم طرب کی ترتیب
معشوق احمد ہے نام اس کا | پائے انجام کام اس کا
احباب کو ہو خوشی مبارک | دن بھی تاریخ بھی مبارک
دعوت شنبے کے روز ہوگی | تاریخ یہی ہے جلسے کی بھی
دھوکا نہ ہو سال عیسوی ہے | چونتیسویں ماہ حال کی ہے
دن سے بڑھ کر یہ رات ہوگی | پچیسویں کو برات ہوگی
فرمائیے آپ شرکتِ بزم | شرکت سے بڑھے گی عزتِ بزم
یہ بزم ہر انجمن سے بڑھ جائے | اتنا تو ہو ہر چمن سے بڑھ جائے
قرباں ہو بزم پر چمن زار | وہ رنگ کہ ہو بہار کو خار
دیوانہ ہو جو سوئے چمن جائے | دامانِ بہار فرش بن جائے
گلگیر ہو انجمن میں بلبل | منقار ہیں لے وہ شمع کا گل

...تقریب ختمِ قرآن مجید برائے چودھری شرف الزماں صاحب بیرسٹر ایٹ لا
خلف چودھری شفیق الزماں صاحب تعلقہ دار

...تاجِ شرف ہو ترے سر پہ سہرا
طرّۂ دستارِ فضیلت کا ہو پرزر سہرا

ہو تقریب مبارک تجھکو
بنے اللہ کا سایا ترے سر پہ سہرا

...ی سہری کو تیرے رُخ سے
رُخ جو مصحف ہے تو مصحف کا ہے مسطر سہرا

نہ ملا لاکھ ملالی رہی مژگانِ دراز
صفِ مژگاں سے ہمیشہ رہا باہر سہرا

چاند سے چہرے کی لیناہیں بلائیں اس کو
من کے آئی ہے شعاعِ مہِ انور سہرا

تار داماں قیامت کے ہوئے صرف اس میں
جب کہیں جاکے بنا قد کے برابر سہرا

پیار کی آنکھ سے دیکھے جو کوئی سہرے کو
آنکھ میں پا کے جگہ دل میں کرے گھر سہرا

نظرِ بد سے نہ دیکھے کوئی سہرے کی طرف
حلق پہ پھیرے سو ہاتھ سے خنجر سہرا

نگہِ ناز کسی کی ہے کہ مژگانِ دراز
ان سے ہے نوک پلک میں کہیں بڑھ کر سہرا

کیوں قیامت نے لیا بوسۂ دامن جھک کر
ڈر ہے بدلے نہ کہیں غصے میں تیور سہرا

پھول کے گہنے سے سج دھج ہے نرالی اسکی
کیوں نہ اترائے سرِ بزم معطر سہرا

کوئی دیکھے تو خوشی پھولے سمائے نہیں پھول
کیا مسرت ہے کہ ہے جامے سے باہر سہرا

گر کے اٹھتا ہے کبھی اٹھ کے یہ گرتا ہے ریاض
مست ہے میکدۂ چشم سے پی کر سہرا

سہرا

حسب فرمائش جناب میرزا آقا حسین صاحب قبلہ اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس

لے اڑا گیسوؤں کی بو سہرا | رہ گئے دیکھ کے گیسو سہرا
آئینہ خانہ ہے گھر نوشہ کا | کہ ہے چھایا ہوا ہر سو سہرا
نگہ شرم نہ بنتا ہر تار | نہ لٹکتا سر زانو سہرا
چڑھ گئی تیوری جو اٹھا رخ سے | کھنچ گیا صورت ابرو سہرا
آج پھولوں میں تلے گا نوشہ | بن کے آیا ہے ترازو سہرا
سہرے کا قوت بازو گیسو | زلف کا قوت بازو سہرا
نگہت مست ہے اس کا ہر تار | پی گیا ہے کئی چلو سہرا
پھولوں باندھ ترے موج صبا | گوندھ کر لائی ہے کیا تو سہرا

دھوم ہے کیوں نہ سہرے کی آتش
ہے نہ اعجاز نہ جادو سہرا

سہرا

بتقریب جمیل احمد خاں خلف عظیم اللہ خاں صاحب رئیس خیرآباد

رہ گیا بزم میں منہ دیکھ کے کیسا سہرا | بن گئی شوق سے جب زلف چلیپا سہرا
زینت آج نقاب رخ زیبا سہرا | زد کو دکھلا دے خدایا مہ سا چہرا سہرا
شکر اللہ کہ نوشاہ بنے آج جمیل | شکر اللہ کہ ماں باپ نے دیکھا سہرا
زلف نے کی الٹی نہیں رکھتا منہ | کوئی دیکھے تو ذرا شوخ ہے کتنا سہرا

ہر لڑی سی ہر لڑی آنکھ بھری محفل کی — بن گیا آکے سر بزم تماشا سہرا
چاہتا ہے قدِ نوشہ کے برابر اُترے — مجھے ڈر ہے نہ قیامت کرے برپا سہرا

نازک اس سہرے کے گیسو گل مضموں ہیں ریاضؔ
پیارے نوشہ کو مبارک ہو یہ پیارا سہرا

سہرا

بہ تقریب عقد نواب محمد نقی خاں صاحب خلف جناب نواب باقر علی خاں صاحب بہادر رئیس شیش محل لکھنؤ تعلقہ خیرآباد

ضیا بار رُخ پر ہے زرتار سہرا — مبارک ہو لے میری سرکار سہرا
ترا سر چڑھانا مبارک ہو اس کو — قدم چومے جھک جھک کے ہر بار سہرا
حسینوں کے گیسو کی لے کر درازی — بنا آج خود زلفِ خمدار سہرا
عبث رشک ہے زلفِ پرخم کو اس سے — کہ اک رات کا ہے گنہگار سہرا
ذرا لے کے آغوش میں چوم لے منہ — تجھے اس ادا سے کرے پیار سہرا
لئے مست آنکھوں کے جھک جھک کے بوسے — رہا میکدے میں بھی ہشیار سہرا

رہے تاجِ اقبال سر پہ ہمیشہ
یہ نوشاہ کو ہو سزاوار سہرا

سہرا

تیرے سہرے کی نزاکت کی کروں کیا تعریف　　تیری شرمیلی نگاہیں ہیں کہ تیرا سہرا

سہرے کو دیکھنے والوں کی لڑی ہیں آنکھیں　　بن گیا ہی بھری محفل میں تماشا سہرا

کھینچ لے کوئی نہ آغوش میں اپنی تجھکو　　ہو رہا ہے اسی ڈر سے تہ و بالا سہرا

ہالۂ ماہ پکارا کہ "مری آنکھ کا نور"　　کہکشاں بولی "مری آنکھ کا تارا سہرا"

اے سعید آج مبارک تمہیں نوشہ بننا

سب عزیزوں کو مبارک ہو تمہارا سہرا

سہرا

بتقریب عقد منشی فضل احمد صاحب عرف جمعی خلف حسام احمد مرحوم ابن حافظ نظام احمد مرحوم رئیس خیرآباد

باندھنا تجھ کو مبارک ہو مری جاں سہرا　　فضل احمد ترے صدقے تری قرباں سہرا

چاہتی تھی کہ بنے زلفِ پریشاں سہرا　　چھا گیا سر سے ترے تا سرِ داماں سہرا

مصحفِ رُخ کا بنے کے ہو نگہباں سہرا　　کیا شرف ہی کہ بنا حافظِ قرآں سہرا

ناپنے کے لئے ہر تار سے مژگان دراز　　کوئی سو بار تو آیا سرِ مژگاں سہرا

پھول سہرے کے بھی ہیں پھول سا چہرہ بھی ہے　　کثرتِ گل سے ہی خود آج گلستاں سہرا

ہے یہ شب بھر کے لئے وہ ہے ہمیشہ کے لئے　　چاہتا ہی کہ بنے زلفِ پریشاں سہرا

اس کی لڑیوں سے ہی موجوں کا تلاطم پیدا　　بزم میں بحرِ مسرت کا ہی طوفاں سہرا

تیر ہیں بہرِ عدو تار نہیں سہرے کے　　دلِ دشمن میں اُتارا کرے پیکاں سہرا

پیاری ماں ہی نہ جواں باپ نہ دادی دادا　　گل بداماں ہی کہ ہے داغ بداماں سہرا

ساتھ لایا ہی دکھانے تجھے کس شوق سی آج
نئی دنیا، نئے ارماں، نئے ساماں سہرا

نہ صبا چھیڑ کہ رات اس کی ہی دن اس کا ہے
مطمئن ہی نہ کبھی ہوگا پریشاں سہرا

موج جو سطح سی اُٹھے وہ ہو سہری کی لڑی
لے خضر آ کے بنے چشمۂ حیواں سہرا

وہ مہ نو ہی تو یہ چودھویں کا چاند ہی آج
دیکھتا ہی مرے نوشہ کا گریباں سہرا

قاف کی پریوں میں شیشی کی پری بھی ہوگی
میری نوشہ کے لئے لائی ہیں پریاں سہرا

زندگی خضر کی دیگا تجھے اے فضل جلیل
کہ مرے تارِ نفس کا ہی مری جاں سہرا

مرے سہری میں نہیں ہیں مرے مضمون ریاضؔ
لئے دامن میں ہے کچھ لعلِ بدخشاں سہرا

ایضاً

کیوں نہ ہو سب میں سرخ رو سہرا
چھا گیا بن کے رنگ و بو سہرا

رگ گلہائے آرزو ہر تار
رنگِ گلہائے آرزو سہرا

مست ہے بو سے اپنے غنچوں کی
ہے چڑھائے خم و سبو سہرا

رات سہری کی ہنس کے کہتی ہے
کرے دامن میں کیوں رفو سہرا

رنگ میں فرق، بو میں دونوں ایک
مشک بو زلف، زلف بو سہرا

گندھی کتنی ہیں منہ بندھی کلیاں
نہیں دیتا ہے اُن کی بو سہرا

اُٹھ رہے گا نہ کوئی عقدۂ زلف
کھل کے کہہ دیگا مو بہ مو سہرا

پھول نازک ہیں میری دل سے سوا
چپکے سے بھی صبا نہ چھو سہرا

تار ہر ایک موتیوں کی لڑی
ابرِ نیساں کی آبرو سہرا

رشک سے آکے چھائی چہرے پر | خود بنی زلفِ عنبریں سہرا
گیسوؤں سی ہوئی ہے کچھ ان بن | کیوں چڑھائے ہے آستیں سہرا
آگے کالے کے کیا جلے گا چراغ | نہ ہو گیسو سے خشمگیں سہرا
سہرے کی رات ہے ہٹائے کون | رُخ سے ہٹتا ہے اب کہیں سہرا
دونوں ہو جائیں اب رفیقِ طریق | زلف رکھے نہ بغض کیں سہرا
فرق معلوم ہو نہ آپس میں | یوں لپے زلف کے قریں سہرا
حسن میں کوئی کس سے کس کو بڑھائے | زلف بھی ہے حسیں حسیں سہرا
سہرے کی ہے بنی تلی ہر بات | زلف سے بڑھ کے ہے کہیں سہرا
زلف و رُخ سے نباہے جاتا ہے | ہے لئے ساتھ کفر و دیں سہرا
ہو مبارک تمہیں حمید و مجید | باندھنے آئی حورِ عیں سہرا
رتبہ سہرے کا اے رفیق بڑھا | چومتا ہے تری جبیں سہرا
حسن سے تیرے حسن پایا ہے | تیری خرمن کا خوشہ چیں سہرا
کبھی بنتا ہے عرش کا دامن | کبھی اس بت کی ہے جبیں سہرا

کیوں نہ خوش ہوں ریاض مجھ سے عزیز
کیف آور ہے دل نشیں سہرا

سہرا

حسبِ فرمائشِ اختر سبزواڑی میرٹھ

آسماں سے آئی ہیں نو شہ تری سہرے کے پھول | جھک کے تارے آسماں کے بن گئے سہرے کے پھول

گل بہ دامن لے ریاضؔ آئی بہار
اس کے دامن سے چُنے سہرے کے پھول

قطعۂ تاریخ

فرزندِ حضرت شاہ واجد علی صاحب رئیس گورکھپور متولی امام باڑۂ وقفِ شاہی

شاہ واجد علی کو حق نے دیا | نقش آرائے بوریائے شہی
ہو مبارک خجستہ پے فرزند | ہو مبارک یہ خرمی یہ خوشی
پھولی آتے ہی پھل ملا کیسا؟ | واہ رے فیضِ سنتِ نبوی
اس میں جو شک کرے وہ کافر ہے | رہِ اسلام میں نہیں ہے کجی
ہے یہی مسلکِ رسولِ خدا | ہے یہی جادۂ علیِؑ ولی
جس نے مژدہ سنا وہ شاد ہوا | گھر میں کیا؟ شہر میں خوشی پھیلی
ہوئی طالع افق سے صبحِ اُمید | رنگ لائی دُعائے نیم شبی
مہر کی طرح ہو ضیا گستر! | مہِ تاباں کی پائے جلوہ گری
شہر کیا دور دور ہے مشہور | شاہِ واجد علی کی نیک دلی
شکر اللہ کا ہزار ہزار | تھی جو دل کی مراد بر آئی
آنکھ کا نور ہے یہ دل کا سرور | یا خدا عمر ہو سوا اس کی
نام روشن علی کا روشن ہو | رہے محفل میں روشنی اس کی
کام ہوں زیبِ صفحۂ تاریخ | سب کے لب پر ہو نام تاریخی
ہے یہی فکر اگر تو کہہ دو ریاضؔ | صاحبِ بخت۔ بختیارِ علی

حسب فرمائش قبلہ سید ولایت احمد صاحب شمیم مرحوم

بخشا خدا نے بیٹا مسٹر رچرڈسن کو — اس کی خوشی برس کو سو چند ہو مبارک

ماہ فلک نے بڑھ کر تاریخ یہ سنائی — مسٹر رچرڈسن کو فرزند ہو مبارک

(٣٩٦) ء

تاریخ

تولد فرزند محسن الملک رائے جی پرکاش لال صاحب بہادر دیوان ٹمراؤن

اختر قوم جس سے چمکے گا — وہ حسین طفل خوبرو ہے یہی

نخل امید کا یہی ہے پھول — ثمر شاخ آرزو ہے یہی

١٨ ٦ ٩٥

تاریخ رحلت

شاہ محمد فضل اللہ صاحب الہ آبادی مرحوم

دار فنا سے خلد گئے — شاہ محمد فضل اللہ

ان کے غم میں رو دی خلق — کھینچی سب نے دل سے آہ

آگے پیچھے سب ہیں رواں — پیش یہی ہے سب کو راہ

خاک میں ملنا سب کو ہے — چاہے گدا ہو چاہے شاہ

موت کا ان کی سال پوچھے — کہہ دو تم با حال تباہ

خالی کل تک تھی یہ زمیں

آج ہے مرقد فضل اللہ

١٢ ٣٥٩

نظر سے چھپ گئے امجد حسین آہ | نگاہِ چشمِ حسرت شمع ہے آج
کہے گی کیا یہ حال خلوتِ قبر | کہ دور از لطفِ خلوت شمع ہے آج
دلِ بیتاب کو کیا دے گی تسکیں | شرارِ داغِ فرقت شمع ہے آج
نہیں گر دل سے ریاض اک کوئی اس کے | سبق آموزِ عبرت شمع ہے آج
چراغِ کنجِ خلوت نورِ ایمان | ضیا افزائے تربت شمع ہے آج
فروغِ نورِ ایماں ہے تہِ قبر | سرِ بالینِ تربت شمع ہے آج
یہ پانی دے گی نخلِ گل اگیں تو | لئے اشکِ محبت شمع ہے آج
گل اترائیں نہ موجِ بو پہ اتنا | گلوں کو موجِ نکہت شمع ہے آج
یہ دودِ شمع سایہ ہے اسی کا | لئے ساتھ ابرِ رحمت شمع ہے آج
غرض یہ ہے کہ پڑھ لیں سالِ رحلت | قریبِ لوحِ تربت شمع ہے آج

جھکا کے سر اجل یہ کہتی آئی
لحد پہ نورِ جنت شمع ہے آج

ھ

تاریخِ وفات

کنیزِ فاطمہ دخترِ منشی حافظ نظام احمد مرحوم متخلص آند از رئیس خیرآباد

خدا کا نور تھی وہ چاند سی شکل | چھپی وہ خاکِ مدفن میں عجب ہے
ریاضؔ افسوس وہ گھر میں نہیں ہے | وہی گھر ہے وہی سامان سب ہے

سرِ مدفن لکھو یہ سالِ تاریخ
کنیزِ فاطمہ تربت نشیں اب ہے

۱۳ ھ ۴۲

قطعۂ تاریخ

وفاتِ مرحومہ حسب فرمائش اسٹیشن ماسٹر اسٹیشن خیرآباد

آتی ہے ہر طرف سے آواز — ہے ہے بی بی سراج خاتون

ہے فکر کہ سالِ فوت لکھوں — جنت کو گئی سراجِ خاتون

ذوالحجہ کی پہلی کو دمِ صبح — دنیا سے چلی سراجِ خاتون

اب کیوں ہے زمینِ قبر بیتاب

کہہ دو آئی سراجِ خاتون

۳۲ ھ ۱۳

قطعۂ تاریخ

جنابِ حافظ فخرالدین مرحوم

یوں گئے دنیا سے فخرالدین آہ — جیسے ہم سے کچھ نہ تھا اُن کو لگاؤ

آٹھویں کو ماہِ ذوالحجہ کی ہائے — یہ ہوا حکمِ خدا "جنت کو آؤ"

حافظِ قرآن تھے حق آگاہ تھے — عارفِ کامل تھے حق سے تھا لگاؤ

گوشۂ جنت میں ہیں جا کے دفن — ہر گھڑی رہتا ہے لوگوں کا جماؤ

غیب سے آتی ہے مرحوم کی ندا — آئے ہو تو "فاتحہ کو ہاتھ اٹھاؤ"

ثبت تربت پہ ہو تاریخ لے ریاضؔ

قبر فخرالدین کی ہے آؤ آؤ

۳۴ ھ ۱۳

حرف آتا ہے خموشی پر تری اے سنگِ قبر
کہہ دے ہاں تربت ہو بانوے عبید اللہ کی
۱۳ ھ ۲۴

تاریخِ وفات

الہیۂ خود

زوجۂ مرحومۂ ریاض

۱۳ ھ ۳۱

قطعۂ تاریخ

انتقالِ منشی احمد علی مرحوم مقام مانی ضلع جونپور

کون حامد علی کو سمجھائے — خاک بر سر ہے کس مصیبت میں
جاں گسل غم ہے آہ بھائی کا — آج احمد علی ہیں تربت میں
اُن کو دشمن سے بھی دریغ نہ تھا — کوئی ثانی نہ تھا مروت میں
اُف! وہ اُن کے خصائل و عادات — خیر ہی خیر تھی طبیعت میں
تھے سراپا وہ شکلِ صدق و صفا — پاکبازی تھی ان کی طینت میں
جھک کے ملنا شعار تھا اُن کا — کس قدر عجز تھا طبیعت میں
سب سے برتاؤ تھا شریفانہ — نام نکلا ہوا شرافت میں
پست دیکھا نہ حوصلہ اُن کا — اُن کی گنتی تھی اہلِ ہمت میں
غم سے ہے آج خاندان تباہ — دے خدا صبر اس مصیبت میں

دنیا ہو کیوں نہ تیرہ؟ دنیا میں اب نہیں ہے   خاتونِ گلعذار و گلروئے مصطفٰی خاں

تاریخ اجل سے پوچھی تو سر پٹک کے بولی

کہہ دو۔ ہے زیر مدفن بانوئے مصطفٰی خاں

۱۳ ھ ۴۵ ۱۳

تاریخ وفات

الطاف حسین دلبند خود

ریاضؔ! آنکھوں میں ہے الطاف کی شکل

عبث اب تم کو اس کی جستجو ہے

۲

"لحد میں کون ہے"؟ پوچھے جو کوئی!

یہی کہہ دو: غریقِ آب جو ہے

۱۳ ھ ۲۷

قطعہ تاریخ

انتقالِ مولوی محمد افراغ مرحوم پنشنر محافظ دفتر عدالت ججی گورکھپور

افراغ کا غم لے نہ کہیں جان ہماری   ہاں! وقت سے پہلے یہ نہیں دست قضا میں

کیا قہر ہے؛ وہ ملکِ عدم کو گئے تنہا   لینا تھا انھیں ساتھ ہمیں راہِ فنا میں

میں ساتھ ہی رہتا یہ تقاضا تھا وفا کا   کچھ دیر نہیں ہے مجھے افراطِ وفا میں

پژمردہ ریاضؔ آج ہیں کچھ پھول ہیں ان کے   یہ پھول اٹھانے کو رہے بزم عزا میں

جو ہے نظر آتا ہے وہ دل چاک جگر چاک   ٹیس ہی پڑی ہوک سے رہ کیں کے بکا میں

دختر میرزا محمد حسن صاحب بہادر لکھنوی ڈپٹی کلکٹر گورکھپور

یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟ کیوں محمد حسن کی آنکھ ہے تر
میرزا صاحب اور یوں بیچین کیا ہوا؟ کیا گزر گئی دل پر
گئی دادی کے پاس پوتی بھی دیگئی ہائے تازہ زخم جگر
حیف یوں ہو سپردِ خاک ریاض نازوں کی بچی مہجبیں دختر
قبر میں ہے قمر جہاں بیگم اور ماں باپ غم سے خاک بسر
ڈوبنا چاند کو تھا ڈوبا چاند ڈالی خاک ایسے چاند پر کیونکر
کہہ رہا ہے پکارے سنگِ لحد سب نے دل کو بنا لیا پتھر
فکر مجھ کو تھی میں کہوں تاریخ ثبت ہو سال سنگِ تربت پر

بڑھ کے خطِ شعاع نے یہ کہا
سرِ تربت ہو کندہ داغِ قمر
۱۳۴۶ھ

تاریخ وفات

حسب فرمائش شیخ محمد صاحب مرحوم مجسٹریٹ مٹونات بھنجن گورکھپور

ریاض ایما جنابِ شیخ کا ہے کہوں تاریخ بہرِ لوحِ تربت
وجیہہ الدین حیدر ہیں یہاں دفن ریاض ان کو ملے جنت کی راحت
اکائی کے عدد کم کر کے کہہ دو
وجیہہ الدینِ حیدر کی ہے تربت
۱۳۵۰ھ

٦

کس قدر سخت ہے صیادِ اجل
کہ اترتی ہی نہیں اس کی کمان

٧

بھرتی ہے شکل تری آنکھ میں کیوں؟
مرنے والے! جو نہیں تجھ میں جاں

٨

کیا سنوں دور سے باتیں تیری
شورِ ماتم سے بھرے ہیں مرے کان

٩

تیری چپ کا یہ اثر ہے مجھ پر
بندھے تیری طرح میری زبان

١٠

مرنے والے! یہ ہوا کیا؟ تجھ کو
جانتے تھے تجھے سب اپنی جان

١١

ہم سمجھتے ہیں فرشتہ تجھ کو
کبھی مرنے کا نہ ہوتا تھا گماں

١٢

جونپور اس سے سوا ہے شمشان

١٩

ہے ٹپکتا درودیوار سے غم

رو کے کہتا ہے یہ ایک ایک مکان

٢٠

خاک پر وہ نہیں وہ ہیں تہِ خاک

خلد میں اب ہیں محمد عثمان

٢١

مرنے کو تو ہمیں بھی مرنا ہے

کم ہیں اس عہد میں تجھ سے انسان

٢٢

با ہمہ، بے ہمہ تھی ذات تری

شہر میں سب سے جدا تھی تری شان

٢٣

شرع کے ساتھ طریقت کا لحاظ

جس طرح دیکھئے، کامل ایمان

٢٤

نظم اردو میں اگر مومن و میر

فارسی نظم میں خسرو کی زبان

بات جس کی بھی گئی ساتھ اُس کے
دیکھتے اپنے سلیماں کی شان!

۳۲

اور جیتے ابھی دو چار برس
رہ گیا دل میں یہ سب کے ارماں

۳۳

دم بخود غم میں ہے کس طرح ریاض
چمنستانِ سخن ہے سنسان

۳۴

بزم سے رنگ اُڑا شمع سے نور
جسمِ نازک سے جدا جب ہوئی جاں

۳۵

بولی بو "گل" سے نکل کر یہ سال
گئے جنت میں محمد عثماں

۱۳ ۵ ۳۸

قطعۂ تاریخ

وفاتِ اہلیۂ ثانی حاجی مولوی سید سبحان اللہ خاں صاحب رئیسِ اعظم گورکھپور

مطبوعہ "مشرق"

۲۱ جون ۲۸ء محرم

وسعت میں اک جہاں ہے رفعت میں آسماں ہے | ہم پایہ سلیماں آکر ہوں اس میں مہماں
ہر کنگرہ ہے اس کا بامِ فلک سے اونچا | قصرِ وسیع کسریٰ بالائے طاقِ ایواں

آئینے سے مصفا ہر خشت و سنگ اس کا
کیا ہی بنا ہے زیبا قصر ابوالحسن خاں

۱۳ ھ ۴۰

مبارکباد عقدِ دخترِ جناب انیس احمد صاحب

لو دلہن آج بنی دختِ انیس احمد | اس مسرت میں ہی گھر آج دلہن پر صدقے
صدقے ہو کر بھی تسلی نہیں ہوتی دل کو | صدقے پھر بار دگر آج دلہن پر صدقے
اے حضور آرزوئیں آج بر آئیں دل کی | کیجئے کاسۂ زر آج دلہن پر صدقے
اے حضور آج تمنائیں ہوئی ہیں پوری | کیجئے لعل و گہر آج دلہن پر صدقے
کون روکے انھیں نسبت ہے رخ و گیسو سے | روز و شب شام و سحر آج دلہن پر صدقے
آگے ساعات سوا لے کے بلائیں ہوں فدا | عیش کے آٹھ پہر آج دلہن پر صدقے
ہے اثر بس دعاؤں کے نہ ہے بخت بلند | ہو دعاؤں کا اثر آج دلہن پر صدقے

میں نے برجستہ کہا مصرعِ تاریخ ریاضؔ
انجم و شمس و قمر آج دلہن پر صدقے

قطعۂ تاریخ

ختنہ و غسلِ منشی فضلِ احمد مع برادرِ خورد احتشام احمد سلمہم خلفِ حسام احمد صاحب
ابن منشی حافظ نظام احمد صاحب مرحوم رئیس خیرآباد

قطعۂ تاریخ

باغ حکیم عزیز احمد صاحب خویش حکیم مولوی احمد علی صاحب خیرآبادی

مبارک ہو عزیز احمد کو یہ باغ — پھلیں پھولیں ریاضؔ اس کے سب اشجار
کہوں تاریخ فرمائش تھی مجھ سے — کہا میں نے زہے باغِ پُر اثمار

۱۹ ء ۲۹

قطعۂ تاریخ

مسجد بنا کردۂ امیر حسن صاحب عرف آفتاب حسن صاحب تعلقہ دار بابو پور

حسب فرمائش محمد احمد صاحب نبیرۂ ممدوح

امیر اول حسن آخر بہ اسم اش — زہے بانیٔ ایں سجدہ گہ شد
دوم از آفتاب و از حسن اسم — بہ اقبال آفتابِ عزّ وجہ شد
دعائے عمر و دولت را زِ مسجد — خوشا تا عرشِ اعظم شاہ رہ شد
ز جود و بذلِ ہر کس "مرحبا" گفت — ز خُلق و لطف ہر سو واہ وہ شد
زہے مسجد ہمہ از نور معمور — کہ جاروب اش شعاعِ مہر و مہ شد
ریاضؔ از فکر رستم بہرِ تاریخ — ز عرش آمد ندا فضلِ الٰہ شد

برائے سجدہ خم شد خود سرِ عرش
کہ سال اش عرش رفعت سجدہ گہ شد

۱۳ ھ ۴۷

ہے ریاض افتتاح کی تاریخ

اب شفا خانۂ امید کھلا

۱۳ھ۴۷

قطعۂ تاریخ

تعمیرِ سماع خانہ روضۂ مبارک حضرت محمد اسلم شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ

بنا کردہ

جناب حاجی غلام محمد خاں صاحب حافظ تخلص رئیس وادون ضلع علیگڈھ

بے ساز و نغمہ اس میں دن رات بیٹھے رہیئے — دلچسپ کس قدر ہے دلکش سماع خانہ

پیدا ترنم اس میں پیدا تکلم اس میں — موجِ ہوا کے لب پر ہر دم نیا ترانہ

جلوے دکھا رہا ہے کیا روضۂ مبارک — نغمے سنا رہا ہے کیسے سماع خانہ

اللہ جب دکھائے انسان کیوں نہ دیکھے — گنبد سنا رہا ہے کچھ طور کا فسانہ

ہے عرش طور کس کا؟ پھیلا ہے نور کس کا؟ — کس کی تجلیوں سے روشن چراغِ خانہ

ذرّوں میں کر رہے ہیں گردش ہزاروں سورج — جلووں کی برق تابی اُن پر ہے تازیانہ

بندہ بنا کے اس نے بندے کو کیا بنایا؟ — کس کی سمجھ میں آئے قدرت کا کارخانہ

وہ بارھویں کی محفل وہ افتتاح کا دن — بزمِ سماع خانہ وہ نعتیہ ترانہ

پی کر پیالہ دیکھے محفل میں فیضِ مرشد — رندانہ مستیوں میں اندازِ صوفیانہ

ہیں جمع مست کیا کیا؟ مستِ الست کیا کیا؟ — کیسی یہ انجمن ہے؟ کیسا یہ شامیانہ

کس رنگ میں گڑے ہیں؟ کیسی یہ پڑے ہیں؟ — دل کھینچتی ہے سب کی یہ وضعِ میکشانہ

ہیں شامیانہ رحمت سجدے میں اہلِ طاعت — کیسی خدا سے غفلت؟ ہے بیخودی بہانہ

قطعۂ تاریخ

تعمیرِ دروازۂ مکانِ خود

آ کے سب بادۂ تسنیم پئیں
کھل گیا بابِ ریاضِ فردوس

۲

بے اکائی کے ہے تاریخ ریاض
وا ہوا بابِ ریاضِ فردوس

۱۳۰۰ھ

تاریخ انتقال زوجۂ ثانیہ خود

جانِ ریاض مرد

۱۳۰۹ھ

تاریخ عطائے خطاب خان بہادر مولوی حمید اللہ صاحب ڈپٹی اسپشل مجسٹریٹ گورکھپور

ریاض سعد مبارک ہے جون کا آغاز | بہت ہی سعد ہے یہ سال سعد ہے یہ ماہ
خوشی ہے دوسری کی شب کو تار پہنچا یا | خطاب خان بہادر ملے حمید اللہ
ہمیشہ نام رہا آپ کا نمود کے ساتھ | معترف آپکے کاموں کے حاکم ذیجاہ

ایک نے اُٹھ کے جگہ سے یہ سنایا مصرع

ایڈوکیٹ ہوئے واہ ذکی صاحب خوب

۲۸ ۶ ۱۹

قطعۂ تاریخ

عطائے خطاب خان بہادر سید احمد حسین صاحب رضوی وائس چیرمین میونسپل بورڈ لکھنؤ

سیدِ عالی نسب نام وے احمد حسین

یافتہ او ذی ہمم خان بہادر خطاب

۲

سال بہ تعداد ماہ (۱۲) کم کن و گو بہر سال

صاحب جاہ و حشم خان بہادر خطاب

۳۰ ۶ ۱۹

قطعۂ تاریخ

عطائے خطاب خان بہادر سید احراز الحسن خاں صاحب میونسپل چیرمین خیرآباد

سید احراز الحسن جب سے ہوئے ہیں صدر بورڈ — خدمتوں سے ان کی ہے میونسپلٹی فیض یاب

وہ خطاب خان بہادر سے ہوا اب سربلند — در حقیقت خانی تھا ہی خاندانی انتساب

حسن خدمت کا صلہ ممدوح کو اچھا ملا — شہر میں سب کو پسند آیا یہ موزوں انتخاب

فکر تھی مجھ کو کہوں تاریخ میں بھی لے آیا حسن — چاہتا تھا میں نہ ہو تاریخ کا میری جواب

شعلہ اس کا جو اٹھا وہ بن گیا قندیلِ عرش | کس قدر بھڑکی ہوئی ہے آتشِ گلزارِ حمد
دلکش اندازِ سخن حُسنِ بیاں یوسف وش | مصر والے دیکھیں آ کر گرمیٔ بازارِ حمد
رہنما راہِ سخن میں آپ کے نقشِ قدم | بحر کے پیرو مگر سب سے جدا رفتارِ حمد
کور دہ ہر روشنی پھیلی ہوئی ہے شہر شہر | بزم افروزِ سخن ہیں ہر جگہ اشعارِ حمد
ناخنِ دستِ حنائی کا یہ پھبتی ہے جواب | چٹکیاں لیتی ہے کیا کیا شوخیٔ گفتارِ حمد

عرش پیما ہیں سمندِ فکر کی جولانیاں | کس ہوا میں ہے زمینِ شعر پر رہوارِ حمد
ایک جنگل ہر ورق چبھتے ہوئے اشعار کا | سب کے دل میں چبھ گیا ہی وادیٔ پرخارِ حمد
رنگ و بو میں حسن میں ہیں ایک سی موزونیت | ایک کانٹے میں تلے ہیں سب گلِ گلزارِ حمد
موتیوں سے بھر دیا دامن زمینِ شعر کا | ابرِ گوہر بار ہیں اشعارِ دریا بارِ حمد
صاف ہیں بے عیب ہیں خوش آب ہیں انمول ہیں | جوہری دیکھیں ذرا آ کر دُرِ شہوارِ حمد
کاغذ اچھا حرف چھپے نور کا چھاپا ریاضؔ | اُترے شیشے میں پری بن کر بلند افکارِ حمد
میں نے برجستہ کہا مصرعِ پئے تاریخِ طبع | ڈھل گئے ہیں نور کے سانچے میں سب اشعارِ حمد

سالِ اشاعت کا جو ہو مطلوب تو کہہ دو ریاضؔ
کیا ڈھلے ہیں نور کے سانچے میں سب اشعارِ حمد

قطعہ تاریخ

طبعِ دیوانِ جنابِ سید عباس حسین صاحب فصاحت لکھنوی
خلفِ جنابِ امانت مرحوم لکھنوی شاگردِ جنابِ
لطافت مرحوم برادرِ خود

طبعِ آفاق نے وہ پھول کھلائے | کہ بنے صفحے دامنِ گلزار
جس طرف دیکھو جمع خرمنِ گل | جس طرف دیکھو پھولوں کے انبار
گندھے سطروں میں یہ گلِ مضمون | کہ بنائیں حسیں گلے کا ہار
کیوں نہ دوں لے کے یاضِ دوشیزگی | میری آنکھوں میں ہے چمن کی بہار
کیوں نہ بیچین فکرِ سال میں ہوں | چٹکیاں لے جو شوخیٔ گفتار

روز افزوں اشاعتِ دیوان
سالِ تاریخِ اشاعتِ اشعار
۱۳۲۴ھ

قطعۂ تاریخ

طبعِ دیوان جنابِ سیف شاہجہاں پوری شاگرد رشید
جنابِ جلال لکھنوی

چھپ گیا کس لطف سے دیوان جنابِ سیف کا | ہو مبارک پھول چننا سیف کے گلزار سے
مصطفیٰ خاں کی عقیدت رنگ لائی کس طرح | ورنہ یہ امید کس کو تھی خراجِ یار سے
شانِ استغنا بغایت دشمنِ نام و نمود | کیا تعلق طبعِ بے پروا کو ان افکار سے
ہم کو بھی ہونا پڑا منت گزارِ مصطفیٰ | سیف نے مانا بڑی سے بھی بڑی تکرار سے
دیکھنے کی چیز ہے حسنِ کلام و حسنِ طبع | بجلیاں دل پر گریں گی سیف کے اشعار سے
آبِ انگور آتشِ تر جنبشِ لب سے بنا | آگ پانی میں لگا دی گرمیٔ گفتار سے
سیف کا ہر مصرع برجستہ ہے لڑتا ہوا | یار کی ترچھی نظر سے ابروِ خمدار سے
زلف کے دل میں گرہ بندش ہے اس کی نشانہ | کھل کے ہوتی ہو ہمیشہ طرۂ طرار سے

قطعۂ تاریخ

طبعِ دیوان منشی شیام سندر لال صاحب برقؔ وکیل سیتاپور

دیوان برقؔ طبع ہو آب و تاب سے — جو شعر برق کا ہے وہ کرتا ہے کارِ برق
تاریخِ طبع بھی ہے دیواں کے ساتھ ساتھ — یہ میری یادگار ہے وہ یادگارِ برق
چمکا رہی ہیں برق کو اشعار برق کے — اشعار ہیں ہر برق کے تاب و شرارِ برق
جیسے چمن میں آتشِ گل ہو بہارِ گل — ہر شعلہ و شرار ہے گویا بہارِ برق
مٹھی میں ہے لئے ہوئے گویا بہارِ باغ — دیوان کا نقطہ نقطہ دلِ داغدارِ برق
دیواں کے صفحے صفحے میں ہیں بجلیاں بھری — دیواں کا حرف حرف دلِ بیقرارِ برق
برق و شرر ہیں مصرعِ برجستہ برق کے — یہ ہے تراوشِ قلمِ شعلہ بارِ برق
سب پوچھتے ہیں "کیا کہیں" دیوانِ برقؔ کو" — "گلزارِ برقؔ" اسے کہیں یا "لالہ زارِ برق"

کم کر کے نصف ہاں کے عدد تم کہو ریاضؔ
ہاں شعلہ زارِ برق ہے ہاں شعلہ زارِ برق

قطعۂ تاریخ

طبعِ دیوان نواب غلام حسین صاحب رئیس گنیش گنج ضلع بستی تخلص قمرؔ

چھپا اس حسن سے دیوان قمرؔ کا — کھلے ہر صفحے پر گلہائے اختر
زمانے کہکشاں نے سر سے تارے — قمرؔ پر یوں کئے موتی نچھاور

اُٹھی ساقی کے دل میں گدگدی کچھ — اُٹھایا جامِ گلگوں اس نے ہنس کر
حنائی دست ساقی جام بر کف — مرے لب پر لبِ گلرنگ ساغر

مرے ساقی کے لب پر ہے تبسم
مرے لب پر ہے جامِ آتش تر

۱۳۴۵ھ

دیگر

یہی مادۂ تاریخ زمین بدل کر

خوب دیواں قمر کا طبع ہوا — عالم افروز ہے شعاعِ قمر
کہکشاں سطر سطر دیواں کی — نقطہ نقطہ ہے ضوفشاں اختر
طبقِ نور ہر ورق ہے ریاض — لالہ زارِ شفق ہے جوبن پر
یہ شگوفے کھلائے اس کے ہیں — گلِ تر ہوں کہ ہوں گلِ اختر
ہر زمیں شعر کی فلک رفعت — ہر زمیں آسماں سے بڑھ کر
تارے عرشِ بریں کے توڑے ہیں — باندھے مضمون ایسے چن چن کر
اس طرح مے جھلکتی جام میں ہے — جس طرح ہو قمر میں نورِ قمر

چاند کی ٹھنڈی روشنی اس میں
اس کی تاریخ جامِ آتش تر

۱۳۴۵ھ

قطعۂ تاریخ

دیوان حسین خاں صاحب اختر برہان پوری شاگرد مولوی محمد عثمان صاحب آغب رستواہ برہانپور

بنا اختر کا دیواں پھولوں کا ہار — سلیقے سے گندھے گلہائے اختر

زمین شعر پہنچی آسماں پر — ستارے بن گئے گلہائے اختر

کہا کس نے یہ وقت فکر تاریخ — ہو گئے سب یہ گلہائے اختر

ریاض آئی لب اختر سے آواز

کہو اچھے کھلے گلہائے اختر

۱۳۵۲ھ

رباعیات

زمانۂ

سرسید مرحوم

۱

دنیا کے لئے ضرور ہے کچھ تگ و تاز
ہوگے نہ کبھی بغیر اس کے ممتاز
مذہب کی قید میں ہیں لاکھوں جھگڑے
روزہ رکھتے گلے پڑی آ کے نماز

۲

چلتا نہیں گھر میں کیوں تمہارا لٹکا
دل میں ہے یہ عورتوں سے کیسا کھٹکا
انگلش تعلیم سے وہ کیوں ہیں محروم؟
چلتی گاڑی میں یہ روڑا اٹکا ؟

پھل پھول تھے سب خزاں کے عالم کیلئے
پیری میں نہیں ریاض یہ رعشۂ دست
ہلتے ہیں ہاتھ اپنے ماتم کیلئے

۶

طوفان شباب نے اُٹھائے کیا کیا؟
پھر ہم کو نظر نشیب آئے کیا کیا؟
اب قعر لحد میں لاکے ڈالا ہم کو
پیری نے ہمیں کنوئیں جھنکائے کیا کیا؟

۷

قبر

یہ ایک مکان گور دربستہ ہے
معذور مسافر کمر بستہ ہے
کیا جانئے؟ کیا لحد میں جاکر گزرے؟
یہ قبر نہیں ہے راز سربستہ ہے

۸

بہار و خزاں

مُنہ بند کئے ہوئے کلی آتی ہے
لب کھولنے کو شگفتگی آتی ہے
سمجھا ہے خزاں کو دورِ گل نے ابھی

میں حرفِ غلط ہوں اس میں باطل کیا ہے؟

بخشے مجھ سے جو کوئی حاصل کیا ہے؟

کچھ بھی نہیں عکسِ بالمقابل میرا

میں کچھ نہیں تو مرا مقابل کیا ہے؟

۱۳

تعلّی

منقار جو کھولتا ہے طوطی میرا

ہر بات کو تولتا ہے طوطی میرا

ہو بلبلِ سدرہ کیا سخن سنج ریاضؔ

اس میں بھی تو بولتا ہے طوطی میرا

۱۴

بن کر مشتاق اہلِ محفل آئے

کس شوق سے لے کے دامنِ دل آئے

اللہ رے ریاضؔ! گلفشانی میری

چننے کے لئے پھول عنادل آئے

۱۵

محفل میں تو آئے بن کے بسمل آئے

ہر آنکھ میں آج خوں چکاں دل آئے

رو ئیں یہ لہو کہ کچھ تو آنسو بجھ جائیں

دامن وہ بھرے گلِ معانی سے ریاضؔ
اس نظم کا نکتہ چیں بھی گلچیں ہو جائے

۲۰

آگے مرے رنگِ غیر فق ہو جائے
لعل اُگلے جو سنگِ سینہ شق ہو جائے
میں وہ ہوں مرے کلامِ رنگیں سے ریاضؔ
دامانِ شفق ابھی ورق ہو جائے

۲۱

موزوں جو کئے ہیں شاہِ دیں کے اوصاف
بندش ہے چست اور مضموں ہیں صاف
ہر شعرِ بلند کا یہ رتبہ ہے ریاضؔ
چوٹی میں ثور کے پڑا ہے شگاف

۲۲

کرتا ہے سُوئے اوج اشارا ممبر
کیا چرخ کی آنکھ کا ہے تارا ممبر
مدحِ شہِ دیں نے سربلندی دی ہے
ہمپایۂ عرش ہے ہمارا ممبر

۲۳

ہیلی نہ کروں نظر جو مجھ کو زردیں

۲۷

کم گرمیِ کربلا ذرا تو ہوتی
چھائی ہوئی ہر طرف گھٹا تو ہوتی
پیاسوں کے لئے نہ تھا اگر آبِ فرات
ساحل سے ذرا خنک ہوا تو ہوتی

۲۸

غمِ شاہِ دین

احباب کا ذکر کیا؛ عدو روئے ہیں
سب بہرِ امامِ نیک خو روئے ہیں
روشن ہے یہ صاف لعلِ احمر سے ریاضؔ
اس رنج میں پتھر بھی لہو روئے ہیں

۲۹

خطاب بہ شخصِ خاص

اب کہنہ کلام و اہلِ فن کچھ بھی نہیں
پیشیں جو لکھیں یہ چلن کچھ بھی نہیں
یہ کام تو استخواں فروشی ہے ریاضؔ
ڈوبے ہوئے سورج کی کرن کچھ بھی نہیں

۳۰

بطرزِ دیگر

ہلال رمضاں

نازک مہ نو کچھ خط ساغر سے عیاں ہے
ساقی یہیں تیرے لب لعلیں کا گماں ہے
پینے کو مہ صوم میں راتوں کو ملے گی
موج مئے گلرنگ ۔ ہلال رمضاں ہے

۳۱

مہ صوم کی تعریف

روزے نہیں یہ نعمت ہیں سب باتیں ہیں
ہاں لطف نماز شب کی سوغاتیں ہیں
ہر دن ہیں مہ صوم کی تعریف یہ ہے
دن ہجر کے کچھ وصل کی کچھ راتیں ہیں

۳۲

لذت افطار

کیا پوچھتے ہو روزہ میں کیا ہوتا ہے
مسجد میں نماز صحبت رو ہوتا ہے
وہ لذت افطار وہ کیف افطار
تشنوں کا جو گھر میں مزا ہوتا ہے

۳۳

سحرِ عید

میخانے میں ہر وقت ہے یوں تو اثرِ عید
انتیسویں [۲۹] کی شب کو ملے گی خبرِ عید
کوثر کی ہو تو کیا! یہ مہِ صوم ہے ساقی!
پینے کے نہیں رند کبھی تا سحرِ عید

۳۴

ضعفِ پیری و صوم

ان ہاتھوں سے روز جامِ صہبا ٹوٹا
ان ہاتھوں سے بار بار مینا ٹوٹا
شرمائے خدا مرے بڑھاپے کو ریاضؔ
یہ ضعف ہے ایک بھی نہ روزہ ٹوٹا

۳۵

شامِ افطار رمضان

سانچے میں ڈھلی نور کے شامِ رمضاں ہے
شامِ رمضاں میں سحرِ عید نہاں ہے
"بنتا ہے گلرنگ تب ہر ظرف میں پانی"
ہو کوئی بھی ہر گھر میں تو مے کی دکاں ہے

۳۶

ہر ذرّہ سرشام ہے ناہید سے بڑھکر
پینے کا پلانے کا مزا ہم سے نہ پوچھو!
شامِ رمضاں ہے سحرِ عید سے بڑھکر

۴۰

کان میں آئی ہلالِ رمضاں کی آواز
تیس ۳۰ دن کو گئی اب پیرِ مغاں کی آواز
کوئی نسبت ہی نہیں قلقلِ مینا سے ریاض
ہائے روزے میں وہ مغرب کی اذاں کی آواز

۴۱

دل کے گرمانے کو ہے آتش تر لذتِ صوم
لے کے آئی ہے خداداد اثر لذتِ صوم
جیسے ہو نشۂ مے سے کوئی از خود رفتہ
محو رکھتی ہے ہمیں چار پہر لذتِ صوم

۴۲

صوم میں لوٹتے ہیں روز تلاوت کے مزے
بڑھ کے نعمت سے ہیں اللہ کی رحمت کے مزے
وقتِ افطار پہنچ جاتے ہیں مسجد میں ریاض
گھر میں اللہ کے آ جاتے ہیں دعوت کے مزے

۴۳

رندنا کام کو کچھ نشہ سا ہو جاتا ہے

ہاں یونہی نام کو کچھ نشہ سا ہو جاتا ہے

ممنون ہے اے لذت انتظار میں تو بھی

ب پئے شام کو کچھ نشہ سا ہو جاتا ہے

۴۴

میخانے میں کیسا ہے نمایاں رخ عید

بن کر مہ نو آئی ہے دینے خبر عید

انگلی ہے یہ کھنچے ہوئے موج آتش تر کی

انتیسویں کو شام دیتی ہے سحر عید

۴۵

رزق اللہ کے رحمت میں مسلماں ہم ہیں

ابو کہ جن کے لئے نعمت دو زماں ہم ہیں

گھر میں افطار کو گو کچھ نہیں مسجد تو ہے

گھر ہے اللہ کا اللہ کے مہماں ہم ہیں

در صفت

لفٹنٹ خان بہادر جمشید علی خاں صاحب

رئیس باغپت ضلع میرٹھ

حسب فرمائش

جناب عارف پنشنر منصرم

۱

بزمِ جمشید ہے بے مثل کہ چرخِ نہم
بزمِ جمشید کے ہر جام سے کم چرخ کا خم
بزمِ جمشید کی مینا بھی ہیں عیسیٰ آواز
بزمِ جمشید کی قلقل بھی ہے اعجازِ "قم"

۲

مے جمشید پیو! کون ہے؟ تم سے بڑھ کر
جامِ جمشید تو ہے چرخ کے خم سے بڑھ کر
لبِ جمشید کی ہر بات ہے اعجازِ ریاضؔ
لبِ جمشید کی ہر بات ہے "قم" سے بڑھ کر

۳

باغپت منزلِ خورشید، مقامِ خورشید
اس سے ظاہر ہے جو ہے رفعتِ بامِ خورشید
آئے جو تشنہ دہن، وہ ہو کر سیراب

دونوں تھی شوخ حشر میں قاتل کے آتے ہی ۔۔۔ کس طرح میری خون سے رنگِ حنا ملا

ہم کو ی غیر سے پھرے اپنا سا منہ لئے ۔۔۔ ہم کو نہ تو ملا نہ ترا نقشِ پا ملا

ایسے ندیدے آئینہ دل ہی اور وہ ۔۔۔ خوب آرسی کے بدلے انہیں آئینا ملا

توبہ شکستِ توبہ بھی دونوں تھی ساتھ ساتھ ۔۔۔ اس طرح لطف پینے میں جا سی سوا ملا

آنے میں روک ٹوک نہ جانے میں روک ٹوک ۔۔۔ ہم جب گئے ہمیں درِ میخانہ وا ملا

بیتاب بندہ غالب جو میں بیئوں مگر ۔۔۔ جب خضر آئے تب مجھے آبِ بقا ملا

جیسے کسی نے پی ہی نہیں وہ حرام شے ۔۔۔ ہر رند میکدے میں ہمیں پارسا ملا

یہ یاد تو رہے کہ ملے ہیں ریاض سے

او آنے والے ہاتھ تو ہم سے ذرا ملا

[یہ نامکمل غزل خیرآباد کے ایک قوال سے دستیاب ہوئی]

شور تھا بوتل اُٹھے مینا اُٹھے ساغر اُٹھے ۔۔۔ اتنی ساقی نے پلا دی رند توبہ کر اُٹھے

بزمِ محشر سے غلامِ ساقیِ کوثر اُٹھے ۔۔۔ آ ڈلے یارانِ میخانہ ذرا ساغر اُٹھے

کچھ ہمارے کان پھونکے اس طرح ناقوس نے ۔۔۔ بتکدہ سے جب اُٹھے تو بن کے ہم پتھر اُٹھے

کیا ہماری جان لینے کو کوئی بات اُٹھ رہی ۔۔۔ وہ اُٹھے دشمن اُٹھے چھریاں اُٹھیں خنجر اُٹھے

اُٹھتے ہیں طوفِ حرم کو ہم بھی یہ زاہد ٹھہر ۔۔۔ دور آخر ہے یہ ساغر کا ابھی پیکر اُٹھے

جاتے جاتے عرصہ گاہِ حشر تک جو حال ہو ۔۔۔ اُٹھتے اُٹھتے قبر سے سو فتنۂ محشر اُٹھے

غلط نامہ

حصہ اول

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۱۲	کعبۂ دل مری	کعبۂ دل میں مری	۳۷	۸	تک ہاے	تک گیا ہاے
۳	۱۸	حاے	جاے	۳۷	۱۵	وہ ہے	ہے وہ
۶	۱۹	سننا پڑا	سُننا پڑا	۳۷	۱۷	گور	قبر
۷	۱۵	تھی	اور	۳۸	۸	عہدِ بنان	عہدِ بتان
۸	۴	پہ	پر	۳۸	۱۲	بھی	ہی
۱۲	۳	بڑا	بزرا	۴۱	۱۷	کلبجا	کلیجا
۱۹	۲	سماما	سمایا	۴۲	۱۳	دباتا	دبانا
۲۴	۴	ہزار	ہر ناز	۴۲	۱۴	کس	اس
۲۵	۸	امید ہو کہ	الفتِ بت جو	۴۲	۱۷	تو نہ آیا	تو آیا
۲۶	۱۸	گر	گو	۵۲	۹	کعبہ	کعبے
۲۷	۱۴	نہ اس	یہ اس	۵۵	۷	ممبر	منبر
۳۷	۳	بہ	یہ	۵۷	۲	شوق	شوخ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۱	۷	نعلین	لعلین
۱۱۲	۶	دیکھنے	دیکھتے
۱۱۶	۴	یوچھو	پوچھو
۱۲۳	۱۲	ختمرے	ختم ہے
۱۲۶	۲	منتل	مقتل
۱۲۷	۱۱	آنی	آئی
۱۲۵	۲	آزرر	آبرو
۱۲۹	۹	خوب رو	خوبرو
۱۳۰	۶	کم گشتگی	گمگشتگی
۱۳۳	۳	آساں	آسمان
۱۳۳	۱۵	بلائے	بالائے
۱۳۴	۱۰	پیچھے	پیچھے پیچھے
۱۳۴	۱۴	جاتا	جانا
۱۳۷	۱۲	دکھائیگی	دکھائینگی
۱۳۸	۱۷	گو ہوں	وہ ہوں
۱۴۰	۳	شمع رو	شمع وگل
۱۴۱	۳	بلال	ہلال
۱۴۱	۱۸	بھی	بہی
۱۴۲	۱۹	کوئی	کوے
۱۴۵	۲	اس کی	ان کی
۱۴۹	۲	خوس	خوش
۱۵۰	۳ ۶	خضاب فروش	وہ خضاب فروش
۱۵۴	۲	فقر	فقرہ
۱۵۷	۱۱	کر	کو
۱۵۹	۱	سرخ	شوخ
۱۶۴	۱۰	بھگولی	بھگولے
۱۶۸	۶	شکفتگی	شگفتگی
۱۶۸	۱۴	ہوچلی	ہو چلے
۱۷۰	۱۸	تھاتے	تھالے
۱۷۶	۴	معرکےمیں	معرکے ہیں
۱۷۶	۹	ریاص	ریاض
۱۷۸	۱۳	مزے	مرے
۱۸۰	۱۳	سو	ہو
۱۸۳	۶	آرآم	آرام
۱۸۳	۱۹	کچھ بن	ہیں
۱۸۵	۶	سونپ تے	سونپتے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۴۴	۱۷	میں	ہیں
۲۴۸	۱	کے	؟
۲۵۴	۱۷	اک	ایک
۲۵۵	۴	ہیں	میں
۲۵۵	۶	نہیں	بنیں
۲۵۸	۴	نید	نیند
۲۶۱	۱۰	نبیض	نبیذ
۲۶۲	۸	ٹوٹتا	لوٹتا
۲۶۴	۸	مضامیر	مزامیر
۲۶۷	۱۵	میں	ہیں
۲۷۱	۱۵	بوائیں	ہوائیں
۲۷۲	۷	میخانے کا ڈر	میخانے کا در
۲۷۳	۴	ہوکے	ہوکر
۲۷۴	۶	وچیز	وہ چیز
۲۷۵	۱۸	ذار	زار
۲۸۱	۹	عضو	عفو
۲۸۴	۱۳	آب رواں	ابرواں
۲۸۷	۵	گیسوے	گیسو
۲۹۱	۱	بڑے	بُرے
۲۹۱	۶	لوٹ تے	لوٹتے
۲۹۲	۱۱	میں	بھی
۲۹۶	۱۸	مزا	مرا
۲۹۸	۹	کہا	کہے
۲۹۹	۷	اٹھائی	اٹھالی
۳۰۰	۳	اُلجھے	الجھے
۳۰۱	۳	مٹاے	مناے
۳۰۲	۱	چلتی ہیں	چلتے ہیں
۳۰۲	۱۲	ملتے چلنے	ملتے چلتے
۳۰۴	۱۰	باقی نہیں آتی	پیاسی نہیں آتی
۳۰۵	۱	ذرّہُ	ذرّہ
۳۱۲	۱۶	کٹوے گی	کٹوائے گی
۳۲۲	۱۵	کا	کو
۳۲۲	۱۹	گیسوؤں والو	گیسو و والو
۳۲۷	۵	ایک	اک
۳۲۸	۱۹	بہاں	جہاں
۳۲۹	۱۵	گرگ	گزک
۳۳۰	۳	سرپہ	سرپر
۳۳۳	۶	لب سے کبھی	کچھ لب سے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۶۸	۶	نظر دوستاں	نظر بر دوستاں	۴۷۶	۲	ے	ھے
۴۷۱	۱	عحب	عجب	۴۷۶	۱۸	سوے	سو
۴۷۵	۱۰	میں	×				

نوٹ:- صفحہ ۴۷۴ و صفحہ ۴۷۵ پر (۱۱) اشعار مکرر آگئے ہیں۔

حصہ دوم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۸۵	۶	تو	×	۵۱۲	۵	بادہ باد	یاد آباد
۴۹۲	۱۰	پُر آذر	پُر از زر	۵۱۶	۱۴	دل کی ضرور	دل کی کوئی ضرور
۴۹۳	۱۸	۱۳۱۰ھ	۱۳۱۸ھ	۵۲۱	۱۹	رخ آتے	رخ پر آتے
۴۹۵	۱۳	ہو	ہوں	۵۲۶	۵	چشم	حشم
۴۹۹	۲	یہ	بہ	۵۳۶	۹	بٹلر ٹیڈنگ	بٹلرو ریڈنگ
۵۰۱	۴	بیاں	گماں	۵۳۶	۱۳	قدر منزلت	قدر و منزلت
۵۰۴	۱۴	خدا	فدا	۵۳۶	۱۸	ذات	رات
۵۰۸	۲	پڑھایا	بڑھاپا	۵۳۷	۱۹	۔	۱۹۲۲ء
۵۰۹	۱۱	ابر دامن	ابر نیساں	۵۳۹	۱۹	کہ رراسنی	کہ راستی

ضمیمہ

غلط ہے اگر سمجھ لیا جائے کہ قبلہ مرحوم کا تمام کلام تدوین میں آگیا۔ کئی ایک غزلیں اور نظمیں میرے ذہن میں گھوم رہی ہیں جو انہوں نے مجھ کو سنائیں اور ان مجموعوں میں نظر نہیں آتی ہیں۔

جرائد قدیم میں اگر چھان بنان کی جائے اُن کے وسیع دائرۂ احباب میں اگر خط و کتابت کی جائے ملک اور ملک کے اہلِ ذوق اگر توجہ فرمائیں ایک تیسرا، چوتھا مجموعہ بھی مدون ہوسکتا ہے۔

ان کی "نثر" ان کی "نظم" سے بھی بلند پایہ سمجھی جاتی ہے۔ دیکھیں اس کی نوبت کب آئے اور یہ سعادت کس کو نصیب ہو۔ ۱۲

۸ راپریل ۱۹۳۷ء

پڑھتا۔ اب یہ کیفیت ہے کہ کئی روز سے الناظر آیا ہوا رکھا ہے اس میں مرحوم کی آخری غزل طبع ہوئی ہے کئی مرتبہ پڑھنا چاہا مگر نہ پڑھ سکا۔ صرف مقطع پر اکتفا کی :-

نشۂ مے سے جواں بنتے ہیں پیری میں ریاضؔ
وقت ہے توبہ کریں اب قبر کا سامان کریں

کثیر الاحباب بہت لوگ ہوتے ہیں مگر حضرت ریاضؔ کا وصفِ خاص یہ تھا کہ ہر مشرب ہر طریق ہر حیثیت کے لوگ ان کے احباب میں داخل تھے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بچے جوان بوڑھے سب ان سے یکساں بے تکلف رہا کرتے تھے حضرت مرحوم دس برس کی عمر میں اپنے والد (سید طفیل احمد مرحوم) کے ہمراہ گورکھپور آئے اور چالیس برس سے زیادہ مستقلاً گورکھپور میں رہے۔ میرے والد چچا ماموں ان کے ساتھ کے کھیلے ہوئے ہیں اور وہ عمر میں ان سب سے بڑے تھے مگر اپنے والد کے دوسرے ہمنشینوں کے سامنے مجھے جس ادب و لحاظ کی ضرورت تھی حضرت ریاضؔ کے لئے اس کی ضرورت نہ تھی۔ ان سے ایک عجیب عقیدت و ارادت ہو گئی تھی۔ کچھ نہ بھی لکھ کر دکھایا کرتا تھا۔ ان کے اشعار عطر فتنہ میں چھپتے تو اسے محفوظ رکھتا۔ بچپن ہی میں ان کے بہت سے اشعار یاد ہو گئے تھے۔ عمر زیادہ ہوئی تو طبعاً ان کے دیوان کے دیکھنے کا خیال پیدا ہوا مگر دیوان تھا کہاں کہ دیکھتا دل میں یہ ولولہ پیدا ہوا کہ چھپنا چاہئے۔ مجھے واقعتاً معلوم نہیں کہ مجھ سے پہلے ان کے دیوان کے طبع کے لئے کن کن لوگوں نے تحریکیں کیں مگر قیاساً یہ سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی تحریکیں ضرور ہوئی ہوں گی اور حضرت مرحوم نے اپنی وسیع الاخلاقی سے تا حدِ پذیرائی سعی کرنا بھی نہ کیا ہو گا مگر میرے دیکھتے دیکھتے متعدد اصحاب دیوان کی صورت

عرض کر دیا کہ حضور کی زحمت فرمائی کی ضرورت ہی کیا ہے یہ معلوم ہو جائے کہ
کس قسم کے اشعار کا حذف کرنا مدنظر ہے میں خود اس قسم کے تمام اشعار کو خارج
کر دوں مثلاً یہ شعر بتایا گیا ؎

کسی سے وصل میں سنتے ہی جان سوکھ گئی چلو ہٹو بھی ہماری زبان سوکھ گئی

حضرت ریاض تو سنتے ہی سناٹے میں آ گئے مگر سخن بروفق مراد بادشاہان
باید گفت اظہار اتفاق کر کے چلے آئے۔ مجھ سے فرمایا کہ شعر تو شائع ہو چکا بلکہ
زباں زد ہو چکا اب خارج کروں تو کیسے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر آپ خارج بھی
کر دیں گے تو میں اس قسم کے تمام اشعار کو یکجا کر کے ایک ضمیمہ شائع کر دوں گا۔
ادھر حضرت مرحوم اس غلجان میں پڑے اُدھر مہاراجہ بہادر قومی معاملات اور پھر
سرکاری ملازمت میں منہمک ہو گئے۔ طبع دیوان کی طرف چنداں خیال نہیں رہا۔
سمجھ لیا گیا کہ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔

اب پھر گورکھپور کا نمبر آیا۔ حضرت مرحوم کا خیال ہوا کہ ایک خاص اڈیشن
بھی ہو اور جو لوگ پچاس روپے دیں اُن کے نام اُس میں طبع ہو جائیں اور
اس قسم کے تمام نسخوں پر حضرت مرحوم دستخط بھی فرما دیں۔ فہرست کھلی، نام لکھے گئے
میں نے بھی لکھنے۔ ارشاد ہوا کہ اتنا اور لکھ دو کہ ؏ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز۔
یہ بھی لکھ دیا مگر کام کچھ آگے نہ بڑھا۔ اس مرتبہ سرگرم کار مولوی فاروق صاحب ایم۔
یس۔ سی اور سید جمشید علی صاحب رئیس تھے۔ یہ دونوں اصحاب کل مصارف اپنے
جیب سے ادا کرنے پر آمادہ تھے مگر دیوان اب بھی پردۂ خفا سے عرصۂ شہود پر نہیں
آیا۔ ایک طرف سے تقاضا اور دوسری طرف سے وعدہ ہوتا رہا تا آنکہ یہ معاملہ بھی

واقعہ ہے میں جانتا ہوں اور بعض دیگر احباب بھی جانتے ہوں گے کہ مرحوم کی دلی تمنا یہ تھی کہ دیوان طبع لکھنؤ میں ہو مگر اشاعت گورکھپور ہی سے ہو اور گورکھپور کے اصحاب کی طرف سے ہو۔ آخر ۱۹۳۱ء میں خان بہادر مولوی محمد اسمٰعیل صاحب بیرسٹرایٹ لا اور مولوی رضوان اللہ صاحب بی۔ اے ایل ایل بی نے کمر ہمت باندھی اور یہ تہیہ کر لیا کہ روپیہ بلا تاخیر نقد جمع ہو جائے۔ "حضرت ریاضؔ" کے دیوان کے لئے روپیہ کون نہ دیتا اور پھر ایسے دو اصحاب کی سرگرمی۔

غرض ستائیس برس کی گفت و شنید اور وعدہ وعید کے بعد ۱۹۳۲ء میں یہ ہوا کہ حضرت مرحوم نے اوائل سنہ میں دیوان کا ابتدائی حصہ اور بعد کو بقیہ حصہ مرتب کر کے حوالے کر دیا۔ اگر میں یہ کہوں تو کچھ بیجا نہ ہوگا کہ جن لوگوں نے اس دیوان کے طبع کی فکر و کاوش میں ایک عمر گزار دی تھی ان کی جان میں جان آ گئی۔

میں ۱۳ مئی کو گورکھپور پہنچا۔ حضرت مرحوم ۱۲ مئی کو تشریف لائے اور دس روز میرے ہی یہاں قیام فرما رہے۔ میں ان دنوں اپنے ماموں (خان بہادر مولوی حمید اللہ صاحب) کی علالت کی وجہ سے پریشان تھا۔ سارا وقت ممدوح کے وہاں گزرتا۔ دن میں بارہ ایک بجے اور شب میں دس گیارہ بجے آتا۔ مرحوم سے جی بھر ملنے کا موقع نہ ملتا تھا مگر حضرت مرحوم کی موجودگی تحریک کے لئے کافی تھی۔ قدردانان ریاضؔ دیوان کے مراحل طے کرتے رہے۔ منشی علی حسن صاحب کتابت کے لئے تجویز ہوئے اور منشی دین محمد صاحب طباعت کے لئے۔ حضرت مرحوم دیوان دو رنگ میں چھپوانا چاہتے تھے یعنی جدول سرخ ہو اور محض جدول نہ ہو بلکہ باریک انگوری بیل ہو۔ نمونہ طبع ہوا اور حضرت مرحوم نے پسند فرما لیا اور یہ طے ہو گیا کہ کام کا اجرا ہو جائے۔

ترمیم یاد ہے۔ ریاض فرماتے ہیں:۔

لاشہ ہے میرا یا مئے رنگیں کی موج ہے　　　تربت ہے میری یا کوئی بوتل شراب کی

ترمیم ہوئی۔

لاشہ ہے میرا یا کوئی بوتل ہے سربمہر　　　تربت ہے میری یا کوئی بھٹی شراب کی

اس میں شبہ نہیں کہ تشبیہ میں ترقی ہوگئی ہے مگر اس طرح کی ترمیموں سے سارا دیوان مبدل ہو جاتا تو وہ ریاض کا کلام نہ رہتا۔ حضرت مرحوم نے اس موقع پر بھی خلقی مروت سے کام لیا اور دیوان کو وقفِ اصلاح کر کے چلے گئے۔ مجھے سخت خلاف ہوا میں نے یہ کہہ دیا کہ اس دیوان میں ترمیم نہیں ہوگی' یہ ممکن ہے کہ ترمیمات کا ایک ضمیمہ لگا دیا جائے' مشکل یہ ہوئی کہ ترمیم نہ آج ختم ہوتی ہے اور نہ کل۔ مجھ سے اور حضرت مرحوم سے برابر مراسلت رہی۔ تین مہینے ہوئے کہ حضرت مرحوم نے پُر معنی الفاظ میں یہ اطلاع دی کہ "مولوی صاحب نے جملہ قیود اٹھا دیئے اور دیوان رضوان اللہ کے حوالہ کر دیا' دیوان آ جائے تو لکھنؤ جا کر کتابت کا انتظام کر دوں" کسی شاعر کے کلام میں ترمیم کی جائے اور وہ ترک ترمیم کو "قیود اٹھا دینے" سے تعبیر کرے' یہ حضرت مرحوم ہی کا اخلاق تھا۔

لیکن تدبیر کند بندہ و تقدیر کند خندہ۔ مولوی رضوان اللہ صاحب کچھ تردد میں گرفتار ہو گئے۔ دیوان کی روانگی میں تاخیر پر تاخیر ہوتی گئی تا آنکہ خود حضرت مرحوم چل بسے۔ کاش مولوی سبحان اللہ صاحب کے ذہن میں ترمیم کا خیال نہ آیا ہوتا تو حضرت مرحوم کی زندگی میں دیوان اگر مکمل طبع ہو کر شائع نہ ہو جاتا تو اس کا ایک معتد بہ حصہ ضرور چھپ گیا ہوتا۔ دل کا کچھ بار ہلکا ہو جاتا۔ طبع دیوان کی

صدی کے اوائل تک گورکھپور میں کچھ خوش وقت اصحاب باقی تھے مولوی محبیب اللہ
مرحوم (وکیل و وائس چیرمین میونسپل بورڈ) اور بابو موہن سنگھ آنجہانی (سکرٹری میونسپل
بورڈ) ہر بزم کی روح رواں تھے۔ مرحوم مولوی احسان اللہ عباسی (وکیل و مصنف
تاریخ الاسلام وغیرہ) کی رائے روشن تمام مہمات امور میں سنۂ ضروریہ کی طرح لازم تھی۔
منشی چھوٹو لعل متوفی (وکیل) اصحاب حل وعقد کے مسلّمہ صدر تھے۔ تبرک کے لئے
خان بہادر منشی محمد خلیل مرحوم و مغفور (چیرمین میونسپل بورڈ) کی برگزیدہ ہستی سایہ فگن
تھی۔ مولوی سبحان اللہ صاحب رئیس کا عنوان شباب تھا۔ ہر طرح کی سعادت کے لئے
ذات موفور السرور کافی سے زیادہ تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مسٹر سید حبیب اللہ
بیرسٹرایٹ لا گورکھپور میں اسسٹنٹ مجسٹریٹ اور مصالح قومی و ملکی کے لئے وقف تھے۔
جہاں اتنے اصحاب خبرت و ارباب فکرت جمع ہوں وہاں کسی اختراع دماغی کے بروئے
کار آجانے میں کیا دیر لگتی ہے۔ رزولیوشن پاس ہو گیا کہ ایک کمپنی قائم کی جائے اور
ایک روزانہ اخبار نکالا جائے اور منشی سید ریاض احمد صاحب معتمد و موتمن ہوں اگر
معاملہ یہیں تک رہتا تو باغلب وجوہ خیریت سے گزر جاتا مگر زمانہ جدید کی مطابقت اور
عاقبت اندیشی کی کسر رہ جاتی لہذا قرار پایا کہ کمپنی کی رجسٹری کرادی جائے۔ رجسٹری
ہوگئی۔ کچھ روپیہ بھی جمع ہوگیا اور اخبار (ضلع کل) کا اجرا عمل میں آگیا جس شخص نے
پولیس کی ملازمت اس طرح کی ہو کہ کبھی وردی نہ پہنی ہو اور ریاض الاخبار کے بقایا
کی وصولی کی بہترین تدبیر یہ سمجھتا ہو کہ بقایا نہ وصول ہو گا تو اخبار میں نام شائع کردیا جائیگا
اس پر جب تعمیل ٣٦ رجسٹروں کی خانہ پُری کا بوجھ پڑ جائے گا تو انجام معلوم۔ ایک پلنگ
تھا اور حضرت ریاض تھے اُسی پر لکھنا اُسی پر کھانا اور اُسی پر سو رہنا کسی شب میں

اور دروازہ کھول کر بکس گرا دیتے ہیں اور چلتی گاڑی پر سے کود جاتے ہیں۔
انٹر کلاس میں یہ واردات زیادہ ہوتی ہے۔ حضرت ریاض کا وہ بکس جس میں دیوان تھا اسی طرح غائب ہوا۔ ایک مرتبہ خود میرا ایک بکس جس میں کاغذات تھے اسی طرح جاتے جاتے بچ گیا۔ چور نے دروازہ کھول کر بکس کھینچا ہی تھا کہ ایک مسافر کی آنکھ کھل گئی اور اس کی آواز پر وہ شخص بکس کو چھوڑ کر ریل پر سے کود گیا۔ چالیس برس سے زائد کے سرمایۂ حیات کے اس طرح ہاتھ سے جاتے رہنے کا حضرت ریاض پر کیا اثر پڑا ہوگا اس کا اندازہ دشوار ہے۔

جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ حضرت مرحوم اگرچہ سخت دلگیر تھے مگر کمر ہمت باندھی اور مختلف ذرائع و وسائل سے از سرِ نو دیوان جمع کرنا شروع کیا۔ مگر قدرت کو ابھی ایک نیا کھیل کھیلنا تھا اور یہ مرحوم کی زندگی میں دوسرا پلٹا تھا۔

۱۹۰۹ء میں ایک ناکردہ گناہ کا الزامِ قتل میں ماخوذ ہونا حضرت مرحوم کا پیروی مقدمہ میں دن کا رات اور رات کا دن کر دینا کچھ عجیب عالم تھا۔ میں اُس وقت اور اس حالت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا جب مرحوم ایک نظم لکھ کر لائے :-

موت آئے تو نہ معلوم ہو آنا اُس کا　　جان جائے تو نہ معلوم ہو جانا اُس کا

دو شخصوں کو سزا ہو گئی۔ اپیل میں ایک کو رہائی ملی دوسرے کی سزا تغیر کے ساتھ بحال رہی۔ چندے بعد اس کی بے قصوری بھی ثابت ہوئی اور اُسے بھی رہا کیا گیا۔ مگر اُس سے حضرت مرحوم کی زندگی میں ایک اہم تغیر واقع ہوا۔ حضرت مرحوم مذہب کے پابند تو ہمیشہ سے تھے مگر ظاہر ایسا بنا رکھا تھا کہ لوگ انھیں صرف شاعر قال نہیں بلکہ

ہوسکتا۔ لوگ طبع دیوان کے تقاضے کرتے تھے حضرت ریاض وعدے کرتے رہتے تھے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ (سنہ ۱۹۰۸ء سے سنہ ۱۹۱۱ء تک کی) تین برس کی گردش کے بعد جب اُنھیں ذرا سکون حاصل ہوا تو اُنھوں نے ازسرِنو دیوان جمع کرنا شروع کیا۔ ان کی کوئی غزل ایسی تو تھی نہیں جو کہیں نہ کہیں شائع نہ ہو چکی ہو مگر اُن اخباروں اور رسالوں کا ملنا دشوار تھا۔ اسی سلسلہ میں اُنھوں نے بہت سی غزلیں ایسی بھی کہیں جو محض تکمیل دیوان کی ضرورت سے کہی گئی تھیں سنہ ۱۹۲۳ء یا سنہ ۱۹۲۴ء تک انھیں اس معاملہ میں معذور سمجھا جا سکتا ہے مگر اس کے بعد جو تاخیر ہوئی وہ محض دو وجہوں سے ہوئی۔ اول یہ کہ وہ اپنے دیوان کو زائد از ضرورت مکمل بنانا چاہتے تھے، دوسرے طباعت کے متعلق اُن کے خیالات اس قدر بلند تھے کہ کسی مطبع کا اُن سے عہدہ برآ ہونا ذرا دشوار تھا۔ ایک مرتبہ تو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ دیوان جرمنی میں طبع ہونا چاہیے۔ اگر یہ دو خیالات حائل نہ ہوتے تو اُن کا دیوان اب سے سات آٹھ برس قبل طبع ہو جاتا اور بعد کے اڈیشن میں اضافے ہوتے رہتے

لیکن سچ جو کچھ ہوا حضرت مرحوم کی عمر، اُن کی صحت، اُن کے آلام و افکار کو دیکھتے ہوئے ان کا مسلسل بیس برس تک دیوان کے اجزائے متفرقہ کے جمع کرنے ترتیب دینے اور کمیوں کے پورا کرنے میں منہمک رہنا ایک مافوق الطاقت واقعہ ہے۔ ہزار آفریں اُن کی ہمت پر اور صد ہزار آفریں ان کے ثبات و استقلال پر کہ انھوں نے اس کام کو انجام کو پہنچا دیا۔ وہ خود منتفع نہیں ہوئے مگر اُردو ادب کو لازوال نفع پہنچا گئے۔ اگر خود مرحوم نے اس قدر تکلیف برداشت کر کے دیوان کو مرتب و مدون نہ کر دیا ہوتا تو "ریاض کا کلام" صرف اُن

چند غزلوں کا مجموعہ رہ جاتا جو تاجران کتب جمع کر کے ردی کاغذ پر چھاپ دیتے۔
مجھے توقع ہے کہ جن بزرگوں کے ہاتھوں میں اس وقت دیوان کا کام ہے۔
اُن کے لئے یہ چار غلطیاں کا فائدہ دینے کا کام دے گا اور دیوان جلد از جلد
طبع ہو کر روشناس عالم ہوگا۔ انشاء اللہ القدیر۔

آخری مرحلہ طبع دیوان

از
جناب مولوی سید رضوان اللہ صاحب
بی۔ اے۔ ایم۔ ال۔ اے

بحمد للہ کہ مجھ ناچیز کی سعی میرے محترم بزرگ جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے کی مخلصانہ ہمدردی اور کاوش کی بدولت کامیاب ہوئی۔ محترمی حضرت ریاض مرحوم کے کلام کی طباعت اور اشاعت کا مسئلہ غالباً میرے شعور سے پیشتر ان کے احباب میں اکثر زیر غور رہا مگر باوجود جناب مہاراجہ سر محمد علی محمد خاں بہادر مرحوم والئے محمود آباد، اپنے مشفق اور والد محترم جناب سید مولوی محمد سبحان اللہ صاحب کے پیہم اصرار کے حل نہ ہوسکا۔ حسن اتفاق سے جولائی ۱۹۳۲ء میں گورکھپور میں آل انڈیا مشاعرہ منعقد ہوا جس میں شرکت کی دعوت جناب ریاض صاحب مرحوم کو بھی دی گئی۔ وغالباً ان کے تمام جاننے والوں کو معلوم ہوگا کہ وہ عرصہ سے مشاعرہ میں غزل پڑھنا ترک کرچکے تھے۔ تاہم ان کا جو مضبوط تعلق گورکھپور و اہل گورکھپور کے ساتھ رہا ہے اس کی وجہ سے ان کی شرکت گورکھپور کی بزم علم ادب میں بیشتر ضروری سمجھی گئی اور وہ بھی اپنی بزرگانہ شفقت سے ہمیشہ سرپرستی فرماتے رہے۔

ریاض صاحب مرحوم کی اہلیہ محترمہ اور ان کے خلف اکبر سید انجم نے پورے طور پر بقیہ حصہ دیوان کو مرتب کرکے شائع کرنے میں کمال امداد فرمائی۔ اس طویل عرصہ میں بہت سی دشواریاں پیش آتی رہیں لیکن خدا کا فضل ہے کہ وہ ہماری کوشش میں حائل نہ ہوسکیں۔ اس میں شک نہیں کہ دیوان کی طباعت واشاعت میں کافی توقف ہوا جس کے متعلق میں ان جملہ اصحاب سے معافی کا خواستگار ہوں جو حضرت ریاض مرحوم کے کلام سے لطف اندوز ہونے سے اب تک محروم ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہوئی کہ گورکھپور میں طباعت کا خاطر خواہ انتظام ضرورت اور موقع کے مطابق نہ ہوسکا اور مجبوراً اس کام کی تمام ترذمہ داری برادر محترم جناب قاضی تلمذ حسین صاحب پر ڈالنی پڑی اور آج مجھے مسرت ہے کہ انہوں نے مجھے ایک بہت اہم فرض سے سبکدوشی کا موقع دیا۔ میں ان تمام حضرات کا جنہوں نے مجھ کو اس سلسلہ میں مدد دی ہے اور بالخصوص جناب سید نیاز احمد صاحب اور جناب قاضی تلمذ حسین صاحب اور جناب محمد اسمٰعیل صاحب اور جناب حکیم عارف صاحب ایڈیٹر شاہکار کا بیحد شکر گزار ہوں کیونکہ اگر ان سب حضرات کی توجہ اور امداد شامل نہ ہوتی تو مجھ جیسے حقیر سے اس فرض کی ادائیگی ناممکن تھی۔

یکم جون ۱۹۳۹ء